فہرست عنوانات

بقية كتاب الوقف

الفصل الثالث عشر فی مکبر الصوت

(مسجد میں لاؤڈ اسپیکر اور اس کے استعمال کا بیان)

الفصل الرابع عشر في صرف مال المسجد في غيره

(مسجد کے پیسے کا دوسری جگہ استعمال کرنے کا بیان)

الفصل الخامس عشر فی صرف المال الحرام فی المسجد

(مسجد میں حرام مال صَرف کرنے کا بیان)

الفصل السادس عشر فی صرف مال الکافر فی المسجد

(مسجد میں کافر کے مال کو صرف کرنے کا بیان)

الفصل السابع عشر فی جمع التبرعات للمسجد بطریق الاکتتاب

(مسجد کے لئے چندہ جمع کرنے کا بیان)

الفصل الثامن عشر فی بناء المسجد فی ملک الغیر

(غیر کی زمین میں مسجد تعمیر کرنے کا بیان)

باب آداب المسجد

الفصل الأول فيما يستحب في المسجد وما يكره

(مسجد میں مستحب اور مکروہ کاموں کا بیان)

الفصل الثانی فی النیام والقیام فی المسجد

(مسجد میں سونے اور ٹھہرنے کا بیان)

الفصل الثالث فی دخول الجنب والحائض فی المسجد

(مسجد میں جنبی اور حائضہ کے داخل ہونے کا بیان)

الفصل الرابع فی دخول الکافر فی المسجد

(غیر مسلم کا مسجد میں داخل ہونے کا بیان)

الفصل الخامس فی إدخال الأشیاء المنتنة فی المسجد

(مسجد میں بدبودار چیزوں کے داخل کرنے کا بیان)

الفصل السادس فی زخرفة المساجد والکتابة علیها

(مسجد کے نقش ونگار اور اس پر لکھنے کا بیان)

الفصل السابع فی البیع والشراء فی المسجد

(مسجد میں خرید وفروخت کرنے کا بیان)

الفصل الثامن فی الاکتتاب فی المسجد

(مسجد میں چندہ کرنے کا بیان)

الفصل التاسع فی الحفلات للوعظ والأناشید فی المسجد

(مسجد میں وعظ ونظم کی محفلوں کا بیان)

الفصل العاشر فی المزامیر عند المسجد

(مسجد کے قریب موسیقی وغیرہ کا بیان)

باب المتفرقات

باب المصلّٰی

(عیدگاہ کا بیان)

بابٌ في أحكام المقابر

(قبرستان کے احکام کا بیان)

باب ما يتعلق بالمدارس

الفصل الأول في تولية المدارس ونظمها

(مدارس کے نظم ونسق اور اہتمام کا بیان)

الفصل الثاني في مصارف المدرسة واستبدالها

(مدرسہ کے مصارف اور اس کو بدلنے کا بیان)

الفصل الثالث فی بیع وقف المدرسة والتصرف فیه

(مدرسہ کا وقف فروخت کرنے اور اس میں تصرف کرنے کا بیان)

الفصل الرابع فی بیع وقف المدرسة وإجارته

(مدرسہ کے وقف کو بیچنے اور کرایہ پر دینے کا بیان)

الفصل الخامس فی وظائف المدرسین

(مدرسین کی تنخواہوں کا بیان)

الفصل السادس فی المبعوثین والتبرعات

(مدارس کے سفراء اور چندہ کے احکام)

الفصل السابع فی صرف المال الحرام ومال الکافر فی المدارس

(مدارس میں مالِ حرام اور مالِ کافر کے صَرف کرنے کا بیان)

باب المتفرقات

☆...☆...☆

بقية كتاب الوقف

الفصل الثالث عشر في مكبّر الصوت

(مسجد میں لاؤڈ اسپیکر اور اس کے استعمال کا بیان)

مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے حدیث پاک سنانا

سوال [۱۰۰۷۱]: حدیث پاک صبح کو لاؤڈ اسپیکر سے بیان کرنا کہ دین کی باتیں معلوم ہوں اور نماز روزہ کا شوق بڑھے، خصوصاً عورتوں کو کہ وہ گھر میں رہتی ہیں کہ انہیں یہ مسائل معلوم ہو جائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں یہ فائدہ بھی ہے اور بہت سے آدمی اپنے مشاغل میں لگے رہتے ہیں، اس طرف متوجہ بھی نہیں ہوتے، نیز خود طلب اور شوق سے بے بہرہ ہو جاتے ہیں کہ گھر بیٹھے آواز آتی ہے، حدیث پاک اور دینی مسائل سے بے پرواہی کہ آواز آنے کے باوجود اپنے مشاغل میں لگے رہیں اور توجہ نہ کریں بڑی ناقدری ہے(۱)۔ اگر

---

(۱) مجلس نبوی علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ وسلام کی صفت اور قدر دانی یہ تھی کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس طرح توجہ اور سکینہ کے ساتھ بیٹھتے تھے کہ گویا کہ ان کے سروں کے اوپر پرندے بیٹھ جائیں تو ان کو پتہ نہ چلے کہ جسم کی جامد چیز پر بیٹھے ہیں یا انسانوں کے سروں پر، یہی قدر دانی تھی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑے اونچے مقامات سے سرفراز فرمایا تھا:

"عن البراء بن عازب رضي الله تعالى عنه قال: خرجنا مع النبي صلى الله تعالى عليه وسلم في جنازة فانتهينا إلى القبر فجلس وجلسنا كأن على رؤسهم الطير".

وقال الشيخ عبدالغني المجددي تحت هذا الحديث: "كأن على رؤسهم الطير" قال الطيبي: هو كناية عن إطراقهم رؤسهم وسكونهم وعدم التفاتهم يميناً وشمالاً. أي على رأس كل واحد الطير =

سننے ہی کے لئے جمع ہوں اور آواز نہ پہنچنے کی وجہ سے لاؤڈ اسپیکر استعمال کیا جائے تو دوسری بات ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۲/۹۵ھ۔

غفلت کے وقت مسجد کے لاؤڈ اسپیکر پر حدیث سنانا

سوال [۷۰۰۲]: ۱... صبح کے وقت مسجد کے لاؤڈ اسپیکر میں کوئی حدیث پڑھی جائے دراں حالیکہ مسجد میں کوئی شخص نہیں ہوتا اور گھروں میں مرد وعورتیں دھیان وتوجہ سے نہیں سنتے۔ ایسی صورت میں پڑھنا کیسا ہے؟

تبلیغ اور گم شدہ بچے کا اعلان مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے

سوال [۷۰۰۳]: ۲... محلہ کے گھروں میں جو تبلیغ ہوتی ہے اس کا اعلان اور گم شدہ بچے کا اعلان کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... جب کہ مسجد میں کوئی آدمی موجود نہیں اور لوگ اپنے اپنے مکانوں میں مرد وعورت اپنے اپنے کام میں مشغول ہیں، کوئی متوجہ نہیں تو ایسی حالت میں لاؤڈ اسپیکر پر حدیث شریف سنانا بے محل ہے، اس سے پرہیز کیا جائے (۱)۔

= بریہ صیدها ولا یتحرک، وهذه کانت صفة مجلس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم إذا تکلم، أطرق جلساؤه کأنما علی رؤوسهم الطیر". (سنن ابن ماجة، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی الجلوس فی المقابر، رقم الحاشیة: ۳، ص: ۱۱۱)

(۱) جب کہ مسجد نمازی اپنی ضرورت سے فارغ ہوں اور مسجد میں لوگ مصروف نہ ہوں تو اس وقت مسجد کی اشیائے موقوفہ کو استعمال کرنا بے محل ہونے کی بنا پر جائز نہیں ہوتا، اسی طرح صورتِ مذکورہ میں بھی چونکہ اس وقت لاؤڈ اسپیکر کی ضرورت نہیں، لہٰذا لاؤڈ اسپیکر پر اس وقت حدیث وغیرہ سنانا مناسب نہیں۔

"ولو وقف علی دهن السراج للمسجد، لا یجوز وضعه جمیع اللیل بل بقدر حاجة المصلین، ویجوز إلی ثلث اللیل أو نصفه إذا احتیج إلیه للصلاة فیه، کذا فی السراج الوهاج". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد وما یتعلق به، الفصل الأول: ۲/۴۵۹، رشیدیة) ■

۲ محلہ کے گھروں میں جو تبلیغ ہوتی ہے اس کا اعلان درست ہے، گم شدہ بچے کا اعلان خارج مسجد کیا جاسکتا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۲/۲۱/۹۵ھ۔

وعظ میں لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنا

سوال[۷۲۰۳]: لاؤڈ اسپیکر مسجد میں رکھ کر اس میں وعظ ونصیحت اس نیت سے کرنا کہ جو لوگ مسجد میں نہیں آتے ان کے کانوں میں بھی دین کی باتیں پہونچ جائیں، جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بھی جائز ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= (وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الوقف، الرابع في المسجد وأوقافه ومسائله: ۴/۴۲۲، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۰، رشيدية)

(۱) یہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی احتیاطی رائے ہے جس میں مسجد کے ادب کا لحاظ رکھا گیا ہے، لیکن بعض دیگر حضرات گم شدہ بچہ کا اعلان انسانی جان کی اہمیت اور ضرورت کی بناء پر مسجد میں جائز قرار دیتے ہیں، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "البتہ گم شدہ بچہ کا اعلان انسانی جان کی اہمیت کے پیشِ نظر درست ہے"۔ ایک اور سوال کے جواب میں فرمایا: "اور گم شدہ بچے کا اعلان بھی ضرورت کی بناء پر جائز ہے"۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲/۱۳۳، مکتبہ بینات)

(وكذا في فتاوى حقانية: ۵/۱۵۹، دار العلوم حقانية)

(۲) جو لوگ مسجد میں نہیں آتے ہیں ان کے کانوں میں بھی دین کی باتیں پہونچانے کی غرض سے لاؤڈ اسپیکر کو بھی دوسرے اشیاء کی طرح بقدرِ ضرورت استعمال کرنا جائز ہے:

"ولو وقف على دهن السراج للمسجد، لا يجوز وضعه جميع الليل بل بقدر حاجة المصلين، ويجوز إلى ثلث الليل أو نصفه إذا احتيج إليه للصلوة فيه، كذا في السراج الوهاج". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، الفصل الأول: ۲/۴۵۹، رشيدية)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الوقف، الرابع في المسجد وأوقافه ومسائله: ۴/۴۲۲، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۰، رشيدية)

ماہ مبارک میں رات کو مسجد کے مائک پر نظم وغیرہ پڑھنا

سوال [۶۰۰۵]: گاؤں میں کئی سال سے رمضان شریف کی رات میں مسجد کے لاؤڈ اسپیکر پر کام شروع کر دیتے ہیں، کبھی تقریر کرتے ہیں، کبھی نظم پڑھتے ہیں، سحر کا اعلان کرتے ہیں، اس وقت گھروں میں جو حضرات تہجد اور قرآن شریف پڑھتے ہیں، ان کی نماز اور قرآن میں کافی خلل پڑتا ہے۔ شرعاً حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اعلان کرنے سے نماز وتلاوت پر تشویش ہوتی ہے، مگر اعلان کرنے والے اپنے اعلان کو تہجد اور تلاوت سے کم نہیں سمجھتے، بلکہ زیادہ ہی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کا تہجد تنہا آپ کا تہجد ہے اور ہمارے اعلان کی بدولت سب آس پاس والے بیدار ہوتے ہیں، بہت سے تہجد وغیرہ پڑھتے ہیں اور سحری کی اطلاع سب کو ہو جاتی ہے جس سے سب کے روزے سنت کے مطابق ادا ہو جاتے ہیں۔ اعلان کرنے والے حضرات مانتے نہیں۔ جہاں تک ہو سکے ان کو سمجھایا جا سکتا ہے، لڑائی ہرگز نہ کی جائے (۱)۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

تبلیغی نصاب مسجد کے مائک میں پڑھنا

سوال [۶۰۰۶]: مسجد میں اذان اور کسی دینی تقریر کے لئے لاؤڈ اسپیکر لگایا گیا، اب اگر اس پر قرآن کریم، نعت، نظم، تبلیغی نصاب یا کوئی تعلیمی کتاب پڑھی جائے تو جائز ہے یا نہیں، جب کہ اس وقت کچھ لوگ نماز بھی پڑھتے رہتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تبلیغی نصاب ان لوگوں کو سنانا مقصود ہوتا ہے جو وہاں موجود ہوں، بغیر لاؤڈ اسپیکر کے آواز ان کو پہنچ جاتی ہے، پھر کیوں لاؤڈ اسپیکر پر اس کو پڑھا جاتا ہے، اس لئے اس مقصد کے لئے لاؤڈ اسپیکر استعمال نہ کریں۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ادع إلی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي هي أحسن﴾ (سورة النحل: ۱۲۵)

خاص کر جب کہ نمازیوں کو اس سے پریشانی ہوتی ہے(۱)۔ زور زور سے نعت بھی لاؤڈ اسپیکر پر پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کے لاؤڈ اسپیکر پر اذان کے علاوہ حمد و نعت پڑھنا

سوال [۷۰۰۷]: محلہ صوفی ٹولہ فیض آباد میں ایک مسجد ہے، جس میں محلہ کے تمام لوگ باجماعت نماز ادا کرتے ہیں، مسجد میں لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ اذان ہوتی ہے، بعد نماز اکثر لوگ حمدیہ اور نعتیہ کلام بھی پڑھا کرتے ہیں جس کی وجہ سے مسجد کے پڑوس میں رہتے ہوئے ایک مسلمان کو بظاہر لاؤڈ اسپیکر کی آواز سے بڑی تکلیف ہوتی ہے، جس کے خلاف وہ برابر زبانی یا تحریری شکایتوں کو حاکموں تک پہونچایا کرتے ہیں، جس کی وجہ سے اہل محلہ کو پولیس نے مارا بھی ہے۔ اس واقعہ کے بعد اہل محلہ کو اندازہ ہوا کہ شاید یہ بات بڑھ جائے اس لئے خاموش ہوگئے۔

خادمِ مسجد نے ان کے پاس کہلایا کہ معلوم ہوا کہ لاؤڈ اسپیکر کے خلاف آپ نے حاکموں تک شکایت کی ہے تو انہوں نے جوش میں آکر کہا کہ اگر یہ بات میرے اوپر ثابت ہوجائے تو مجھے پچاس جوتے ماریں، ورنہ شکایت کرنے والے کو سو جوتے ماروں گا۔ دوبارہ خادم نے کہلا بھیجا کہ میں سو جوتے کھانے کو تیار ہوں اس شرط پر کہ وہ مسجد میں آکر قسم کھائیں کہ ہم نے کوئی شکایت نہیں کی ہے ورنہ کرائی ہے۔ بہرحال پڑوسی موصوف نے قسم کھانے سے انکار کردیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں حلف نہیں اٹھاؤں گا۔

اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ جملہ مسلمانانِ شہر ان کے ساتھ کیا رویہ رکھیں، بول چال، کھانا پینا اور رسم و راہ رکھیں یا نہیں؟ ساتھ ہی یہ بھی واضح فرمائیں کہ کیا مسجد میں مائک پر حمد و نعت و اذان دی جائے یا نہیں؟

---

(۱) "وأجمع العلماء سلفاً وخلفاً على استحباب ذكر الله تعالى جماعةً في المساجد وغيرها من غير نكير، إلا أن يشوش جهرهم بالذكر على نائم أو مصل أو قارئ، كما هو مقرر في كتب الفقه". (شرح الأشباه والنظائر للحموي، (رقم القاعدة ۲۹): الفوائد في أحكام المسجد: ۳/۱۹۱، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، باب المساجد ومواضع الصلاة، الفصل الثاني: ۲/۴۳۳، رشيدية)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان پڑوسی سے کہا جائے کہ ہم کو ایسی ہی خبر ملی تھی، اگر یہ خبر غلط ہے، نہ آپ نے شکایت کی اور نہ کسی سے شکایت کرائی تو اس بات میں ہمارا دل آپ کی طرف سے صاف ہے، اب یہ معاملہ ختم کردیا جائے، نہ ان سے قطع تعلق کریں، نہ سلام وکلام ترک کریں، بلکہ اخلاق ومحبت سے پیش آئیں۔ لاؤڈ اسپیکر پر صرف پانچ وقت کی اذان کہیں جس سے مقصود لوگوں کو نماز کے لئے بلانا ہو، بقیہ دوسری چیزوں کے لئے لاؤڈ اسپیکر استعمال نہ کریں، ہاں اگر کوئی جلسہ کرنا ہو تو اس وقت حمد ونعت اور تقریر ووعظ کے لئے لاؤڈ اسپیکر استعمال کرلیں۔ پڑوسی کا خیال رکھنا بھی شرعاً لازم ہے(۱)، بلاوجہ ایسا کام نہ کیا جائے جس سے اذیت پہونچے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۳/۹۶ھ۔

مسجد کے لاؤڈ اسپیکر پر نعت وغزل پڑھنا

سوال[۷۴۰۸]: یہاں مقامی مسجد میں اذان کے لئے لاؤڈ اسپیکر لگایا گیا، لیکن عشاء کے بعد روزانہ تین چار گھنٹے لوگ نعت، قصیدہ، غزل پڑھتے ہیں اور اسے نیک فعل بتلاتے ہیں، اس کی وجہ سے نماز پڑھنے والوں کو کافی دقت ہوتی ہے۔ کیا ان کو ایسا کرنا چاہئے، ان کا یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) "وأجمع العلماء سلفاً وخلفاً على استحباب ذكر الله تعالى جماعةً في المساجد وغيرها من غير نكير، إلا أن يشوش جهرهم بالذكر على نائم أو مصل أو قارئ، كما هو مقرر في كتب الفقه". (شرح الأشباه والنظائر للحموي، القول في أحكام المسجد، (رقم القاعدة: ۴۹): ۳/۱۹۰، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، باب المساجد ومواضع الصلوٰة، الفصل الثاني: ۲/۴۴۱، رشيديه)

(وكذا في أوجز المسالك: ۲/۲۲۷)

(۲) "عن أبي موسى رضي الله تعالى عنه قال: قالوا: يارسول الله! أي الإسلام أفضل؟ قال: "المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، الخ". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده: ۱/۶، قديمي)

"فيه (أي في الحديث المذكور) الحث على ترك أذى المسلمين بكل ما يؤذي". (عمدة القاري، كتاب الإيمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده: ۱/۲۱۳، دار الكتب العلمية، بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ صحیح نہیں، اس کو بند کیا جائے، اس میں مسجد کی بھی حق تلفی ہے اور نمازیوں کی بھی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱/۹۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ایک مائیک کی آواز پورا گاؤں سنے تو کیا دوسری مسجد والوں کو مائیک کی ضرورت ہے؟

سوال[۷۰۰۱]: ایک گاؤں میں کئی مسجدیں ہیں جن میں سے صرف ایک مسجد میں لاؤڈ اسپیکر (مائک) ہے، جب مائک میں اذان ہوتی ہے تو آواز تقریباً پورے اس گاؤں میں پہونچ جاتی ہے، پھر بھی دوسرے محلہ کی مسجد والے مائک لانا چاہتے ہیں۔ کیا اسراف ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب ایک مسجد کے مائک سے سب گاؤں میں اذان کی آواز پہونچ جاتی ہے اور نمازوں کے اوقات قریب ہی قریب ہیں تو دوسری مسجد میں مائک لگانا بے ضرورت ہے، اس کے لئے مسجد کا پیسہ صرف نہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۳/۹۲ھ۔

---

(۱) "ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح، هذا إذا لم يكن معيناً، فإن كان الواقف معيناً على شيء يصرف إليه". (رد المحتار، كتاب الوقف: ۳۶۷/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۵/۵، رشيدية)

"ولا يجوز إعارة أدواته لمسجد آخر، ولا ينتقل لمسجد بالمتاع". (الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۹۳/۳، إدارة القرآن كراچی)

"أجمع العلماء سلفاً وخلفاً على استحباب ذكر الله تعالى جماعة في المساجد وغيرها من غير نكير، إلا أن يشوش جهرهم بالذكر على نائم أو مصل أو قارئ، كما هو مقرر في كتب الفقه". (شرح الأشباه والنظائر للحموي: ۹۱/۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، باب المساجد ومواضع الصلاة، الفصل الثاني: ۴۳۰/۲، رشيدية)

مسجد کے مائک پر اعلان جب کہ اس کے ہارن مسجد کے مناروں پر لگے ہوں

سوال [۷۲۱۰]: مسجد کا مائک لوگوں کے چندے سے خریدا گیا ہے اور خریدنے والوں کی نیت یہ تھی کہ اذان کیا کریں گے۔ مائک مسجد کے حجرے میں رکھا ہوا ہے اور اس کے لاؤڈ اسپیکر کے ہارن مسجد کے میناروں پر ہے۔ تو کیا اعلان کرنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اذان کے علاوہ کوئی اور اعلان کرنا چاہتے ہیں تو اس جگہ اعلان نہ کریں مثلاً: کسی گمشدہ چیز کو تلاش کرنا ہو یا کسی اور بات کی خبر دینی ہو، جس کا تعلق نماز اور مسجد سے نہ ہو تو خارج مسجد یہ کام کریں(۱)۔ مینارہ پر مائک کے ہارن اس کے لئے استعمال نہ کریں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۳/۹۲ھ۔

روپیہ لیکر مسجد کے مائک پر اعلان کرنا

سوال [۷۲۱۱]: مسجد کے مائک پر جو اعلان کیا جاتا ہے اس کے لئے جو ایک روپیہ لیا جاتا ہے، وہ اعلان کرنا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) "(وعرف): أي نادى عليها حيث وجدها وفي المجامع". (الدر المختار) "(قوله: نادى عليها) إلى وجدت اللقطة لا أدري مالكها. (قوله: حيث وجدها وفي المجامع): أي مجامع الناس كالمساجد والأسواق والشوارع، إلا أنه ينادي على أبواب المساجد لا فيها". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب اللقطة: ۲/ ۵۰۰، دار المعرفة بيروت)

(۲) "ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح، هذا إذا لم يكن معيناً، فإن كان الوقف معيناً على شيء يصرف إليه". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب إليها: ۴/ ۳۶۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الرابع في المسجد وما يتصل به: ۶/ ۲۷۰، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/ ۴۱۸، رشيديه)

"ولا تجوز إعارة أدواته لمسجد آخر". (الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۳/ ۲۱۲، إدارة القرآن كراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد میں مائک پر اعلان کرنے کا روپیہ لینا درست نہیں(۱)۔ فقط۔

املاہ العبد محمود غفرلہ ۱۲/۹/۹۹ھ۔

مسجد کے مائک سے مسجد میں پیسہ دینے والے کا اعلان

سوال[۷۲۱۲]: ۱...مسجد میں چندہ دینے والوں کا نام اگر لاؤڈ اسپیکر پر لیا جائے تاکہ دوسروں کو بھی رغبت ہو اور مسجد کو پیسہ کی سخت ضرورت بھی ہو تو جائز ہے یا نہیں؟

فیس دیکر مسجد کے مائک سے اپنا اعلان کرانا

سوال[۷۲۱۳]: ۲...گاؤں کے لوگ اگر اپنی کسی چیز کی بابت مسجد میں لاؤڈ اسپیکر پر اعلان کرائیں جب کہ مسجد کی کمیٹی اعلان کرانے کی فیس لیتی ہو تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...اہل مسجد کو اس کے استعمال پر معاوضہ لینا درست ہے، دینے والا رضامندی سے معاوضہ دیتا ہے تو نفسِ استعمال لاؤڈ اسپیکر کے معاوضہ میں مضائقہ نہیں(۲)۔ لیکن اعلان کرانے والے کا اگر مقصد یہ ہے کہ میرا نام سب کو معلوم ہو جائے کہ اس نے اتنا پیسہ دیا ہے تو یہ مقصد غلط ہے، شہرت اور ناموری کی نیت سے مسجد میں

---

(۱) "ولا يجوز أخذ الأجرة منه، ولا أن يجعل شيئاً منه مستغلاً ولا سكنى، بزازية". (الدر المختار). "لو احتاج المسجد إلى نفقة، تؤجر قطعة منه بقدر ما ينفق عليه، بأنه غير صحيح". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۱۹/۵، رشيديه)

(۲) "رجل استأجر حجرة موقوفة من أوقاف المسجد، فكسر فيها الحطب بالقدوم، والجيران لا يرضون بذلك، والمتولي يرضى به، قالوا: إن كان من ذلك ضرر بين بالحجرة مثل ضرر القصار والحداد، والمتولي يجد من يستأجرها بتلك الأجرة، كان على المتولي أن يمنعه من ذلك، فإن لم يمتنع أخرجه من الحجرة يؤاجرها من غيره". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، فصل في إجارة الوقف: ۳۱۴/۳، رشيديه)

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول نہیں (۱)۔

۳۔ درست ہے۔

تنبیہ: اس کا خیال رہے کہ مسجد کو کمائی کی جگہ اور کمائی کا ذریعہ نہ بنائیں، مسجد سے علیحدہ اس کا انتظام کرلیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۱/۸۵ھ۔

مسجد کے مائک سے ترغیب کے لئے چندہ دینے والے کے ناموں کا اعلان

سوال [۱۱۰۱]: ایک شخص نے مسجد میں مائک وقف کیا اور اس کی نیت یہ ہے کہ اس سے مسجد کی ضروریات پوری کی جائیں۔ اب مسجد کے اندر ایک بڑا کام شروع کیا جا رہا ہے، مثلاً فرش بنوانا یا مسجد دوبارہ تعمیر کرانا۔ ظاہر ہے کہ ایسے کاموں کے لئے کافی رقم کی ضرورت پڑتی ہے، لہٰذا اہم کارکنان کے مشورہ سے یہ اسکیم جاری کی ہے کہ مائک سے یہ اعلان کرایا جائے کہ جس کی جتنی ہمت ہو وہ دیتا رہے، اس میں بچے اور عورتیں اور بڑے آدمی بھی دیتے ہیں اور دینے والوں کے نام مائک سے بول دیئے جاتے ہیں فقط اس نیت سے کہ دوسروں کو رغبت پیدا ہو اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں دینے کی توفیق ہو، مثلاً اس طرح بول دیتے ہیں کہ

"زید نے پانچ روپے، یا عمر نے دس روپے دیئے، یا فاطمہ نے اپنے والد ماجد کی طرف سے بیس روپے دیئے، یا کسی نے اپنے مرحوم والد کی طرف سے دس روپے دیئے"۔

---

(۱) "عن أبي سعيد بن أبي فضالة رضي الله تعالى عنه عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "إذا جمع الله الناس يوم القيامة ليوم لا ريب فيه، نادى مناد: من كان أشرك في عمل عمله لله أحداً، فليطلب ثوابه من عند غير الله، فإن الله أغنى الشركاء عن الشرك". رواه أحمد" (مشكوة المصابيح، كتاب الرقاق، باب الرياء والسمعة، ص: ۴۵۶، قديمي)

"عن سلمة قال: سمعت جندباً رضي الله تعالى عنه يقول: قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم ولم أسمع أحداً يقول: قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم غيره: من سمع سمع الله به، ومن يرائي يرائي الله به" (صحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب الرياء والسمعة: ۲/۹۶۲، قديمي)

اس طریقہ پر نام بولنا اور اعلان کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح اعلان کرنے میں ترغیب بھی ہے اور مفسدہ بھی ہے۔ ترغیب تو ظاہر ہے، مفسدہ دو طرح ہے: ایک اس طرح کہ اس نام بنام اعلان کی وجہ سے لوگ تعریف کریں گے، اس تعریف کی وجہ سے بعض لوگ چندہ دیں گے تاکہ ہمارا نام بھی پکارا جائے اور لوگ سن کر ہماری بھی تعریف کریں گے، یہ نیت اخلاص کے خلاف ہے جس سے ثواب ضائع ہو جاتا ہے(۱)۔ دوسرے اس طرح مفسدہ ہے کہ جس نے چندہ کم دیا ہے اس کو شرمندگی ہوگی اور لوگ اس کو حقارت کی نظر سے دیکھیں گے، وہ دل میں کہیں گے یہ ناچیز ہے، اس لئے اعلان کی یہ صورت قابلِ احتراز ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱/۹۶ھ۔

---

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وما أمروا إلا ليعبدوا الله مخلصين له الدين﴾ "أي جاعلين أنفسهم خالصة له تعالى في الدين" (روح المعاني، سورة البينة: ۳۰/۲۰۴، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

اور حدیث شریف میں ہے: "عن أبي سعيد بن أبي فضالة رضي الله تعالى عنه عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "إذا جمع الله الناس يوم القيامة ليوم لا ريب فيه، نادى مناد: من كان أشرك في عمل عمله لله أحداً، فليطلب ثوابه من عند غير الله، فإن الله أغنى الشركاء عن الشرك". رواه أحمد" (مشكوة المصابيح، باب الرياء والسمعة، ص: ۴۵۴، قديمي)

"عن سلمة قال: سمعت جندباً رضي الله تعالى عنه يقول: قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، ولم أسمع أحداً يقول: قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "من سمع سمع الله به، ومن يرائي يرائي الله به". (صحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب الرياء والسمعة: ۲/۹۶۲، قديمي)

(۲) "عن أبي وائل عن أبي مسعود قال: أمرنا بالصدقة، قال: كنا نحامل، قال: فتصدق أبو عقيل بنصف صاع، قال: وجاء إنسان بشيء أكثر منه، فقال المنافقون: إن الله لغني عن صدقة هذا، وما فعل هذا الآخر إلا رياء، فنزلت: ﴿الذين يلمزون المطوعين من المؤمنين في الصدقات والذين لا يجدون إلا جهدهم﴾ ولم يلفظ بشر بالمطوعين" (الصحيح لمسلم، كتاب الزكوة، باب الحمل بأجرة يتصدق بها والنهي الشديد عن تنقيص المتصدق بقليل: ۱/۳۲۷، قديمي)

مسجد کے مائک سے دوسرے اعلان

سوال[۷۲۱۵]: ۱..... مسجد کے حجرے میں حدودِ مسجد سے باہر بغرضِ اذان مائک ہے، بعض اشخاص آکر یہ اعلان کراتے ہیں کہ ہمارا بچہ گم ہوگیا ہے اس کا اعلان کرو۔ کیا یہ جائز ہے؟ اور ان سے کچھ معاوضہ لے کر مسجد میں جمع کردیا جائے۔

۲..... یا یہ اعلان کیا جائے کہ فلاں شخص کا انتقال ہوگیا ہے، فلاں جگہ اور فلاں وقت نمازِ جنازہ ہوگی۔ کیا یہ جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲..... جو مائک اذان کے لئے ہے اس میں دوسرے اعلانات نہ کئے جائیں، نہ معاوضہ لیکر نہ بلا معاوضہ(۱)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۴/۱۳۹۰ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

(۱) "ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح، هذا إذا لم يكن معيناً، فإن كان الوقف معيناً على شيء يصرف إليه". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب إليها: ۳/۳۶۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۱۸۴، رشيديه)

"ولا يجوز أخذ الأجرة منه ولا أن يجعل شيئاً منه مستغلاً ولا مسكنى، بزازية". (الدر المختار).

"لو احتاج المسجد إلى نفقة، تؤجر قطعة منه بقدر ما ينفق عليه، بأنه غير صحيح". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۸، سعيد)

"ولا تجوز إعارة أدواته لمسجد آخر، ولا يشغل المسجد بالمتاع". (الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۳/۲۳۰، إدارة القرآن كراچی)

الفصل الرابع عشر في صرف مال المسجد في غيره

(مسجد کے پیسے کا دوسری جگہ استعمال کرنے کا بیان)

مسجد کی آمدنی سے مدرسہ قائم کرنا

سوال[۷۲۱۱]: ایک کثیر الاوقاف جامع مسجد ہو اور واقف سے کچھ شرائط منقول نہ ہوں، آمد مصارف سے بہت زیادہ ہو اور شکست وریخت مسجد کے لئے روپیہ جمع وموجود ہو اور زیادہ روپیہ جمع رہتے ہیں تو کیا ان اوقاف مسجد کی زائد آمدنی کو تعلیم دین اور تبلیغ اسلام اور تدریس علوم شرعیہ پر صرف کر سکتے ہیں؟

از دار العلوم پشاور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئولہ میں اگر مسجد کی آمدنی کا روپیہ زیادہ مصرف سے اور اتنا روپیہ ہر وقت موجود رہتا ہے کہ شکست وریخت وغیرہ ضروریات پوری ہو سکے اور روپیہ جمع رہنے میں خیانت کا قوی اندیشہ ہو تو اس روپے سے مسجد کے لئے جائیداد، دوکانیں، زمین وغیرہ خرید لی جائیں، اگر اس میں دشواری ہو اور یا روپیہ جائیداد خریدنے کے بعد بھی زائد بچ رہے تو پھر اسی مسجد میں دینی مدرسہ قائم کر لیا جائے تا کہ مسجد کی آبادی میں ترقی ہو، کیونکہ آبادی کو ترقی دینا مسجد کی بڑی مصلحت ہے:

"الفاضل من وقف المسجد هل يصرف إلى الفقراء؟ قيل: لا يصرف، وإنه صحيح، ولكن يشترى به مستغلاً للمسجد، كذا في المحيط". عالمگیری: ۴۶۳/۲ (۱)۔

"الذي يبدأ من ارتفاع الوقف عمارته، شرط الواقف أم لا، ثم إلى ما هو أقرب إلى

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد الخ، الفصل الثاني في الوقف على المسجد وتصرف القيم الخ: ۴۶۳/۲، رشيدية)

العمارة أتم للمصلحة کـ"الإمام للمسجد والمدرس للمدرسة". عالمگیری: ۲۰۷/۲(۱)۔

اگر یہ بھی دشوار ہو تو اقرب مسجد میں صرف کیا جاسکتا ہے(۲)۔

محمود گنگوہی، ۱۶/۴/۵۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۱۹/ ربیع الثانی/۵۳ھ۔

مسجد کی آمدنی سے مدرسہ بنانا

سوال[۷۰۰۴]: مسجد کی آمدنی سے مدرسہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کی آمدنی سے مدرسہ بنانا جائز نہیں(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۰/۸۵ھ۔

---

(۱) (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثالث في المصارف: ۳۶۸/۲، رشیدیه)

"ویبدأ من غلته بعمارته، ثم ما هو أقرب لعمارته کإمام مسجد ومدرس مدرسة یعطون بقدر کفایتهم". (الدر المختار، کتاب الوقف: ۳۶۷/۴، ۳۷۲، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۵۹/۵، رشیدیه)

(۲) "الرباط والبئر إذا لم ینتفع بهما، فیصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلی أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض". (تنویر الأبصار مع الدر المختار، کتاب الوقف: ۳۵۹/۴، سعید)

"وفي شرح الملتقی: یصرف وقفها لأقرب مجانس لها". (رد المحتار، المصدر السابق)

(۳) "وإن اختلف أحدهما بأن بنی رجلان مسجدین أو رجل مسجداً ومدرسة ووقف علیهما أوقافاً، لا یجوز له ذلك". (الدر المختار) "أي الصرف المذکور ... ومع اختلاف الجهة ما إذا کان الوقف منزلین أحدهما للسکنی والآخر للاستغلال، فلا یصرف أحدهما للآخر، وهی واقعة الفتوی. اهـ". (رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۳۶۰/۴، ۳۶۱، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۷۳/۵، رشیدیه)

مسجد کی آمدنی سے مدرسہ میں چندہ دینا

سوال [۷۲۱۸]: یہاں ایک مسجد کی عمارت میں اس محلّہ کا ایک مدرسہ قائم ہے جس کے اخراجات اہلِ محلہ اور منتظمین مدرسہ ہر سال ڈیڑھ ہزار دو ہزار روپیہ کا چندہ کرکے پورا کرتے ہیں، جبکہ مذکورہ مسجد کی آمدنی تقریباً نوے ہزار روپے بینک میں جمع ہیں جو مسجد کے حالیہ اور مستقبل کے متوقع ضروریات سے فاضل ہے، اس لئے مسجد کے منتظمین اس مسجد کی عمارت میں جاری محلے کے مذکورہ مدرسہ میں امداد کے طور پر سالانہ تین سو روپیہ کی رقم اس مسجد کی آمدنی سے دیتے ہیں۔ اگر یہ تین سو روپیہ کی رقم بند کردی جائے تو ڈیڑھ دو ہزار سے زیادہ چندہ نہ ہونے کی وجہ سے مدرسہ کے اخراجات پورے نہیں ہوسکتے اور مدرسہ کا نظم لازمی طور پر متأثر ہوگا۔ لہٰذا ایسی صورت پر مسجد کی فاضل رقم سے مدرسہ کی اس امداد کی شرعاً اجازت وگنجائش ہے یا نہیں؟ فقط۔

مصلح الدین بلاوڈ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر واقف نے مسجد میں مدرسہ چلانے کے لئے کوئی مد مقرر نہیں کیا، بلکہ محض مسجد کے مصالح کے لئے وہ اوقاف ہیں تو اس کی آمدنی سے مدرسہ میں خرچ کرنے کی اجازت نہیں (۱)، "لأن شرط الواقف كنص الشارع"، كذا في كتب الفقه (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۸۷ھ۔

---

(۱) "وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجداً ومدرسة، ووقف عليهما أوقافاً، لا يجوز له ذلك" (الدر المختار) "قوله: لا يجوز له ذلك: أي الصرف المذكور ...... قال الخير الرملي: أقول: ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوى اهـ" (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۰، ۳۶۱، سعيد)

(۲) (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

= "شرط الواقف كنص الشارع، أي في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة" (الأشـ

مسجد کا روپیہ مدرسہ میں خرچ کرنا

سوال [۷۲۱۹]: زید ایک زمین کا مالک تھا، لیکن وہ زمین مسجد کے نام وقف تھی، اس کا کرایہ ایک مدت تک مسجد کو ملتا رہا ہے، لیکن موقع پا کر کرایہ دار سے وہ مکان خالی کرایا گیا ہے۔ کارکنانِ مسجد جو اس مکان کا کرایہ وصول کر کے مصارفِ مسجد میں صرف کیا کرتے تھے انہوں نے زید سے خالی کرا کے زمین مدرسہ تعمیر کرنے کے لئے کارکنانِ مسجد کو بلا کسی معاوضہ کے دیدی، اب کارکنانِ مسجد نے اس زمین پر کچھ چندہ وصول کر کے اور زیادہ تر مسجد کی دیگر آمدنی سے مدرسہ تعمیر کیا ہے۔

اب دریافت طلب یہ ہے کہ زید نے جو زمین مدرسہ کے لئے وقف کی ہے اس پر مسجد کی دیگر آمدنی کا پیسہ مدرسہ کی تعمیر میں صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور مسجد کی تعمیر کا پیسہ مدرسہ کی تعمیر میں صرف کر دیا ہو تو کارکنانِ مسجد کا کہنا ہے کہ یہ مدرسہ بھی تو مسجد ہی کا ہے، آیا یہ کوئی مدرسہ ہے جس کی تعمیر یا مصارف میں کسی مسجد کی وقف شدہ زمین کا پیسہ صرف کیا جا رہا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کی آمدنی کا پیسہ مسجد ہی میں خرچ کرنا لازم ہے(۱)، مدرسہ وغیرہ کی تعمیر یا دیگر ضروریات میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے، جنہوں نے وہ پیسہ مدرسہ میں خرچ کیا ہے وہ ذمہ دار ہیں، مسجد بھی خدا کی ہے اور مدرسہ بھی خدا کا ہے، مگر ایک کی آمدنی دوسرے کی آمدنی میں خرچ کرنا جائز نہیں، جس طرح ایک مسجد کی آمدنی دوسری مسجد میں خرچ

= والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۶۰۸، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۱۲۶، مكتبه ميمنيه مصر)

(۱) "والذي يبدأ به من ارتفاع الوقف عمارته شرط الواقف أولا، ثم ما هو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۵۹، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف: ۳/۳۶۶، ۳۶۷، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الوقف: ۳/۳۲۲، إمداديه ملتان)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث في المصارف: ۲/۳۶۸، رشيديه)

ورکنگ کمیٹی کا مسجد کے فنڈ سے قرض لے کر مدرسہ میں خرچ کرنا

سوال [۷۲۲۱]: مذکورہ بالا ادارہ کی ورکنگ کمیٹی میں ایک ایسی جامع مسجد جو مدرسے کا انتظام کرتی ہے جو مدرسے سے متصل ہے، اور اس مسجد کی آمدنی کچھ وقف کی ہے، اور کچھ مسجد کی دوکانوں کے کرایہ سے۔ تو کیا یہ کمیٹی مجاز ہے کہ اگر مدرسہ کے فنڈ میں روپیہ نہ ہو تو مسجد سے قرض لے کر مدرسین کی تنخواہ وغیرہ میں صرف کرے، نیز جو رقم قرض کے نام سے مسجد سے لی جائے وہ واجب الادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کے روپے سے قرض لے کر مدرسہ میں خرچ کرنے کی اجازت نہیں، مسجد کا روپیہ امانت ہے، اس میں تصرف کا حق نہیں، جو رقم اس طرح لے گئی ہو اس کو جلد از جلد واپس کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد و مدرسہ کی رقوم بطور قرض ایک دوسرے میں صرف کرنا

سوال [۷۲۲۲]: ضرورت ہو تو مسجد کی رقم مدرسہ میں اور مدرسہ کی رقم مسجد میں بطور قرض لے کر استعمال کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

= کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہے اور اس کے مصرف وہی لوگ ہیں جو زکوۃ کے مصرف ہیں، جن لوگوں نے کھال کی قیمت کا اپنا حصہ غیر مصرف میں صرف کیا ہے گناہگار ہوں گے"۔ (کفایت المفتی، چرم قربانی کے مصارف: ۲۱۹/۸، دار الاشاعت)

(۱) "والوديعة لا تودع ولا تعار ولا تؤاجر ولا ترهن، وإن فعل شيئاً منها ضمن". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوديعة، الباب الأول: ۳۳۸/۴، رشيديه)

"مع أن القيم ليس له إقراض مال ... ... فلو أقرضه ضمن، وكذا المستقرض". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۲۰۱/۵، رشيديه)

"ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوى، اهـ". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۳۶۱/۴، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قرض وصول ہونے پر اعتبار ہو، ضائع ہونے کا احتمال نہ ہو تو منتظمہ کمیٹی کے مشورہ سے درست ہے:

"المتولي إقراض مال المسجد بأمر القاضي الخ". شامی: ۴/۴۰۳(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسجد ومدرسہ کی زائد آمدنی دوسری مسجد ومدرسہ میں خرچ کرنا

سوال[۷۲۴۴]: ایک مسجد اور اس سے متعلق مدرسہ کے لئے بہت سی جائیداد وقف ہے جس سے کافی آمدنی ہوتی ہے، وہ آمدنی ان کے اخراجات سے بہت زیادہ ہے تو کیا اس آمدنی کو کسی اور مصرف خیر میں صرف کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر آمدنی زائد جس کی نہ فی الحال ضرورت ہے، نہ مستقبل میں ضرورت کا اندازہ ہے، اور تحفظ کی کوئی قابل اطمینان صورت نہیں، تو دوسری مسجد اور دوسرے دینی مدرسہ میں حسب ضرورت ووسعت صرف کرنا درست ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۲۹ھ۔

---

(۱) لم أجد

"لا يملك استدانة إلا بأمر القاضي" (رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب في إنفاق الناظر الخ: ۴/۴۴۰، سعید)

"مع أن القيم ليس له الإقراض من مال المسجد" (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/[illegible]، رشیدیہ)

"وأما إقراض ما فضل من الوقف، قال في وصايا النوازل: وأرجو أن يكون ذلك واسعاً إذا كان ذلك أحرز للغلة من إمساكه، فإن فضل من غلته فصرف الفضل إلى حوائجه على أن يرده إذا احتاج إلى العمارة، قال: لا يفعل ذلك ويتنزه غاية التنزه، فإن فعل مع ذلك، ثم أنفق فيه، وأرجو أن ذلك يبرئه عما وجب عليه" (خلاصة الفتاوى، کتاب الوقف، الفصل الرابع في المسجد وأوقافه الخ: ۴/۴۲۴، رشیدیہ)

(۲) "وأفتى [illegible] في جواز النقل بلا فرق بين مسجد أو حوض، كما أفتى به =

ایک مسجد کا روپیہ دوسری مسجد میں صرف کرنا

سوال [۷۲۲۱]: ایک گاؤں میں جامع مسجد ہے اور اس کی آمدنی مسجد کے خرچ کے علاوہ ہے، اس کو کون کون سی جگہ خرچ کر سکتے ہیں؟ اور اس مسجد کے کئی ہزار روپے بینک میں فضول پڑے ہوئے ہیں۔ غرض یہ ہے کہ اس روپیہ میں سے کسی غریب کی مدد کر سکتے ہیں یا نہیں، یا دوسری مسجد کی مدد کر سکتے ہیں یا نہیں، یا صرف اسی مسجد میں صرف کرے، یا اور کارِ خیر میں صرف کر سکتے ہیں؟ کتاب کے حوالہ کے ساتھ مہربانی کر کے مسئلہ کا جواب عنایت فرمادیں۔ یا اگر مسلمان بچوں کو اس مسجد کی آمدنی میں دینی یا دینی تعلیم اور دنیاوی تعلیم میں انگریزی، گجراتی، اردو کی تعلیم میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس وقف کی یہ آمدنی ہے، اس کا وقف نامہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ واقف نے کس کس کام میں صرف کرنے کی اجازت دی ہے، ایک مسجد کے لئے مخصوص طور پر جو وقف ہو اس کی آمدنی دوسری مسجد میں صرف کرنا جائز نہیں (۱)، لیکن مسجد کی آبادی کے لئے مسجد سے متعلق مدرسۂ دینی قائم کرنا شرعاً درست ہے کہ یہ بھی مصالحِ مسجد میں سے ہے، هكذا يفهم مما في البحر الرائق: ۵/۲۱۵ (۲)۔

= الإمام أبو شجاع والإمام الحلواني، وكفى بهما قدوة، ولا سيما في زماننا، فإن المسجد أو غيره من رباط أو حوض إذا لم ينقل، يأخذ أنقاضه اللصوص والمتغلبون كما هو مشاهد، وكذلك أوقافه يأكلها النظار أو غيرهم، ويلزم من عدم النقل خراب المسجد الآخر المحتاج إلى النقل إليه". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۰، سعيد)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، مطلب كلمة لا بأس دليل على أن المستحب غيره، الخ: ۱/۶۵۸، سعيد)

(۱) "فإن كان الوقف معيناً على شيء يصرف إليه بعد عمارة البناء" اهـ. (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب إليها: ۴/۳۶۷، سعيد)

(وكذا في منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۵۴، رشيدية)

(۲) "أي مصالح المسجد، فيدخل المؤذن والناظر، لأنا قدمنا أنهم من المصالح، وقدمنا أن الخطيب داخل تحت الإمام؛ لأنه إمام الجامع، فتحصل أن الشعائر التي تقدم في الصرف مطلقاً بعد العمارة" =

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ روپیہ چندہ کا ہے تو چندہ دینے والوں کی رائے واجازت سے غریب مسجد میں صرف کرنا شرعاً درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۳/۹۳ھ۔

مسجد قدیم کی آمدنی مسجد جدید پر خرچ کرنا

سوال[۷۲۲۶]: پہلی مسجد کی آمدنی منقولہ مسجد میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پہلی مسجد جب غیر آباد ہوگئی تو اس جگہ کی حفاظت کردی جائے اور اس کی آمدنی کو دوسری منقولہ مسجد میں صرف کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۵/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۵/۵۸ھ۔

---

(۱) "وعن الثاني: ينقل إلى مسجد آخر بإذن القاضي .... حشيش المسجد وحصره مع الاستغناء عنهما، وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۵۹/۳، سعيد)

"وسئل شمس الأئمة الحلواني عن مسجد أو حوض خرب، ولايحتاج إليه لتفرق الناس: هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد آخر أو حوض آخر؟ فقال: نعم". (التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون في الأوقات التي يستغني عنهما: ۸۷۷/۵، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث عشر في الأوقاف التي يستغني عنها، الخ: ۴۷۸/۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لوخرب المسجد أو غيره: ۳۵۹/۳، سعيد)

(۲) "عن شمس الأئمة الحلواني أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب، ولايحتاج إليه لتفرق الناس عنه: هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد أو حوض آخر؟ فقال: نعم". (ردالمحتار، كتاب الوقف، =

ایک مسجد کی رقم دوسری مسجد میں صرف کرنا

سوال [۷۲۴۲]: کسی نے روپیہ کسی مسجد میں لگانے کا ارادہ کیا، پھر وہ دوسری مسجد میں اس روپیہ کو لگانے کا ارادہ کرتا ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دوسری مسجد میں زیادہ احتیاج ہے تو کر سکتا ہے، اگر دوسری مسجد میں زیادہ احتیاج نہیں ہے تو بہتر یہ ہے کہ پہلی ہی مسجد میں لگائے، ویسے اگر دوسری مسجد میں لگاتا بھی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

صحیح: عبد اللطیف، ۱۸/ محرم الحرام/ ۵۴ھ۔

ایک مسجد کا روپیہ دوسری مسجد کے لئے قرض دینا

سوال [۷۲۴۳]: ہمارے گاؤں کی مساجد کے ٹرسٹ ایک ہیں، ایک مسجد میں بالکل پیسہ نہیں

— مطلب فیما لو خرب المسجد أو غیره: ۴/ ۳۵۹، سعید)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/ ۴۲۲، رشيدية)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۶/ ۲۳۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث عشر في الأوقاف التي يستغنى عنها، الخ: ۲/ ۴۷۸، رشيدية)

(۱) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الفصل الأول في بعض قواعد في أحكام الأملاك، ۱/ ۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مكتبه حنفيه كوئته)

"لأن المملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (رد المحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك والمتقوم: ۴/ ۵۰۲، سعيد)

"سئل أبو القاسم عمن اشترى الدهن أو الحصير للمسجد أيهما أفضل؟ قال: هما سواء، فقال الفقيه أبو الليث: إن كان المسجد محتاجاً إلى أحدهما فشراؤه أفضل، وإن كان سواء في الحاجة إليهما، كان في الثواب والأجر سواء أيضاً". (التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۵/ ۸۵۱، إدارة القرآن كراچی)

ہے تو دوسری مسجد کے وقف سے اس کا خرچ چلا سکتے ہیں یا قرض لے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

متولی باہمی مشورہ سے ایک وقف سے دوسرے وقف کو بطور قرض حسب ضرورت رقم دے سکتے ہیں، پھر اس کی واپسی ضروری ہے:

"یجب علیہ أن یجعل لکل نوع منها بیتاً یخصه ولا یخلط بعضه ببعض، وأنه إذا احتاج إلی مصرف خزانة، ولیس فیها ما یفي به، یستقرض من خزانة غیرها، ثم إذا حصل للتي استقرض بها مال، یؤدي إلی المستقرض". ردالمحتار: ۲/۵۷ (۱)۔

یہ اس وقت ہے جب کہ متولی مشترک ہو یا کوئی منتظمہ کمیٹی مشترک ہو کہ وہ سب اوقاف کا انتظام کرتی ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۱/۱/۹۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱/۹۵ھ۔

ایک مسجد کی آمدنی دیگر مساجد پر صرف کرنا

سوال [۷۲۲۱]: ہمارے شہر میں ایک مسجد شاہی وقت کی ہے اور عرصہ سے ایک رجسٹرڈ انتظامیہ کمیٹی کے زیر نگرانی ہے اور شہر کی چھ مسجدیں اور ایک مسجد دیہات کی بھی اسی کمیٹی کے زیر انتظام ہے، ان مساجد کی آمدنی میں تین قسم کی جائیدادیں ہیں:

۱- مسجد سے ملحق کوٹھریاں اور دوکانیں۔ ۲- موقوفہ مکانات۔ ۳- مسجد کی آمدنی سے خرید کردہ مکانات۔

---

(۱) (رد المحتار، کتاب الزکوٰۃ، باب العشر، مطلب في بیان بیوت المال ومصارفها: ۲/۳۳۷، سعید)

"وعلی الإمام أن یجعل لکل نوع من هذه الأنواع بیتاً یخصه ولا یخلط بعضه ببعض؛ لأن لکل نوع حکماً یختص به، فإن لم یکن في بعضها شيء، فللإمام أن یستقرض علیه من النوع الآخر ویصرفه إلی أهل ذلک، ثم إذا حصل من ذلک النوع شيء، رده في المستقرض منه". (تبیین الحقائق، کتاب السیر، باب العشر والخراج والجزیة: ۳/۴۷۱، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب السیر، باب العشر والخراج والجزیة: ۵/۲۰۰، ۲۰۱، رشیدیه)

انتظامی عملہ کی تنخواہ جامع مسجد سے ادا کی جاتی ہے، اس کے علاوہ دیگر اخراجات وآمدنی کا حساب ہر مسجد کا الگ الگ رہتا ہے۔ اور حتی الوسع یہ کوشش کی جاتی ہے کہ ہر مسجد کا آمد وخرچ متوازن ہو، مگر بعض مسجدوں میں مستقل آمدنی سے زائد خرچ ہوجاتا ہے جو کہ جامع مسجد کی آمدنی سے پورا کیا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا حالات میں ایک مسجد کی ضرورت کے تحت دوسری مسجد کی آمدنی صرف کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کی اجازت نہیں: "اتحد الواقف والجهة، وقل مرسوم بعض الموقوف عليه بسبب خراب وقف أحدهما، جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه؛ لأنهما حينئذٍ كشيء واحد. وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجداً ومدرسة، ووقف عليهما أوقافاً، لا يجوز له ذلك" رد المحتار: ۴/۳۶۱ (۱)۔

ہاں اگر بالکل فاضل ہو، حفاظت دشوار ہو، ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کی اجازت ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۱۸/۶/۹۰ھ۔

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الوقف: ۴/۳۶۰، سعید)

"أما إذا اختلف الواقف، أو اتحد الواقف واختلف الجهة بأن بنى مدرسة ومسجداً، وعين لكل وقفاً، وفضل من غلة أحدهما، لا يبدل شرط الواقف. وكذا إذا اختلف الواقف لا الجهة، يتبع شرط الواقف، وقد علم بهذا التقرير إعمال الغلتين إحياءً للوقف ورعاية شرط الواقف. هذا هو الحاصل من الفتاوى اهـ. وقد علم أنه لا يجوز لمتولي الشيخونية بالقاهرة صرف أحد الوقفين للآخر". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۶۲، رشيديه)

(۲) "حشيش المسجد وحصره مع الاستغناء عنهما، وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۹، سعيد)

مسجد کے لئے چندہ جمع کر کے مدرسہ بنانا

سوال[۷۲۳۰]: عمر مسجد بنوانے کی فکر میں تھا، برابر اس کے جد وجہد بھی کرتا رہا، کچھ حصہ مسجد کا تعمیر بھی ہوگیا، لیکن ابھی پایۂ تکمیل کو نہ پہونچی تھی کہ اس نے اسی مسجد میں مدرسہ کی بنیاد ڈالی، اور بحمد اللہ ۳۶/ طلبہ بھی داخل ہوگئے جس میں کچھ مستطیع اور غیر مستطیع طلبہ بھی شامل ہیں، یعنی کچھ تعلیم کی فیس ادا کر سکتے ہیں کچھ نہیں۔ اور اس رمضان المبارک میں عمر نے مدرسہ کے لئے چندہ بھی کیا جس میں زکوۃ، صدقات، عانات کی رقم شامل ہے، لیکن مد زکوۃ کی رقم زیادہ ہے تو خیال یہ ہے کہ مسجد پوری تعمیر ہوجائے اور اس میں فی الحال مدرسہ قائم رہے۔ اور اس کے بعد ان شاء اللہ مسجد کے سامنے ایک پلاٹ ہے، اس کی تعمیر ہوجانے کے بعد مدرسہ اس میں منتقل ہوجائے گا۔

آیا مسجد کی تعمیر میں مد زکوۃ، صدقات، اعانات وغیرہ کی رقم تملیک کے ذریعہ لگائی جاسکتی ہے یا نہیں، اگر تملیک کرکے لگائی جاسکتی ہے تو تملیک کی کہاں ضرورت ہے؟ اگر نہیں لگ سکتی تو اس کے مصرف واضح فرمائیں، مدرسہ کی تعمیر کے لئے اس رقم کو کیسے لگایا جاسکتا ہے؟ اور طلبہ کی پڑھائی پر کس طرح صرف کیا جاسکتا ہے؟ کیا مد زکوۃ، صدقات، چرم قربانی سے غیر مستطیع طلبہ کی تعلیمی فیس ادا کی جاسکتی ہے؟ ایک صاحب بینک اور بیمہ کا سود اسکول اور طلبہ کے لئے دینا چاہتے ہیں، کیا لیا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کے لئے جو چندہ کیا جائے اس کو مدرسہ میں صرف کرنا جائز نہیں، مدرسہ کے لئے جو چندہ کیا جائے اس کو مسجد پر صرف کرنا جائز نہیں(۱)۔ جو جگہ نماز کے لئے مقرر ہوجائے وہاں مدرسہ نہ اور تعلیمی کام کے

---

(۱) "سئل عن شمس الأئمة الحلواني أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب، ولا يحتاج إليه لتفرق الناس عنه: هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد أو حوض آخر؟ فقال: نعم". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث عشر في الأوقاف التي يستغنى عنها، إلخ: ۲/۴۷۸، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون في الأوقاف التي يستغنى عنها، إلخ: ۵/۸۷۷، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۴/۳۵۹، سعيد)

(و) "وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين، أو رجل مسجداً ومدرسة، ووقف عليهما أوقافاً" —

نے اس جگہ کو متعین کر دیا جائز نہیں (۱)۔ اس جگہ ایسے چھوٹوں کو بھی تعلیم نہ دی جائے جو مسجد کا احترام باقی نہ رکھ سکیں (۲)۔

زکوٰۃ، صدقۃ الفطر، قیمت چرم قربانی کو مدرسہ یا مسجد کی تعمیر میں دینا جائز نہیں، وہ صرف غریبوں کا حق ہے، جو نادار مستحق زکوٰۃ طلبہ تعلیم پاتے ہوں ان کے کھانے، کپڑے پر یہ رقم خرچ کی جا سکتی ہے (۳)، ان رقوم

= لایجوز له ذلک". (الدر المختار). "(قوله: لایجوز له ذلک): ای الصرف المذکور .... قال الخیر الرملی: أقول: ومن اختلاف الجهة ما إذا کان الوقف منزلین: أحدهما للسکنی والآخر للاستغلال، فلا یصرف أحدهما للآخر، وهی واقعة الفتوی، اهـ". (رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب فی نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۰، ۳۶۱، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۴۲۳، رشیدیه)

(۱) "شرط الواقف کنص الشارع: أی فی وجوب العمل به، وفی المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، کتاب الوقف: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی الدر المختار، کتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۲/۶۰۸، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۲) "عن واثلة بن الأسقع رضی الله تعالیٰ عنه أن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "جنبوا مساجدکم صبیانکم، ومجانینکم، وشراءکم، وبیعکم". (سنن ابن ماجة، أبواب المساجد والجماعات، باب ما یکره فی المساجد، ص: ۵۴، قدیمی)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیها﴾ الآیة (سورة التوبة: ۶۰)

"ویتصدق بجلدها أو یعمل منه نحو غربال وجراب ... لا بمستهلک کخل ولحم ونحوه کدراهم، فإن بیع اللحم أو الجلد به أی بمستهلک أو بدراهم تصدق بثمنه". (تنویر الأبصار مع رد المحتار، کتاب الأضحیة: ۶/۳۲۸، سعید)

"ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحةً کما مر، لا یصرف إلی بناء نحو مسجد ولا إلی کفن میت". (تنویر الأبصار مع الدر المختار، کتاب الزکوٰة، باب المصرف: ۲/۳۴۴، سعید)

"أی مصرف الزکاة والعشر ... هو فقیر، وهو من له أدنی شئ". (الدر المختار). "وهو مصرف أیضاً لصدقة الفطر والکفارة والنذر وغیر ذلک من الصدقات الواجبة، کما فی القهستانی" =

سے ان کو نقد وظیفہ بھی دینا درست ہے، پھر وہ چاہیں تو ان رقوم سے مدرسہ کی فیس بھی ادا کردیں۔ قربانی کرنے والے حضرات اگر چرمِ قربانی مدرسہ کے مہتمم و متولی کو بطور ہبہ (گوشت قربانی کی طرح) دے دیں اور وہ اس کو فروخت کرکے تعمیر یا تنخواہ میں حسب صوابدید لگادیں تو یہ درست ہے(۱)۔

سود کا لینا بھی حرام ہے اور دینا بھی حرام ہے، خواہ بینک کا ہو یا بیمہ کا (۲)۔ ایسا پیسہ جو کچھ ملے اس کو غریبوں محتاجوں کو بلانیتِ ثواب صدقہ کردیں (۳)۔ پھر وہ لوگ مالکانہ قبضہ کرنے کے بعد بغیر کسی دباؤ کے دے دیں تو تعمیر وغیرہ میں لگانا بھی درست ہوگا (۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۳/۲/۱۹ھ۔

- (رد المحتار، کتاب الزکوة، باب المصرف: ۲/۳۳۹، سعید)

(۱) "ویستحب أن یأکل من أضحیته ویطعم منها غیره ... ویطعم الغني والفقیر جمیعاً. کذا في البدائع. ویهب منها ما شاء للغني والفقیر والمسلم والذمي" (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الأضحیة، الباب الخامس في بیان محل إقامة الواجب: ۵/۳۰۰، رشیدیه)

(وکذا في بدائع الصنائع، کتاب الأضحیة، فصل فیما یستحب قبل الأضحیة، الخ: ۶/۳۳۱، دار الکتب العلمیة بیروت)

"واللحم بمنزلة الجلد في الصحیح حتی لا یبیعه بما لا ینتفع به إلا بعد الاستهلاک". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الأضحیة: ۵/۳۰۱، رشیدیه)

(۲) قال الله تعالی: ﴿وأحل الله البیع وحرم الربوا﴾ الآیة (البقرة: ۲۷۵)

"عن جابر رضي الله تعالی عنه قال: لعن رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم آکل الربوا وموکله وکاتبه وشاهدیه، وقال: "هم سواء" (مشکوة المصابیح، کتاب البیوع، باب الربوا، الفصل الأول، ص: ۲۴۴، قدیمي)

(۳) "ویردونها علی أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد علی صاحبه" (رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البیع: ۶/۳۸۵، سعید)

(۴) "وقدمنا أن الحیلة أن یتصدق علی الفقیر ثم یأمره بفعل هذه الأشیاء" (رد المحتار). "(قوله أن الحیلة) أي في الدفع إلی هذه الأشیاء مع صحة الزکاة ... ویکون له ثواب الزکاة وللفقیر ثواب هذه القرب" (رد المحتار، کتاب الزکوة، باب المصرف: ۲/۳۴۳، سعید)

مسجد کے روپے سے عیدگاہ بنانا یا بالعکس

سوال [۷۲۳۱]: مسجد کے روپیہ سے عیدگاہ بنانا یا عیدگاہ کے روپیہ سے مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقف مسجد سے حاصل شدہ روپیہ سے عیدگاہ بنانا اور وقف عیدگاہ سے حاصل شدہ روپیہ سے مسجد بنانا درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۹/۹۱ھ۔

مسجد کی آمدنی سے تنخواہ میں تقلیل اور اسکول میں خرچ کرنا

سوال [۷۲۳۲]: مساجد کے اماموں کی تنخواہ ۵۰، ۶۰، ۷۰ روپے ماہوار دی جاتی ہے جو بہت کم قلیل ہے، حالانکہ آمدنی بہت کافی ہے، لیکن اس آمدنی کو مسجد کے لئے اور اماموں کی تنخواہ میں اضافہ کرنے کے بجائے اسکول میں دنیوی تعلیم میں زیادہ خرچ کیا جاتا ہے اور دینی تعلیم بھی بہت ناقص ہے۔ تو مساجد کی آمدنی زائد آمدنی اسکول میں دنیوی تعلیم پر خرچ کرنا جائز ہے؟ دینی تعلیم نہیں دی جاتی ہے۔

---

(۱) "والحيلة في ذلك: أن يتصدق السلطان بذلك على الفقراء، ثم الفقراء يدفعون ذلك إلى المتولي، ثم المتولي يصرف ذلك إلى المرمة، كذا في الذخيرة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحيل، الفصل الثالث في مسائل الزكوة: ۶/۳۹۲، رشيدية)

"وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجداً ومدرسة، ووقف عليهما أوقافاً لا يجوز له ذلك" (الدر المختار). "(قوله: لا يجوز له ذلك) أي الصرف المذكور .... قال الخير الرملي: أقول: ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوى اهـ". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۰، ۳۶۱، سعيد)

"وقد علم منه أنه لا يجوز لمتولي الشيخونية بالقاهرة صرف أحد الوقفين للآخر". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۶۲، رشيدية)

الجواب حامداً و مصلیاً:

واقف نے جو جائیداد جس مسجد کے لئے جداگانہ وقف کی ہے اس کی آمدنی اس مسجد میں صرف کی جائے، دوسری مسجد میں صرف نہ کی جائے (۱)، جب ایک مسجد کی آمدنی دوسری مسجد میں خرچ کرنے کی اجازت نہیں تو پھر مسجد کی آمدنی اسکول میں خرچ کرنا کیسے جائز ہوگا؟ جو لوگ خرچ کرتے ہیں وہ گناہ گار ہیں، ان کے ذمہ ضمان لازم ہے، ایسے لوگوں کو اوقاف کا منتظم بنانا بھی درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۰/۹۲ھ۔

مسجد کی آمدنی سے امام صاحب کا حجرہ وغیرہ بنانا

سوال [۷۲۳۳]: مسجد کے لئے ہمارے گاؤں کی کچھ زمین مسجد بن جانے کے بعد متفرق کاموں کے لئے وقف ہوئی ہے، کسی میں مسجد بنانے کا ذکر ہے، کسی میں مرمت کرانے کا ذکر ہے، کسی میں روزمرہ ضروریات کا ذکر ہے، کسی میں مسجد کی زیبائش وآرائش کا ذکر ہے۔ اب ان زمینوں کی مخلوط آمدنی سے نمازیوں کی سہولت کے لئے غسل خانہ، بیت الخلاء، امام صاحب کی قیام گاہ وغیرہ وغیرہ بنانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مسجد سے متعلق زمینوں کی آمدنی سے مذکورہ ضروریات بنانا اور ان میں حسب مصالح وہ روپیہ خرچ

---

(۱) "وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجداً ومدرسة، ووقف عليها أوقافاً، لا يجوز له ذلك". (الدر المختار). "(قوله: لا يجوز له ذلك): أي الصرف المذكور .... قال الخير الرملي: أقول: ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوى، اهـ". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۳۶۰/۴، ۳۶۱، سعيد)

(۲) "وينزع وجوباً، لو غير مأمون أو عاجزاً أو ظهر به فسق". (الدر المختار). "مقتضاه إثم القاضي بتركه والإثم بتولية الخائن، ولا شك فيه ...... القيم إذا لم يراع الوقف، يعزله القاضي". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: يأثم بتولية الخائن: ۳۸۰/۴، سعيد)

کرنا شرعاً درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۸/۹۰ھ۔

مسجد کی آمدنی سے امامِ مسجد کا حجرہ واستنجا خانہ بنوانا

سوال [۷۳۴۴]: مسجد کی دوکان کے کرایہ سے یا وقف کے روپے سے امام کے لئے حجرہ بنانا یا استنجا خانہ بنانا کیسا ہے؟ اور امام کے لئے حجرہ بنانا کیا متولی مسجد کے ذمہ ضروری ہے؟ اور نہ بنانے کی صورت میں امام مسجد میں ظہر سے عشاء تک رہے اور ریح وغیرہ اس میں خارج ہو تو کیسا ہے؟ کیونکہ ریح تو اپنے قابو میں نہیں اور جس شخص کو اخلاء زیادہ ہو تو کیا کرے، مسجد میں ریح خارج کرنا کیسا ہے؟ نیز متولی امام کے لئے پنکھا و بجلی لگوا سکتا ہے یا نہیں اگرچہ وقف ہی کا پیسہ ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حجرۂ امام اور استنجا خانہ مسجد کی دوکانوں کے کرایے سے بنانا درست ہے(۲)، وقف کے روپے سے

---

(۱) "(قوله: اتحد الواقف والجهة) بأن وقف وقفين على المسجد، أحدهما على العمارة والآخر إلى إمامه أو مؤذنه، والإمام والمؤذن لا يستقر لقلة المرسوم، للحاكم الدين أن يصرف من فاضل وقف المصالح والعمارة إلى الإمام والمؤذن باستصواب أهل الصلاح من أهل المحلة". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۰، سعید)

"والذي يبدأ به من ارتفاع الوقف عمارته شرط الواقف أولا، ثم ما هو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة يصرف إليهم إلى قدر كفايتهم، ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۵۲، رشیدیه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۶۶، ۳۶۷، سعید)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث في المصارف: ۲/۳۶۸، رشیدیه)

(۲) "ويبدأ من غلته بعمارته، ثم ما هو أقرب لعمارته كإمام مسجد ومدرس" (الدر المختار). "والذي يبدأ به من ارتفاع الوقف: أي من غلته عمارته شرط الواقف أولا، ثم ما هو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة كإمام المسجد، والمدرس للمدرسة يصرف إليهم إلى قدر كفايتهم، ثم السراج والبساط =

بھی بنانا درست ہے۔ تجرد نہ ہو اور امام شب و روز مسجد میں رہائش اختیار کرے اس سے مسجد کا احترام باقی نہیں رہتا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۶/۱۴۰۱ھ۔

مسجد کے پیسے سے بیت الخلاء اور غسل خانہ بنانا، لہو ولعب کی تقریب میں شرکت

سوال[۴۲۲۵]: مسجد کے پیسے سے مسجد کے امام کے لئے پاخانہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اور نمازیوں کے لئے پانی کے انتظام کی بابت خرچ کرنا کیسا ہے؟ اور شادی وغیرہ میں اگر محلہ کی چند عورتیں جمع ہو کر گیت گاتی ہیں تو اس شادی میں شرکت کرنا کیسا ہے، یعنی کھانا وغیرہ خصوصاً علماء کے لئے کیا حکم ہے؟ شادی وغیرہ میں ہم اپنے رشتہ داروں کو دعوت وغیرہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور مسجد کی زمین پر ٹھیکہ دینا کیسا ہے؟ ہمارے یہاں اس شرط پر ہوتا ہے کہ تمہاری زمین سال بھر تک رہے گی تم ہمیں اتنے من اناج دینا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس طرح غسل خانہ، وضو خانہ مسجد کے پیسے سے بنایا جاتا ہے، اسی طرح مؤذن وامام کے لئے پاخانہ جانے کی ضرورت ہو تو وہ بھی درست ہے(۲)۔ بغرض احتیاج غسل کے لئے پانی کا انتظام بھی مسجد کے پیسے

= كذلك إلى آخر المصالح". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب إليها: ٣/٤١٧، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ٥/٣٥٢، رشيديه)

(١) "ويكره النوم والأكل فيه لغير المعتكف". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ٥/٣٢١، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، مطلب في الغرس في المسجد: ١/٦٦١، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ٦١٢، سهيل اكيدمي، لاهور)

(٢) "ويبدأ من غلته بعمارته، ثم ما هو أقرب لعمارته كإمام مسجد ومدرس مدرسة يعطون بقدر كفايتهم". (الدر المختار) "أي فإن انتهت عمارته وفضل من الغلة شيء ... والذي يبدأ به من ارتفاع الوقف: أي من غلته عمارته شرط الواقف أو لا، ثم ما هو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة يصرف إليهم إلى قدر كفايتهم، ثم السراج والبساط كذلك إلى =

درست ہے۔ گانا بجانا جائز نہیں (۱) جس محفل میں گانا بجانا ہو اس میں شرکت کرنا اور کھانا درست نہیں، خاص کر مقتدا و صلحاء کے لئے (۲)۔ مسجد کی ضروریات و مصالح کے لئے جو زمین وقف ہو اس کی آمدنی اس میں خرچ کی ہوتے اس کو ٹھیکہ پر دینا درست ہے (۳)۔

... المصالح". (رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب: يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب إليها: ۴/۳۶۶-۳۶۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۵۱، رشيدية)

(۱) "وفي البزازية: استماع صوت الملاهي كضرب قصب ونحوه حرام، لقوله عليه الصلاة والسلام: "استماع الملاهي معصية، والجلوس عليها فسق، والتلذذ بها كفر". (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة: ۶/۳۴۹، سعيد)

(۲) "وعن سفينة أن رجلاً ضاف علي بن أبي طالب رضي الله تعالى عنه، فصنع له طعاماً، فقالت فاطمة رضي الله تعالى عنها: لو دعونا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فأكل معنا، فدعوه، فجاء، فوضع يديه على عضادتي الباب، فرأى القرام قد ضرب في ناحية البيت، فرجع. قالت فاطمة: فتبعته فقلت: يا رسول الله! ما ردك؟ قال: "إنه ليس لي أو لنبي أن يدخل بيتاً مزوقاً". رواه أحمد وابن ماجة" (مشكوة المصابيح، باب الوليمة، الفصل الثاني، ص: ۲۷۹، قديمي)

قال الملا علي القاري تحته: "وفيه تصريح بأنه لا يجاب دعوة فيها منكر. اهـ" (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح، باب الوليمة: ۶/۳۴۲، رشيدية)

"ولو دعي إلى دعوة فالواجب أن يجيبه إلى ذلك، وإنما يجب عليه أن يجيبه إذا لم يكن هناك معصية ولا بدعة ... من دعي إلى وليمة فوجد ثمة لعباً أو غناء، فلا بأس أن يقعد ويأكل، فإن قدر على المنع يمنعهم، وإن لم يقدر يصبر، وهذا إذا لم يكن مقتدى به، أما إذا كان ولم يقدر على منعهم، فإنه يخرج ولا يقعد، ولو كان ذلك على المائدة لا ينبغي أن يقعد وإن لم يكن مقتدى به، وهذا كله بعد الحضور، وأما إذا علم قبل الحضور فلا يحضر، لأنه لا يلزمه حق الدعوة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۳، رشيدية)

(۳) "ولا تجوز إجارة الوقف إلا بأجر المثل، كذا في محيط السرخسي ... وإذا استأجر أرض وقف ثلاث سنين بأجرة معلومة هي أجر المثل حتى جازت الإجارة فرخصت أجرتها لا تفسخ الإجارة، -

سال بھر کا کرایہ نقد روپیہ تجویز کیا جائے، یا غلہ مثلاً اتنی مقدار فلاں قسم کا اناج ہم کو ایک سال میں دینا اور جو تمہارا دل چاہے زمین میں کاشت کرنا سب طرح درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۶/۱۲/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۷/۱۲/۸۹ھ۔

مسجد کا چندہ عمومی کام میں خرچ کرنا

سوال[۷۲۳۱]: چند حضرات نے مسجد کے لئے روپیہ جمع کیا تھا، لیکن وہ روپیہ عمومی کام میں صرف کرنا چاہتے ہیں، اگرچہ باقاعدہ حساب مع رسیدات کے موجود ہے، لیکن سب چندہ دہندگان کا موجود ہونا ان کے گھروں پر جا کر دریافت کرنا ایک امر مشکل ہے، ایسی حالت میں شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس طرح چندہ جمع کیا ہے (ان کو جمع کر کے یا گھروں پر جا کر) اسی طرح ان سے اجازت لے لی جائے، یا ان کا چندہ واپس کر دیا جائے(۲)، جب رسیدیں بھی موجود ہیں تو اس میں کیا مشکل ہے۔ یہ اعلان کیا

= كذا في المحيط". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف: ۴۱۹/۲، رشيدية)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، تصرف القيم في الأوقاف: ۷۶۲/۵، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "إنما يجوز في الوقف عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى ما تعارفه الناس أجرةً وثمناً في الإجارات والمبايعات مثل الحنطة والشعير". (التاتارخانية، كتاب الوقف، تصرف القيم في الأوقاف: ۷۵۳/۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف، الخ: ۴۲۱/۲، رشيدية)

(۲) "سئل عن وقف انهدم ولم يكن له شيء يعمر منه، ولا أمكن إجارته ولا تعميره: هل تباع أنقاضه من حجر وطوب وخشب؟ أجاب: إذا كان الأمر كذلك، صح بيعه بأمر الحاكم، ويشترى بثمنه وقف مكانه، فإذا لم يكن، رده إلى ورثة الواقف إن وجدوا، وإلا يصرف للفقراء". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في الوقف إذا خرب ولم يمكن عمارته: ۳۷۴/۴، سعيد)

"الوكيل إذا خالف، إن خلافاً إلى خير في الجنس كبيع بألف درهم فباعه بألف ومائة نفذ، ولو بمائة دينار لا، ولو خيراً". (الدر المختار، باب الوكالة بالبيع والشراء: ۵۲۱/۵، سعيد)

جائے کہ اس چندے کو فلاں کام میں خرچ کیا جائے گا، جس کو منظور ہو وہ اپنا چندہ واپس لے لے۔ اور یہ اعلان اس طرح کیا جائے کہ چندہ دہندگان تک بالواسطہ یا بلاواسطہ کسی نہ کسی طرح پہنچ جائے، مثلاً ایک اشتہار چھپ کر تقسیم کیا جائے، یا محلوں اور مساجد میں بھجوا دیا جائے، غرض اپنی وسعت کے مطابق اعلان کردیں یا واپس کردیں، اس سے زائد ذمہ داری نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۲/۸۹ھ۔

مسجد قدیم کی آمدنی کا مصرف

سوال[۴۰۲۳]: ۱... پچھلی مسجد کے متعلقہ مسجد کی زمین موقوفہ ہے، موضع کے معتبر لوگوں کی رائے یا بغیر رائے کے موقوفہ جگہ میں کسی قسم کا نفع اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟

۲... موقوفہ زمین کی آمدنی کہاں خرچ کی جائے اور کیسے خرچ کی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲... خلافِ غرضِ واقف کا استعمال ناجائز ہے، بلکہ اس کی شرطوں کے موافق استعمال کرنا چاہیے(۱)، اگر وہ مسجد کے منافع کے لئے وقف ہے تو اس کو کرایہ پر دے کر اس کا کرایہ مصالحِ مسجد پر صرف کیا جائے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۵/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۵/۵۸ھ۔

---

(۱) "على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة" (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين الخ: ۴/۴۴۵، سعيد)

"لأن شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع، أي في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة" (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۲۰۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

(۲) "مسجد له مستغلات وأوقاف، أراد المتولي أن يشتري من غلة الوقف للمسجد دهناً أو حصيراً أو =

مسجد کی فاضل رقم کا مصرف

سوال [۷۲۳۸]: مساجد کی لاکھوں روپیہ کی غیر سودی رقم جو بینک میں جمع ہے جس پر خواہ مخواہ سود چڑھتا رہتا ہے اور حکومت اس میں سے لون لیا کرتی ہے تو کیا ان مساجد کی وہ غیر سودی رقم جبکہ ان مساجد کی حالیہ ضروریات نیز مستقبل کی متوقع ضروریات سے بھی فاضل ہے، تو اس رقم کو مالی اعتبار سے نہایت کمزور، ضرورت مند مساجد کی تعمیر اور مرمت میں اس رقم کا کچھ حصہ استعمال کرنا یا مؤذن اور اماموں کی تنخواہوں میں دینا یا مکاتب ومدارس دینیہ کی امداد یا جدید مکاتب دینیہ قائم کرنا یا غریب بچوں کو وظیفہ دینا، یہ روپیہ ان مذکورہ مدوں میں صرف ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر مسجد کی رقم اصالۃً اسی مسجد میں صرف کی جائے اگر اس مسجد میں ضرورت نہ ہو اور آئندہ بھی ضرورت متوقع نہ ہو یا رقم کی حفاظت دشوار ہو اور ضائع ہونے کا قوی اندیشہ ہو تو پھر قریب کی مسجد میں اس کے بعد بعید کی مسجد میں حسب ضرورت ومصالح مسجد کی تعمیر، صرفہ پانی، روشنی، تنخواہ امام ومؤذن میں صرف کرنا درست ہے (۱) جب تک یہ مصارف موجود ہوں تو مسجد کے علاوہ دیگر مواقع مثلاً مدارس ومکاتب کی تعمیر یا وہاں کے

= حاشیہ ...... قالوا: إن وسع الواقف ذلک للقیم وقال: تفعل ماتری من مصلحة المسجد، کان له أن یشتری للمسجد ماشاء". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد الخ، الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد، الخ: ۲/۴۶۱، رشیدیه)

(وکذا فی فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً أو خاناً، الخ: ۳/۲۹۷، رشیدیه)

(۱) "ولابأس بنقشه خلامحرابه بجص وماء ذهب لوبماله، لامن مال الوقف فإنه حرام، وضمن متولیه لو فعل النقش أو البیاض، إلا إذا خیف طمع الظلمة، فلابأس به، کافی". (الدر المختار).

"(قوله: إلا إذا خیف): أی بأن اجتمعت عنده أموال المسجد وهو مستغن عن العمارة، وإلا فیضمنها، کما فی القهستانی". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، مطلب: کلمة لابأس دلیل علی أن المستحب غیره الخ: ۱/۶۵۸، سعید)

(وأیضاً ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۰، سعید)

ملازمین کی تنخواہوں پر تعلیم پانے والے طلبہ کے وظیفوں میں ہرگز صرف نہ کریں، اگر مساجد میں صرف کرنے کی دور نزدیک کی کوئی صورت نہ رہے تو پھر دینی مدارس ومکاتب کے مواقع مذکورہ میں صرف کرنا درست ہوگا(۱)۔

فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱/۸۷ھ۔

مسجد کی آمدنی سے مسجد میں لائبریری چلانا

سوال[۷۲۳۹]: یہاں پر مسجد کے ایک کمرہ میں ایک لائبریری قائم ہے جس میں کچھ مذہبی کتابوں کا ذخیرہ ہے اور کچھ سیاسی اخبار "تجلی" اور "نشیمن" وغیرہ بھی پڑھے جاتے ہیں اور ایک ملازم مقرر ہے۔ استفتاء یہ ہے کہ مسجد کے روپیہ سے اخباروں کی قیمت ادا کی جاتی ہے اور مسجد ہی کے روپے سے ملازم کو تنخواہ دی جاتی ہے۔ یہ لائبریری کے اخراجات مسجد کے روپیہ سے دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زمین جائیداد دوکان کے لئے وقف ہو، یا جو چندہ مسجد کے نام سے وصول کیا گیا ہو اس سے کوئی لائبریری قائم کرنا، رسائل واخبار منگانا اور لائبریری کے ملازم کو تنخواہ دینا شرعاً درست نہیں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وإذا استغنى عنه المسجد يصرف إلى فقراء المسلمين، فيجوز ذلك؛ لأن جنس هذه القربة مما لاينقطع ويبقى مابقي الإسلام". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف: ۲۸۸/۳، رشيدية)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، تصرف القيم في الأوقاف: ۵/۷۳۹، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الثاني: ۲/۴۶۳، رشيدية)

(۲) "إلا إذا ذكر للوقف مصرفاً، لابد أن يكون فيهم تنصيص على الحاجة حقيقة". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: متى ذكر للواقف مصرفاً لابد أن يكون الخ: ۴/۳۶۵، سعيد)

مسجد کے روپیہ سے قبرستان کی زمین خریدنا

سوال [۷۲۲۰]: ایک پڑی ہوئی زمین جس کا مالک ایک ہندو تھا، اس زمین کے کچھ حصے میں تقریباً سو سال سے مسلمانوں نے قبرستان بنا رکھا ہے، اب وہ زمین اس ہندو سے ایک مسلمان نے خرید لی، لیکن قبرستان اسی طرح برقرار ہے۔ پھر اس زمین کو مسجد کے قریب ہونے کی وجہ سے مسجد کے متولی صاحب نے گاؤں کے دو چار آدمیوں کے مشورہ سے مسجد کے روپے سے مسجد کے نام پر خرید لیا کہ نیت سے کہ وہ قبرستان رہے گا۔

اب سوال یہ ہے کہ جس حصے میں قبرستان ہے وہ حصہ قبرستان رکھا جا سکتا ہے یا نہیں؟ مسجد کی کمیٹی (قبرستان رکھا جائے یا نہ رکھا جائے) اس بارے میں کچھ فیصلہ کر سکتی ہے یا نہیں؟ یا قبرستان باقی رکھنے کے لئے اور کوئی صورت ہے؟ اگر قبرستان کو باقی نہ رکھا جائے تو فتنہ ضرور ہوگا۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس زمین کو خریدنے میں جتنا روپیہ مسجد کا خرچ ہوا ہے وہ روپیہ سب مسلمان چندہ کر کے مسجد کو دیدیں اور اس زمین کو قبرستان ہی رکھیں، مسجد کے روپے سے قبرستان کے لئے زمین خریدنے کا حق نہیں (۱) لہٰذا مسجد کا روپیہ وصول ہونا ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۵/۹۶ھ۔

مسجد کی رقم تحفظِ مسجد کے لئے لڑے جانے والے مقدمے کے مصرف میں صرف کرنا

سوال [۷۲۲۱]: ایک مسجد ہے اس کے ارد گرد کی زمین مسجد ھذا کے نام وقف ہے جس کا اندراج سنی سینٹرل وقف بورڈ لکھنؤ میں ہے۔ وقف بورڈ کی طرف سے مسجد ہذا کے ایک رجسٹرڈ متولی ہیں۔ متعلقہ مسجد کے کچھ لوگ مسجد کے ارد گرد کی زمین میں مدرسہ بنانا چاہتے تھے، متولی نے اس میں رکاوٹ کی، کیونکہ اس زمین

---

(۱) "وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين، أو رجل مسجداً ومدرسة، ووقف عليهما أوقافاً، لا يجوز له ذلك". (الدر المختار). "(قوله: لا يجوز له ذلك): أي الصرف المذكور...... قال الخير الرملي: الأول. ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوى، اهـ". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۰، ۳۶۱، سعيد)

کہ لحاظ اس چوکیوں کی آمدنی سے مدرسہ چلتے تھے وقف مسجد کو کافی مالی نقصان پہنچا تھا اور شرعی اعتبار سے بھی مسجد کی وقف جائیداد میں مدرسہ تعمیر کرنا جائز نہیں۔

ایسی شکل میں آپس میں جھگڑا ہوگیا اور خلاف لوگوں نے متولی کے خلاف دوسری پارٹی بنالی اور اپنا ایک نام نہاد متولی بھی بنالیا اور یہ لوگ بستی کے پاس متعلقہ مسجد کا پیسہ جمع کرنے لگے۔ ان لوگوں نے متولی کو الگ کرانے کے لئے وقف بورڈ کو متولی کے خلاف شکایتی درخواستیں بھی بھیجی جو انکوائری پر جھوٹی ثابت ہوئی اور متولی الگ نہ ہوسکے۔ اس خصوصیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ان لوگوں نے فوجداری جھگڑا کیا جس پر مقدمہ چالو ہوگیا۔

ایسی صورت کو مدنظر رکھتے ہوئے نیچے لکھے گئے سوالات کے جوابات درکار ہیں:

۱... اس مقدمہ میں رجسٹرڈ متولی مسجد کا پیسہ خرچ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

۲... نامزد متولی مسجد کا پیسہ اس مقدمہ میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

۳... ایسی شکل میں خلاف پارٹی کے لوگوں کو الگ پیسہ جمع کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کی وقف شدہ زمین میں زبردستی مدرسہ بنانے کا حق نہیں (۱)، اگرچہ دینی مدرسہ بنانا اور دینی تعلیم کو عام کرنا بہت بڑے اجر وثواب کی چیز ہے مگر حق طریقہ جائز اختیار کیا جائے، اور اس کے لئے متولی سے جھگڑا کرنا اور اس کو تولیت سے الگ کرانا اور مقدمہ بازی بہت مذموم اور گناہ ہے (۲)۔

۱... اگر اس مقدمہ کی کامیابی میں مسجد کا تحفظ ہے اور اس کی جائیداد کا تحفظ ہے تو رجسٹرڈ متولی کو اس میں مسجد کا روپیہ خرچ کرنا درست ہے کیونکہ درحقیقت مسجد ہی کے لئے ہے (۳)۔

---

(۱) "قال الخير الرملي: أقول: ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوى". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۰، سعيد)

(۲) "لا يعزله القاضي بمجرد الطعن في أمانته، ولا يخرجه إلا بخيانة ظاهرة بينة". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/[illegible]، رشيدية)

(۳) "لو المتولي عليه الظالم، ولم يمكنه دفعه عنه إلا بصرف ماله فصرف، لا يضمن". (منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۰۲، رشيدية)

۲۔ سوال میں تحریر کردہ حالات کے تحت بی کو مسجد کا روپیہ خرچ کرنا جائز نہیں (۱)۔

۳۔ نہ جھگڑالو آدمی کا ساتھ دیا جائے، نہ اس کے لئے چندہ کیا جائے، بلکہ جھگڑا ختم کرا کے صلح کی کوشش کی جائے، اسی میں خیر ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، [illegible]ھ۔

مساجد کا روپیہ حکومت کو دینا

سوال [۷۲۴۲]: کیا مساجد کا روپیہ حکومت کو بنگال کی امداد میں دینا جائز ہے؟ نیز مساجد کا روپیہ کہاں کہاں خرچ کرنے کی اجازت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مساجد کا روپیہ وقف کا روپیہ ہے جو کہ امانت ہے، متولی کو مسجد کے علاوہ کسی بھی جگہ خرچ کرنے کی اجازت نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، [illegible]ھ۔

---

(۱) "والذي يبدأ به من ارتفاع الوقف: أي من غلته عمارته شرط الواقف أولاً، ثم ما هو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة ... ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب إليها: ۴/۳۶۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث في المصارف: ۲/۳۶۸، رشيدية)

(۱) "فالمستفيد منه أنه إذا لم يمتنع من صرف شيئاً للوقف، كان خائناً فيعزل ... فالمستفاد منه أنه إذا تصرف بما لا يجوز، كان خائناً يستحق العزل، ولنفس ما يقال" (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۹۴، رشيدية)

(۲) "إذا ذكر للوقف مصرفاً لابد أن يكون فيه تنصيص على الحاجة حقيقة" (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب متى ذكر للوقف مصرفاً لابد أن يكون، الخ: ۴/۳۶۶، سعيد)

"إذا قصر المتولي في شيء من مصالح الوقف هل يضمن؟ قلت: إن كان في عين ضمنها، وإن كان في المنفعة لا يضمن" (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۰۳، رشيدية)

"ولو اشترى منه ثوباً ودفعه إلى المساكين، يضمن ما نقده من مال الوقف لوقوع الشراء له". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۰۶، رشيدية)

مسجد کا روپیہ مسجد کی رؤیتِ ہلال کمیٹی میں خرچ ہوسکتا ہے یا نہیں؟

سوال [۷۲۲۳]: گورکھپور شہر میں جامع مسجد کمیٹی کی طرف سے ایک رؤیتِ ہلال کمیٹی قائم ہوئی، اس سلسلے میں کچھ روپے خرچ ہوئے اور روپے مذکور بابا جامع مسجد کے پیسے سے خرچ ہوئے۔ سوال صرف یہ ہے کہ مسجد کا پیسہ رؤیتِ ہلال کے سلسلے میں از روئے شریعت خرچ ہوسکتا ہے کہ نہیں؟ جب کہ وقف نامہ میں اس کی صراحت موجود ہے کہ ہماری موقوفہ جائداد کی آمدنی مصلیوں کے مفاد میں خرچ کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

رؤیتِ ہلال کا تعلق اس مسجد کے ساتھ مخصوص نہیں، لہٰذا اس مسجد کے وقف کا پیسہ اس سلسلہ میں خرچ کرنے کی اجازت نہیں، لأن شرط الواقف كنص الشارع (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کی آمدنی سے جنازہ کی چارپائی خریدنا

سوال [۷۲۲۴]: اکثر مساجد میں جو دریاں اور چارپائی مُردوں کے نہلانے اور قبرستان لے جانے کے واسطے مہیا کی جاتی ہے تو وہ مساجد کی موقوفہ جائداد کی آمدنی میں سے بنانا جائز ہے یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ وقف مساجد کے مصارف کے لئے ہوتا ہے اور یہ چیزیں اہلِ محلہ اور عام مسلمانوں کی سہولت کے لئے ہوتی ہیں تو مسجدوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوسکتا، لہٰذا دلائل کے ساتھ مسئلہ کی شرعی صورت تحریر فرمائیں کہ ان امور میں

---

(۱) "شرط الواقف كنص الشارع أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، سعيد)

"شرط الواقف كنص الشارع أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به". (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۱/۱۲۶، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچي)

"قال الخير الرملي: أقول: ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوى، اهـ". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۱، سعيد)

وقف کی آمدنی کا صرف کرنا جائز ہوگا یا ناجائز؟ وقف نامہ میں بالعموم جزئیات نہیں ہوتیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز ہے: "ليس لقيم المسجد أن يشتري جنازة، وإن ذكر الواقف أن يشتري جنازة، كذا في السراجية". فتاویٰ عالمگیری: ۲/۴۶۲ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

مسجد کے پیسے سے مسجد کے غسل خانہ کے لئے پانی خریدنا

سوال [۷۳۳۵]: مسجد کے وقف مال میں سے مسجد کے غسل خانوں میں غسل کے واسطے پانی خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ یا کوئی شخص پانی خرید کر مسجد کو وقف کرتا ہے تو کیا اس پانی کو عوام الناس کے غسل کے واسطے غسل خانہ میں رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مصالح مسجد کے لئے جو وقف ہو، اس کی آمدنی سے غسل کے لئے پانی خریدنا اور غسل خانہ مسجد میں رکھ دینا تاکہ نمازی وقت ضرورت اس سے غسل کرلیا کریں جائز ہے (۲)، اسی طرح کوئی شخص پانی خرید کر اس

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الثاني: ۲/۴۶۲، رشيديه)

"ذكر الواقف في كتاب الوقف أن القيم يشتري جنازة، لا يجوز للقيم أن يشتري جنازة من غلة الوقف، ولو اشترى ونقد الثمن من غلة الوقف، يكون ضامناً ...... وشراء الجنازة ليس من مصالح المسجد". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۲۹۷، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الرابع في المسجد وما يتصل به: ۶/۲۶۹، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الوقف، الفصل الرابع في المسجد وأوقافه، الخ: ۴/۴۲۳، رشيديه)

(۲) "والذي يبدأ به من ارتفاع الوقف: أي من غلته عمارته، شرط الواقف أولا، ثم ما هو أقرب إلى العمارة، —

مقصد کے لئے وہاں رکھ دے تب بھی درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۹۱ھ۔

مسجد کی رقم سے وضو کا پانی گرم کرنا

سوال[۷۴۳۶]: جو روپیہ مسجد میں جمع ہو اس سے پانی گرم کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو روپیہ مسجد کی مصالح کے لئے جمع ہو اس روپیہ سے نمازیوں کے لئے سردی کے زمانہ میں پانی گرم کرنا درست ہے، تاکہ وہ با آسانی وضو کر لیا کریں(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد...... ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب إليها: ۳۶۷/۴، سعيد)

(۱) "والأصح ما قال الإمام ظهير الدين: إن الوقف على عمارة المسجد وعلى مصالح المسجد سواء". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الثاني: ۲/۴۶۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الأول في المتولي: ۶/۲۳۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الوقف، الفصل الرابع في المسجد وأوقافه الخ: ۴/۴۲۲، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الرابع في المسجد وما يتصل به: ۶/۲۶۹، رشيديه)

(۲) "ويبدأ من غلته بعمارته، ثم ما هو أقرب لعمارته كإمام مسجد ومدرس مدرسة". (الدر المختار).

"(قوله: ثم ما هو أقرب لعمارته) والذي يبدأ به من ارتفاع الوقف: أي من غلته عمارته، شرط الواقف أولاً، ثم ما هو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة...... ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: يبدأ بعد العمارة الخ: ۴/۳۶۶، ۳۶۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۵۹، رشيديه) ....

مسجد کی آمدنی سے تعلیم دینا

سوال [۷۲۲۷]: مسجد کی آمدنی سے قرآن شریف کی تعلیم دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ مدرسہ اس مسجد کے تابع ہے یعنی بانی نے مسجد بنائی اور اس کے تابع ہی مدرسہ بنایا اور ہدایت کی کہ یہ مدرسہ مسجد کے تابع رہے گا اور مسجد کی آمدنی سے مدرسہ چلایا جائے گا تو شرعاً یہ درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کی رقم سے بیٹری بھروانا

سوال [۷۲۲۸]: مسجدوں میں اسپیکر رکھے جاتے ہیں تو اس کی بیٹری بھرواتے ہیں، اس میں جو صرفہ ہوتا ہے، کیا اس کو مسجد کے جمع شدہ روپیہ سے ادا کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مسجد کی ضرورت کے لئے یہ صرفہ ہے تو مسجد کے لئے جمع شدہ روپیہ سے اس کو پورا کرنا درست ہے(۲) اور اس کا انتظام بھی مسجد سے کیا جائے۔ فقط اللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۲۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۲۸ھ۔

= (وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ٢/٥٩٤، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(١) "اتحد الواقف والجهة، وقلّ مرسوم بعض الموقوف عليه بسبب خراب وقف أحدهما، جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه، لأنهما حينئذٍ كشيء واحد". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ٤/٣٦٠، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ٥/٣٦٢، رشيديه)

"شرط الواقف كنص الشارع أي في المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به". (الدر المختار، كتاب الوقف: ٤/٤٣٣، سعيد)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية: ١/٢٠٠، مكتبه حبيبيه كوئٹه)

(٢) "والذي يبدأ به من ارتفاع الوقف عمارته ...... ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح" =

سدھار سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی اجازت نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱/۹۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱/۹۵ھ۔

مسجد کی آمدنی سے افطار کرانا

سوال [۷۲۵۰]: جامع مسجد اور دیگر مساجد متعلقہ کی رمضان شریف میں اسی آمدنی (مسجد کی ملحقہ دوکانوں اور موقوفہ مکانات) سے نمازیوں کو افطار کرایا جاتا ہے۔ آیا یہ جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس پر جو دوکان وقف ہے اور واقف نے افطار کی اجازت دی ہے اس کی آمدنی سے اسی مسجد میں افطار کے لئے صرف کرنے کی اجازت ہے، واقف کی اجازت نہ ہو تو درست نہیں (۲)۔ ہاں! اگر واقف کے زمانہ سے یہ دستور برابر چلا آرہا ہو تو بھی درست رہے گا (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۳/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۳/۹۲ھ۔

---

(۱) "الفاضل من وقف المسجد هل يصرف إلى الفقراء؟ قيل: لا يصرف، وإنه صحيح، ولكن يشترى به مستغلاً للمسجد. كذا في المحيط". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الثاني: ۲/۴۶۳، رشيدية)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المسجد، قيم المسجد: ۵/۸۹۱، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "وإذا أراد أن يصرف شيئاً من ذلك إلى إمام المسجد أو إلى مؤذن المسجد، فليس له ذلك، إلا إن كان الواقف شرط ذلك في الوقف. كذا في الذخيرة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الثاني: ۲/۴۶۳، رشيدية)

(۳) "بعث شمعاً في شهر رمضان إلى مسجد فاحترق، وبقي منه ثلثه أو دونه، ليس للإمام ولا للمؤذن—

افطار کے لئے دیا ہوا روپیہ مسجد کے دوسرے کاموں میں صرف کرنا

سوال [۶۳۷۵]: ہمارے قصبہ میں دو تین مسجدیں ہیں، رمضان شریف میں افریقہ سے ہمارے یہاں کے اشخاص افطار کے واسطے چند روپے روانہ کرتے ہیں اور یہاں مسجد کے متولی صاحب ان روپوں میں سے بعض روپے افطار میں خرچ کرتے ہیں اور اکثر روپے مسجد کے اور کام میں خرچ کرتے ہیں۔ اور کبھی ان روپوں میں سے اکثر افطار کے لئے خرچ کرتے ہیں اور بعض مسجد کے اور کام کے لئے خرچ کرتے ہیں، دونوں طرف مساوی خرچ ہوتا ہے۔

ان تینوں صورتوں میں کیا یہ شرعاً جائز ہے کہ جو روپے صرف افطار کے لئے وصول ہوں اس میں سے مسجد کے لئے بھی خرچ کئے جائیں؟ صحیح جواب مع حوالہ کتب کے عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب دینے والے محض افطار کے لئے دیتے ہیں تو بغیر ان کی اجازت کے دوسرے کام میں صرف کرنا جائز نہیں، کیونکہ متولی ایسی حالت میں معطی کا وکیل ہے اور وکیل کو موکل کے امر کے خلاف صرف کرنا درست نہیں، هکذا فی کتب الفقه (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/ رجب/ ۶۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

امام کی تنخواہ وقف زمین کی آمدنی سے

سوال [۶۳۷۶]: ایک امام صاحب کی تنخواہ کم ہے، متولی ولائف میں خیانت کرتے ہیں، ایک شخص نے کچھ زمین مسجد کے لئے وقف کر رکھی ہے، خود کاشت کاری کرتے ہیں اور آمدنی مسجد میں دیتے ہیں۔ اگر یہ

---

(۱) "لیس له أن یأخذ بغیر إذن الدافع ولو کان العرف فی ذلک الموضع أن الإمام والمؤذن یأخذه من غیر صریح الإذن فی ذلک، فله ذلک" اهـ. (البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المساجد: ۵/۲۶۹، رشیدیه)

(۲) "(و) الوکیل إنما یستفید التصرف من الموکل، وقد أمره بالدفع إلی فلان، فلا یملک الدفع إلی غیره" (رد المحتار، کتاب الزکوٰة: ۲/۲۶۹، سعید)

شخص کچھ غلہ اپنی زمین سے امام صاحب کو بغیر متولی کی اطلاع کے دے دیں تو دے سکتے ہیں اور امام اس کو لے سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر امام کی تنخواہ متولی نہیں دیتا تو بقدرِ تنخواہ مسجد کی زمین کی پیداوار سے وصول کرنے کا حق ہے(۱)۔

فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسجد کی آمدنی سے حافظِ تراویح کو انعام دینا

سوال[۷۲۵۰]: ختمِ تراویح اور شبینہ کے موقع پر اسی آمدنی سے حفاظ کو انعامات تقسیم کئے جاتے ہیں، حالانکہ وقف کنندگان میں سے کسی کی تحریر میں ان مدات میں خرچ کا کوئی اشارہ نہیں ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تراویح میں قرآن کریم سنانے والوں کو روپیہ دینا درست نہیں(۲)، ہاں! اگر وہ ہمیشہ کا امام بھی ہو اور اس کو رمضان المبارک میں اصل تنخواہ سے زائد کچھ دیا جائے تو اسی مسجد کے اوقاف سے دینے کی

---

(۱) "الموقوف علی مصالح المسجد، یجوز دفع غلته إلی الإمام والمؤذن والقیم، اھ". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۵۴/۵، رشیدیه)

"ویبدأ من غلته بعمارته، ثم ما هو أقرب بعمارته، کإمام مسجد ومدرس مدرسة یعطون بقدر کفایتهم". (الدرالمختار، کتاب الوقف: ۳۶۶/۴، ۳۶۷، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۵۱/۵، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثالث فی المصارف: ۳۶۸/۲، رشیدیه)

(۲) "(قوله: ولا لأجل الطاعات) الأصل أن کل طاعة یختص بها المسلم، لایجوز الاستئجار علیها عندنا، لقوله علیه الصلوة والسلام: "اقرأوا القرآن ولاتأکلوا به"". (ردالمحتار، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب فی الاستئجار علی الطاعات: ۵۵/۶، سعید)

(وکذا فی تنقیح الفتاوی الحامدیة، کتاب الإجارة: ۱۳۷/۲، مکتبه میمنیه مصر)

اجازت ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۳/۹۲ھ۔

رقمِ مسجد تراویح کے حافظ پر خرچ کرنا

سوال [۷۰۵۵]: کیا مسجد کی رقم سے تراویح سنانے والے حافظ کا خرچ طعام دیا جاسکتا ہے؟ صرف دو وقت کھانا یا اس کی قیمت دینا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں دینا چاہیے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۹/۱۱ھ۔

عیدگاہ اور مسجد کا روپیہ قرض دینا

سوال [۷۰۵۶]: عیدگاہ یا مسجد کے لئے لوگوں نے چندہ کیا۔ اس روپیہ سے قرض دینا اور لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز نہیں، وہ امانت ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹۶/۹/۲۳ھ۔

---

(۱) "الوقف على مصالح المسجد، يجوز دفع غلته إلى الإمام والمؤذن والقيم. اهـ". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۵۶، رشيدية)

"ويبدأ من غلته بعمارته، ثم ما هو أقرب لعمارته كإمام مسجد ومدرس مدرسة يعطون بقدر كفايتهم". (الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب: يبدأ من غلة الوقف بعمارته: ۴/۳۶۷، سعيد)

وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۵۹، رشيدية)

(۲) "وإذا أراد أن يصرف شيئاً من ذلك إلى إمام المسجد أو إلى مؤذن المسجد، فليس له ذلك، إلا إن كان الواقف شرط ذلك". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الثاني في الوقف على المسجد: ۲/۴۶۳، رشيدية)

(۳) "مع أن القيم ليس له إقراض مال المسجد. قال في جامع الفصولين: ليس للمتولي إيداع مال =

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کا پیسہ متولی کے پاس امانت ہوتا ہے، اس میں اور کسی قسم کا تصرف کرنا روزگار وغیرہ میں لگانا جائز نہیں(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کا روپیہ تجارت کے لئے دینا

سوال[۷۲۵۴]: مسجد کی جو رقم جمع تھی اس رقم کو متولی مسجد نے اپنے ایک رشتہ دار کو بیوپار کرنے کے لئے دے دی، اس شخص نے مسجد کا کوئی حصہ طے نہیں کیا۔ اس تجارت میں کافی نفع ہوا، اس نے مسجد کی رقم واپس کرتے ہوئے مبلغ ۴۲۵/روپے زائد دے دیئے۔ یہ زائد رقم جو اس نے دی ہے یہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور آئندہ یہ رقم مسجد کا متولی کسی صورت سے اپنے رشتہ دار کو دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کی رقم متولی کے پاس امانت ہے، کسی کو بیوپار کے لئے دینے کا اس کو حق نہیں، ہرگز کسی کو نہ دی جائے(۲)۔ جو رقم دی تھی وہ بطورِ قرض تھی، قرض میں یہ شرط کرنا کہ واپسی کے وقت اتنی رقم زائد لی جائے گی جائز نہیں کیونکہ سود ہے(۳)، لیکن بغیر شرط کے اگر قرض لینے والا یہ کہہ کر قرض واپس کردے کہ اتنی رقم تو قرض تھی، یہ واجب الاداء ہے، اور اتنی رقم میں بلا کسی التزام کے اپنی طرف سے زائد دیتا ہوں تو یہ شرعاً درست ہے اور حدیث

---

(۱) "وفی القنیۃ: ولا یجوز للقیم شراء شيء من مال المسجد لنفسہ ولا البیع لہ وإن کان فیہ منفعۃ ظاهرۃ للمسجد. اھ". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۴۰۱، رشیدیہ)

"والودیعۃ لا تودع ولا تعار ولا تؤاجر ولا ترهن، وإن فعل شیئاً منها ضمن". (الفتاویٰ العالمکیریۃ، کتاب الودیعۃ، الباب الأول: ۴/۳۳۸، رشیدیہ)

(۲) "والودیعۃ لا تودع ولا تعار ولا تؤاجر ولا ترهن، وإن فعل شیئاً منها ضمن". (الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب الودیعۃ، الباب الأول: ۴/۳۳۸، رشیدیہ)

(۳) "عن علي أمیر المؤمنین رضي اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعاً: "کل قرض جر منفعۃ فهو ربا"". (إعلاء السنن، کتاب الحوالۃ، باب: کل قرض جر منفعۃ فهو ربا: ۱۴/۴۹۸، إدارۃ القرآن کراچی)

(وکذا في فیض القدیر: ۹/۴۲۸۷، (رقم الحدیث: ۶۳۳۶)، مکتبہ نزار مصطفی الباز، ریاض)

پاک سے ثابت ہے، اس کا استعمال کرنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دار العلوم دیوبند، ۲۵/۱/۸۸ھ۔

مسجد کا روپیہ کسی کے ذمہ ہو تو اس کو معاف نہیں کیا جا سکتا

سوال [۷۲۶۰]: مسجد کے متولی، امام، یا مسجد کے کسی خدمتی مؤذن وغیرہ کو مسجد کی بقایا رقم جب کہ مجبوری ہو، ادا نہ کر سکتا ہو، معاف کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کو معاف کرنے کا حق کسی کو نہیں (۲)، جو لوگ معاف کرنا چاہتے ہیں وہ چندہ کر کے اس کی طرف سے ادا کر دیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسجد کی آمدنی کو ختم کر دینے کا کسی کو کوئی حق نہیں

سوال [۷۲۶۱]: جامع مسجد دہلی کے چاروں طرف جو دکانیں بنی ہوئی ہیں وہ جامع مسجد کی زمین پر بنی ہوئی ہیں اور جامع مسجد ہی کی ملکیت ہیں، مسجد کو ان دوکانوں سے تقریباً ۱۲ ہزار روپے سالانہ کی آمدنی

---

(۱) "وعن جابر رضي الله تعالى عنه قال: كان لي على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم دين، فقضاني وزادني". رواه أبو داؤد. (مشكوة المصابيح، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الأول، ص: ۲۵۳، قديمي)

(۲) "أكار تناول من مال الوقف لمصالح المتولي على شيء فهذا على وجهين: إما أن يكون الأكار غنياً أو فقيراً، ففي الوجه الأول لايجوز الحط من مال الوقف". (التاتارخانية، كتاب الوقف، تصرف القيم في الأوقاف: ۵/۷۰۹، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف، الخ: ۲/۴۲۳، رشيديه)

"وأما إذا كان على أرباب معلومين ومستحقين محصورين، لايجوز المسامحة والحط بالصلح مطلقاً". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۰۳، رشيديه)

ہے۔ گورنمنٹ کا حکم "ڈی۔ ڈی۔ اے" ان تمام دوکانوں کو ہٹا کر باغیچہ وغیرہ بنانا چاہتے ہیں، اگر ایسا ہوگا تو مسجد کی آمدنی ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گی۔ انہیں حالات کے پیش نظر مندرجہ ذیل امور دریافت طلب ہیں:

۱... کیا گورنمنٹ کو حق ہے کہ وہ زبردستی مسجد کی آمدنی کو ختم کر دے؟

۲... کیا مسجد کے منتظمین کو حق ہے کہ وہ مسجد کی حیثیت اور آمدنی کو اس کام کے لئے ختم کر دیں؟

۳... اگر گورنمنٹ کی اس خواہش کو پورا کیا جائے تو کن صورتوں میں اس خواہش کو پورا کیا جا سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد سے متعلق وقف کی آمدنی کو ختم کرنے کا کسی کو حق نہیں (۱)، ایسی خواہش پوری کرنے کے قابل نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۶/۳/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۶/۱۲/۹۲ھ۔

مسجد کی دوکانوں کے کرایہ اور شادی کی آمدنی سے امام کی تنخواہ

سوال [۷۲۲۲]: مسجد کا پیسہ جو دکانوں کے کرایہ اور شادی کے موقع پر حاصل ہوتا ہے اس سے

---

(۱) "وفي فتاوى قارئ الهداية: سئل: إذا استأجر شخص داراً وقفاً ثم إنه هدمها وجعلها طاحوناً أو فرناً أو غيره ما يلزمه؟ أجاب: ينظر القاضي إن كان ما غيرها إليه أنفع لجهة الوقف، أخذ منه الأجرة وبقي ما عمره لجهة الوقف، وهو متبرع بما أنفقه في العمارة ولا يحتسب له من الأجرة، وإن لم يكن أنفع ولا أكثر ريعاً ألزم بهدم ما صنع وإعادة الوقف إلى الصفة التي كان عليها بعد تعزيره بما يليق بحاله". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: إذا هدم المشتري أو المستأجر دار الوقف ضمن: ۴/۴۳۳، سعيد)

"لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامناً". (الأشباه والنظائر، كتاب الغصب، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۲۲۴، رقم القاعدة: ۱۱۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الغصب: ۶/۲۰۰، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة: ۱/۶۱، رقم المادة: ۹۶، مكتبه حنفيه كوئٹه)

امام کی تنخواہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز غسل خانہ وغیرہ کی تعمیر میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ روپیہ تنخواہ امام میں دینا اور مسجد کے حمام اور غسل خانہ میں صرف کرنا شرعاً درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۸۹ھ۔

☆...☆...☆...☆...☆

---

(۱) "لو وقف على مصالح المسجد، يجوز دفع غلته إلى الإمام والمؤذن والقيم، اهـ". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۵۴، رشيديه)

"والذي يبدأ به من ارتفاع الوقف: أي من غلته عمارته، شرط الواقف أولا، ثم ما هو أقرب إلى العمارة، وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة، يصرف إليهم إلى قدر كفايتهم" (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب إليها: ۴/۳۶۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث في المصارف: ۲/۳۶۸، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۵۲، رشيديه)

الفصل الخامس عشر فی صرف المال الحرام فی المسجد

(مسجد میں حرام مال صرف کرنے کا بیان)

مال حرام مسجد میں صرف کرنا

سوال [۷۶۱۴]: حیدرآباد سے ایک پرچہ بنام "اطلاع" نکلتا ہے جس میں "پوچھئے اور سنئے" کی سرخی کے تحت ایک طویل مضمون شائع ہوا ہے جس میں پوری طاقت سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ "حرام مال بطور چندہ کے مسجد و مدرسہ میں لے سکتے ہیں، اس میں شرعی کوئی قباحت نہیں ہے"۔ وہ مضمون دو قسط بنا کر آپ کی خدمت میں ارسال کروں گا، پہلی قسط اب روانہ کر رہا ہوں اور مختصر اقتباس بنا کر ارسال کر رہا ہوں۔

امید ہے کہ حضرت والا اپنی مصروفیتوں میں تھوڑا وقت ضرور بالضرور فارغ فرما کر جواب روانہ فرمائیں تو عین کرم ہوگا، کیونکہ دکن کا اکثر حصہ مشائخ پرست اور بدعات کے تابع ہے اور خود ایڈیٹر صاحب مستقل حیدرآباد کے مشہور واعظ حسام الدین صاحب جن کا مشائخ میں شمار ہے، ان کے صاحبزادے کے بیٹے ہیں یعنی پوتے ہیں، ان کے قلم سے نکلنے کے بعد خصوصاً جب کہ آیات واحادیث سے مشتبہ کیا گیا ہے تو کافی لوگ مغالطہ میں پڑ گئے ہیں۔

اس فاسد عقیدہ وعمل سے نجات دلانے کے لئے آنجناب مبرہن ومدلل ومفصل جواب تحریر فرمائیں اور اس کو چھاپ کر شائع کر دیا جائے تاکہ عوام الناس غلط فہمی کے شکار نہ رہیں۔

سوال: "جس کی آمدنی کا کل حصہ یا کل کی کل آمدنی حرام ہو جیسے سود خور، یا منکرات کی آمدنی رکھتا ہو، اس کے پاس دعوت میں جانا، یا اس سے کسی کار خیر میں چندہ لینا، یا ایسے سے مسجد کے لئے روپیہ حاصل کرنا کیسا ہے؟ کیونکہ اکثر علماء ناجائز بتاتے ہیں، براہ کرم آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں تشفی بخش جواب دیجئے۔

جواب: "شرع محمدی میں جس قدر معقولیت ہے وہ دنیا کے کسی مذہب میں

نہیں اور جو اصول مقرر ہیں ان سے کسی مسئلہ میں ٹکراؤ نہیں پایا جاتا ہے۔ روپیہ استعمال صرف دو ہی طریقوں سے ہوا کرتا ہے:

۱- آمدنی کے لحاظ سے ۲- خرچ کرنے کے لحاظ سے۔

چنانچہ اسلام میں بھی ان ہی دو طریقوں سے رہنمائی فرمائی گئی ہے، مطلب یہ ہے کہ روپیہ کمانا ہو تو ان ذرائع سے کمایا جائے جسے حلال کیا گیا ہے، جیسے: تجارت، زراعت یا ملازمت وغیرہ، یعنی اس سلسلہ میں وہ طریقے شمار ہیں جو حرام کئے گئے ہیں، جیسے: سود، جھوٹ، رشوت، چوری وغیرہ۔

ایسا ہی خرچ کرنے کے جو مدات ہیں ان کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک تو حرام جیسے: شراب اور دیگر منکرات خریدنا، سود دینا، یا ناجائز کام پر خرچ کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ برائی کی مدد کے لئے روپیہ خرچ کرنا ناجائز ہے، چاہے وہ وجہ حلال سے کمایا ہوا روپیہ کیوں نہ ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (۱) اس لحاظ سے غیر مسلموں کو چندہ دینا بھی قرآن مجید کے حکم سے ممنوع ہے الخ۔

جب غیر مسلموں سے چندہ لیں گے تو ان کو بھی چندہ دینا پڑے گا، اس لئے غیر مسلموں سے چندہ نہ لیا جائے۔

دعویٰ: جائز کام کے لئے خرچ کرنے کے واسطے ناجائز طریقہ سے کمایا ہوا مال خرچ کیا جا سکتا ہے۔

دلیل اول: اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے نیک لوگوں کے اوصاف بھی فرمایا ہے کہ: ﴿وانفقوا مما رزقناهم سراً وعلانية يرجون تجارة لن تبور﴾ الآية (۲)۔ اس میں وجہ حلال کی تخصیص نہیں ہے، بلکہ فرمایا گیا ہے "جو کچھ بھی ہم نے ان کو دیا ہے" تو وجہ حرام کی کمائی بھی جب کہ غیر اللہ سے ملی ہوئی نہیں ہوتی، بلکہ حقیقی دینے والا ہر چیز کا وہی

(۱) (سورة المائدة: ۲)

(۲) (سورة فاطر: ۲۹)

اللہ تعالیٰ ہی ہے تو حرام کمائی بھی خرچ ہو سکتی ہے اور اس طرح پر خرچ کی جا سکتی ہے جس کا اجر ملے، چونکہ اس آیت میں مندرجہ بالا آیت کے ساتھ ہی فرمایا گیا ہے: ﴿لیوفیهم أجورهم و يزيدهم من فضله، إنه غفور شكور﴾(۱)۔

اس آیت کے اخیر میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت "غفور" فرما کر اس طرف بھی اشارہ فرمایا ہے کہ جو اچھے کاموں پر خرچ کرے گا، وہ اگر روپیہ کو ناجائز طریقہ سے کمایا ہو تو اس کا اس طرح پر خرچ کرنا بخشے جانے کا موجب ہوگا۔

دلیل دوم: اللہ تعالیٰ نے خرچ کرنے کا جہاں ذکر فرمایا ہے، وہاں اچھی کمائی کی تخصیص نہیں فرمائی ہے، مگر کمائی کا جہاں ذکر ہے، یا اپنے استعمال میں لانے کا جہاں ذکر ہے، وہاں پاک طریقہ اور اچھی چیزوں کو مخصوص فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہے: ﴿يا أيها الذين آمنوا كلوا من طيبت ما رزقناكم﴾ الآية (۲)۔

تو کھانا چونکہ اسی کا ہوتا ہے جسے کمایا جاتا ہے اس لئے اچھے طریقہ سے کمانے کا حکم سمجھا جانا چاہئے اور ہے بھی یہی، لہذا کمانے کے لئے وجہ حلال کی صراحت کی گئی ہے، مگر خرچ کرنے کے لئے خواہ وہ نیک کام ہی کیوں نہ ہوں حلال وحرام کی صراحت نہیں کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اچھے کام پر خرچ کرنے کا ثواب ملتا ہے، خواہ آمدنی کیسی ہی ہو چنانچہ:

سوم: حج کے لئے استطاعت کو مشروط فرمایا گیا ہے، مگر روپیہ کے لئے تخصیص نہیں کی گئی ہے کہ حلال کمائی ہی کی ہو اور اس حلال کمائی کی وجہ سے حج کو جانے کی استطاعت ہونی چاہئے تو پھر جب حج جو اسلام کا ایک رکن ہے حرام روپیہ سے کیا جا سکتا ہے تو حرام کمائی والے کے پاس سے جائز دعوت میں کھانا کیسے حرام ہو سکتا ہے اور اس سے نیک کام میں چندہ لینا کیسے نادرست ہو سکتا ہے؟

(۱) (سورة فاطر: ۳۰)

(۲) (سورة البقرة: ۱۷۲)

چہارم: یہ معلوم رہے کہنا جائز کمائی اس کمانے والے کی حد تک ناجائز ہے، نہ کہ حلال نوعیت سے روپیہ اس سے لینا بھی دوسرے کے لئے ناجائز ہو، اگر ایسا ہی ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے لئے نذرانہ وغیرہ لینے کا حکم ان سے دیتا جن کی حلال کمائی ہو، بلکہ فرمایا گیا ہے: ﴿خذ من اموالهم صدقة تطهرهم و تزكيهم بها، وصل عليهم﴾ الآية(۱)۔

تو جب حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نذرانہ لیتے وقت اسے معلوم کرنے کی تاکید نہیں ہے کہ یہ تمہارا روپیہ حلال طریقہ سے کمایا ہوا ہے یا حرام؟ تو پھر کسی کو اسی طرح زکوٰۃ کے موقعہ پر یا دیگر موقعوں پر یہ پوچھنے کی کیا ضرورت ہے کہ یہ روپیہ دینے والے کی کمائی حرام ہے یا حلال؟

پنجم: علاوہ ازیں جب زکوٰۃ کے لئے یہ ضروری نہیں کہ صرف اس کمائی کا ڈھائی فی صد زکوٰۃ میں دیں جسے حلال طور پر کمایا ہے، بلکہ حلال وحرام سب کے مجموعہ پر ڈھائی فیصد زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے تو اسلام کے ایک رکن زکوٰۃ میں جو خرچ کے مدات سے ہے، حرام روپیہ بھی خرچ ہوسکتا ہے اور اسے زکوٰۃ ادا کرنے کا ثواب بھی ملتا ہے تو حرام کمائی میں سے حرام کمانے والا اگر نیک کام پر روپیہ دے تو اس سے لینے سے انکار کسی مسئلہ شرعی کی بناء پر درست نہیں ہوسکتا، ورنہ حرام روپیہ کمانے والے حج و زکوٰۃ وغیرہ سے مستثنیٰ ہوجائیں گے جو غلط ہے۔

ضروری وضاحت:

یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ کسی حرام کمائی کرنے والے سے نیک کام میں روپیہ لینے کو جائز کہنے کا یہ مطلب نہیں لینا چاہئے کہ مثلاً مسجد کے لئے لاٹری ڈالی جائے، کیونکہ اس صورت میں مسجد کی طرف سے حرام روپیہ فراہم کرنا پایا جائے گا، جو دینی حرام جیسا کہ کوئی شخص خود لاٹری ڈالے، یہاں لاٹری جو کھلا جوا ہے،

---

(۱) سورۃ التوبۃ: ۱۰۳

کوئی مسلمان روپیہ حاصل کرکے اس میں سے مسجد کو چندہ دے تو وہ رقم چندہ کی قرار پائی ہے جو جائز ہے، جوے سے مسجد کے لئے روپیہ فراہم کرنا نہیں رہا، اس لئے جوے میں روپیہ کمانے والے سے چندہ لینے اور مسجد کے لئے فنڈ کو جمع کرنے کے لئے لاٹری ڈالنے اس فرق کو تمیز کرنے کی ضرورت ہے تاکہ حلال وحرام میں فرق معلوم ہوسکے۔ جو علماء اس کے خلاف کہتے ہیں ان کو میرے پیش کردہ دلائل پر غور کرنا چاہئے اور نظر ثانی کے بعد اپنے قول سے رجوع فرمالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......حرام مال مسجد میں لگانا درست نہیں، بلکہ مکروہ تحریمی (بمنزلۂ حرام) ہے:

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: "لا بأس بنقشه خلا محرابه بجص وماء ذهب بماله الحلال" اهـ. درمختار. وقال ابن عابدين: "قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً، أو مالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالى لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله" اهـ. شرنبلالية". رد المحتار: ۱/ ۶۶۲(۱).

حرام اور حرام مال نہ اپنے اوپر خرچ کرنا جائز ہے، نہ اپنے اہل وعیال پر، نہ اپنے پاس رکھنا بھی درست نہیں، بنیت ثواب صدقہ کرنا بھی جائز نہیں، ایسے مال میں ثواب کی نیت کرنا بہت خطرناک ہے، جس مال پر ملک ہی حاصل نہ ہو اس پر زکوٰۃ بھی فرض نہیں:

"ولو خلط السلطان المال المغصوب بماله، ملكه، فتجب الزكوة فيه، ويورث عنه؛ لأن الخلط استهلاك إذا لم يمكن تمييزه عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وقوله أرفق، إذ قلما يخلو مال عن غصب. وهذا إذا كان له مال غير ما استهلكه بالخلط، منفصل عنه، يوفي دينه،

---

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمة "لا بأس" دليل على أن المستحب غيره؛ لأن البأس الشدة: ۱/ ۶۵۸، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها: ۱/ ۲۷۸، دار المعرفة بيروت)

وإلا فلا زكوة، كما لو كان الكل خبيثاً، كما في النهر عن الحواشي السعدية. وفي شرح الوهبانية عن البزازية: إنما يكفر إذا تصدق بالحرام القطعي، اهـ". درمختار(۱)۔

"في القنية: لو كان الخبيث نصاباً لا يلزمه الزكوة؛ لأن الكل واجب التصدق عليه، اهـ ...... ما وجب التصدق بكله، لا يفيد التصدق ببعضه؛ لأن المغصوب إن علمت أصحابه أو ورثتهم، وجب رده عليهم، وإلا وجب التصدق به، اهـ"(۲)۔

"رجل دفع على فقير من المال الحرام شيئاً يرجو به الثواب، يكفر. ولو علم الفقير بذلك، فدعا له وأمّن المعطي، كفرا جميعاً ... ينبغي أن يكون كذلك لو كان المؤمن أجنبياً غير المعطي، والقابض، وكثير من الناس عنه غافلون، ومن الجهال فيه واقعون. قلت: فالدفع إلى الفقير غير قيد، بل مثله فيما يظهر: لو بنى من الحرام بعينه مسجداً ونحوه مما يرجو به التقرب؛ لأن العلة رجاء الثواب فيما فيه العقاب، ولا يكون ذلك إلا باعتقاد حله ... أي مع رجاء الثواب الناشئ عن استحلاله، كما مر، فافهم، الخ". ردالمحتار ۲/۲۹۰،۲۹۱(۳)۔

حج میں مال حرام کا خرچ کرنا حرام ہے، اس سے حج قبول نہیں ہوتا:

"وقد يتصف (الحج) بالحرمة كالحج بمال حرام". درمختار۔ "وإنما يحرم من حيث الإنفاق، وكأنه أطلق عليه الحرمة؛ لأن للمال دخلاً فيه. قال في البحر: ويجتهد في تحصيل

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الزكوة، باب زكاة الغنم: ۲/۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الزكاة، الباب الثاني في المصرف: ۳/۸۶، رشيديه)

(۲) (رد المحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، مطلب فيما لو صادر السلطان جائراً فنوى بذلك أداء الزكاة إليه: ۲/۲۹۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۵/۳۴۹، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۸/۳۶۹، رشيديه)

(۳) (رد المحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، مطلب في التصدق من المال الحرام: ۲/۲۹۲، سعيد)

(وكذا في مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح: ۳/۲۲، رقم الحديث: ۲۰۱، رشيديه)

نفقة حلال، فإنه لا يقبل بالنفقة الحرام، كما ورد في الحديث، اهـ". رد المحتار: ۲/۴۵۶(۱)۔

اگر کسی وارث کو معلوم ہو کہ مورث کے پاس فلاں مال حرام ہے تو اس کو وراثۃً لینا وارث کے لئے جائز نہیں، بلکہ اصل مالک معلوم ہو تو اسے واپس کردے، ورنہ صدقہ کردے۔

قال ابن عابدینؒ: "لا يحل إذا علم عين الغصب مثلاً وإن لم يعلم مالكه، في البزازية: أخذ مورثه رشوة أو ظلماً، إن علم ذلك بعينه، لا يحل له أخذه. والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال، وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام لا يحل، ويتصدق به بنية صاحبه، اهـ".

ردالمحتار: ۵/۹۹(۲)۔

فقہاء کے بیان کردہ مسائل، کتاب، سنت، اجماع، قیاس سے ثابت ہیں۔ ایک صحابی کو ایک شخص نے کمان ہدیۃً دی تھی جس میں عدمِ مشروعیت کی شان تھی، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ آگ کی کمان ہے"(۳)۔ کسی نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت کی اور مالک کی اجازت کے بغیر بکری ذبح کرلی (کہ قیمت بعد میں دیدیں گے) حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہاتھ کھینچ لیا اور نوش فرمانے سے انکار فرمادیا(۴)۔

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحج، مطلب فيمن حج بمال حرام: ۲/۴۵۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحج، الباب الأول: ۱/۲۲۰، رشيديه)

(۲) (رد المحتار، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالاً حراماً: ۵/۹۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۸/۳۶۹، رشيديه)

(۳) "عن عبادة بن الصامت رضي الله تعالىٰ عنه قال: علمت ناساً من أهل الصفة القرآن والكتاب، فأهدى إلي رجل منهم قوساً، فقلت: ليست بمال، وأرمي عليها في سبيل الله، لآتين رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فلأسألنه. فأتيته، فقلت: يا رسول الله! رجل أهدى إلي قوساً . . . قال: "إن كنت تحب أن تطوق طوقاً من نار فاقبلها" (سنن أبي داود، كتاب البيوع، باب في كسب المعلم: ۲/۱۲۹، إمداديه ملتان)

(۴) "وعن عاصم بن كليب عن أبيه عن رجل من الأنصار رضي الله تعالىٰ عنه قال: خرجنا مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في جنازة، فرأيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وهو على القبر -

کی ممانعت ہے، اسی طرح دوسری آیت میں انفاق کے لئے بھی طیب کو ضروری قرار دیا ہے: ﴿یا ایہا الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم﴾ الخ(۱)۔ جب کہ کسب خبیث خبیث ہے، اس کی اجازت نہیں تو کسب طیب لازم ہے اور اسی سے انفاق کا حکم ہے، پھر کسب خبیث سے انفاق کیسے موجب قربت ہوگا، اس کی صراحت بھی آگے فرمادی گئی ہے: ﴿ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون﴾ الآیۃ(۲)۔

حافظ ابن کثیر اس کی تفسیر ۱/۳۲۰ میں لکھتے ہیں: "أی لا تعدلوا عن المال الحلال، وتقصدوا إلی الحرام، فتجعلوا نفقتکم منہ، اھ"(۳)۔

تفسیر میں دیگر اقوال بھی مذکور ہیں(۴)، مگر یہ کہنا کہ "اللہ تعالیٰ نے خرچ کرنے کا جہاں ذکر فرمایا ہے وہاں کہیں کمائی کی تخصیص نہیں فرمائی" قرآن کریم سے عدم واقفیت پر مبنی ہے، ورنہ علم کے باوجود کوئی مسلمان انکار نص قرآنی کی جرأت نہیں کرسکتا۔

ایک عجیب بات فاضل مجیب نے لکھی ہے کہ:

"وہ حرام کی کمائی بھی جب کہ بغیر اللہ کے ملی ہوئی نہیں ہوتی، بلکہ حقیقی دینے والا ہر چیز کا اللہ تعالیٰ ہی ہے، اس بنا پر حرام کمائی خدا کی راہ میں خرچ کرنا درست، بلکہ موجب اجر ہے"۔

تو اس کے ذریعہ حرام کمانے والوں کے واسطے بہت بڑا باب کھول دیا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ جب حرام کا بھی دینے والا خدا ہی ہے اور اس کے خرچ کرنے پر بھی اجر و فضل و مغفرت ہے تو پھر زیادہ سے زیادہ اس

---

(۱) (سورۃ البقرۃ: ۲۶۷)

(۲) (سورۃ البقرۃ: ۲۶۷)

(۳) (تفسیر ابن کثیر، (سورۃ البقرۃ: ۲۶۷): ۱/۳۲۰، سہیل اکیڈمی لاہور)

(۴) "﴿ولا تیمموا الخبیث﴾: أی تقصدوا الخبیث ﴿منہ تنفقون ولستم بآخذیہ﴾: أی لو أعطیتموہ ما أخذتموہ إلا أن تتغاضوا فیہ، فاللہ أغنی عنہ منکم، فلا تجعلوا للہ ما تکرہون".

"عن عبد اللہ بن مغفل فی ہذہ الآیۃ: ﴿ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون﴾ قال: کسب المسلم لا یکون خبیثاً، ولکن لا یتصدق بالحشف والدرہم الزیف وما لا خیر فیہ". (تفسیر ابن کثیر، (سورۃ البقرۃ: ۲۶۷): ۱/۳۲۰، ۳۲۱، سہیل اکیڈمی لاہور)

راہ سے کما کر خدا کے راستہ میں خرچ کیا جائے، کیونکہ وہ اگر حرمت کی وجہ سے ہوگا بھی تو وہ خرچ کرنے سے اجر وثواب بلکہ حصولِ جنت کا ذریعہ بن جائے گا۔ مقامِ غور ہے کہ یہ کس قدر فتنے اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔

قرآن، حدیث، فقہ کو باقاعدہ اساتذہ سے حاصل کئے بغیر آیات، روایات، احکام کو تختۂ مشق نہ بنایا جائے، اور جولانیٔ قلم کے لئے کوئی دوسرا میدان تجویز کیا جائے جس میں آخرت کی بازپرس کا اندیشہ نہ ہو، ورنہ: ﴿ولا تقولوا لما تصف ألسنتكم الكذب هذا حلال وهذا حرام لتفتروا على الله الكذب، إن الذين يفترون على الله الكذب لا يفلحون﴾(١)، اور ﴿ومن أظلم ممن افترى على الله كذبا﴾(٢)، اور "من قال في القرآن برأيه" (٣)، اور "من كذب علي متعمداً فليتبوأ"(٤) کی سخت وعیدیں سامنے ہیں۔ اور ایسے مضامین کی وجہ سے جو مخلوق گمراہ ہوگی اس کا وبال مستقل ہے: ﴿وليحملن أثقالهم وأثقالاً مع أثقالهم، وليسألن يوم القيامة عما كانوا يفترون﴾(٥)۔ فقط واللہ الہادی إلی صراط مستقیم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

کسی سے جبراً مال لے کر مسجد میں صرف کرنا

سوال[۶۲۲۲]: گاؤں شاملات مسجد کی تعمیر ومرمت کے لئے ایک شخص لگان یا رقم معین بطور چندہ نہیں دیتا، دوسرے فریق جبراً اور حقہ پانی ترک کرکے لگان لینا چاہتے ہیں، اس طریقہ سے لینا جائز ہے؟

---

(١) (سورة النحل: ١١٦)

(٢) (سورة الأنعام: ٢١)

(٣) الحديث بتمامه: "عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من قال في القرآن برأيه، فليتبوأ مقعده من النار". (مشكوة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثاني ١/٣٥، قديمي)

(٤) الحديث بتمامه: "عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "اتقوا الحديث عني إلا ما علمتم، فمن كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار". رواه الترمذي". (مشكوة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثاني: ١/٣٥، قديمي)

(٥) (سورة العنكبوت: ١٣)

نہیں؟ اگر نہ ہو تو جبراً لیکر مسجد میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں، اگر ناجائز ہو تو ایسے روپے کو حمام یا حجرہ وغیرہ میں لگانا درست ہے یا نہیں؟

۲- سودی لین دین کا روپیہ مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

۳- ایک بھینسہ موضع چوڑی سے موضع منڈی میں آکر بھینسوں میں رہنے لگ گیا، چند روز میں اس کو مارنے کا عیب ہو گیا، اس عیب کی وجہ سے اہل گاؤں موضع چوڑی والوں سے اجازت لیکر فروخت کر دیا۔ اس روپیہ کا مسجد، حمام وغیرہ میں لگانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱- جبراً لینا جائز نہیں، نہ مسجد کے لئے، نہ حجرہ و حمام وغیرہ کے لئے (۱)۔

۲- ناجائز آمدنی خواہ سود کے ذریعہ سے حاصل کی ہو خواہ اور کسی ذریعہ سے، مسجد میں لگانا درست نہیں (۲)۔

۳- مالک کی اجازت سے فروخت کر کے مسجد میں قیمت کو لگانا شرعاً درست ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) "وعن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

(وسنن البيهقي، (رقم الحديث: ۵۴۹۲)، باب شعب الإيمان: ۳۸۷/۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من تصدق بعدل تمرة من كسب طيب، ولا يقبل الله إلا الطيب. الخ". (صحيح البخاري، باب الصدقة من كسب طيب: ۱۸۹/۱، قديمي)

"أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً أو مالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره". (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمة "لا بأس" دليل على أن المستحب غيره، الخ: ۶۵۸/۱، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۲۸۶/۱، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة، دار المعرفة بيروت)

(۳) "لأن الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (رد المحتار، كتاب البيوع، مطلب =

مسجد میں مالِ حرام صرف کرنے سے متعلق شامی کی عبارت

سوال [۷۴۶۵]: فتاویٰ دارالعلوم، امداد المفتین وعزیز الفتاویٰ جلد پنجم وششم ص: ۴۸۹، میں شامی کی یہ عبارت منقول ہے:

"قال تاج الشریعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبیثاً أو مالاً سببه الخبیث والطیب، فیکره؛ لأن الله تعالیٰ لا یقبل إلا الطیب، فیکره تلویث بیته بما لا یقبله"۔

بندہ نے شامی کی کتاب الوقف ودیگر ابواب میں تلاش کیا، مگر بندہ کی کوتاہ نظری کی بناء پر نہ مل سکی، حضرت والا ازراہِ کرم جلدی سے صفحہ وابواب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شامی ۱/۶۵۸، مکروهات الصلوٰة، مطلب في أحکام المساجد میں قولِ درمختار: "ولا بأس بنقشه خلا محرابه بجص وماء ذهب لو بماله الحلال" ہے، اس لفظ "الحلال" کے ذیل میں عبارتِ مسئولہ بحوالہ شرح الوقایہ مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مالِ حرام سے مسجد، کنواں اور مکان کی تعمیر

سوال [۷۴۶۶]: زید فریقہ میں دوکان کرتا ہے اور دوکان پر ناجائز چیزیں شراب خنزیر وغیرہ رکھتا ہے، اس نے کاروبار سے رقم جمع کر کے اپنے وطن کے قبرستان میں کنواں تعمیر کرایا، ایک مسجد افریقہ میں تعمیر کرائی، ایک مکان تعمیر کرا کے اپنی قوم تجارت کے نام کر دیا ہے۔ ان سب کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

چودھری عبدالرحمٰن محمد یوسف آزهتی ہبڑی سندی شملہ۔

= في تعریف المال والملک والمتقوم: ۴/۵۰۲، سعید)

(۱) (رد المحتار، کتاب الصلاة، مطلب: کلمة "لا بأس" دلیل علی أن المستحب غیره، الخ: ۱/۶۵۸، سعید)

(تنبیه): عبارتِ مذکورہ "مطلب في أحکام المساجد" میں نہیں، بلکہ حوالہ مذکورہ بالا میں ہے، لیکن اس کے بعد "مطلب في أفضل المساجد" ہے، شاید اس سے التباس ہوا۔ (مصحح)

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کی دوکان میں کوئی چیز جائز نہیں ہے یا تمام اشیاء خمر وخنزیر کی طرح حرام ہی ہیں، اگر کوئی جائز چیز بھی ہے تب تو اس کی آمدنی حرام وحلال سے مرکب ہوئی اور حرام وحلال کے خلط سے آدمی تمام کا مالک ہوجاتا ہے اگرچہ حرام کا ضمان اس کے ذمہ واجب ہوتا ہے، لہٰذا مسجد، کنواں، مکان تینوں اشیاء کا استعمال شرعاً درست ہے اور جس قدر مال حرام طریقہ پر خمر وخنزیر وغیرہ حرام اشیاء سے حاصل کیا ہے اس کا ضمان واجب ہے:

"لما خلطها: أي أموالاً غير طيبة ملكها، وصار مثلها ديناً في ذمته لا عيناً". ردالمحتار ٢/٢٨(١)۔

اور اگر اس کی دوکان میں جائز چیز تجارت کے لئے کوئی نہیں، بلکہ تمام مال حرام ہے اور تمام آمدنی حرام طریقہ سے حاصل کرتا ہے، تب یہ حکم ہے کہ اگر وہ حرام مال اولاً بائع کو دیدیا اور اس کے بعد اس کے عوض میں زمین خریدی ہے پھر اس سے تعمیر کی ہے، یا حرام مال کو متعین کرکے مخصوص طور پر اس کے عوض میں زمین خرید کر تعمیر کی ہے تو شرعاً وہ مسجد، مسجد نہیں، اس میں نماز پڑھنا منع ہے(٢)۔

اسی طرح اس مکان کا استعمال بھی ناجائز ہے۔ لیکن کنویں کے پانی میں کوئی خرابی نہیں، کیونکہ حرام مال سے پانی پیدا نہیں ہوا صرف حرام مال سے تعمیر کردہ کنویں کی دیواروں سے متصل ہے، اس اتصال سے پانی میں حرمت نہ ہوگی۔ اور اگر حرام مال کے عوض میں زمین خریدی ہے مگر قیمت ادا کی ہے کسی حلال مال سے مثلاً: قرض لے کر، یا اور کسی طرح، یا حلال مال کے عوض میں خریدی، پھر دیا حرام مال، یا زمین خریدی ہے بلا تعیین حرام وحلال، اور قیمت ادا کی حرام سے تو ان سب صورتوں میں اس مکان کا استعمال درست ہے، نیز مسجد مذکور میں نماز بھی جائز ہے اور کنویں کے پانی میں تو کوئی اشکال ہی نہیں۔

في ردالمحتار: "رجل اكتسب مالاً من حرام، ثم اشترى، فهذا على خمسة أوجه:

---

(١) (ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، مطلب فيما لو صادر السلطان جائراً فنوى بذلك أداء الزكاة إليه: ٢/٢٩١، سعيد)

(٢) "كل مسجد بني مباهاةً أو رياءً أو سمعةً، أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله، أو بمال غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار". (المدارك على هامش تفسير الخازن: ٢/٢٠٨، حافظ كتب خانه)

إما إن دفع تلك الدراهم إلى البائع أولاً، ثم اشترى منه بها، أو اشترى قبل الدفع بها و دفعها، أو اشترى قبل الدفع بها ودفع غيرها، أو اشترى مطلقاً و دفع تلك الدراهم، أو اشترى بدراهم اخر و دفع تلك الدراهم، قال أبو نصر: يطيب له و لا يجب عليه أن يتصدق إلا في الوجه الأول. وقال أبوبكر: لايطيب في الكل، لكن الفتوى الان على قول الكرخي"(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۱/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۳۰/محرم/۵۵ھ۔

مالِ حرام سے بنائی ہوئی مسجد

سوال[۷۲۶۷]: عرصہ ۳۵/سال کا گزرا ایک زانیہ عورت (رنڈی) جو زنا کا پیشہ کرتی تھی، ایک ہندو کے پاس رہتی تھی، اس کے پاس اس کمائی ناجائز سے دس پندرہ ہزار روپیہ تھا۔ اس نے خیال کیا کہ اگر اس روپیہ سے ایک جامع مسجد قصبہ متھرا کے اندر تعمیر کرادی جائے تو بہت ثواب ملے گا، اس خیال سے اس نے قصبہ کے اندر ایک جامع مسجد بڑی شاندار بنوادی، مسجد تیار ہوگئی۔ مسلمانوں سے نماز پڑھنے کے لئے کہا گیا تو مسلمانوں نے اور مولویوں نے یہ اعتراض کیا کہ یہ مسجد رنڈی کے سرمایہ سے بنی ہے، لہٰذا ہماری نماز اس میں

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب البیوع، باب المتفرقات، فصل: إذا اكتسب حراماً، ثم اشترى، الخ: ۵/۲۳۵، سعید)

"وأما الثاني. وهو ما إذا تصرف في المغصوب أو الوديعة و ربح، فهو على وجوه .... فقد قال الكرخي رحمه الله تعالى: إنه على أربعة أوجه: إما إن أشار و نقد منه، أو أشار إليه و نقد من غيره، أو أشار إلى غيره و نقد منه، أو أطلق إطلاقاً و نقد منه، و في كل ذلك يطيب له، إلا في الوجه الأول: وهو ما إذا أشار إليه و نقد منه؛ لأن الإشارة إليه لا تفيد التعين، فيستوى وجودها و عدمها، إلا إذا تأكدت بالنقد منهما ——— و اختار بعضهم الفتوى على قول الكرخي في زماننا، لكثرة الحرام"

(البحر الرائق، كتاب الغصب: ۸/۲۰۷، رشيديه)

(و كذا في الهداية، كتاب الغصب: ۳/۳۷۳، ۳۷۴، إمداديه ملتان)

(و كذا في ردالمحتار، كتاب الغصب: ۶/۱۸۹، سعيد)

نہیں ہوگی اور سب مسلمانوں نے اس مسجد میں نماز پڑھنے سے انکار کردیا۔

اس کے بعد اس ہندو نے مسلمانوں کو یہ دھمکی دی کہ اگر تم لوگ اس مسجد میں نماز نہیں پڑھوگے تو میں اس مسجد میں ٹھاکر جی کا بت رکھوا دوں گا اور اس کو مندر بنوا دوں گا۔ اس خبر کے سننے کے ساتھ ہی چودھری صاحبان اور مولوی صاحبان نے فوراً یہ فتویٰ دے دیا کہ بت خانہ سے مسجد ہزار درجہ بہتر ہے اور سب مسلمان اس مسجد میں نماز پڑھنے لگے۔ جب سے اب تک ۳۰، ۳۵ سال کا زمانہ گزر چکا ہے اور اس مسجد میں عیدین اور جمعہ پنجوقتہ نمازیں پڑھی جاری ہیں، لیکن اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد اب کچھ مولوی صاحبان اس مسجد میں نماز پڑھنے کو ناجائز بتلاتے ہیں۔

تو اب ہم مسلمانان قصبہ مذکور آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں کہ اس مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور اس مسجد میں ہماری نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ اور جب ہم لوگ اس مسجد میں نماز نہ پڑھیں گے تو مسجد بغیر اذان اور جماعت کے ویران ہو جاوے گی تو اس حالت میں ہم گناہگار رہوں گے یا نہیں؟ یا اب عالیشان مسجد کو تالا لگا کر بند کر دیا جائے یا کیا کرنا چاہئے؟ فقط۔

۲۲/شوال/۵۱ھ

الجواب حامداً ومصلیاً:

حرام روپیہ سے کوئی شی خریدنے میں تفصیل ہے، بعض صورتوں میں تو بیع بھی ناجائز ہے اور اس شی میں حرمت آجاتی ہے۔ اور بعض صورتوں میں اس شی میں حرمت نہیں آتی اور بیع درست ہوتی ہے۔ اگر حرام روپیہ کو پہلے متعین کر کے اور اس کی جانب اشارہ کر کے اس کے عوض زمین وغیرہ خریدی اور مسجد وغیرہ بنائی ہے تب تو وہ زمین اس کی ملک میں نہیں آئی اور وہ مسجد مسجد ہی نہیں ہوئی۔ اور اگر بلا تعین و اشارہ کے زمین خریدی ہے اور پھر وہ حرام روپیہ قیمت میں ادا کر دیا یا کسی دوسرے حلال روپیہ کو متعین کر کے زمین وغیرہ خریدی لیکن قیمت میں حرام روپیہ دیا، یا حرام روپیہ متعین کر کے خریدی لیکن پھر قیمت میں کوئی حلال روپیہ دیا تو ان سب صورتوں میں بیع درست ہوگی۔ اور پھر باقاعدہ اس کو وقف کر دیا ہے تو وہ مسجد ہوگئی، اس میں نماز درست ہے۔

هكذا يفهم مما في رد المحتار: ۵/۱۳۳ (۱)۔

اور پہلی صورت میں جب کہ بیع درست نہیں ہوئی تب بھی اس کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا جو کہ احترام مسجد کے خلاف ہے جائز نہیں (۲)، البتہ وہاں نماز مکروہ ہے (۳)۔ اور تاوقتیکہ پوری تحقیق نہ ہو، اس کو مسجد ہی کہا جاوے گا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱۱/۵۶ھ۔

---

(۱) "(كما لو تصرف في المغصوب والوديعة) بأن باعه (وربح) فيه (إذا كان) ذلك (متعيناً بالإشارة، أو بالشراء بدراهم الوديعة، أو الغصب و نقدها): يعني يتصدق بربح حصل فيهما إذا كانا مما يتعين بالإشارة. وإن كان مما لا يتعين، فعلى أربعة أوجه: فإن أشار إليها و نقدها، فكذلك يتصدق (وإن أشار إليها و نقد غيرها، أو) أشار (إلى غيرها) و نقدها (أو أطلق) و لم يشر (ونقدها، لا) يتصدق في الصور الثلاث عند الكرخي. قيل: (و به يفتى). والمختار أنه لا يحل مطلقاً - كذا في الملتقى - ولو بعد الضمان......... واختار بعضهم الفتوى على قول الكرخي في زماننا، لكثرة الحرام، و هذا كله على قولهما". (الدر المختار).

"(قوله: فكذلك يتصدق)؛ لأن الإشارة إليه لا تفيد التعيين، فيستوي وجودها و عدمها، إلا إذا تأكد بالنقد منها، زيلعي. (قوله: أو أطلق) بأن قال: اشتريت بألف درهم و نقد من دراهم الغصب، أو الوديعة، عزمية. وفي التاتارخانية عن الذخيرة: أنه إذا أطلق و لم يشر، فإن نوى النقد منها، فلا يخلو: إن حقق نيته، فنقد منها، فالأصح أنه لا يطيب، وإن لم يحقق نيته، يطيب، لأن مجرد العزم لا أثر له. وإن لم ينو، ثم نقد منها، طاب. قال الحلواني: إنما يطيب إذا نوى أن لا ينقد منها، ثم بدا له، فنقد. أما إذا نوى النقد منها مع علمه أنه ينقد، لا يطيب، ملخصاً. و في البزازية: وقول الكرخي عليه الفتوى، ولا تعتبر النية في الفتوى، ثم حمل ما مر على حكم الديانة". (ردالمحتار: ۱۸۹/۶، كتاب الغصب، سعيد)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب: فيمن ورث مالاً حراماً: ۹۹/۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الغصب: ۲۰۷/۸، رشيديه)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة)

(۳) (راجع، ص: ۱۰۱، رقم الحاشية: ۱)

مالِ حرام سے مسجد و مدرسہ وغیرہ بنانا

سوال[۷۲۸۶]: بعض لوگوں کی کمائی سینما، یا سٹہ یا جوا، یا شراب کی ہوتی ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ ہم دینی مدرسہ یا مسجد میں دیں تو کیا طریقہ اختیار کریں؟ بعض اہلِ علم یہ کہتے ہیں کہ کسی شخص سے روپیہ بطور قرض لے کر دینی مدرسہ، یا تعمیرِ مسجد میں دیدیں اور اپنی اس کمائی کی رقم سے اس قرض کو ادا کریں۔ تو کیا یہ طریقہ جائز ہے، اس طریقہ سے وہ رقم دینی مدرسہ یا مسجد میں خرچ کر سکتے ہیں؟ سارے جواب حدیث وفقہ کی روشنی میں دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن کے پاس ناجائز کمائی کا روپیہ ہے، وہ اگر کسی سے جائز روپیہ قرض لے کر مدرسہ و مسجد کے لئے دیں تو یہ درست ہے(۱)، ناجائز دیں تو مدرسہ یا مسجد کی تعمیر کے لئے نہ لیا جائے:

"ولا بأس بنقشه خلا محرابه بجص و ماء ذهب لو بماله الحلال، اهـ". درمختار۔ "قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً و مالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره، لأن الله تعالىٰ لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله، اهـ. شرنبلالية". شامي: ۱/۴۲۲(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۳/۹۱ھ۔

---

(۱) "إذا أراد الرجل أن يحج بمال حلال فيه شبهة، فإنه يستدين للحج، ويقضي دينه من ماله". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول: ۱/۲۲۰، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحج، فصل في المتفرقات ۱/۳۱۳، رشيديه)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب كلمة: "لا بأس" دليل على أن المستحب غيره، لأن البأس الشدة: ۱/۶۵۸، سعيد)

"وقيل: كل مسجد بني مباهاة أو رياء أو سمعة أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله، أو بمال غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار". (الكشاف: ۲/۳۰۰، (سورة التوبة: ۱۰۷) دار الكتاب العربي بيروت)

(وكذا في روح المعاني: ۱۱/۲۰، (سورة التوبة: ۱۰۶) مكتبه دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في التفسير الأحمدي، ص: ۴۸۳، مكتبه حقانيه پشاور)

حلال وحرام روپے سے بنی ہوئی مسجد میں نماز

سوال[۶۴۹۱]: ۱... حلال وحرام مال سے مسجد بنائی جائے، اس میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

۲... اگر وہی مسجد حلال مال سے خریدی جائے، اس میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ پھر مشتری کو اس وقت اگر لوگ واپس کردیں تو وہ روپیہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... مال حرام مسجد میں لگانا ناجائز ہے، اگر حرام مال سے خرید کر زمین پر مسجد بنائی جائے تو اس میں نماز مکروہ ہے(۱)۔

۲... اگر حرام مال سے خرید کر بیع فسخ کرکے پھر حلال مال سے خرید کر مسجد بنائی جائے تو اس میں نماز درست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۵/۶۲ھ۔

= (وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ١/٢٤٩، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة، دار المعرفة بيروت)

(۱) "كل مسجد بني مباهاةً أو رياءً أو سمعةً أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله أو بمال غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار" (مدارك التنزيل على هامش تفسير الخازن: ٢/٢٨١، حافظ كتب خانه)

قال ابن عابدين: قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً أو مالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالىٰ لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله". (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب كلمة "لا بأس" دليل على أن المستحب غيره الخ: ١/٦٥٨، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ١/٢٤٨، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة، دار المعرفة بيروت)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (امداد الفتاویٰ، کتاب الوقف، حکم مسجد بنا کردہ بمال حرام: ۲/۶۴۲)

(واحسن الفتاویٰ، باب المساجد، حرام مال سے تعمیر کردہ مسجد کا حکم: ۶/۴۴۳)

(وامداد الأحکام، فصل في احکام المسجد وآدابه، لوٹ کے مال سے بنائی ہوئی مسجد میں نماز کا حکم: ۱/۴۴۰)

(والعماد المفتي، كتاب الوقف، أحكام المساجد، رسالة نيل المرام في حكم المسجد الذي بالثمن الحرام، ص: ٦٦٢)

(۲) "الرجل اكتسب مالاً من حرام ثم اشترى، فهذا على خمسة أوجه: إما إن دفع تلك الدراهم إلى =

وصیت اور خواب کہ سود کا روپیہ مسجد میں دیا جائے

سوال [۷۰۱۶]: جو مسجد بالکل ویران ہے امام و مؤذن تک ہے، ایک حاجی صاحب جن کے پاس بیاج (۱) کے پیسے تھے انہوں نے ایک صاحب سے وعدہ کیا کہ میں مسجد کے جملہ تعمیری اخراجات کو پورا کروں گا، مگر چند دن بعد حاجی صاحب کا انتقال ہو گیا۔ اب وہ خواب میں اس شخص کے پاس آئے اور کہا کہ ہم کئی دن سے سخت عذاب میں مبتلا ہیں، لہذا میرے سود بیاج کے تمام کے تمام روپے میری بیوی سے لے کر مسجد میں لگا دو، تا کہ اس دردناک عذاب سے چھٹکارا پاؤں۔ اب وہ شخص حاجی صاحب کے ورثاء اور ان کی بیوی کے پاس گیا، انہوں نے کہا کہ اگر سود کا روپیہ مسجد میں لگ سکتا ہو تو ہم بخوشی دینے کو تیار ہیں۔ براہ کرم مطلع فرمائیں کہ سود کا پیسہ مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سود کا روپیہ مسجد میں لگانا جائز نہیں، مرنے والا اگر خواب میں آکر بتائے تب بھی جائز نہیں (۲)۔ جو

= البیع أو لا، فما اشتری منه بهاء أو اشتری قبل الدفع بها ردفعها، أو اشتری قبل الدفع بها و دفع غيرها، أو اشتری مطلقاً و دفع تلك الدراهم، أو اشتری بدراهم أخر و دفع تلك الدراهم، قال أبو نصر: يطيب له و لا يجب عليه أن يتصدق إلا في الوجه الأول، وإليه ذهب الفقيه أبو الليث، لكن هذا خلاف ظاهر الرواية، فإنه نص في الجامع الصغير: إذا غصب ألفاً، فاشتری بها جارية، وباعها بألفين، تصدق بالربح. وقال الكرخي في الوجه الأول والثاني: لا يطيب، وفي الثلاث الأخيرة: يطيب، وقال أبوبكر: لا يطيب في الكل، لكن الفتوى الآن على قول الكرخي، دفعاً للحرج عن الناس ..... وقال بعضهم: لا يطيب في الوجوه كلها، ولكن الفتوى اليوم على قول الكرخي، دفعاً للحرج عن الناس، لكثرة الحرام" (رد المحتار: ۵/۲۳۵، كتاب البيوع، باب المتفرقات، مطلب: إذا اكتسب حراماً ثم اشترى، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۳۷۳/۲، ۳۷۴، كتاب الغصب، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق: ۲۰۶/۸، كتاب الغصب، رشيديه)

(۱) "بیاج: سود، وہ نفع جو قرض دے کر لیا جائے" (فیروز اللغات، ص: ۲۵۰، فیروز سنز لاہور)

(۲) "أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره، لأن الله تعالى لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله، شرنبلالية" (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمة "لا بأس" =

وعدہ زندگی میں کیا تھا مرنے کے بعد ورثاء کے ذمہ اس کا پورا کرنا واجب نہیں (۱)، تاہم ان کے ترکہ سے کسی کو زبردستی لینے کا حق ہے (۲)۔ ہاں! میت کے لئے دعائے مغفرت کی جائے، قرآن پاک کی تلاوت کر کے نفل نماز پڑھ کر ثواب پہنچایا جائے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۵/۱۴۰۰ھ۔

— دليل على أن المسجب غيره، الخ: ۱/ ۶۵۸، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۱/ ۲۸۷، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة، دار المعرفة بيروت)

"كل مسجد بني مباهاةً أو رياءً أو سمعةً أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله، أو بمال غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار". (التفسيرات الأحمدية، ص: ۳۶۸، مكتبه حقانيه پشاور)

(وكذا في روح المعاني: ۱۱/ ۲۰، (سورة التوبة: ۱۰۷)، مكتبه دار الكتاب العربي بيروت)

(وكذا في مدارك التنزيل: ۱/ ۴۹۲، (سورة التوبة: ۱۰۷)، قديمي)

(۱) "(قوله: أما دين الله تعالى، الخ) محترز قوله: من جهة العباد، وذلك كالزكوة والكفارات ونحوها. قال الزيلعي: فإنها تسقط بالموت، فلا يلزم الورثة أداؤها إلا إذا أوصى بها، أو تبرعوا بها من عندهم". (رد المحتار: ۶/ ۷۶۰، كتاب الفرائض، سعيد)

(۲) "وعن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

"ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلا سبب شرعي". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/ ۶۴، (رقم المادة: ۹۷)، المقالة الثانية في القواعد، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) "صرح علماؤنا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوماً أو صدقةً أو غيرها، كذا في الهداية". (رد المحتار: ۲/ ۲۴۳، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء الثواب للميت، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/ ۱۰۵، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، رشيديه)

سودی قرضہ کا روپیہ مسجد میں لگانا

سوال [۷۱۰۷]: سودی رقم قرض پر لیکر مسجد تعمیر کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو رقم سود پر قرض لی گئی ہے وہ رقم حرام نہیں (۱)، اس کا مسجد کی تعمیر میں لگانا بھی درست ہے (۲)، لیکن سود پر رقم لینا، سود دینا گناہ ہے، اس سے باز آنا ضروری ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۲/۸۹ھ۔

---

(۱) "وأما القرض المشروط بالفضل والمنفعة، فلم يقل أحد: إنه من باب الإرفاق، بل اتفقوا على كونه مثل البيع. ثم اختلفوا ...... وقال الحنفية: يبطل الشرط لكونه منافياً للعقد، ويبقى القرض صحيحاً، ...... ومرادهم بكون القرض صحيحاً والشرط باطلاً: أن المستقرض إذا قبض الدراهم التي استقرضها بالشرط، يصير ديناً عليه، ولاتكون أمانة غير مضمونة". (إعلاء السنن، رسالة كشف الدجى عن وجه الربا: ۱۴/۵۳۳، ۵۳۴، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "غالب مال المهدي إن حلالاً، لا بأس بقبول هديته وأكل ماله مالم يتبين أنه من حرام. وإن غالب ماله الحرام، لا يقبلها ولا يأكل، إلا إذا قال: إنه حلال ورثه أو استقرضه". (البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۶/۳۶۰، كتاب الكراهية، الفصل الرابع في الهدية والميراث، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر: ۱/۳۴۳، الفن الأول، القاعدة الثانية، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۵/۳۴۳، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، رشيديه)

(۳) قال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا الربوا أضعافاً مضاعفة﴾ (سورة آل عمران: ۱۳۰)

وقال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله، وذروا ما بقي من الربوا، إن كنتم مؤمنين، فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من الله ورسوله﴾. (سورة البقرة: ۲۷۹)

"عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: لعن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم آكل الربا ومؤكله وشاهده وكاتبه". (سنن أبي داود: ۲/۱۱۷، كتاب البيوع، باب في آكل الربا وموكله، إمداديه ملتان)

مسجد کی تعمیر کے لئے سود پر قرض لینا

سوال [۷۷۲۲]: مسجد کی تعمیر کے لئے سود پر روپیہ قرض لے کر خرچ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سود پر روپیہ لینا حرام ہے(۱)، خاص کر مسجد کی تعمیر کے لئے حرام فعل کا ارتکاب ہرگز نہ کیا جائے (۲)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کے لئے سودی قرض

سوال [۷۷۲۳]: علاقہ گنگوہ کے ایک قریہ بہادر نگر میں ایک مسجد تعمیر ہو رہی ہے، اس کی تعمیر کے صرفہ کی صورت یہ ہے کہ اہل قریہ نے تعمیر مسجد کے لئے فی ہل کچھ غلہ معین کر کے بطور چندہ غلہ فراہم کیا تھا کہ اس کو بیچ کر مسجد کی تعمیر کریں گے۔ کچھ دنوں غلہ جمع رہا، جب قریہ کے بعض لوگوں کو خورد ونوش کی تنگی ہوگئی اور بھوکے مرنے لگے، ان کو وہ غلہ ادھار دے دیا وعدہ پر کہ موجودہ فصل میں ادا کر دینا۔

چونکہ مسجد کے لئے اینٹیں خریدی ہوئی موجود تھیں، گاؤں والوں نے تعمیر شروع کرا دی، جب معمار اور مزدوروں نے مزدوری مانگی تو لوگوں نے کہا کہ مسجد کا پیسہ نہیں ہے، فصل کٹانے کے بعد لوگوں سے وصول

---

(۱) (راجع، ص: ۱۰۴، رقم الحاشیۃ: ۳)

(۲) "(قوله: لو بماله الحلال) قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالىٰ لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله". (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمة "لابأس" دليل على أن المستحب غيره، الخ: ۱/۶۵۸، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۱/۲۷۸، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة، دار المعرفة بيروت)

"ولما نقل النووي: قول الإحياء: لو سقف المسجد بحرام، حرم الجلوس تحته؛ لأنه انتفاع بالحرام ...... والمختار أنه لا يحرم القعود". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح: ۲/۴۰۴، كتاب الصلوة، باب المساجد ومواضع الصلاة، الفصل الثالث، رشيديه)

کر کے دیں گے۔ معمار اور مزدوروں نے تسلیم کرلیا۔ پس گاؤں والوں نے جہالت کے سبب سودی قرضہ لیکر معماروں کو بھی دیدیا اور چونہ لکڑی وغیرہ بھی خرید کر تعمیر مسجد میں لگارہے ہیں۔

اب تحقیق طلب امر یہ ہے کہ سودی قرضہ سے مسجد میں صرف کرنا، یا مزدوری میں دینا کچھ نقصان شرعاً ہوتا ہے یا نہیں، اگر نقصان ہے تو اس مسجد میں نماز درست ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سودی قرض تو شرعاً ناجائز ہے(۱)، لیکن اس طرح قرض لے کر جو معماروں اور مزدوروں کی اجرت ادا کی گئی ہے اور اس قرضہ سے مسجد کے لئے چونہ وغیرہ خرید لیا گیا، اس سے اس مسجد کی نماز ممنوع نہ ہوگی، بلکہ نماز اس میں درست ہے(۲)۔ سودی قرض لینے سے توبہ واجتناب کریں(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/۳/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۵/ربیع الاول/۵۹ھ۔

سود کا پیسہ مسجد کی روشنی وغیرہ میں لگانا

سوال[۴۷۴۳]: ۱... تقریباً پندرہ سال ہوئے ہیں ہماری مسجد میں سود خوروں کے پیسہ سے تکیا

---

(۱) (راجع رقم الحاشیۃ : ۳)

(۲) اس لئے کہ مسجد کی تعمیر اور مزدوری اجرت میں قرض کی رقم خرچ ہوئی ہے، نہ کہ حرام پیسہ، اس لئے درست ہے، البتہ قرض پر زائد رقم وصول کرنے کے لئے دینا قطعی حرام ہے:

"أخرج الحارث بن أسامة في مسنده عن علي رضي الله تعالیٰ عنه: "كل قرض جر منفعة فهو ربا". ذكره السيوطي في الجامع الصغير". (تكملة فتح الملهم، كتاب البيوع، باب الربا: ۱/۵۶۸، دار العلوم کراچی)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا الربوا أضعافاً مضعفة﴾ (سورة آل عمران: ۱۳۰)

وقال الله تعالیٰ: ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

"عن عبد الله بن مسعود عن أبيه رضي الله تعالیٰ عنه قال: لعن رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم آكل الرباء، وموكله، وشاهده، وكاتبه". (سنن أبي داود: ۲/۱۱۷، كتاب البيوع، باب في آكل الربا وموكله، إمداديه ملتان)

کی فٹنگ، پنکھا لگا ہوا ہے، شرعاً یہ حرام ہے یا نہیں، اس بجلی کی روشنی اور پنکھے کے نیچے نماز ہوگی یا نہیں؟

۲... آج تک جو نمازیں پڑھی گئی ہیں ان کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز آمدنی کا پیسہ مسجد میں لگانا درست نہیں (۱)، اگر بجلی کی فٹنگ اور پنکھے میں ناجائز پیسہ لگایا گیا ہے تو جس نے لگایا ہے وہ پنکھا یہاں سے لے جائے اور حلال کمائی سے لگایا جائے، بجلی کی فٹنگ میں جو میٹریل اور تار، بلب جو کچھ بھی وہاں موجود ہے اس کو نکال کر جائز آمدنی سے لگایا جائے۔ اگر ایسا کرنے میں فتنہ ہو تو مجبوراً یہ صورت کرلی جائے کہ جتنا پیسہ اس میں خرچ ہوا ہے وہ پیسہ سود کا تھا تو اتنا پیسہ اصل مالک کو (جس سے سود لیا تھا) اسی کو واپس کردیا جائے، اگر اصل مالک معلوم نہ ہو تو اتنا پیسہ غریبوں کو صدقہ کردیا جائے (۲)، لیکن پہلے اس کی

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من تصدق بعدل تمرة من كسب طيب، ولا يقبل الله إلا الطيب، فإن الله يتقبلها بيمينه، ثم يربيها لصاحبه كما يربي أحدكم فلوه، حتى تكون مثل الجبل". (صحيح البخاري، باب الصدقة من كسب طيب: ۱۸۹/۱، قديمي)

قال الحافظ عماد الدين إسماعيل بن كثير القرشي: "قال ابن عباس رضي الله تعالى عنهما: أمرهم بالإنفاق من أطيب المال وأجوده وأنفسه، ونهاهم عن التصدق برذالة المال أو دنيه، وهو خبيثه، فإن الله لا يقبل إلا طيباً". (تفسير ابن كثير: ۴۲۰/۱، (سورة البقرة: ۲۶۷)، سهيل اكيڈمي لاهور)

وقال العلامة ابن عابدين: "قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره، لأن الله تعالى لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله". (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمة "لابأس" دليل على أن المستحب غيره، الخ: ۶۵۸/۱، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۲۷۸/۱، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة، دار المعرفة بيروت)

(۲) "ولو مات مسلم وترك ثمن خمر، لا يحل لورثته أن يأخذوا ذلك؛ لأنه كالمغصوب. وعلى هذا لو مات رجل وكسبه من ثمن الباذق والظلم أو أخذ الرشوة، تعود الورثة، ولا يأخذون منه شيئاً ... ويردونه على أربابه إن عرفوهم، وإلا يتصدقوا به؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد". (البحر الرائق: ۳۶۹/۸، كتاب الكراهية، فصل في البيع، رشيديه)

تحقیق بھی کرلی جائے کہ اس میں سودی رقم بھی صرف کی گئی ہے۔ جو نمازیں اس روشنی وغیرہ میں پڑھی گئی ہیں وہ درست ہو گئیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۹۰ھ۔

سود خور کو ترکہ میں ملی ہوئی رقم مسجد میں لگانا

سوال [۷۰۷۱]: ایک سود خور کو اپنے والدین سے جو ترکہ ملا ہے وہ اس سے کچھ رقم مسجد کے کام میں لگانا چاہتے ہیں، کیا ان کے روپے کو مسجد میں لگایا جا سکتا ہے؟ واضح رہے کہ اس سود خور کے روپے کا حساب نہیں ہے کہ اصل کتنا ہے اور سودی کتنا ہے، اور وہ اس روپے سے تجارت بھی کرتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

والدین کے ترکہ سے جو حلال روپیہ ملا ہے اگر وہ روپیہ مسجد میں دے تو اس کا مسجد میں صرف کرنا شرعاً درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۷/۹۶ھ۔

تعمیر مکان کے لئے مسجد کمیٹی کا سود پر رقم لینا

سوال [۷۰۷۲]: سابقہ مسجد کمیٹی نے مکان تعمیرات بوجہ مجبوری کچھ رقم ریزرویشن کرکے باقاعدہ

=(وكذا في تبيين الحقائق: ۷/۱۰۴، كتاب الكراهية، فصل في البيع، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في رد المحتار: ۶/۳۸۵، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

(۱) "كل مسجد بني مباهاة أو رياءً أو سمعةً أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله، أو بمال غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار". (مدارك التنزيل على هامش تفسير الخازن، سورة التوبة: ۲/۲۸۰، حافظ كتب خانه)

(۲) "غالب مال المهدي إن حلالاً، لا بأس بقبول هديته وأكل ماله ما لم يتبين أنه من حرام، وإن غالب ماله الحرام لا يقبلها ولا يأكل إلا إذا قال: إنه حلال ورثه أو استقرضه". (البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل الرابع في الهدية والميراث: ۶/۳۶۰، رشيدية)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة الثانية: ۱/۳۳۳، إدارة القرآن كراچي)

(الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۳، رشيدية)

قانونی لکھا پڑھی کر کے ایک ساہوکار سے بیاج پر اٹھائی تھی(۱)۔ اور نہ وہ رقم اور نہ ہی وہ سود ادا کر پائی تھی کہ یہ الیکشن ہوا اور کمیٹی بدل گئی اور برسرِ اقتدار کمیٹی میں دوسرے لوگ آ گئے تو ساہوکار اب اپنی رقم مع سود موجودہ کمیٹی سے طلب کر رہا ہے۔ تو کیا مع سود وہ رقم موجودہ کمیٹی ادا کرے، جب کہ شرعی حکم ہے کہ سود کی لین دین دونوں ناجائز ہے؟ تو اب: اگر ہم ساہوکار کی رقم مع سود ادا کر دیں تو خدا کی گرفت میں آئیں گے یا بچ سکیں گے، اس بارے میں ہمارے لئے شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی ذمہ داری سابقہ کمیٹی پر ہے جس نے سود پر مسجد کے لئے رقم لی ہے، اگر یہ صورت کسی طرح ممکن ہو کہ مسجد کی طرف سے اصل رقم موجودہ کمیٹی دے اور سود سابقہ کمیٹی اپنے پاس سے دے دے، یا معاف کرا لے تو آپ لوگ بالکل بچ جائیں گے، یہ نہ ہو سکے تو موجودہ کمیٹی مجبور ہے۔ بہر حال اعلیٰ بات یہ ہے کہ سود مسجد کی طرف سے نہ دیا جائے، بلکہ کمیٹی آپس میں چندہ کر کے اس معصیت کو برداشت کرے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۰/۹۵ھ۔

بلیک مارکیٹنگ کرنے والے کا روپیہ مسجد میں

سوال[۷۷۲۷]: جو لوگ بلیک مارکیٹنگ کا کام کرتے ہیں وہ اگر مسجد کے لئے چندہ دیں تو ان کے روپے کو مسجد میں خرچ کیا جا سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ملکیت تو اس صورت میں بھی حاصل ہو جاتی ہے اور اس کو مسجد میں صرف کرنا بھی درست ہے(۲)،

---

(۱) "ساہوکار: سود پر پیسے چلانے والا، صراف"۔ (فیروز اللغات، ص: ۷۷۰، فیروز سنز، لاہور)

"بیاج: سود، بانفع، تھوڑی زیادتی"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۵۰، فیروز سنز، لاہور)

(۲) "غالب مال المهدي إن حلالاً، لا بأس بقبول هديته وأكل ماله، ما لم يتعين أنه من حرام. وإن غالب ماله الحرام لا يقبلها ولا يأكل، إلا إذا قال: إنه حلال ورثه أو استقرضه". (البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل الرابع في الهدية والميراث: ۶/۳۶۰، رشيدية)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة الثانية: ۱/۳۴۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۳، رشيدية)

مگر شدید پر طریقہ ایسا ہے جس میں عزت کا بھی خطرہ ہے، مال کا بھی خطرہ ہے، جان کا بھی خطرہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۷/۹۲ھ۔

مسجد کی رقم خرچ کرکے سودی قرض لے کر مسجد میں دینا

سوال[۷۷۱۸]: ایک آدمی کے پاس مسجد کی امانت کا روپیہ تھا انہوں نے اس کو خرچ کرڈالا، تو امین صاحب نے ایک دوسرے آدمی سے سودی قرض لے کر مسجد کی امانت کے روپے کو واپس کردیا۔ کیا اس روپے کو مسجد میں خرچ کرنا جائز ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سود پر جو قرض لیا گیا ہے وہ قرض کا روپیہ حرام نہیں، اس کو مسجد کے روپے کے ضمان میں دینا درست ہے(۱)، البتہ قرض کے ساتھ جو روپیہ سود کا دیا جائے اس کا دینا حرام ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱/۹۲ھ۔

قیمتِ شراب سے بنی ہوئی مسجد میں نماز

الاستفتاء[۷۷۱۹]: زید مسلمان شراب کی بیع کرتا ہے اور بہت دولتمند ہوگیا ہے، پنجگانہ نماز پڑھتا

---

(۱) "وأما القرض المشروط بالفضل والمنفعة، فلم يقل أحد إنه من باب الإرفاق، بل اتفقوا على كونه من الربا، ثم اختلفوا ... وقال الحنفية: يبطل الشرط لكونه منافياً للعقد، ويبقى القرض صحيحاً ... ومرادهم بكون القرض صحيحاً والشرط باطلاً: أن المستقرض إذا قبض الدراهم التي استقرضها بالشرط يصير ديناً عليه، ولا تكون أمانة غير مضمونة". (إعلاء السنن، رسالة كشف الدجى عن وجه الربا: ۱۴/۵۴۳، ۵۴۴، إدارة القرآن كراچی)

(۲) قال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا الربوا أضعافاً مضاعفة﴾ (سورة آل عمران: ۱۳۰)

وقال الله تعالى: ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

"عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: لعن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم آكل الربا وموكله وشاهده وكاتبه". (سنن أبي داود: ۲/۱۱۷، كتاب البيوع، باب في آكل الربا وموكله، سعيد)

ہے مگر فی الحال زید خود نہیں کرتا، تو کروا فرمایا کرتے ہیں، مگر زید ہی کے حکم سے کرتے ہیں۔ کیا اس کی مسجد میں ہم مسلمانوں کی نماز ہوگی؟ اور مسجد میں جو روپیہ صرف ہوا ہے وہ شراب کا روپیہ ہے، ہمارے یہاں کے علماء فرماتے ہیں کہ اس کی عبادت قبول بھی نہیں ہوگی، اس کی مسجد میں نماز پڑھنے سے نماز بھی نہیں ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ مسجد شراب کی آمدنی سے بنائی گئی ہے تو اس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے (۱)، جو نمازیں وہاں پڑھی گئیں وہ بکراہت ادا ہوگئیں، آئندہ احتیاط کی جائے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۶/۶/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، مفتی دار العلوم دیوبند۔

شراب کی آمدنی سے مسجد میں چندہ

سوال [۷۲۹۰]: ہمیں برطانیہ کے ایک شہر بریڈ فیرا میں ایک عمارت خریدنا ہے، کہ ہماری مذہبی

---

(۱) "كل مسجد بني مباهاةً أو رياءً أو سمعةً أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله، أو بمال غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار". (مدارك التنزيل على هامش تفسير الخازن: ۲/۲۸۱، (رقم الآية: ۱۰۷)، حافظ کتب خانہ)

"قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً، ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالى لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله". (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمة "لا بأس" دليل على أن المستحب غيره، الخ: ۱/۶۵۸، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۱/۲۷۸، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، دار المعرفة بيروت)

مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: (إمداد الفتاوی، کتاب الوقف، احکام المسجد، حکم مسجد بنا کردہ بمال حرام: ۲/۶۷۲)

(واحسن الفتاوی، کتاب الوقف، باب المسجد، حرام مال سے تعمیر کردہ مسجد کا حکم: ۶/۴۴۲)

(وإمداد الأحكام، كتاب الصلاة، فصل في أحكام المسجد وآدابه: ۱/۴۰۳)

(وإمداد المفتين، كتاب الوقف، أحكام المساجد، رسالة بيان المرام في حكم المسجد المبني بالمال الحرام، ص: ۷۶۹)

ضروریات (مسجد، بچوں کی تعلیم کے لئے کمرے، مسجد کمیٹی کا دفتر اور چندہ کرے جو مسجد کا خرچہ پورا کرنے کے لئے ذریعہ پیدا کیے جائیں گے) اس بلڈنگ سے پوری کی جائیں، اس کے حصول کے لئے چند مسائل درپیش ہیں، جواب سے نوازیں:

(الف) زید شراب کا کاروبار کرتا ہے اور اس عمارت کے لئے چندہ بھی دیتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟

شراب کے کاروبار والے کی جائز آمدنی سے چندہ

سوال [۲۸۱]: (ب) زید شراب کا کاروبار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کاروبار سے پہلے کے میرے دو تین مکانات ہیں، ان کا حساب الگ رکھا ہوا ہے، ان مکانوں کی آمدنی کرایہ سے رقم مسجد میں دینا چاہتا ہے۔

مخلوط آمدنی سے مسجد میں چندہ

سوال [۲۸۲]: (ج) زید کی ایک دوکان ہے جس میں کچھ حلال اشیاء ہیں اور کچھ ٹین کے ڈبوں میں بند کیے مائع سیال اور بیچ ویل کا ذبح شدہ (بغیر تکبیر کے) گوشت ہے، کیا اس کی آمدنی لے سکتے ہیں؟

ایضاً

سوال [۲۸۳]: (د) زید کی دوکان میں چند حلال چیزیں ہیں، ورکھلا ہوا سور کا گوشت بھی ہے اور بند ڈبوں میں بھی۔

چوری کے مال سے چندہ

سوال [۲۸۴]: (ہ) زید کی سبزی کی دوکان ہے ودوسری کپڑے کی، مگر کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ چوری شدہ مال سستا خرید کر فروخت کرتا ہے، کیا اس سے چندہ لینا جائز ہے؟

شراب کی آمدنی سے مسجد میں چندہ

سوال [۲۸۵]: (و) زید کی اشیائے خوردنی کی ایک دوکان ہے مگر ایک طرف اس میں شراب بھی فروخت کرتا ہے۔

غیر مسلم سے مسجد کے لئے چندہ لینا

سوال [۷۲۸۶] : (ز) ایک غیر مسلم اپنی امارت کے لئے چندہ دے تو کیا قبول کیا جاوے؟

براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جلد جواب عنایت فرمائیں۔

حافظ عبدالکریم، روکس برگ، اسٹریٹ، اے ڈن برگ، اسکاٹ لینڈ (یوکے)

الجواب حامداً ومصلیاً:

(الف) شراب کی آمدنی سے مسجد کے لئے چندہ قبول نہ کیا جائے (۱)، اگر جائز آمدنی سے مثلاً قرض لے کر دے تو درست ہے (۲)۔

(ب) یہ درست ہے (۳)۔

---

(۱) "(قوله: لو بمال الحلال) قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً وما لا سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها: ۱/۶۵۸، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها: ۱/۲۷۸، دار المعرفة بيروت)

(۲) "وفي شرح حيل الخصاف لشمس الأئمة الحلواني: أن الشيخ الإمام أبا القاسم الحكيم كان ممن يأخذ جائزة السلطان، وكان يستقرض بجميع حوائجه، وما يأخذ من الجائزة كان يقضي به دينه، والحيلة في مثل هذه المسائل أن يشتري شيئاً، ثم ينقد ثمنه من أي مال أحب". (خلاصة الفتاوى، كتاب الكراهية، الفصل الرابع في المال من الإهداء والميراث: ۴/۳۴۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۳، رشيديه)

"إذا أراد أن يحج بمال حلال فيه شبهة، فإنه يستدين للحج، ويقضي دينه من ماله". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحج، فصل في المقطعات: ۱/۳۱۳، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، باب المتفرقات: ۲/۵۷۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول: ۱/۲۲۰، رشيديه)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من تصدق =

(ج) حلال چیزوں کی آمدنی سے دیوے تو درست ہے، اگر مخلوط آمدنی سے دے اور حلال غالب ہو تب بھی درست ہے(۱)۔

(د) جواب "ج" سے اس کا جواب بھی ظاہر ہے۔

(ھ) اگر زید کو اس کا اقرار ہے، یا اس پر شرعی شہادت موجود ہے تو چوری سے خریدے ہوئے مال کی آمدنی سے چندہ نہ لیوے(۲) اور بغیر ثبوت کے شبہ نہ کیا جائے۔

(و) جواب "الف، ج" سے اس کا جواب معلوم ہو سکتا ہے۔

(ز) اگر وہ ثواب سمجھ کر دے، اور یہ اندیشہ نہ ہو کہ اس کے نتیجہ میں کوئی غلط مقصد حاصل کرے گا تو لینا درست ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱/۹۳ھ۔

... بعدل تمرة من كسب طيب، ولا يقبل الله إلا الطيب" الحديث (صحيح البخاري، باب الصدقة من كسب طيب: ۱/۱۸۹، قديمي)

"قال ابن عباس رضي الله تعالى عنهما: أمرهم بالإنفاق من أطيب المال وأجوده وأنفسه، ونهاهم عن التصدق برذالة المال ودنيئه، وهو خبيثه، فإن الله لا يقبل إلا طيباً". (تفسير ابن كثير، (سورة البقرة: ۲۶۷): ۱/۳۴۰، سهيل اكيڈمي لاهور)

(...) "غالب مال المهدي إن حلالاً، لا بأس بقبول هديته وأكل ماله، مالم يتبين أنه من حرام، وإن غالب ماله الحرام، لا يقبلها ولا يأكل، إلا إذا قال: إنه حلال ورثه أو استقرضه". (البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل الرابع في الهدية والميراث: ۶/۳۶۰، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر: ۱/۳۴۳، القاعدة الثانية، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۲، رشيديه)

(۲) (راجع حاشية رقم: ۱)

(۳) "وأما الإسلام فليس من شرطه، فصح وقف الذمي بشرط كونه قربة عندنا وعندهم" (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۶، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۶۸، غفاريه كوئته)

چوری کا سیمنٹ مسجد میں لگانا

سوال[۷۲۸۷]: سرکاری کام کرنے والے ٹھیکیدار جو سرکاری چوری سے سیمنٹ فروخت کرتے ہیں، اس کو مسجد کے غسل خانوں، یا نالی وغیرہ، یا مسجد کی ذاتی عمارت میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ شکل اس کی یہ ہوتی ہے کہ سرکاری انجینئر بل منظور کرتے ہیں کہ اس عمارت میں مثلاً دوسو کٹ سیمنٹ کے لگ جائیں گے، اسی حساب سے ٹھیکیدار کا لائسنس منظور کرتے ہیں، مگر اس کام کو ٹھیکیدار پورا کر کے سیمنٹ بچا لیتے ہیں اور اس سیمنٹ کو ٹھیکیدار سرکاری چوری سے فروخت کرتے ہیں۔ اس شکل میں یہ سیمنٹ کیا ہم خرید کر مسجد کے غسلخانوں یا مدرسہ کی عمارت میں لگوا سکتے ہیں، یا نہیں؟ مع حوالہ کتب احادیث تحریر فرما کر خادم کو ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر تحقیق سے ثابت ہو جائے کہ یہ سیمنٹ چوری کا ہے تو اس کا خریدنا اور مسجد کی عمارت یا اس کے غسل خانہ وغیرہ میں لگانا جائز نہیں، چور کی اس پر ملکیت بھی حاصل نہیں، پھر اس سے خریدنا ہی بے محل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے گھر میں پاک مال لگایا جائے، وہ پاک ہی کو قبول کرتا ہے، ناپاک (حرام) مال نہ لگایا جائے، کما فی ردالمحتار (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۹۲ھ۔

---

(۱) قال ابن عابدين رحمه الله تعالى: قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالى لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله". (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمة "لابأس" دليل على أن المستحب غيره، الخ. ۱/۶۵۸، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۱/۲۷۸، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب المساجد و مواضع الصلوة، الفصل الثالث ۲/۴۳۹، رشيديه)

مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: (إمداد الفتاوی، کتاب الوقف، احكام المسجد، حکم مسجد بنا کردہ بمال حرام: ۲/۶۷۲)

(وأحسن الفتاوی، کتاب الوقف، باب المساجد، حرام مال سے تعمیر کردہ مسجد کا حکم: ۶/۴۳۱)

مخلوط آمدنی والے کا چندہ مسجد و مدرسہ میں

سوال [۷۴۸۸]: ایک صاحب ہیں جن کی آمدنی جائز نہیں مگر آمدنی کے ذرائع ان کے پاس ایسے بھی ہیں جو بالکل حلال ہیں۔ کیا ان سے چندہ کا روپیہ مسجد و مدرسہ میں لیا جا سکتا ہے؟ بالخصوص جب کہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ میں اپنی پاک کمائی سے یہ چندہ دے رہا ہوں، مگر یہ پوری ذمہ داری سے کہہ رہا ہوں، کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ حرام آمدنی کو کار خیر میں لگانا بہت بڑا گناہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ایسی صورت میں اس کا چندہ لیا جا سکتا ہے۔

مصطفیٰ علی انصاری، تیلیاں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے شخص کا چندہ درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ناجائز آمدنی کا پیسہ مسجد میں

سوال [۷۴۸۹]: شرابی اور رشوت والے کا پیسہ مسجد میں لگانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز آمدنی کا پیسہ مسجد میں لگانا درست نہیں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۹/۸۹ھ۔

= (وإمداد الأحكام، كتاب الصلوة، فصل في أحكام المسجد وآدابه: ۱/۴۰۳)

(وإمداد المفتين، كتاب الوقف، أحكام المساجد، رسالة نيل المرام في حكم المسجد المبني بالمال الحرام، ص: ۷۶۹)

(۱) "في البزازية: غالب مال المهدي إن حلالاً، لابأس بقبول هديته وأكل ماله، مالم يتعين أنه من حرام. وإن غالب ماله الحرام، لايقبلها ولا يأكل إلا إذا قال: إنه حلال ورثه أو استقرضه" (البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل الرابع في الهدية والميراث: ۶/۳۶۰، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر: ۱/۳۳۶، القاعدة الثانية، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۲، رشيديه)

(۲) قال ابن عابدين: قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب، =

مالِ غیر طیب سے تعمیر شدہ مسجد کا حکم

سوال[۱۰۰۲۱]: ایک شخص زمیندار جس کی آمدنی کی چار صورتیں ہیں: کاشت زمین، سودا گری، رشوت اور آمدنی زیادہ سود کی ہے، اس شخص نے اس آمدنی سے ایک مسجد بنوائی جس کی تعمیر کو آج چالیس سال ہو چکے ہیں، بعض اشخاص اس میں نماز پڑھتے ہیں بعض نہیں پڑھتے، آیا اس میں نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟

فقط: خدا بخش خان از ٹھسکہ، ضلع حصار، ۱۲/فروری/۳۹ء

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن حضرات کے نزدیک ہندوستان دار الحرب ہے وہ کفار سے سود لینے کو جائز فرماتے ہیں، پس اگر سود کفار سے حاصل کیا ہوا ہے تو وہ ان علماء کے نزدیک درست ہے اور اس سے بنائی ہوئی مسجد میں نماز شرعاً جائز اور صحیح ہے(۱)۔ اگر وہ سود مسلمانوں سے حاصل کیا ہے اور دوسری تمام آمدنی سے غالب ہے، یا کفار و مسلمین ہر دو سے حاصل کیا ہے اور مسلمانوں سے حاصل کیا ہوا زیادہ ہے، غرض غلبہ ناجائز آمدنی کو ہے اور جائز آمدنی بھی اس میں شامل ہے تب بھی سب کو خلط کرنے سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ملکیت متحقق ہوگی (اگرچہ جن لوگوں سے ناجائز طریقہ سے مال لیا ہے ان کا اصل مالک کو واپس کرنا، یا کم از کم غرباء کے لئے صدقہ کرنا واجب ہے)، لہٰذا اس مسجد میں نماز ادا کرنا درست ہے:

— فیکرہ: لأن اللہ تعالیٰ لا یقبل إلا الطیب، فیکرہ تلویث بیتہ بما لا یقبلہ". (رد المحتار، کتاب الصلاۃ، مطلب: کلمۃ "لا بأس" دلیل علی أن المستحب غیرہ، الخ: ۱/۶۵۸، سعید)

(وکذا فی حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار: ۱/۲۸۴، کتاب الصلوۃ، باب ما یفسد الصلوۃ، دار المعرفۃ بیروت)

(۱) قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: "ولا ربا بین حربی ومسلم مستأمن ولو بعقد فاسد، أو قمار ثمہ؛ لأن مالہ ثمہ مباح، فیحل برضاہ". (الدر المختار: ۵/۱۸۶، کتاب البیوع، باب الربوا، سعید)

(وکذا فی الهدایۃ: ۳/۸۶، کتاب البیوع، باب الربوا، مکتبہ امدادیہ ملتان)

"من ملك أموالاً غير طيبة، أو غصب أموالاً وخلطها، ملكها بالخلط، ويصير ضامناً"۔

شامی(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۳/۱۴۰۵ھ۔

خنزیر کے بالوں سے برش بنانے کی اجرت کا پیسہ مسجد میں لگانا

سوال[۷۲۹۱]: ۱.....سور کے بالوں کے برش بنانے والوں کا پیسہ مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اور ان کے یہاں کھانا کیسا ہے؟

ایضاً

سوال[۷۲۹۲]: ۲.....جو لوگ برشوں کے کارخانے میں ملازم ہیں اور برش بناتے ہیں ان کا پیسہ مسجد میں لگانا اور ان کا کھانا بھی جائز ہے یا نہیں؟

خنزیر کے بالوں کے برش کی اجرت کا پیسہ مسجد میں دیا ہو تو کیا واپس کیا جائے گا؟

سوال[۷۲۹۳]: ۳.....جو روپیہ ہم نے سور کے بالوں کے برش والا مسجد میں لگایا ہے وہ واپس کرنا چاہئے یا نہیں؟

جس مسجد میں خنزیر کے بالوں کی اجرت کا روپیہ لگا ہو اس میں نماز

سوال[۷۲۹۴]: ۴.....کیا اس مسجد میں نماز پڑھنا اللہ کے نزدیک مقبول ہے یا نہیں؟ دوعالم یہ

---

(۱) (ردالمحتار: ۲/۲۹۱، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الغنم، سعید)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۱/۴۰۴، ۴۰۵، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، دار المعرفة بيروت)

"آكل الربا وكاسب الحرام أهدى إليه أو أضافه، وغالب ماله حرام، لا يقبل ولا يأكل ما لم يخبره أن ذلك المال أصله حلال ورثه أو استقرضه. وإن كان غالب ماله حلالاً، لا بأس به". (الفتاوى العالمكيرية: ۵/۳۴۳، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، رشيديه)

"لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق، إذا تعذر الرد". (البحر الرائق: ۸/۳۶۹، كتاب الكراهية، فصل في البيع، رشيديه)

کہتے ہیں کہ اس مسجد میں عبادت قابلِ قبول نہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱، ۲... محض برش بنانے کی اجرت اس طرح کہ اتنی دیر کام کرو، اس کا معاوضہ یہ ہوگا، درست ہے حرام نہیں (۱)، اس کا پیسہ مسجد میں بھی لگایا جاسکتا ہے، مگر فی نفسہ یہ معاملہ نہیں چاہیے کہ سور کے بال سے انتفاع امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز نہیں (۲)۔

۳... اس کا جواب نمبر ۱، ۲ سے ظاہر ہے۔

۴... جب وہ نماز حسبِ قواعدِ شرعیہ ادا کی جائے گی تو فریضہ بھی ادا ہوجائے گا اور اخلاص ہوگا تو قبول بھی ہوگی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/ ۱۴ھ۔

ساہوکار کا روپیہ مسجد میں

سوال [۶۹۹۵]: ایک مسجد بہت شکستہ ہے اس کو نئے سرے سے بنانے کے لئے ایک صاحب جن

---

(۱) "وإن استأجره ليصنع له طنبوراً أو بربطاً، ففعل، طاب له الأجر إلا أنه يأثم به". (الفتاوی العالمکیریة: ۴/۴۵۰، کتاب الإجارة، الباب الخامس عشر في بيان ما يجوز من الإجارة وما لا يجوز، رشيديه)

(وكذا في فتاوی قاضي خان على هامش الفتاوی العالمكيرية: ۲/۳۲۳، كتاب الإجارة، رشيديه)

(۲) "وشعر الخنزير لنجاسة عينه، فيبطل بيعه، وإن جاز الانتفاع به لضرورة ...... وكره البيع، فلا يطيب ثمنه، ويفسد الماء على الصحيح، خلافاً لمحمد رحمه الله تعالیٰ ...... وعند أبي يوسف رحمه الله تعالیٰ: يكره الخرز به، لأنه نجس". (الدر المختار: ۵/۷۲، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۳/۵۸، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، شركت علميه ملتان)

(۳) "عن عبد الله الصنابحي قال: زعم أبو محمد أن الوتر واجب، فقال عبادة بن الصامت رضي الله تعالیٰ عنه: كذب أبو محمد، أشهد أني سمعت رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم يقول: "خمس صلوات افترضهن الله عزوجل، من أحسن وضوءهن، وصلاهن لوقتهن، وأتم ركوعهن، وخشوعهن، كان له على الله عهد أن يغفر له، ومن لم يفعل، فليس له على الله عهد، إن شاء غفر له، وإن شاء عذبه"۔

(سنن أبي داؤد: ۱/۱۰۹، كتاب الصلوة، باب المحافظة على الصلوات، سعيد)

کا پیشہ یا جو کاری کا ہے (۱)، وہ پانچ ہزار روپے مسجد کو دینا چاہتے ہیں، بلکہ انہوں نے ایک صاحب کو اس کا مالک بنادیا ہے کہ وہ اس کو مسجد میں خرچ کردیں۔ تو اس کو خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ رقم سود کی نہیں ہے تو مسجد کی تعمیر میں اس کا صرف کرنا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۲/۸۹ھ۔

طوائف کی تعمیر کردہ مسجد میں نماز

سوال [۷۰۹۹]: اگر کوئی طوائف یا زنخہ (۳) وغیرہ کوئی مسجد تعمیر کرائے تو اس مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں مسافر کو؟ نیز اگر اس محلہ میں کوئی دوسری مسجد نہ ہو تو اہلِ محلہ بھی اس مسجد میں نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکروہ ہے (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "جو کار: سود پر پیسہ چلانے والا، صراف"۔ (فیروز اللغات، ص: ۴۷۷، فیروز سنز لاہور)

(۲) "غالب مال المهدي إن حلالاً، لا بأس بقبول هديته وأكل ماله، ما لم يتبين أنه من حرام. وإن غالب ماله الحرام، لا يقبلها، ولا يأكل، إلا إذا قال: إنه حلال، ورثه أو استقرضه". (البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۶/۳۶۰، كتاب الكراهية، الفصل الرابع في الهدية والميراث، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر: ۱/۳۴۴، الفن الأول، القاعدة الثانية، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۵/۳۴۳، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، رشيديه)

(۳) "زنخہ: مرد جو عورتوں کی طرح بات چیت یا حرکات کرے"۔ (فیروز اللغات، ص: ۷۵۴، فیروز سنز لاہور)

(۴) "عن رافع بن خديج رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "ثمن الكلب خبيث، ومهر البغي خبيث، وكسب الحجام خبيث". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، ص: ۲۴۱، قديمي)

"والمعنى مهر الزانية خبيث: أي حرام إجماعاً، لأنها تأخذ عوضاً عن الزنا المحرم، ووسيلته

رنڈی کا زمین کو مسجد کے لئے وقف کرنا

سوال [۷۲۹۷]: مجمہ رنڈی کی زمین جو تقریباً سات سال سے بے شغل ہو کر کسی کے پاس ماہوتی، مجمہ کا ارادہ اس زمین کو مسجد میں وقف کرنے کا ہے تو کیا اس زمین کا پیسہ مسجد کے اخراجات میں لگ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ حرام آمدنی کی اور فعل حرام کے عوض کی نہیں ہے تو اس کا وقف کرنا اور اس کی آمدنی کو مسجد میں صرف کرنا شرعاً درست ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۱۲/۸۵ھ۔

رنڈی کا مسجد میں ٹین ڈلوانا

سوال [۷۲۹۸]: ایک زمین ایک بزرگ کے مزار کے نام وقف تھی، چونکہ وہ زمین لب سڑک ہے

---

(۱) "المحرم حرام، وسماه مهراً لأنه في مقابلة البضع" (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، رقم الحديث: ۲۷۶۳: ۶/۲۰، رشيديه)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إن الله طيبٌ لا يقبل إلا الطيب" (مشكوة المصابيح، المصدر السابق)

"كل مسجد بني مباهاةً أو رياءً أو سمعةً أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله أو بمال غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار" (مدارك التنزيل على هامش تفسير الخازن: ۲/۲۸۰، حافظ كتب خانه)

(وكذا في مجموعة الفتاوى لعبد الحي اللكنوي: ۱/۱۸۵، كتاب المساجد، زانیہ کا اپنے مال سے اپنی ناجائز آمدنی سے جو مسجد بنائی اس پر مسجد کا حکم نہیں، سعید)

(۲) "غالب مال المهدي إن حلالاً، لا بأس بقبول هديته وأكل ماله، ما لم يتبين أنه من حرام. وإن غالب ماله الحرام، لا يقبلها ولا يأكل، إلا إذا قال: إنه حلال ورثه أو استقرضه" (البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل الرابع في الهدية والميراث: ۶/۳۶۰، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر: ۱/۳۳۳، الفن الأول، القاعدة الثانية، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۲، رشيديه)

اور کنویں تک اس کے اندر موجود ہے، ایک شخص نے ضرورت محسوس کرتے ہوئے نمازیوں کے لئے اس زمین میں ایک چبوترہ اور ایک دیوار برابر قد آدم اور اس میں محراب بنوا دیا ہے، اس شخص کے نزدیک زیادہ تر نمازی جن کی کہ ان کے سایہ کا بھی انتظام کرنا، دھوپ اور بارش کے موقع پر نماز پڑھنے میں دقت ہوتی تھی، اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ایک رنڈی پیشہ ور عورت نے ایک شخص کو کہا کہ ٹین میں روپیہ دیتی ہوں، چونکہ میرا روپیہ خراب ہے لہذا تم اپنا روپیہ سے مسجد میں ٹین ڈلوا دو(۱)، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس شخص نے ٹین ڈلوا دیا تو اس مسجد میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس سے نماز ممنوع نہ ہوئی، خصوصاً جب کہ ٹین دوسرے شخص نے جو تو روپیہ سے ڈلوایا ہے اور پھر روپیہ طوائف سے لیا ہے(۲) اگرچہ اس شخص کو طوائف سے روپیہ لینا جب کہ اس کی شکل یہ ہو اس روپیہ کا حرام ہونا اس کو معلوم ہے ناجائز ہے(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ۔ صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) "ٹین: [illegible]" (فیروز اللغات، ص: ۴۳۵، فیروز سنز لاہور)

(۲) "وفي شرح حيل الخصاف لشمس الأئمة الحلواني رحمه الله تعالى: أن الشيخ الإمام أبا القاسم الحكيم كان يأخذ جائزة السلطان يقضي به ديونه، والحيلة في هذه المسائل أن يشتري نسيئة، ثم ينقد ثمنه من أي مال شاء" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۳، رشيدية)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۴/۳۴۶، كتاب الكراهية، الفصل الرابع في الفصل من الأفعال والتصرفات، رشيدية)

"إذا أراد أن يحج بمال حلال فيه شبهة، فإنه يستدين للحج ويقضي دينه من ماله" (البحر الرائق، كتاب المناسك، باب المتفرقات: ۲/۶۰۲، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "عن رافع بن خديج رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "ثمن الكلب خبيث، ومهر البغي خبيث، وكسب الحجام خبيث" رواه مسلم" (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، ص: ۲۴۱، قديمي)

فاحشہ کی دی ہوئی چیز کا مسجد میں استعمال

سوال[۷۲۱۹]: ۱...ایک بازاری طوائف عورت کا گزر اوقات وخورد ونوش حرام کی کمائی پر ہے اور وہ عورت سوت کات کر(۱)، یا چھالیا کتر کر نہ پیسہ سے مسجد میں مصلیٰ یا لوٹے رکھتی ہے اور کمائی کھوتی ہے۔ حرام کی اس کے مصلیٰ لوٹے مسجد میں لینا جائز ہے یا نہیں؟

۲...ایک بازاری طوائف اپنی حرام کی کمائی سے مکان بنواتی ہے، اس کے مرنے پر اس کے بھائی اس مکان کو فروخت کرتا ہے اور کچھ روپیہ ایک ہندو سے قرض حسنہ لے کر صحن مسجد پر سائبان ڈالتا ہے اور ہندو کو روپیہ ادا کرتا ہے۔ اس حرام کمائی کے مکان کو فروخت کرکے تو اس کا یہ سائبان مسجد میں ڈالنا جائز ہے یا نا جائز؟

۳...اسی طرح سے اگر بازاری عورت مسجد میں بجلی لگوا دے اور اس کا کرایہ ہندو سے لیکر ادا کیا کرے اور اس ہندو کو اپنی نا جائز کمائی سے ادا کرے تو کیسا ہے؟

نوٹ: لوٹے اور مصلیٰ مسجد میں علیحدہ رکھی ہوئی ہیں، جواب جلد عنایت ہو تاکہ اس پر عمل ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...ایسے لوٹوں اور مصلوں کا استعمال مسجد میں درست ہے، کیونکہ یہ عین حرام کی کمائی سے خرید کر نہیں دیئے(۲)۔

۲...اس سائبان میں بھی کوئی حرج نہیں(۳)۔

---

(۱) ''سوت کاتنا: چرخے پر روئی سے سوت بنانا، چرخے کے ذریعے روئی کے تار نکالنا''۔ (فیروز اللغات، ص: ۹۹۹، فیروز سنز لاہور)

(۲) "غالب مال المهدي إن حلالاً، لا بأس بقبول هديته وأكل ماله، مالم يتعين أنه من حرام. وإن غالب ماله الحرام، لا يقبلها ولا يأكل، إلا إذا قال: إنه حلال ورثه أو استقرضه". (البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل الرابع في الهدية والميراث: ۳۶۰/۶، رشيدية)

(وكذا في الأشباه والنظائر: ۳۴۲/۱، القاعدة الثانية، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۳۴۲/۵، رشيدية)

(۳) قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري: "وفي شرح حيل الخصاف لشمس الأئمة الحلواني - أن ص

۴۔ یہ بھی نمبر ۱، ۲ کی طرح ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ ۴/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم، ۱۰/ ربیع الآخر/ ۵۸ھ۔

مالی جرمانہ اور اس کو مسجد میں صرف کرنا

سوال [۷۰۰۰]: ایک برادری میں چند قوانین مقرر ہیں اور وہ ان کی خلاف ورزی سے سیاسۃً بطور جرمانہ کچھ رقم وصول کرتے ہیں۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ رقم مذکورہ کو مصارف مسجد میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جواب سوال تحریر فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذہب معتمد یہی ہے کہ ایسا جرمانہ ناجائز ہے، اگر کچھ رقم بطور جرمانہ وصول کرلی ہے تو اس کی واپسی ضروری ہے، مسجد وغیرہ میں صرف کرنا درست نہیں (۱)۔

= الشیخ الإمام أبو القاسم الحکیم کان ممن یأخذ جائزة السلطان، وکان یستقرض بجمیع حوائجه، وما یأخذ من الجائزة کان یقضي به دیونه. فالحیلة في مثل هذه المسائل أن یشتري شیئاً، ثم ینقد ثمنه من أي مال أحب". (خلاصة الفتاوی: ۳۴۹/۴، کتاب الکراهیة، الفصل الرابع في المال من الإملاك والمیراث، رشیدیه)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الثاني عشر في الهدایا والضیافات: ۳۴۲/۵، رشیدیه)

"إذا أراد أن یحج بمال حلال فیه شبهة، فإنه یستدین للحج، ویقضي دینه من ماله" (التاتارخانیة، کتاب المناسک، باب المتفرقات: ۵۲۶/۲، إدارة القرآن کراچی)

(۱) "(قوله: لو بماله الحلال) قال تاج الشریعة: أما لو أنفق في ذلک مالاً خبیثاً ومالاً سببه الخبیث والطیب، فیکره، لأن الله تعالی لا یقبل إلا الطیب، فیکره تلویث بیته بما لا یقبله". (رد المحتار، کتاب الصلاة، مطلب: کلمة "لا بأس" دلیل علی أن المستحب غیره الخ: ۶۵۸/۱، سعید)

(وکذا في حاشیة الطحطاوي علی الدر المختار: ۲۷۸/۱، کتاب الصلوة، باب ما یفسد الصلوة، دار المعرفة بیروت)

"قال في الفتح: وعن أبي يوسف رحمه الله تعالى: يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال، وعندهما وباقي الأئمة لا يجوز، ومثله في المعراج، وظاهره أن ذلك رواية ضعيفة عن أبي يوسف. قال في الشرنبلالية: ولا يفتى بهذا لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ المال الناس فيأكلونه اهـ. ومثله في شرح الوهبانية عن ابن وهبان. وأفاد في البزازية أن معنى التعزير بأخذ المال على القول به: إمساك شيء من ماله عنه مدة لينزجر، ثم يعيده الحاكم إليه، لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة، ولا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي.

وفي المجتبى: لم يذكر كيفية الأخذ، وأرى أن يأخذها فيمسكها، فإن أيس من توبته يصرفها إلى ما يرى، وفي شرح الآثار: التعزير بالمال كان في ابتداء الإسلام ثم نسخ، اهـ. والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال، اهـ". (رد المحتار: ۶۲/۴)(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۶/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبد اللطیف، ۲۴/ جمادی الثانیہ/ ۶۰ھ۔

قرض لے کر تعمیر مسجد میں رقم دی وہ حلال ہے

سوال [۷۰۱]: زید نے ایک مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں بکر سے سو روپے قرض لے کر دیے، بعد میں جوئے یا کسی غرض حرام کی کمائی سے اپنا قرض ادا کیا، تو موجودہ صورت میں وہ رقم مسجد کے لئے حلال ہے یا حرام؟

"ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلا سبب شرعي، وإن أخذه وجب عليه رده". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۲۲، رقم المادة: ۹۷، المقالة الثانية في القواعد، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) (رد المحتار: ۶۱/۴، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في التعزير بأخذ المال، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۶۸/۵، كتاب الحدود، فصل في التعزير، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱۶۷/۲، كتاب الحدود، فصل في التعزير، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

روپیہ قرض لے کر دیا ہے وہ دام چیز کے یا جوئے کا نہیں تھا اس میں یہ حرام چیز نہیں ہوگا(۱)، اس کی حرمت مستقل علیحدہ ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/ ۷/ ۹۲ھ۔

قوالی اور اس کی آمدنی مسجد میں دینا

سوال[۶۳۰۱]: میرا ذریعہ معاش بنا قوالی ہے اور خدا کے فضل وکرم سے آمدنی بہت اچھی ہے۔ اس آمدنی سے مساجد وغیرہ اور قرآن خوانی کرانے قرآن کریم پڑھنے والوں کے ساتھ مالی تعاون کروں تو جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ پیسہ مسجد کے لئے ناجائز ہے اور نہ اس سے کوئی ثواب حاصل ہو سکے گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ پیشہ شرعاً ممنوع ہے، اس کی آمدنی بھی ممنوع ہے(۳)، اللہ کے گھر میں ایسی آمدنی نہ لگائی

---

(۱) "وفي شرح حيل الخصاف لشمس الأئمة الحلواني: أن الشيخ الإمام أبا القاسم الحكيم كان يأخذ جائزة السلطان يقضي بها ديونه، فالحيلة في هذه أن يشتري شيئاً بمال مطلق، ثم ينقد ثمنه من أي مال شاء" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۳، رشيدية)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۴/۳۴۹، كتاب الكراهية، الفصل الرابع في المسائل من الإهداء والميراث، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب البيع، باب المتفرقات: ۶/۴۷۲، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إن الله حرم على أمتي الخمر والميسر والمزر والكوبة والقنين، وزادني صلوة الوتر" (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۲/۳۵۱، رقم الحديث: ۶۵۱۱، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

"وأن أهل الجاهلية كانوا يخاطرون على المال والزوج، وقد كان ذلك مباحاً إلى أن ورد تحريمه" (أحكام القرآن للجصاص: ۱/۳۲۹، باب تحريم الميسر، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

"ولا خلاف بين أهل العلم في تحريم القمار" (أحكام القرآن، المصدر السابق)

(۳) قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: "وفي المنتقى: امرأة نائحة أو صاحبة طبل أو زمر اكتسبت =

جائے (۱)۔اب اگر آپ مسجد کی اعانت کرنا چاہتے ہیں تو کسی سے جائز آمدنی کا روپیہ قرض لے کر مسجد میں دیدیں (۲) اور پھر اپنی تنخواہ میں سے قرض ادا کردیں، بہر حال تاکہ کسی کو اشتباہ نہ رہے۔ اور کوئی دوسرا جائز آمدنی کا ذریعہ حاصل کرنے کی کوشش کریں، حق تعالیٰ سے دعا بھی کریں، اللہ پاک جائز اور پاک آمدنی عطا فرمائے۔

قرآن خوانی کے معاملہ میں تو کسی آمدنی سے بھی تعاون درست نہیں، کیونکہ اجرت کے مشابہ ہے، اور اجرت پر جو قرآن پڑھا جائے اس کا ثواب نہیں ہوتا، ایسی اجرت لینے والا بھی گنہگار ہوتا ہے اور دینے والا بھی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۳/۲۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۳/۲۹ھ۔

= مالاً ردته على أربابه إن عرفوا، وإلا تصدق به". (رد المحتار: ۶/۵۵، كتاب الإجارة، مطلب الاستيجار على المعاصي، سعيد)

"كسب المغنية كالمغصوب لم يحل أخذه". (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۸/۳۶۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۵/۳۴۹، رشيديه)

(۱) "(قوله لو بماله الحلال) قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالى لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها: ۱/۶۵۸، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلوة: ۱/۲۷۶، دار المعرفة بيروت)

(۲) "وفي شرح حيل الخصاف لشمس الأئمة رحمه الله تعالى: أن الشيخ أبا القاسم الحكيم كان ممن يأخذ جائزة السلطان يقضي بها ديونه. والحيلة في هذه المسائل أن يشتري نسيئة، ثم ينقد ثمنه من أي مال شاء". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا: ۵/۳۴۳، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الكراهية، الفصل الرابع في المال من الإهداء والميراث: ۴/۳۴۴، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الحج، الفصل العشرون في المتفرقات: ۲/۵۶۹، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "الأصل أن كل طاعة يختص بها المسلم لا يجوز الاستيجار عليها عندنا، لقوله عليه السلام: "اقرؤوا =

بیعانہ مسجد میں لگانا

سوال [۶۲۰۳]: ایک شخص نے ایک مسجد کے متولی سے ایک مکان کا سودا کیا جو کہ مسجد کی ملکیت ہے اور کچھ روپیہ پیشگی بطور بیعانہ متولی کو دیا، اس کے بعد اس شخص کے پاس روپیہ کا انتظام نہ ہوسکا اور متولی مسجد نے وہ مکان دوسرے کو فروخت کردیا۔ اب متولی مسجد اس شخص کی وعدہ خلافی کے باعث وہ روپیہ اس کو نہیں دیتا تو کیا وہ روپیہ مسجد کے مصرف میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وعدہ خلافی خریدار کے باعث مشتری کا بیعانہ واپس نہیں دیتے تو کیا ان کو رکھنا جائز ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ روپیہ مسجد میں خرچ کرنا جائز نہیں تو اس روپیہ کو کیا کرنا چاہئے؟ بینوا توجروا۔

حافظ عبدالرحیم سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کسی وجہ سے بیع کا معاملہ بائع اور مشتری پورا نہ کرسکیں تو بیعانہ کا واپس کرنا ضروری ہوتا ہے اور اس کا رکھ لینا ہرگز جائز نہیں ہے، لہٰذا متولی کے ذمہ لازم ہے کہ وہ روپیہ اس شخص کو واپس کردے(۱)، ایسے روپیہ کو مسجد

= القرآن ولا تأكلوا به". وفي آخر ما عهد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم إلى عمرو بن العاص: "وإن اتخذت مؤذناً، فلا تأخذ على الأذان أجراً". ولأن القربة متى حصلت وقعت على العامل، ولهذا تتعين أهليته، فلا يجوز له أخذ الأجر من غيره كما في الصوم والصلاة ... وقال العيني: ويمنع القاري للدنيا، والآخذ والمعطي آثمان" (ردالمحتار: ۶/۵۵، ۵۶، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

"لأن المعروف كالمشروط، والقرآن بالأجرة لا يستحق الثواب، والآخذ والمعطي آثمان" (ردالمحتار، المصدر السابق)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية: ۲/۱۳۸، مطلب في حكم الاستئجار على التلاوة، مكتبة ميمنية مصر)

(۱) "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم نهى عن بيع العربان"

"قوله: (نهى عن بيع العربان) أقول: قال الزرقاني في شرح هذا الحديث: هو باطل عند

میں لگانا بھی جائز نہیں(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۱۰/۱/۷۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ ذیقعدہ/ ۷۵ھ۔

لقطہ کا روپیہ مسجد میں لگانا

سوال[۴۰۳۰]: پایا ہوا روپیہ مسجد میں لگ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ لقطہ ہے، مالک کو تلاش کرکے اس کو دیا جائے(۲)، اس کا پتہ نہ چلے تو مایوس ہونے کے بعد غریب کو

= الفقهاء، لما فيه من الشرط والغرر وأكل أموال الناس بالباطل". (إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع العربان: ۱۲۶/۱۴، إدارة القرآن كراچی)

"لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۶۸/۵، مكتبه رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، السابع في حد القذف والتعزير، فصل في التعزير: ۱۶۷/۲، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الحدود، باب حد القذف، مطلب في التعزير بأخذ المال: ۶۱/۴، سعيد)

(۱) "قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالى لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله". (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمة "لا بأس" دليل على أن المستحب غيره الخ: ۶۵۸/۱، سعيد)

(۲) "وعرّف: أي نادى عليها حيث وجدها وفي المجامع، إلى أن علم أن صاحبها لا يطلبها". (الدر المختار). "(قوله: إن علم أن صاحبها لا يطلبها) لم يجعل للتعريف مدة اتباعاً للسرخسي، فإنه بنى الحكم على غالب الرأي، فيعرف القليل والكثير إلى أن يغلب على رأيه أن صاحبه لا يطلبه، وصححه في الهداية، وعليه الفتوى". (رد المحتار، كتاب اللقطة: ۲۷۸/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب اللقطة: ۲۸۹/۲، رشيديه)

صدقہ کردیا جائے (۱) مسجد میں نہ دیا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۹۲ھ۔

ہبہ شدہ چیز دوبارہ لے کر اس کی قیمت مسجد میں دینا

سوال [۵۲۰۶]: زید، عمر، بکر نے کچھ جگہ، درخت جو کہ اس جگہ میں اس وقت ایستادہ تھے اور اب بھی ہیں، خالد، عمر کو بطور بخشش کے دیئے تھے اور اس جگہ میں خالد وغیرہ کے قبرستان بھی ہیں۔ اب زید، عمرو، بکر وغیرہ کی اولاد خالد وغیرہ کی اولاد سے جبراً درخت لے کر اور اس کو فروخت کرکے وہ رقم مسجد کے اخراجات میں لگانا چاہتے ہیں۔ آیا یہ رقم مسجد میں صرف کرنا جائز ہے؟

العبد محمد حسن۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ زمین اور درخت باقاعدہ ہبہ کرکے موہوب لہ کا قبضہ کرادیا تو شرعاً یہ ہبہ تام ہوگیا، اب واہب اور موہوب لہ کے انتقال کے بعد اس سے رجوع کرنے کا واہب کو شرعاً حق حاصل نہیں، نہ اس کی رقم کا شرعاً صرف کرنا درست ہے:

"هبة المشاع فيما يحتمل القسمة من رجلين أو من جماعة صحيحة عندهما، وفاسدة عند الإمام رحمه الله تعالى، وتثبت بتسليمه، حتى تفيد الملك بالقبض، كما في جواهر

---

(۱) "وينتفع الرافع بها لو فقيراً، وإلا تصدق بها على فقير ولو على أصله وفرعه وعرسه". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب اللقطة: ۴/۲۷۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب اللقطة: ۲/۲۹۱، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب اللقطة: ۵/۲۶۴، رشيدية)

(۲) "قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالى لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله، اهـ. شرنبلالية". (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمة "لا بأس" دليل على أن المستحب غيره، الخ: ۱/۶۵۸، سعيد)

الأخلاطی". هندیة: ۳۷۸/٤ (۱)۔ "ویمتنع منه: أی من الرجوع فی فصل الهبة بأصاحبی حروف "دمع خزقة" .... والمیم موت أحد المتعاقدین اھ". مجمع الأنهر: ۲/ ۳٦۰ (۲)۔

اگر باقاعدہ ہبہ نہیں کیا یا موہوب لہ کو قبضہ نہیں کرایا، یا اس اراضی موہوبہ اور اشجار موہوبہ کو تقسیم نہیں کرایا، نہ زید، عمر، بکر وغیرہ کے حصص بتلائے کہ کس کا کتنا حصہ ہے، نہ خالد وغیرہ کو یہ بتایا گیا کہ کس کو کتنا حصہ ملا ہے، بلکہ وہ اراضی واشجار واہبین کے درمیان بھی مشاع ہیں اور موہوب لہ کے درمیان بھی مشاع ہی رہے تو یہ ہبہ صحیح نہیں، بلکہ زید، عمر، بکر کی ملک بدستور باقی رہی، ان کے ورثہ میں حسب حصص شرعیہ میراث جاری ہوگی:

"لایثبت الملك للموهوب له إلا بالقبض، هو المختار، هكذا فی الفصول العمادیة. والشیوع من الطرفین فیما یحتمل القسمة مانعٌ من جواز الهبة بالإجماع، اھ". عالمگیری: ۳۷۸/٤ (۳)۔

اس صورت میں بعد تقسیم میراث ہر وارث کو اختیار ہے کہ اپنا حصہ خواہ مسجد میں صرف کرے خواہ اور کسی جگہ (٤)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (الفتاویٰ العالمگیریة، الباب الثانی فیما یجوز من الهبة ومالایجوز: ۳۷۸/۳، رشیدیه)

(۲) (مجمع الأنهر، کتاب الهبة، باب الرجوع عنها: ۵۰۰/۳، ۵۰۱، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۳) (الفتاویٰ العالمگیریة، کتاب الهبة، الباب الثانی فیما یجوز من الهبة ومالایجوز: ۳۷۸/۳، رشیدیه)

(٤) "کلٌ یتصرف فی ملکه کیف شاء". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، الفصل الأول فی بعض قواعد فی أحکام الأملاک: ۶۵۴/۱، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"لأن الملک ما من شأنه أن یتصرف فیه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، کتاب البیوع، مطلب فی تعریف المال والملک، الخ: ۵۰۲/٤، سعید)

کرے، یہ چندہ مسجد وغیرہ میں شریک ہوتو جائز ہے یا نہیں''؟

حضرتؒ جواب میں فرماتے ہیں:

الجواب: ''اس میں کچھ مضائقہ نہیں، مسجد ان لوگوں کی بنائی ہوئی حکم مسجد ہے، اگر یہ لوگ مسجد میں روپیہ لگانا ثواب جانتے ہیں تو ان کا وقف درست ہے۔ ایسے ہی اوپر کی عمارت میں شریک ہوں تو بھی درست ہے''(۱)۔

اس فتویٰ اور ملاجیون کی تفسیر آیت: ﴿ما کان للمشرکین﴾ کے جو مخالف معلوم ہوتا ہے اس کو واضح فرما کر جواب شافی مفصل مدلل تحریر فرما کر مشکور فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کفار کے وقف اور وصایا کا بیان کتب فقہ، ہدایہ، درمختار، فتاویٰ عالمگیری وغیرہ میں مستقل موجود ہے کہ کس صورت میں معتبر ہے، کس میں نہیں (۲)۔ حضرت گنگوہیؒ کا فتویٰ اسی پر مبنی ہے، اسی واسطے قید لگائی ہے کہ:

''اگر یہ لوگ مسجد میں روپیہ لگانا ثواب جانتے ہیں تو ان کا وقف درست ہے۔ ایسے ہی اوپر کی عمارت میں شریک ہوں تو بھی درست ہے''۔

پس کفار کا روپیہ مسجد میں لگانا جائز ہے بشرطیکہ یہ ان کے نزدیک ثواب ہو (۳) نیز اور کوئی مانع موجود

---

(۱) (فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۲۰۸، کتاب الوقف، باب مساجد کے مسائل کا بیان، عنوان: مسجد کے لئے کافر کا چندہ، سعید)

(۲) "شرط وقف الذمي أن يكون قربة عندنا وعندهم، كالوقف على الفقراء أو على مسجد القدس".

(رد المحتار: ۴/۳۴۱، کتاب الوقف، مطلب: قد يثبت الوقف بالضرورة، سعيد)

"وأما الإسلام، فليس من شرطه، فصح وقف الذمي بشرط كونه قربة عندنا وعندهم".

(البحر الرائق: ۵/۳۱۶، کتاب الوقف، رشیدیہ)

(وکذا في الفتاوی العالمكيرية: ۲/۳۵۳، ۳۵۴، کتاب الوقف، الباب الأول، رشيديه)

(۳) "ثم اعلم أن وصايا الذمي على أربعة أقسام . . . . ومنها: إذا أوصى بما يكون قربة في حقنا وحقهم، كما إذا أوصى بأن يسرج في بيت المقدس، أو يغزى الترك وهو من الروم، وهذا جائز، سواء كان القوم بأعيانهم أو بغير أعيانهم؛ لأنه وصية بما هو قربة حقيقة في معتقدهم أيضاً". (الهداية: ۴/ ...

نہ ہو، مثلاً: یہ کہ وہ کل کو اپنی ملکیت اور تعمیر کا دعویٰ مسجد پر نہ کریں، یا مسلمانوں پر احسان رکھیں، اور ان کو عار دلائیں کہ ہم نے تمہاری مسجد بنوائی اور اس میں چندہ دیا۔ بیت المقدس میں چراغ روشن کرنے کے لئے تیل دینے کی اباحت شامی وغیرہ میں موجود ہے(۱)۔

یہ اصل مسئلہ ہے اور یہی صحیح ہے، باقی ملا جیون کا تفسیر احمدی میں اس کے خلاف فرمانا وہ قرآن کریم کی تفسیر نہیں، کشاف کے بیان کردہ جزئیہ پر نظر کرتے ہوئے ان کا اپنا ذاتی استنباط ہے، کسی قول مذہب کے ساتھ مؤید نہیں(۲)، اس وجہ سے بہت کمزور اور بے وزن ہے، الفاظ میں اس کو تعمیم ہے اور کوئی نقل نہیں پیش کی، بلکہ نقل کی نفی کی ہے، اور یہ استنباط بھی من حیث المنطوق نہیں، بلکہ من حیث المفہوم ہے، چنانچہ اولاً ایک عبارت کشاف کی نقل کی، پھر اس پر متفرع کرتے ہوئے:

"فعلم منه أن البناء الجديد ممنوع لهم بالطريق الأولى، فمن أراد الكافر أن يبني مسجداً أو يعمره، يمنع منه، وهو المفهوم من النص وإن لم ينقل عنه رواية. اهـ"(۳)۔

صاحب کشاف معتزلی ہیں، ان کی تفسیر معتبر نہیں، البتہ نحو، ادب اور بدائع کے نکات جو کچھ وہ بیان کریں معتبر ہیں، لہٰذا اس کی جو کچھ حیثیت مذہب میں ہوگی وہ معلوم ہے، بخلاف فتویٰ حضرت گنگوہی کے کہ وہ کتب

=۲/۱۸۵، كتاب الوصايا، باب وصية الذمي، إمدادية ملتان)

(وكذا في رد المحتار: ۶/۶۹۹، كتاب الوصايا، فصل في وصايا الذمي وغيره، سعيد)

(۱) (راجع، ص: ۱۳۳، رقم الحاشية: ۳)

(۲) "چنانچہ صاحب کشاف کی عبارت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وقال صاحب المدارك: وكذا القاضي الأجل أخذاً من كلام صاحب الكشاف: وعمارتها تتناول رمّ ما استرمّ منها، وقمّها، وتنظيفها، وتنويرها بالمصابيح، وصيانتها مما لم تبن له المساجد من أحاديث الدنيا؛ لأنها بنيت للعبادة والذكر، والمراد من الذكر درس العلم، انتهى كلامه. فعلم منه أن البناء الجديد ممنوع لهم بالطريق الأولى". (التفسيرات الأحمدية، ص: ۴۴۳، سورة التوبة، مكتبة حقانية)

(۳) (التفسيرات الأحمدية، المصدر السابق)

مذہب: متون، شروح وفتاویٰ سب میں موجود ہے، کما لا یخفی علی من له ممارسة بالفقه(۱)۔

علاوہ ازیں کتنی ہی ہندو ریاستیں ہیں جہاں ان راجاؤں نے مسلمان رعایا کے لئے مسجدیں بنوا رکھی ہیں جن میں بغیر نکیر صدیوں سے نماز ہوتی ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خانۂ کعبہ خود کفار کا تعمیر کیا ہوا تھا جس میں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی اور زمانۂ فتوحات میں آپ کے بعد خلفائے راشدین نے اس کی تغییر کو تعمیر کفار ہونے کی وجہ سے بدلوانے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

اب رہی یہ بات کہ آیت کا مطلب کیا ہے، سو مطلب یہ ہے:

"خص اللّٰه سبحانه عمارة المسجد بالمؤمنين، فإنهم هم الجامعون هذه الكمالات العلمية والعملية، والمراد بعمارة المسجد أو مرمته العبادةُ والذكر فيه، و درس العلم والقرآن. عن أبي سعيد الخدري رضي اللّٰه تعالىٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم: "إذا رأيتم الرجل يعتاد المسجد – وفي رواية –: يتعاهد المسجد، فاشهدوا له بالإيمان، فإن اللّٰه تعالىٰ قال: ﴿إنما يعمر مساجد اللّٰه من آمن باللّٰه واليوم الآخر﴾ الخ". رواه الترمذي وابن ماجة والدارمي والبغوي. اهـ". تفسير مظهري، سورة التوبة(۲)۔

اگر تفسیر بیان القرآن آپ کے پاس موجود ہو تو اس کو دیکھئے اس میں اس مسئلہ سے تعرض کیا ہے(۳) اور اصولی بحث احکام القرآن میں ہے(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۸/۶۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) (راجع، ص: ۱۳۳، رقم الحاشية: ۳)

(۲) (التفسير المظهري: ۴/۱۲۶، ۱۲۸، سورة التوبة، حافظ کتب خانه کوئٹه)

(۳) "مطلب یہ ہے کہ عمارت مساجد کو عمل محمود ہے، لیکن باوجود شرک کے کہ اس کا منافی ہے اس عمل کی اہلیت ہی مفقود ہے اور اس لئے وہ عمل غیر معتد بہ ہے، پھر فخر کی کیا گنجائش ہے"۔ (بیان القرآن: ۴/۱۰۰، سورة التوبة، سعید)

(۴) "عمارة المسجد بمعنيين: أحدهما: زيارته والكون فيه. والآخر: بنائه و تجديد ما استرم منه، =

مسجد میں اہلِ ہنود کا روپیہ

سوال [۷۲۰۱]: عمارتِ مسجد میں اہلِ ہنود، نیز کل پنتھ کا روپیہ خرچ کرسکتے ہیں کہ نہیں؟ اگر خرچ کرنا جائز ہے تو اس آیت کا کیا مطلب ہوگا: ﴿ما كان للمشركين أن يعمروا مساجد الله شاهدين على أنفسهم بالكفر﴾ الآية(۱)؟ اگر ناجائز ہے تو بیت اللہ شریف کی خدمت کیا وجہ ہوگی، جو مشرکین سے بنی تھی اور مسجد نبوی کے بعد تک قائم رہی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ان کے نزدیک مسجد بنانا عبادت وثواب ہے اور کوئی دوسرا مانع بھی نہیں تو ان کا روپیہ تعمیرِ مسجد میں لگانا شرعاً درست ہے(۲)۔ آیت میں "عمارت" سے مراد مسجد کی آبادی، تولیت، انتظام ہے(۳) جیسے کہ پہلے

= وذلك لأنه يقال: اعتمر إذا زار، ومنه العمرة؛ لأنها زيارة البيت، وفلان من عمار المساجد إذا كان كثير المضي إليها والسكون فيها، وفلان يعمر مجلس فلان إذا أكثر غشيانه له، فاقتضت الآية منع الكفار من دخول المساجد ومن بنائها وتولي مصالحها والقيام بها لانتظام اللفظ الأمرين". (أحكام القرآن للجصاص: ۳/۱۰۹، ۱۱۰، سورة التوبة، قديمي)

(۱) (سورة التوبة: ۱۷)

(۲) قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: "شرط وقف الذمي أن يكون قربة عندنا وعندهم كالوقف على الفقراء أو على المسجد". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب قد يثبت الوقف بالضرورة ۴/۳۴۲، سعيد)

"أما الإسلام فليس من شرطه، فصح وقف الذمي بشرط كونه قربة عندنا وعندهم". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۰۲، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/۳۵۳، رشيدية)

(۳) "عمارة المسجد تكون بمعنيين: أحدهما: زيارته والسكون فيه، والآخر: بناؤه وتجديد ما استرم منه ... فاقتضت الآية منع الكفار من دخول المساجد ومن بنائها وتولي مصالحها والقيام بها لانتظام اللفظ الأمرين". (أحكام القرآن للجصاص: ۳/۱۰۹-۱۱۰، سورة التوبة، قديمي)

"خص الله سبحانه عمارة المسجد بالمؤمنين، لأنهم هم الجامعون لهذه الكمالات العلمية =

سے بیت اللہ پر مشرکین کا تسلط وقبضہ تھا، جس کا ظہور خاص طور پر ایامِ حج میں ہوتا تھا، کعبہ شریف کی چابی بھی انہی لوگوں کے پاس رہتی تھی، جس کو چاہتے داخل ہونے دیتے، جس کو چاہتے روک دیتے، چنانچہ قبل ہجرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو روکا اور حدیبیہ کے موقعہ پر مستقل ہنگامہ برپا کیا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

غیر مسلم کا روپیہ تعمیر مسجد میں لگانا

سوال[۷۳۰۸]: کسی غیر مسلم کا روپیہ مسجد کی عمارت میں صرف کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کوئی غیر مسلم مسجد میں روپیہ وغیرہ دے اور بہ نیت حصولِ ثواب یعنی اس کو عبادت سمجھ کر تو شرعاً اس کا

= والعملية. والمراد بعمارة المسجد أو مرمته العبادة والذكر فيه ودرس العلم والقرآن. عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إذا رأيتم الرجل يتعاهد المسجد". وفي رواية: "يتعاهد المسجد، فاشهدوا له بالإيمان، فإن الله تعالى قال: ﴿إنما يعمر مساجد الله من آمن بالله واليوم الآخر﴾ الآية". رواه الترمذي وابن ماجة والدارمي والبغوي". (التفسير المظهري: ۴/۱۳۷، ۱۳۸، سورة التوبة، حافظ كتب خانه كوئته)

(۱) "عن عروة بن الزبير عن المسور بن مخرمة ومروان بن الحكم -يزيد أحدهما على صاحبه- قالا: خرج النبي صلى الله تعالى عليه وسلم عام الحديبية في بضع عشرة مائة من أصحابه، فلما أتى ذا الحليفة قلد الهدي وأشعره وأحرم منها بعمرة وبعث عيناً له من خزاعة، وسار النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، حتى إذا كان بغدير الأشطاط أتاه عينه، قال: إن قريشاً جمعوا لك جموعاً وقد جمعوا لك الأحابيش، وهم مقاتلوك وصادوك عن البيت ومانعوك. فقال: "أشيروا أيها الناس عليّ أترون أن أميل إلى عيالهم وذراري هؤلاء الذين يريدون أن يصدونا عن البيت، فإن يأتونا كان الله قد قطع عيناً من المشركين وإلا تركناهم محروبين". قال أبوبكر: يارسول الله! خرجت عامداً لهذا البيت لاتريد قتل أحد ولا حرب أحد، فتوجه له فمن صدنا عنه قاتلناه. قال: "امضوا على اسم الله". (صحيح البخاري: ۲/۵۹۷، ۱۰۰۹، كتاب المغازي، باب غزوة الحديبية، قديمي)

(وكذا في تاريخ الطبري: ۲/۲۷۰، ۲۷۳، باب ذكر الخبر عن عمرة النبي صلى الله تعالى عليه وسلم التي صده المشركون فيها عن البيت، وهي قصة الحديبية، مؤسسة الأعلمي بيروت لبنان)

مسجد میں لگانا درست ہے(۱)۔ اور اگر کوئی اور مانع ہو مثلاً: اس روپیہ کی وجہ کسی فتنہ کا اندیشہ ہو، یا اہلِ اسلام اور اہلِ مسجد پر احسان سمجھ کر دے، یا احسان کا اظہار کرے، تحقیر وغیرہ تو تعمیر آخر ہے(۲)، اس لئے بہتر صورت یہ ہے کہ وہ روپیہ کسی مسلم کو دیدے اور پھر وہ مقروض یا دیگر مسلم اس روپیہ کو مسجد میں دیدے اور اس روپیہ کو تعمیر مسجد میں خرچ کرنا درست ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۲/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ　　صحیح: عبداللطیف، ۲۶/ جمادی الثانی/۵۵ھ۔

---

(۱) "شرط وقف الذمي أن يكون قربة عندنا وعندهم، كالوقف على الفقراء أو على مسجد القدس".

(رد المحتار: ۴/۳۴۱، كتاب الوقف، مطلب: قد يثبت الوقف بالضرورة، سعيد)

"وأما الإسلام، فليس من شرطه، فصح وقف الذمي بشرط كونه قربة عندنا وعندهم"

(البحر الرائق: ۵/۳۱۶، كتاب الوقف، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۲/۳۵۳، كتاب الوقف، الباب الأول، رشيدية)

(۲) "درء المفاسد أولى من جلب المنافع، أي إذا تعارض مفسدة ومصلحة، قدم رفع المفسدة"

(شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۳۲، (رقم المادة: ۳۰)، المقالة الثانية في القواعد، مكتبه حنفيه كوئته)

(وكذا في الأشباه والنظائر: ۱/۲۹۰، الفن الأول، القاعدة الخامسة، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "وفي شرح حيل الخصاف لشمس الأئمة الحلواني رحمه الله تعالى: أن الشيخ الإمام أبا القاسم الحكيم كان ممن يأخذ جائزة السلطان يقضي به ديونه، فالحيلة في هذه المسائل أن يشتري نسيئة، ثم ينقد ثمنه من أي مال شاء". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا: ۵/۳۴۳، رشيدية)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۴/۳۴۹، كتاب الكراهية، الفصل الرابع في الهدايا من الإهداء والميراث، رشيدية)

"إذا أراد أن يحج بمال حلال فيه شبهة، فإنه يستدين للحج ويقضي دينه من ماله".

(التاتارخانية، كتاب المناسك، باب المتفرقات: ۲/۵۲۶، إدارة القرآن كراچی)

غیر مسلم کا مسجد تعمیر کرنے کا حکم

سوال[۷۳۰۹]: کوئی غیر مسلم مسجد کی تعمیر میں اپنا ذاتی روپیہ خرچ کر کے اس پر چھت ڈلوادے اور اس کے فرش کو پختہ کرادے۔ چاروں طرف اس کے دیواریں بنوادے، شرعاً ایسی مسجد میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

بینوا توجروا۔

معرفت مولانا عبدالرحمن صاحب صدر مدرس مدرسہ ہذا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

غیر مسلم کا مسجد تعمیر کرانا وصیت للمسجد کے حکم میں ہے، پس اگر وہ اپنے عقیدہ میں اس کو قربت اور ثواب سمجھتا ہے تو یہ جائز ہے اور مسجد میں اس سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی، اس میں نماز پڑھنا درست ہے۔ اور اگر وہ اس کو اپنے عقیدہ میں قربت اور ثواب کا کام نہیں سمجھتا تو یہ اس کے لئے جائز نہیں۔ مگر بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلم اس قسم کے کام قربت ہی سمجھ کر کرتے ہیں، ان کی کوئی اور غرض اس سے نہیں ہوتی، لہذا صورت مسئولہ میں اس مسجد میں مسلمانوں کو نماز پڑھنا جائز ہے، کوئی حرج نہیں:

"ولو أن ذمياً أوصى بأن يشترى بثلث ماله رقاب وتعتق عنه بأعيانهم أو بغير أعيانهم، أو أوصى بأن تصدق بثلث ماله على الفقراء والمساكين، أو أن يسرج به في بيت المقدس، أو يبنى فيه، أو يغزى به الترك أو الديلم، والموصي من النصارى، فالوصية صحيحة ...... ولو أوصى بثلث ماله بأن يحج عنه قوم من المسلمين، أو يبنى به مسجد للمسلمين، إن كان ذلك لقوم بأعيانهم، صحت الوصية، ويعطى تمليكاً لهم، وكانوا بالخيار: إن شاؤوا فعلوا به، وإن شاؤوا لا. وإن كان ذلك لقوم غير معينين، فالوصية باطلة". فتاوی عالمگیری: ۶/۴۳۷(۱)۔

"وجملة الكلام في وصايا أهل الذمة أنها لا تخلو: إما إن كان الموصى به أمراً هو قربة

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية: ۶/ ۴۳۱، ۴۳۲، كتاب الوصايا، الباب الثامن في وصية الذمي والحربي، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوصايا، باب وصية الذمي: ۹/ ۳۰۴، ۳۰۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوصايا، باب وصية الذمي: ۱۰/ ۴۹۳، ۴۹۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

عندنا وعندهم، أو كان أمراً هو قربة عندنا لا عندهم، وإما إن كان أمراً هو قربة عندهم لا عندنا، فإن كان الموصى به شيئاً هو قربة عندنا وعندهم بأن أوصى بثلث ماله أن يتصدق به على فقراء المسلمين، أو على فقراء أهل الذمة، أو بعتق الرقاب، وبعمارة المسجد الأقصى ونحو ذلك، جاز في قولهم جميعاً؛ لأن هذا مما يتقرب به المسلمون وأهل الذمة الخ". بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع: ۷/۳۴۱ (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۵/۱۲/۵۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۶/ذی الحجہ/۵۳ھ۔

مسجد کے لئے غیر مسلم سے چندہ لینا

سوال [۷۰۱۰]: ہم ایسی جگہ پر رہتے ہیں جہاں پر مسلمان پورے شہر میں ۲۱ ہیں، یہاں پر ۲۷ء سے پہلے مسجد ہے اور وہ ویران ہے یعنی گری پڑی ہے جس کی مرمت بہت ضروری ہے، اور ہم لوگوں میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ اس میں خاص رقم لگا کر مرمت کریں۔ تو ہم شہر میں ہندوؤں سے چندہ لے سکتے ہیں اور زکوۃ فطرہ کی رقم لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنی مسجد تعمیر کرنے کے لئے ہندوؤں سے چندہ نہ مانگیں کہ بڑی بے غیرتی ہے (۲)، زکوۃ اور صدقۃ

---

(۱) (بدائع الصنائع، کتاب الوصایا: ۶/۵۰۰، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(وکذا فی رد المحتار، کتاب الوصایا، فصل فی وصایا الذمی وغیرہ: ۶/۶۹۹، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوصایا، باب وصیة الذمی: ۹/۳۰۲، ۳۰۳، رشیدیہ)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا﴾ (سورة النساء: ۱۴۱)

"الإسلام يعلو ولا يعلى". (فیض القدیر: ۵/۲۵۳۶، (رقم الحدیث: ۳۰۶۳)، مکتبہ نزار مصطفی الباز ریاض)

"وقال: ﴿لا تتخذوا اليهود والنصارى أولياء، بعضهم أولياء بعض، ومن يتولهم منكم فإنه منهم﴾.

نهى في هذه الآية من موالاة الكفار وإكرامهم ... ونهى عن الاستعانة بهم في أمور المسلمين" =

الفطر کا پیسہ بھی مسجد کی تعمیر میں صرف نہ کریں کہ وہ غریبوں کا حق ہے (۱)، بہت معمولی سے مسجد چھپر ڈال کر ذاتی پیسہ سے بنالیں، اللہ تعالیٰ اس کے پختہ کردینے کا بھی انتظام فرمادے گا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

غیر مسلم سے مسجد کے لئے چندہ لینا

سوال [۷۲۱۱]: ہمیں برطانیہ کے ایک شہر "ریڈ مبرا" میں مذہبی ضروریات (مسجد، بچوں کی تعلیم کے لئے کمرے، مسجد کمیٹی کا دفتر اور چند کمرے کا جو مسجد کا خرچ پورا کرنے کرایہ پر دیئے جائیں) کے لئے ایک مکان خریدنا ہے تاکہ یہ ضروریات اس بلڈنگ سے پوری کی جائیں تو اگر کوئی ایک غیر مسلم اس عمارت کے چندہ دے تو کیا قبول کیا جاوے؟

براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جلد جواب عنایت فرمائیں۔

حافظ عبدالکریم مدرس برک اشریعث واسٹران برگس، مکاٹ لینڈ (یوکے)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ ثواب سمجھ کر دے اور یہ اندیشہ نہ ہو کہ وہ اس کے تعمیر میں کوئی غلط مقصد حاصل کرے گا، تو لینا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۱/۲۳ھ۔

= لما فيه من العز وعلو اليد، وكذلك كتب عمر إلى أبي موسى ينهاه أن يستعين بأحد من أهل الشرك في كتابته" (أحكام القرآن، سورة براءة، مطلب في تمييز الطبقات: ۳/۹۹، دار الكتاب العربي، بيروت)

(۱) قال الله تعالى: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم وفي الرقاب والغارمين وفي سبيل الله وابن السبيل﴾ (سورة التوبة: ۶۰)

"لا يصرف إلى بناء نحو مسجد، ولا إلى كفن ميت وقضاء دينه، ولا إلى ثمن ما يعتق، لعدم التمليك، وهو الركن". (الدر المختار: ۲/۳۴۴، كتاب الزكاة، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۲۳، ۴۲۴، كتاب الزكاة، باب المصرف، رشيديه)

(۲) "وأما الإسلام، فليس من شرطه، فصح وقف الذمي بشرط كونه قربة عندنا وعندهم".

(البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۹، رشيديه)

کفار کا روپیہ مسجد وعیدگاہ میں صرف کرنا

سوال [۷۳۱۴]: کفار کا روپیہ وغیرہ مسجد یا عیدگاہ میں لگ سکتا ہے یا نہیں؟ تیل جلانے کے واسطے مسجد میں دیں تو مسلمانوں کو لینا چاہئے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ان کے نزدیک بھی روپیہ تعمیر وغیرہ مسجد میں دینا ثواب کا کام ہے تو درست ہے ورنہ نہیں، پہلی صورت میں اگر کوئی خارجی امر مانع ہو، مثلاً: کسی فتنہ کا اندیشہ ہو، یا وہ لوگ بعد میں ملکیت کا دعویٰ کریں، یا مسلمانوں پر احسان رکھیں، یا دباؤ ڈالیں تو پھر براہِ راست روپیہ وغیرہ ان سے نہ لیا جائے، اگر وہ دینا چاہیں تو کسی مسلمان کی ملک کردیں اور پھر وہ مسلمان مسجد میں دیدے، هكذا يفهم من وقف الذمي و وجهه (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

کافر بے دین کا روپیہ جدید مسجد میں

سوال [۷۳۱۵]: کافر بے دین کا روپیہ دے کر کوئی مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اور بے دین مشرک کا روپیہ امداد لے کر مدرسہ میں لگانا، یا مدرسہ تیار کرنا اور طلباء کے کھانے کے خرچ میں لگانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بے دین (کافر ومشرک) سے مسجد یا دینی مدرسہ کے لئے مدد طلب کرنا بے محل ہے، ہرگز طلب نہ

= (وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف ۲/۵۹۹، غفارية كوئٹه)

(۱) "إن شرط وقف الذمي أن يكون قربة عندنا وعندهم كالوقف على الفقراء أو على مسجد القدس".

(رد المحتار: ۴/۳۴۱، كتاب الوقف، مطلب: قد يثبت الوقف بالضرورة، سعيد)

"وأما الإسلام فليس من شرطه، فصح وقف الذمي بشرط كونه قربة عندنا وعندهم"

(البحر الرائق: ۵/۳۱۶، كتاب الوقف، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية ۲/۳۵۲، ۳۵۳، كتاب الوقف، الباب الأول، رشيدية)

کریں (۱)، اگر وہ خود مدد کرے اور اس مدد سے کسی غلط اثر کا اندیشہ ہو تو قبول کرلینا درست ہے (۲)۔ غلط اثر یہ ہے کہ مثلاً: وہ ملکیت کا دعویٰ کرے، یا احسان جتائے، یا اپنے مندر وغیرہ کے لئے چندہ طلب کرے، یا ووٹ وغیرہ کا مطالبہ کرے، ایسی حالت میں مدد قبول نہ کی جائے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۹۲ھ۔

ہندو مسلم کا مخلوط پیسہ تعمیر مسجد میں صرف کرنا

سوال [۷۳۰۳]: تعمیر مسجد کے واسطے ہم لوگوں نے ایک بکس مسجد کے کنارے عام راستہ پر لگا دیا، اس بکس میں مسلمان، ہندو، عیسائی وغیرہ سب ہی لوگ پیسہ ڈالتے ہیں۔ کیا یہ مشترکہ پیسہ مسجد کی تعمیر میں لگایا جا سکتا ہے؟ اگر غیر مسلموں کے اس صندوق میں پیسہ ڈالنے سے پیسہ مشتبہ ہو جائے تو اس پیسہ کو کس جگہ

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین آمنوا لا تتخذوا بطانةً من دونکم لا یألونکم خبالاً﴾ (سورة آل عمران: ۱۱۸)

"نهی الله تعالیٰ المؤمنین أن یتخذوا أهل الکفر بطانةً من دون المؤمنین، وأن یستعینوا فی خواص أمورهم، وأخبر عن ضمائر هؤلاء الکفار للمؤمنین فقال: ﴿لا یألونکم خبالاً﴾ یعنی لا یقصرون فیما یجدون السبیل إلیه من إفساد أمورکم؛ لأن الخبال هو الفساد". (أحکام القرآن للجصاص: ۲/۳۰۷، دار الکتاب العربی بیروت)

"فنهی فی هذه الآیة عن موالاة الکفار وإکرامهم ..... ونهی عن الاستعانة بهم فی أمور المسلمین، لما فیه من العز وعلو الید، وکذلک کتب عمر إلی أبی موسیٰ رضی الله تعالیٰ عنهما ینهاه أن یستعین بأحد من أهل الشرک فی کتابه". (أحکام القرآن للجصاص: ۳/۹۹، دار الکتاب العربی بیروت)

(۲) "شرط وقف الذمی أن یکون قربةً عندنا وعندهم، کالوقف علی الفقراء، أو علی مسجد القدس".

(رد المحتار: ۴/۳۴۱، کتاب الوقف، مطلب: قد یثبت الوقف بالضرورة، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۵/۳۱۶، کتاب الوقف، رشیدیه)

(۳) "درء المفاسد أولیٰ من جلب المنافع: أی إذا تعارض مفسدة ومصلحة، قدم رفع المفسدة".

(شرح المجلة لسلیم رستم: ۱/۳۲، رقم المادة: ۳۰، المقالة الثانیة فی القواعد، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وکذا فی الأشباه والنظائر: ۱/۲۴۰، الفن الأول، القاعدة الخامسة، إدارة القرآن کراچی)

لگایا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر تعمیر مسجد کے لئے راستہ کے کنارے کوئی صندوق لگادیا گیا اور راہ گیر اس میں پیسے ڈالتے ہیں تو وہ پیسہ بھی تعمیر میں لگانا درست ہے، خواہ ڈالنے والے مسلم ہوں یا غیر مسلم، سب کا پیسہ اس صورت میں لگاسکتے ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۴/۹۶ھ۔

ہندو کا مسجد میں لوٹے دینا

سوال [۷۲۱۵]: ایک ہندو کمہار مسجد میں وضو کے لئے مٹی کے لوٹے بنا کر مفت دینا چاہتا ہے، مسجد کے لئے اس سے لوٹے بلا قیمت دے لیکر مسجد میں وضو کے لئے رکھے جاسکتے ہیں، یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کمہار کسی ثواب کی نیت سے دیتا ہے اور مصلحت کے خلاف بھی نہیں تو وضو کے لئے ان کا لینا درست ہے: "شرط وقف الذمی أن یکون قربۃً عندنا وعندھم، کالوقف علی الفقراء أو علی مسجد القدس". شامی: ۳/۵۰۶(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/۵/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۷/ جمادی الاولیٰ/ ۵۵ھ۔

---

(۱) "شرط وقف الذمي أن یکون قربۃً عندنا وعندھم، کالوقف علی الفقراء أو علی مسجد القدس".

(رد المحتار: ۳/۳۴۱، کتاب الوقف، مطلب: قد یثبت الوقف بالضرورۃ، سعید)

"وأما الإسلام، فلیس من شرطہ، فصح وقف الذمي بشرط کونہ قربۃً عندنا وعندھم".

(البحر الرائق: ۵/۳۱۲، کتاب الوقف، رشیدیہ)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریۃ: ۲/۳۵۲، ۳۵۳، کتاب الوقف، الباب الأول، رشیدیہ)

(۲) (رد المحتار: ۳/۳۴۱، کتاب الوقف، مطلب: قد یثبت الوقف بالضرورۃ، سعید)

"وأما الإسلام فلیس من شرطہ، فصح وقف الذمي بشرط کونہ قربۃً عندنا وعندھم".

(البحر الرائق: ۵/۳۱۲، کتاب الوقف، رشیدیہ)

غیر مسلم کی زمین سے مٹی لیکر مسجد میں لگانا

سوال [۷۲۱۶]: ایک غیر مسلم کی زمین ہے، اس کے بغل میں مسجد تعمیر ہوئی ہے۔ جو غیر مسلم کی زمین ہے اس کی ایک مسلم دیکھ ریکھ کرتے ہیں، لیکن محلہ کے لوگ اس غیر مسلم کی زمین سے مٹی کاٹ کر مسجد میں لگاتے ہیں، اور جس شخص کی نگرانی میں وہ زمین ہے اس کے منع کرنے پر اس کا بائیکاٹ کر دیا ہے تو ایسا کرنا از روئے شرع کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غیر مسلم کی زمین سے بغیر مالک کی اجازت کے مٹی لینا اور مسجد میں لگانا جائز نہیں ہے، ایسا کرنے سے یہ لوگ ظالم اور گنہگار ہیں (۱)۔ اللہ پاک کے گھر میں پاک مال لگایا جاوے، حرام مال اللہ کے یہاں مقبول نہیں ہے (۲)۔ ان لوگوں کو اپنی اس حرکت سے باز آنا چاہئے اور جس قدر مٹی لی ہے وہ واپس کر دیں، یا پھر اصل مالک سے اس کو خرید لیں اور قیمت ادا کر دیں تب مسجد میں لگائیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۴/۹۰ھ۔

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۲/ ۳۵۲، ۳۵۳، كتاب الوقف، الباب الأول، رشيديه)

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح: ۱/ ۲۵۵، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، قديمي)

(۲) "(قوله: لو بمال حلال) قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره، لأن الله تعالىٰ لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله". (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمة "لا بأس" دليل على أن المستحب غيره، الخ: ۱/ ۶۵۸، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۱/ ۲۷۸، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة، دار المعرفة بيروت)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن الله طيّب، لا يقبل إلا الطيب". (مشكوة المصابيح: ۱/ ۲۴۱، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، رشيديه)

(۳) "ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلا سبب شرعي، وإن أخذه ــــــ وجب عليه ردّه عيناً إن كان قائماً، وإلا فيضمن قيمته إن كان قيمياً، ومثله إن كان مثلياً". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/ ۶۲، (رقم المادة: ۹۷)، المقالة الثانية، مكتبه حنفيه كوئٹه)

الفصل السابع عشر فی جمع التبرعات للمسجد بطریق الاکتساب

(مسجد کے لئے چندہ جمع کرنے کا بیان)

چندۂ مسجد کا حکم

سوال[۷۴۱۶]: زید نے کچھ روپیہ اپنے پاس سے اور کچھ چندہ سے جمع کیا مسجد کے صحن کو بڑھانے کے واسطے، مگر وہ روپیہ ابھی تک کسی خرچ میں نہیں آیا تھا کہ زید کا انتقال ہوگیا، اب وہ حصہ داران اس شخص سے جس کے قبضہ میں وہ روپیہ ہے لیکر مہتمم مسجد کو ادا کرویں تا کہ وہ مسجد میں لگادیں۔ اگر وہ روپیہ دینے سے انکار کرے تو اس شخص کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی شخص کو وہ روپیہ خود رکھنا جائز نہیں (۱)۔ اگر زید نے اس کے خرچ کرنے کے متعلق اس شخص کو وصیت کی ہے تب تو مہتمم اور اہل محلہ کے مشورہ کے موافق مسجد میں صرف کردے، ورنہ مہتمم مسجد کو دیدے، یا جن سے زید نے بطور چندہ وصول کیا ہے (ان کو دیدے)، خود رکھنے اور اپنے خرچ میں لانے سے یہ شخص خائن اور غاصب ہوگا (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) "رجل جمع مالاً من الناس، لینفقہ فی بناء المسجد، وأنفق من تلک الدراہم فی حاجۃ نفسہ، ثم رد بدلہا فی نفقۃ المسجد، لایسعہ أن یفعل ذلک. وإذا فعل إن کان یعرف صاحب المال، رد الضمان علیہ، أو یستأذنہ فیأذن لہ بإنفاق الضمان فی المسجد". (فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل دارہ مسجداً، الخ: ۳/۲۹۹، رشیدیہ)

(۲) "فإن طلبہا ربہا حبسہا، وہو قادر علی تسلیمہا: أی الودیعۃ صار غاصباً، فیضمن إن ضاعت، لوجود التعدی بمنعہ". (مجمع الأنہر، کتاب الودیعۃ: ۳/۴۷۰، غفاریہ کوئٹہ)

مسجد کا خرچ ذاتی پیسہ سے ہو یا چندہ سے؟

سوال[۸۱۰۲]: میں ضلع بلند شہر میں رہتا ہوں، اس کے ایک محلہ میں مسجد شیشہ والی موجود ہے جس کی تعمیر اپنی معرفت شیخ خیراتی صاحب نے اپنے آباؤ اجداد والی زمین میں اپنے ذاتی پیسے سے کرائی تھی اور تاحیات برابر مسجد مذکورہ کا کل خرچہ، انتظام، مرمت وغیرہ اپنی ہی ذاتی پیسہ سے کرتے رہے۔ اس مسجد میں کبھی کسی کا چندہ کا پیسہ شیخ خیراتی صاحب نے نہ لگایا۔ ان کی وفات پر ان کی تجہیز وتکفین بھی اسی مسجد کے ایک حصہ میں ہوئی، جہاں ان کی تولیت تک ان کا قیام رہا تھا۔

بعد وفات شیخ خیراتی صاحب مرحوم ان کی اولاد در اولاد مسجد کی نگہداشت، مرمت وغیرہ کا کام خود انجام دیتی رہی اور اب تک وہی انجام دے رہے ہیں اور کسی کا کوئی چندہ کا پیسہ اس مسجد میں نہیں لگایا گیا ہے اور اپنے ذاتی پیسہ سے ہی کل کام انجام دیتے ہیں۔ اس مسجد میں کتبہ بھی ہمارے مورث اعلیٰ شیخ مرحوم صاحب کا لگا ہوا ہے۔

اب شیخ الٰہی محمد ولی شیخ الٰہی وغیرہ اس قصبے کے لوگ ہم کارکنان کے کام میں رخنہ انداز ہیں، یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اس مسجد میں عام مسلمانوں کا بھی چندہ کا پیسہ لگایا جائے، صرف شیخ خیراتی کی اولاد در اولاد کا کوئی حق نہ رکھا جائے۔

قبلہ مولانا صاحب! ان لوگوں کے اس خیال سے چندہ کی رقم مسجد میں لگانے سے ہم اور ہمارے دیگر برادران خاندان کو سخت اعتراض ہے جب کہ ہم لوگ اپنے ذاتی پیسہ لگا کر کام انجام دے رہے ہیں اور آئندہ بھی لگانے پر تیار ہیں، کسی شخص سے کوئی حاجت چندہ وغیرہ پیسہ لگانے کی نہیں ہے۔ لہٰذا اس صورت میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

۱... مسجد مذکورہ کا کل اہتمام، انتظام اولاد در اولاد شیخ مرحوم پر لازم ہے یا نہیں؟

۲... اگر کچھ اشخاص بغیر ہماری مرضی و اجازت اپنی کوشش سے چندہ کریں تو ان لوگوں کا یہ فعل یعنی چندہ کر کے مسجد میں لگانا درست ہے یا نہیں؟ مہربانی فرما کر جواب سے مطلع فرمائیں۔

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الودیعة: ۷/۲۷۶، رشیدیہ)

(وکذا في شرح المجلة: ۱/۲۰۴، رقم المادة: ۷۹۴، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ بانی مسجد کی اولاد اپنے ذاتی پیسہ سے مسجد کی ضروریات پوری کرتی اور انتظام درست رکھتی ہے اور کسی قسم کی کوئی شکایت نہیں ہے تو دوسرے لوگوں کا دخل دینے اور انتظام سنبھالنے اور چندہ کرکے تعمیر وغیرہ وہاں بنانے کا حق نہیں(۱)، ان لوگوں کا یہ اقدام غلط ہے، نہ کسی اور تصرف کا حق ہے۔ اگر کوئی انتظامی شکایت ہو تو متولی و منتظم سے کہہ کے اس کا انتظام کرالیں۔ ہاں! اگر ان کے پاس پیسہ نہ ہو تو پھر ضروریات مسجد کے لئے چندہ کرلیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۷/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۷/۹۰ھ۔

بجائے متولی کے چندہ فنڈ میں جمع کرنا

سوال[۷۰۳۱]: یہاں قصبہ میں متولیان مساجد کی طرف سے اکثر لوگ شاکی رہتے ہیں، چونکہ بعض متولی آمد و صرف مسجد کی حساب بھی اہل محلہ کو نہیں کراتے حتی کہ بعض متولی سے خیانت ثابت ہوتی ہے اور یہاں قصبہ میں ایک اسلامی فنڈ ہے جس کی صورت یہ ہے کہ مسلمانان قصبہ سے حسب حیثیت چندہ

---

(۱) "وفي الأصل: الحاكم لا يجعل القيم من الأجانب ما دام من أهل بيت الواقف من يصلح لذلك" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في ولاية الوقف و تصرف القيم في الأوقاف، الخ، ۲/۴۰۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، ۵/۳۷۹، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، الولاية في الوقف ۵/۷۳۳، إدارة القرآن كراچی)

"رجل بنى مسجداً لله تعالىٰ، فهو أحق الناس بمرمته و عمارته و بسط البواري والحصر والقناديل والأذان والإقامة والإمامة إن كان أهلاً لذلك، فإن لم يكن فالرأي في ذلك إليه". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، فصل: كره غلق المسجد، الخ: ۱/۱۱۰، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۲۹۷، رشيديه)

قرض لیا جاتا ہے اور غریب مسلمانوں کو بالخصوص زیور رکھ کر بلا سودی قرضہ دیا جاتا ہے، اس لئے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ متولیان مساجد بھی سرمایہ مساجد کو اسلامی فنڈ میں اپنی ذمہ داری پر بطور قرض کے داخل کردیں اور جس وقت صرف کے لئے ضرورت ہوا کرے فنڈ سے واپس لے کر صرف کردیا کریں، کیونکہ فنڈ کا یہ قاعدہ ہے کہ قرض دہندہ اپنا قرضہ کل یا جزاً اپنی ضروریات پر جس وقت واپس لینا چاہتا ہے، اسی وقت اس کو واپس دیدیا جاتا ہے۔

خیال ہے کہ اس صورت میں رقم مساجد محفوظ ہوجاوے گی اور ہر شخص کو حساب فہمی میں آسانی ہوگی۔ آیا اس صورت میں رقم مساجد کو فنڈ میں بطور قرض کے داخل کرکے اس پر تصرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر متولی مسجد سے خیانت ثابت ہوجائے تو باقاعدہ حاکم وقت کے ذریعہ اس کا ثبوت دے کر تولیت سے علیحدہ کردیا جائے۔ اور اگر محض شبہ وظن ہے ثبوت نہیں تو علیحدہ نہ کیا جائے، البتہ متولی کو لازم ہے کہ جملہ حساب کتاب صاف رکھے، یا ارباب حل وعقد کی ایک کمیٹی بنادی جائے تاکہ کسی کو شبہ واعتراض کی گنجائش نہ ہو۔

"فلو طعن في المتولي طاعن لم يخرجه القاضي عن الولاية إلا بخيانة ظاهرة".

عالمگیری: ۲/۴۲۰ (۱)۔

سرمایۂ مساجد متولی کے پاس امانت ہوتا ہے، اس کو اپنے کام میں لانا یا کسی کو قرض دینا درست نہیں، اس کو صرف مسجد کے کام میں خرچ کرنے کا حق ہے، ناحق اگر تصرف کرے گا تو ضامن ہوگا (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مظاہر علوم سہارنپور ۲۲/۱/۱۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

---

(۱) (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۱۲، رشیدیہ)

"وقدمنا أنه لا يعزله القاضي بمجرد الطعن في أمانته، ولا يخرجه إلا بخيانة ظاهرة بينة".

(البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۱۱، رشیدیہ)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: يأثم بتولية الخائن: ۴/۳۸۰، سعید)

(۲) "ليس للمتولي إيداع مال الوقف والمسجد إلا ممن في عياله، ولا إقراضه، فلو أقرضه ضمن، وكذا

مسجد ومدرسہ کے نام سے مشترک چندہ کرنا

سوال [۷۱۰۶]: ایک بستی والے مسجد ومدرسہ کی تعمیر کرنا چاہتے ہیں جس کا چندہ ایک جگہ کرنا چاہتے ہیں، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ کہ چندہ یکجا کرلیا جائے اور چندہ دہندہ سے کہہ دیا جائے کہ ہم مسجد ومدرسہ دونوں تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ اور چندہ دینے والا یہ کہہ دے کہ دونوں میں سے کسی میں استعمال کرو، تو کیا ایسا کرنا جائز ہے یا دونوں کا علیحدہ علیحدہ چندہ ہونا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد اور مدرسہ دونوں کے لئے مشترک چندہ کرنا درست ہے(۱) اور جب یہ اعلان کردیا کہ دونوں کی تعمیر ہوگی اور دونوں کے لئے لوگ چندہ دے رہے ہیں تو پھر کیا تردد ہے۔ علیحدہ علیحدہ کرنا چاہے تو اس کی بھی اجازت ہے، پھر جو چندہ جس کے لئے وصول کیا ہے اس کو اسی میں صرف کرنا چاہیے، ایک کا چندہ دوسرے مصرف میں صرف نہ کرے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۲/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۲/ ۹۲ھ۔

المستغرقین": (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/ ۴۰۲، رشیدیه)

(الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الخامس في ولایة الوقف وتصرف القیم في الأوقاف، الخ: ۲/ ۴۱۳، رشیدیه)

(وکذا في فتاوی قاضي خان علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً، الخ: ۳/ ۲۹۵، رشیدیه)

(۱) "رجل أعطی درهماً في عمارة المسجد أو نفقة المسجد أو مصالح المسجد، صح". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما یتعلق به، الفصل الثاني: ۲/ ۴۶۰، رشیدیه)

(۲) "أما إذا اختلف الواقف أو اتحد الواقف واختلفت الجهة بأن بنی مدرسةً ومسجداً، وعین لکل وقفاً، وفضل من غلة أحدهما، لا یبدل شرط الواقف. وکذا إذا اختلف الواقف والجهة، یتبع شرط الواقف ... هذا هو الحاصل من الفتاوی، وقد علم منه أنه لایجوز لمتولي الشیخونیة بالقاهرة -

مسجد و مدرسہ کے مشترکہ چندہ سے مسجد کی توسیع اور مدرسہ کے لئے دوکان بنانا

سوال [۷۱۲۰]: مسجد سے متصل ایک جگہ نئے مدرسہ کی تعمیر کے لئے چندہ کر کے مشترکہ پیسے سے خریدی گئی اور ضرورت کے مطابق مسجد میں اضافہ کر دیا گیا اور چار دکانیں بنوائی گئیں، دکانوں کے کرایہ کی آمدنی سے لاگت وصول ہو کر مسجد کے حساب میں قریب قریب پوری رقم ہو چکی ہے۔ مدرسہ کی تعمیر کا سلسلہ آیا تو چاروں دکانیں مدرسہ کی ملکیت مان کر اوپر مدرسہ کی تعمیر کرا دی گئی جو کہ دکانیں اور مدرسہ کی عمارت مسجد کے ایک ساتھ میں واقع ہے، مسجد اور مدرسہ یک ہی بنایا گیا ہے۔

ایک مسجد کے خرچہ سے فاضل آمدنی مدرسہ میں لگائی جا سکتی ہے یا نہیں، کیا خریدی ہوئی زمین کی تقسیم مدرسہ اور مسجد میں کرانی درست ہے یا نہیں؟ کیا یہ تقسیم جائز ہوئی یا نہیں، جب کہ دونوں ادارے قومی ہیں؟ اس تقسیم کی کاروائی باضابطہ تحریر میں ہے جس میں ہے کہ یہ دکانیں مدرسہ کی ملکیت ہیں اور رہیں گی، مسجد کی ملکیت کا کاغذات سرکاری میں غلط درج ہے۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ تعمیر مدرسہ اور توسیع مسجد کے لئے مشترک چندہ کیا گیا اور اس مشترک رقم سے زمین خریدی گئی اور حسب ضرورت مسجد میں اضافہ کر لیا گیا اور ایک جانب میں دکانیں بنوائی گئیں تو جس طرح مسجد میں جس قدر اضافہ کیا گیا وہ زمین مخصوص طور پر مسجد کی ہوگئی، بلکہ مسجد بن گئی، اس میں کوئی دوسرا کام مستقل کرنا مثلاً مدرسہ بنانا صحیح اور درست نہیں ہے(۱)۔

= صرف أحد الوقفين للآخر". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۲۹۹، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۹، سعيد)

(۱) "أما لو تمت المسجدية، ثم أراد البناء، منع ..... ولو خرب ما حوله واستغني عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتي. حاوي القدسي" (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به: ۲/۴۵۸، رشيديه)

اسی طرح اگر ارباب مدرسہ کے نزدیک مناسب ہو کہ دوکانیں مدرسہ کے لئے مخصوص کردی جائیں اور ان کے کرایہ کی آمدنی مدرسہ میں صرف ہو اور ان کے اوپر مدرسہ تعمیر کرلیا جائے تو یہ بھی درست ہے، مالِ کا جو کرایہ مسجد میں جمع کردیا گیا ہے اس کو مسجد سے واپس نہ لیا جائے، کیونکہ اس وقت مدرسہ کی تعمیر کا سلسلہ تھا اور ان میں صرف شدہ رقم مشترک تھی، جس کا حاصل یہ تھا کہ حسبِ ضرورت مسجد و مدرسہ میں صرف کی جائے۔ کاغذی اندراجات صحیح کرائے جائیں تاکہ آئندہ نزاع نہ ہو۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۲/۸۹ھ۔

اذان خانہ کے لئے چندہ کیا گیا اس سے مسافر خانہ بنانا

سوال [۷۳۴۲]: ہمارے گاؤں کے دو آدمیوں نے مسجد میں اذان خانہ بنوایا ہے، اس غرض سے باہر دیہات میں جا کر رقم چندہ جمع کی ہے اور اس رقم کو اہل کار اور پنچ لوگوں نے قبضہ میں لے کر مسجد کا اذان خانہ تو درکنار مسجد کے کسی بھی کام میں نہ لاتے ہوئے مسافر خانہ وغیرہ کی درستی میں صرف کردیا، جس کی وجہ سے جن صاحبوں نے چندہ جمع کیا ہے وہ بہت ناراض ہیں اور ہر وقت کہتے ہیں اہل کار پنچوں سے کہ ہماری رقم جو خرچ کردی واپس کردو، ہم ایک وضو خانہ بنانا چاہتے ہیں، مگر پنچ کہتے ہیں کہ مسجد اور مسافر خانہ ایک ہی ہے، مسجد میں خرچ نہیں ہوا تو کیا ہوا، پنچ جماعت کا مکان تو درست ہوگیا۔ اب از روئے شرع کیا کریں، کیا مسجد کی رقم دوسرے کاموں میں خرچ کرنا جائز ہے یا کہ نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب اذان خانہ بنوانے کے لئے چندہ جمع کیا گیا ہے اور چندہ دینے والوں نے یہ کہہ کر چندہ دیا تو پنچ لوگوں کے لئے اس کا کسی دوسرے کام میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے (۱)، ان کے ذمہ ضمان واجب ہے (۲)۔ جو

---

(۱) "وهنا الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان، فلا يملك الدفع إلى غيره". (ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۲/۲۶۹، سعيد)

(۲) "وإن طلبها ربها، فحبسها قادراً على تسليمها، ضمنها: يعني لو منع صاحب الوديعة بعد طلبه وهو قادر على تسليمها، يكون ضامناً؛ لأنه ظالم بالمنع". (البحر الرائق، كتاب الوديعة: ۷/۴۷۴، رشيدية)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوديعة: ۳/۴۶۰، غفاريه كوئٹه) ....

لوگ اپنا چندہ واپس مانگ رہے ہیں ان کو واپس مانگنے کا حق ہے اور منتظم لوگوں کے ذمہ اس کا واپس کرنا ضروری ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۵/۹۰ھ۔

چندۂ مسجد وانجمن سے مٹھائی وغیرہ

سوال[۷۴۴۳]: ایک جگہ نہر کے محکمہ کے مسلمان ملازموں نے ایک مسجد عام چندہ سے بنائی اور اس میں امام مقرر کیا جس کو چندہ اکٹھا کر کے تنخواہ بھی دیتے ہیں۔ ایک انجمن بھی آبادیٔ مسجد کے لئے بنائی گئی ہے، اس کے اکثر ممبر ہی اہل کار ہیں، اپنی اپنی تنخواہوں میں سے حسب حیثیت آٹھ آنہ، روپیہ، دو روپیہ، پانچ، دس روپے دیتے ہیں، وہ سب روپیہ جمع کر کے خزانچی کے پاس جمع کر دیا جاتا ہے۔ اس انجمن کے چند ممبر مخصوص عہدوں پر بعد انتخاب ممتاز کئے گئے ہیں، مثلاً: صدر، ناظم، خزانچی، سیکریٹری۔ یہ ممتاز اصحاب مسجد کی خدمت بلا معاوضہ کرتے ہیں۔

چونکہ ان کی رہائش اس جگہ دائمی نہیں ہوتی، بلکہ تبدیلی بھی ہو جاتی ہے، اس تبدیلی کے موقعہ پر اس ممتاز مخصوص صاحب کی اس خدمت کا شکریہ ادا کرنے کے واسطے "ٹی پارٹی" کی جاتی ہے، احباب جمع ہوتے ہیں جن میں چندہ دینے والے بھی شامل ہوتے ہیں، اس موقع پر کچھ............رقم اس جمع شدہ چندہ سے خرچ کی جاتی ہے، مثلاً: مٹھائی وغیرہ خرید کر حاضرین کو تقسیم کی جاتی ہے۔ اب دریافت طلب یہ امور ہیں:

۱...... یہ جمع شدہ چندہ مال وقف ہے یا نہیں؟

= (وكذا في تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الإيداع: ۵/۶۶۵، سعيد)

(۱) "يلزم رد الوديعة إلى صاحبها إذا طلبها". (شرح المجلة: ۱/۳۴۰، (رقم المادة: ۷۹۴)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"رجل جمع مالاً من الناس، لينفقه في بناء المسجد، وأنفق من تلك الدراهم في حاجة نفسه، ثم رد بدلها في نفقة المسجد، لا يسعه أن يفعل ذلك، وإذا فعل إن كان يعرف صاحب المال رد الضمان عليه، أو يسأله ليأذن له بإنفاق الضمان في المسجد". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً الخ: ۳/۲۹۹، رشيديه)

۲... ان مختار خصوصی صاحب کی خدمت کا اعتراف کرتے ہوئے ان کی پارٹی پر اس جمع شدہ چندہ سے مٹھائی وغیرہ خرید کر تقسیم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۳... اس مٹھائی کو چندہ دینے والے حضرات کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

۴... چندہ دینے والے اصحاب جو اس وقت شریک نہیں ہوئے ان کا حق باقی ہے یا نہیں؟

۵... اس طرح کرنے کے لئے سب چندہ دینے والوں کی اجازت ضروری ہے یا صرف ان مختار اصحاب کا فیصلہ کافی ہے؟

۶... اس جمع شدہ رقم میں مد عمارت، تعمیر مسجد، عطیۂ غیر مسلم وغیرہ بھی شامل ہو اور ان کے خرچ کا الگ الگ حساب بھی کوئی نہیں، سب رقم ایک جگہ جمع ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے۔

ان سب امور کا شرعی فیصلہ ارشاد فرمایا جائے تاکہ اس کے موافق عمل کیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... یہ جمع شدہ مال وقف نہیں (۱)۔

۲... اگر چندہ دینے والوں کی اجازت ہے اور اس چندہ کا مصرف یہ بھی ہے تو یہ مٹھائی وغیرہ تقسیم کرنا شرعاً درست ہے، ورنہ نہیں (۲)۔

۳... اگر چندہ دینے والوں کی طرف سے اس مٹھائی کو کھانے کے لئے چندہ دہندہ ہونا شرط نہیں کیا گیا، بلکہ ان کی طرف سے چندہ دینے والوں کو بھی اجازت ہے تو ان کو کھانا بھی جائز ہے (۳)۔

---

(۱) "ولو وقف دراهم أو مكيلاً أو ثياباً، لم يجز. وقيل: في موضع تعارفوا ذلك، يفتى بالجواز. قيل: كيف؟ قال: الدراهم تقرض للفقراء، ثم يقبضها، أو تدفع مضاربة يتصدق بالربح. والحنطة تقرض للفقراء يزرعون، ثم تؤخذ منهم، والثياب والأكسية تعطى للفقراء ليلبسوها عند حاجتهم، ثم تؤخذ". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني فيما يجوز وقفه وما لا يجوز: ۲/۳۶۲، ۳۶۳، رشيدية)

(۲) "لأن الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إلى غيره". (رد المحتار، كتاب الزكوة: ۲/۲۶۹، سعيد)

(۳) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: =

۴..... اگر ان کی طرف سے تاکید ہے کہ ہمارا حق باقی رکھا جائے تب تو حق باقی رکھا جائے، اگر ان کی طرف سے اجازت ہے کہ ہمارا حق باقی رکھنے کی ضرورت نہیں تو باقی رکھنے کی ضرورت نہیں۔

۵..... اگر چندہ دہندگان نے ممتاز ارکان کو فیصلہ کا اختیار دیا ہے تب تو ان ممتاز ارکان کا فیصلہ کافی ہے، اگر اختیار نہیں دیا تو کافی نہیں، بلکہ سب کی رائے اور اجازت ضروری ہے۔

۶..... بہتر یہ ہے کہ مسجد کا مد اور انجمن کا مد علیحدہ علیحدہ رکھا جائے تاکہ ہر ایک کا چندہ صحیح مصرف پر صرف ہو، غیر مسلم اگر مسجد میں دے اور اس کے مذہب کے اعتبار سے مسجد میں دینا ثواب ہو تب تو اس کو مسجد میں صرف کیا جائے (۱)، ورنہ انجمن میں۔ رہا اب تک چونکہ سب رقم ایک مجموعہ جمع ہے، لہذا جو کچھ خرچ ہوا وہ سب مشترک خرچ ہوا، اگر چندہ دہندگان کی اجازت ہو تو خرچ شدہ رقم کو انجمن کے حساب میں لگا کر مسجد کی رقم کو برقرار اور موجود تصور کیا جائے اور حساب علیحدہ علیحدہ کرلیا جائے۔ اگر اجازت نہ ہو تو دونوں کے حساب میں شمار کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

جبراً چندہ لینا

سوال[۷۳۴۳]: محمد رفاقت کہتا ہے: میں مسجد شریف کے لئے زمینداروں سے چندہ کروں گا، کیونکہ لوگ ایسے نیک کام میں امداد بالکل نہیں دیتے، اس لئے میں ان سے کہوں گا کہ مسجد کے لئے ضرور چندہ

= "ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه" (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، ص: ۲۵۵، قديمي)

(۱) "بخلاف ما لو وقف على مسجد بيت المقدس، فإنه صحيح؛ لأنه قربة عندنا و عندهم" (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۶، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، مطلب في وقف الذمي، الباب الأول: ۲/۳۵۳، رشيديه)

(وكذا في شرح العيني على كنز الدقائق، كتاب في بيان أحكام الوصايا، باب وصية الذمي، ص: ۴۷۳، إدارة القرآن كراچی)

وہ بہر حال وصول کروں گا کہ تعمیر کے لئے، میرا ذاتی نہیں ہے۔ اس پر محرر صاحب سے کہا گیا کہ جو شخص چندہ خوشی سے دے اس سے بہ سہولت لیا جائے، اس پر انہوں نے فرمایا: جس طرح ذریعہ مسجد کے لئے ہے ضرور دیکھ نہ چھوڑوں گا۔ اس کے متعلق کیا حکم ہے، اگر ان کے متعلق وہی قرض والی صورت مسطورہ بالا ہو سکے تو درست ہے یا نہیں؟ جواب سے جلدی مطلع فرمادیں، مسجد شریف کا کام شروع ہونے والا ہے تاکہ اس جواب کے آنے سے پہلے شروع نہ ہو جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جبراً چندہ وصول کرنا ناجائز ہے، جو اپنی خوشی سے دے اس سے لے لیا جائے جو نہ دے اس سے جبراً لینا گناہ ہے(۱) اور ایسے مال کا مسجد میں لگانا بھی ناجائز ہے:

"لأن الله تبارك وتعالى لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله اهـ شرنبلالية، اهـ". شامی: ۱/۶۵۸(۲)۔

جبراً لینا جائز نہیں، قرض لینا ہو تو کسی اور طرح، جس سے جس قدر روپیہ لیا ہے اس کا واپس کرنا ضروری ہے(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۶/۷۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱/ جون/ ۱۹۵۶ء۔

---

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

(وسنن الكبرى للبيهقي: ۶/۳۸۷، رقم الحديث: ۱۱۵۴۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمة "لا بأس" دليل على أن المستحب غيره، لأن البأس الشدة: ۱/۶۵۸، سعيد)

(۳) "إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (رد المحتار، كتاب الحدود، باب حد القذف، مطلب في التعزير بأخذ المال: ۴/۶۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۵/۶۸، رشيدية)

مسجد کے لئے جبراً چندہ لینا

سوال [۷۲۲۹]: جبراً کسی شخص کو دباؤ دے کر ناجائز چندہ وصول کر کے مسجد کے واسطے کیسا ہے؟ مہربانی فرما کر حالات پر جو نظر ہو جواب دے کر مشکور فرمائیں اور جواب مع حوالہ کتب تحریر فرمادیں اور صاف صاف یعنی مفصل۔

خادم: القاسم اللہ خان، دفتر تعلیم میونسپل بورڈ سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا کرنا ہرگز جائز نہیں، اگر ایسا کیا ہے تو اس چندہ کی واپسی لازم ہے، اس کو مسجد وغیرہ میں خرچ کرنا منع ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۷/۵۵ھ۔

مسجد کی تعمیر کے لئے زبردستی چندہ لینا

سوال [۷۲۳۰]: ایک گاؤں ہے جس کے باشندے بہت ہی گمراہی میں مبتلا ہیں، مثلاً زنا کاری، سود خوری، شراب نوشی عام ہے۔ اس گاؤں میں ایک مسجد تعمیر ہو رہی ہے جس کا چندہ زبردستی وصول کیا جاتا ہے، ایسی صورت میں مسجد کی تعمیر درست ہے یا نہیں؟ نیز اس مسجد میں نماز درست ہے یا نہیں، جب کہ گاؤں کے لوگ

=(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب السابع في حد القذف، فصل في التعزير: ۲/۱۶۷، رشيدية)

(۱) "قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً، ومالاً سببه الخبيث، والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالى لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله اهـ". (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب كلمة "لا بأس" دليل على أن المستحب غيره: ۱/۶۵۸، سعيد)

"ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلا سبب شرعي، وإن أخذ ولو على ظن أنه ملكه، وجب عليه رده عيناً إن كان قائماً، وإلا فيضمن قيمته". (شرح المجلة، رقم المادة: ۹۷، [illegible]، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۵/۶۸، رشيدية)

(وكذا في النهر الفائق، باب السابع في حد القذف، فصل في التعزير: ۳/۱۶۵، امداديه ملتان)

نہ بہت ہی غربت میں مبتلا ہیں؟ نیز کسی غیر مسلم کے چندے سے مسجد کی تعمیر درست ہے یا نہیں، اس مسجد میں نماز درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ اعمال بھی غضب خداوندی کے موجب ہیں اور زبردستی چندہ وصول کرنا بھی منع ہے(۱)، جن لوگوں سے زبردستی چندہ لیا گیا وہ اب معاف کردیں اور خدا کے نام پر دیے ہوئے پیسے کو قبول کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں، اس مسجد میں سب ہی آکر گناہوں سے توبہ کریں، اعمال قبیحہ سے باز آجائیں۔ نماز اس مسجد میں درست ہوگی۔ غیر مسلم سے تعمیر مسجد کے لئے چندہ مانگنا بڑی بے غیرتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۰/۹۰ھ۔

مسجد کے لئے چندہ دے کر واپس لینا

سوال[۷۰۳۰]: ا... مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں بہت سے لوگوں نے چندہ دیا تھا اور امداد کیا تھا۔ مسجد کی تعمیر کی اجازت ہر محلہ جات کے مرید آ دد صاحب سے ملی تو فرمایا کہ بسم اللہ کردو اور کام شروع کردو۔ پھر کچھ اختلاف ہوگیا جس سے وہ لوگ اپنا چندہ جو انہوں نے مسجد کے لئے دیا تھا اور مسجد کی تعمیر کے بہت سے سامان بھی خریدے گئے تھے۔ ایسی صورت میں شرعاً وہ لوگ کیا اپنی امداد یا دیا ہوا چندہ واپس لے سکتے ہیں یا نہیں اور

---

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

(والسنن الكبرى للبيهقي: ۳/۹۷، رقم الحديث: ۳۱۲۵، دار الكتب العلمية بيروت)

"لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (رد المحتار، كتاب الحدود، باب حد القذف، مطلب في التعزير بأخذ المال: ۴/۶۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۵/۶۸، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب السابع في حد القذف، فصل في التعزير: ۲/۱۶۷، رشيدية)

مقصود ہو تو ایسی مسجد بنانے سے ثواب نہیں ہوتا، بلکہ بہت سے علماء نے اس کو مسجد ضرار کے حکم میں تحریر فرمایا ہے اگرچہ شرعی مسجد بن جانے کے بعد نماز درست ہوگی:

"وقيل: كل مسجد بني مباهاةً أو رياءً وسمعةً أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله أو بمال غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار اهـ". مدارك(۱)۔

"قال صاحب الكشاف: وعن عطاء: لما فتح الله الأمصار على عمر رضي الله تعالى عنه، أمر المسلمين أن يبنوا المساجد، وأن لا يتخذوا في مدينة مسجدين يضار أحدهما صاحبه" هذا لفظه – فالعجب من المشايخ المتعصبين في زماننا يبنون في كل ناحية مساجد، طلباً للاسم والرسم واستعلاءً لشأنهم واقتداءً بآبائهم، ولم يتأملوا ما في هذه الآية والقصة من شناعة حالهم وسوء أفعالهم اهـ". تفسيرات أحمديه (۲)۔

"وقال في البحر: ونهي الصلوة في مسجد الضرار مخصوص به، فلا يتعدى إلى ملحقاته". الإكليل: ۱/۲۸۱ (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۳/۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ربیع الاول/۶۷ھ۔

چندہ کے ضمان کی ایک صورت، چندہ وقف نہیں ہوتا

سوال[۴۲۲۸]: پبلک نے مسجد بنانے کے واسطے روپیہ چندہ کر کے جمع کیا، اس میں سے کچھ روپیہ

---

(۱) (مدارك التنزيل: ۱/۵۱۹، (التوبة: ۱۰۷)، قديمي)

(وكذا في روح المعاني: ۱۱/۲۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) (التفسيرات الأحمدية، ص: ۴۷۸، حقانيه پشاور)

"وقيل: كل مسجد بني مباهاةً أو رياءً أو سمعةً أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله أو بمال غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار . وعن عطاء: لما فتح الله تعالى الأمصار على يد عمر رضي الله تعالى عنه، أمر المسلمين أن يبنوا المساجد، وأن لا يتخذوا في مدينة مسجدين يضار أحدهما صاحبه".

(الكشاف: ۲/۳۱۰، التوبة: ۱۰۷، دار الكتب العربي بيروت)

(۳) (لم أظفر عليه)

مسجد کا سامان خریدنے کے لئے زید کو دیا، زید عمر کے پاس سے وہ چیز خرید کر لایا، لیکن وہ چیز پبلک کو ناپسند آئی۔ زید اس چیز کو واپس کرنے کے لئے عمر کے پاس گیا، عمر نے کہا کہ اس وقت میرے پاس روپیہ نہیں ہے، دوسرے وقت آکر روپیہ لے لینا۔ اس وقت زید نے عمر سے کہا کہ تم یہ روپیہ بکر کے ہاتھ دیدو، عمر نے وہ روپیہ بکر کو دے دیا۔ روپیہ نہ پہونچنے پر دوبارہ زید عمر کے پاس آیا، عمر نے کہا کہ میں نے روپیہ بکر کو دے دیا۔ اب زید نے جب بکر سے روپیہ طلب کیا تو بکر نے ٹال مٹول کر کے دھوکہ دیا، اب وہ روپیہ بکر دیتا ہی نہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہ روپیہ جائیداد موقوفہ میں شامل ہوگا یا نہیں، اگر جائیداد موقوفہ میں شامل ہو تو اس روپیہ کا ذمہ دار زید ہوگا یا بکر، اور کس سے روپیہ وصول کیا جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں وہ روپیہ زید کے ذمہ واجب الادا ہے یعنی پبلک زید سے وصول کر سکتی ہے اور زید بکر سے (۱)۔ چندہ کا روپیہ وقف نہیں ہوتا (۲) اس لئے اس کو جائیداد موقوفہ میں شامل نہیں کیا جا سکتا، البتہ اگر اس روپیہ سے کوئی شی قابلِ وقف خرید کر مسجد میں وقف کر دی جائے تو وہ شی وقف ہوگی۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، ۱۳/محرم/۶۰ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

---

(۱) "قال الإمام النسفي: وحكمها كون المال أمانة عنده مع وجوب الحفظ عليه والأداء عند الطلب".
(البحر الرائق، كتاب الوديعة: ۷/۴۶۵، رشيديه)

(۲) "رجل أعطى درهماً في عمارة المسجد أو نفقة المسجد أو مصالح المسجد، صح؛ لأنه وإن كان لايمكن تصحيحه تمليكاً بالهبة للمسجد، فإثبات الملك للمسجد على هذا الوجه صحيح، فيتم بالقبض، كذا في الواقعات الحسامية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثاني في الوقف على المسجد: ۲/۴۶۰، رشيديه)

"چندہ وقف نہیں معطین کا مملوک ہے، چندہ اہل چندہ کی ملک سے خارج نہیں ہوا"۔ (تحفة العلماء: ۱/۹۱۳، فصل نمبر: ۲، ادارۂ تالیفات اشرفیہ)

(وكذا في امداد الفتاوی، كتاب الوقف: ۲/۵۷۴، دار العلوم ديوبند)

قوالی کے لئے جمع کیا گیا روپیہ مسجد میں لگانا

سوال [۷۰۰۶]: کچھ حضرات نے چندہ کیا ایک مزار پر قوالی وغیرہ کرانے کے لئے، اس میں ہندوؤں کا بھی چندہ شامل ہے۔ تاریخ مقرر ہوئی، جب قوالی کا وقت آیا تو موجودہ متولی وقف بورڈ نے بذریعہ پولیس رکاوٹ کی اور کہا کہ یہ کام نہیں ہونے دوں گا۔ چندہ جو جمع کیا گیا تھا ان میں سے کچھ روپیہ ہندوؤں کے منہ مانگے دے دیا اور باقی روپیہ جامع مسجد میں دے دیا گیا۔ سب حضرات کی رضامندی سے یہ روپیہ مسجد میں دیا گیا ہے۔ یہ روپیہ جامع مسجد میں استعمال کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب چندہ والوں کی رضامندی واجازت سے جامع مسجد میں یہ روپیہ دیا گیا ہے تو جامع مسجد کی ہر ضرورت میں حسب ضابطہ اس کو صرف کرنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۹۲ھ۔

چندہ حوض کے لئے جمع کیا گیا پھر اس کو دوسرے کام میں خرچ کرنا

سوال [۷۰۰۷]: ۱... مال دینا یا وقف کر دینے کے بعد واقف کا کوئی حق رہتا ہے یا نہیں؟

۲... اگر وقف کی صراحت کے ساتھ کوئی رقم وقف کرے کہ فلاں کام میں صرف کیا جائے تو کیا اس کے علاوہ کسی دوسرے کام میں صرف کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

۳... علاوہ متولی اوقاف کے کوئی شخص جس کے پاس رقم موجود ہو امانت ہو اپنی مرضی سے کسی کام کے علاوہ جس کام کے لئے وہ وقف کی گئی ہے، صرف کر سکتا ہے یا نہیں؟

---

(۱) "رجل أعطى درهماً في عمارة المسجد أو نفقة المسجد أو مصالح المسجد، صح" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، الفصل الثاني: ۲/۴۶۰، رشیدیہ)

"كل متصرف في ملكه كيف شاء" (شرح المجلة: ۱/۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

سوالات مذکورہ بالا کی وضاحت

حوض جامع مسجد بھرنے کے لئے بستی کے تمام مسلمانان نے چندہ جمع کیا تھا کہ اس رقم سے کوئی موٹر کنویں میں لگوائیں تاکہ حوض بھرائی میں آسانی ہو۔ چندہ میں رقم قلیل جمع ہوئی، اس سے موٹر فٹ نہ ہوسکا، ایک ہارس پاور کی موٹر لگوائی تھی اس نے کام نہیں کیا، وہ واپس کردیا گیا اور اس کی رقم واپس لے لی گئی، صرف کنویں میں بجلی فٹنگ کو اس لئے باقی رکھا گیا کہ آئندہ مزید چندہ جمع ہونے پر بڑی موٹر لگوائی جاسکے۔ بجلی کا سامان مسجد کے کنویں میں فٹ موجود ہے۔

بستی کے مسلمانوں نے پھر چندہ جمع نہیں کیا اور جمع شدہ رقم سے کنویں میں مسلمانوں کے مشورہ سے ہینڈ پمپ لگادیا گیا جس سے ایک بار حوض بھی بھرا گیا اور چند روز بعد وہ ہینڈ پمپ خراب ہوگیا۔ چونکہ اس بستی میں کوئی مستری نہیں ہے، بار بار باہر سے مستری بلوانے اور درست کرانے کی وجہ سے پمپ نکلوا کر مسجد کے حجرہ میں رکھوا دیا گیا، اس زمانہ میں موٹر کی فٹنگ کا کام چالو تھا۔ حوض کے خالی ہوجانے اور مسلمانوں کی تکلیف کے باعث جمعہ کے بعد مسلمانوں اور متولیوں کے مشورہ سے اس جمع شدہ رقم سے حوض بھرائی میں پیسہ دے دیا گیا اور متولی مسجد نے حوض بھرائی میں اوقاف سے کوئی پیسہ نہیں دیا۔

پھر اسی جامع مسجد کی چند دکانات کو تعمیر کرنے کے سلسلہ میں مزید چندہ مسلمانوں کی جانب سے جمع کیا گیا اور تعمیری کام کو شروع کردیا گیا، چندہ ہوتا رہا اور کام کا سلسلہ جاری رہا۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ لوگوں نے چندہ جمع کرنا بند کردیا اور دینے والے بھی سست پڑ گئے اور لینے والے بھی سست ہوگئے اور مزدوروں کی مزدوری دینے کا فکر تھا اور رقم زیر تحویل بالکل موجود نہ تھی، تو جمعہ کے دن تمام مسلمانوں کے سامنے اپیل کی گئی کہ موٹر کے نام سے جو رقم جمع کی گئی تھی جس میں سے کچھ تو ہینڈ پائپ پر صرف ہوگئی کچھ زیر تحویل ہے، سب کی طرف سے اجازت ہو تو اس میں سے کچھ رقم مزدوری دے دی جائے۔

اس پر بعض لوگوں نے اجازت دے دی اور بعض ساکت رہے، لیکن سب کے علم میں یہ بات آچکی تھی، اس پر وہ بقایا رقم جو موٹر کے لئے جمع کی گئی مزدوری میں ادا کردی گئی، لیکن واقف تو ایک شخص ہے نہیں اور

تشریحات کے ملاحظہ کے بعد جواب دیں، تاکہ تنازعہ دور ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۲،۳،۱... حوض بھرنے کے لئے موٹر لگانے کے لئے جو چندہ کیا گیا ہے وہ وقف نہیں(۱)۔ چندہ دینے والے چاہے خود اس کو خرچ کریں، یا متولی کے سپرد کریں، یا کسی اور کے سپرد کردیں، سب طرح درست ہے، کسی کو اعتراض کا حق نہیں۔ پھر جب چندہ پمپ سب کی مرضی سے لگادیا تو یہ بھی درست ہوا۔ تعمیرات کے سلسلہ میں جو مزدوری باقی رہ گئی، وہ چندہ دہندگان کی اجازت سے دے دی گئی، یہ ٹھیک ہوا، خواہ صراحۃً اجازت دی گئی ہو، یا اعلان پر سکوت کرنے سے، اور اس رقم کا ضمان لینے کا حق نہیں(۲)۔ دوسرے کارکن مطالبہ کی جواب دہی اس طرح کریں کہ چندہ کی رقم وقف نہیں تھی، چندہ دینے والوں نے جہاں چاہا اپنی مرضی سے اس کو خرچ کیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۷/۹۱ھ۔

دروازۂ مزار پر صندوق کے چندہ سے مؤذن وامام کی تنخواہ

سوال[۷۲۲۰]: کچھار ضلع میں موضع تورکل میں ایک مزار ہے جو لنگر شاہ کے مشہور مقام میں ہے، اس احاطہ میں ایک مسجد بھی ہے۔ لوگ آتے جاتے مقام کے سامنے جو صندوق رکھا ہوا ہے اس میں روپے ڈالتے ہیں، ہندو مسلمان وغیرہ ہر قوم کے لوگ ڈالتے ہیں، کسی کی کیا نیت ہے معلوم نہیں۔ کیا مسجد کے مؤذن اور امام کی تنخواہ اس صندوق کے روپے سے دینا درست ہے یا نہیں؟ اگر درست نہ ہو تو ان روپے کو کیا کیا جائے؟ یہ آمدنی کبھی بند نہ ہوگی، مقامی کمیٹی کے لوگ کہتے ہیں کہ ہر سال میں بیس سے تیس ہزار روپے وصول ہوتے ہیں۔

---

(۱) "وأما شرائطه، ومنها أن يكون المحل عقاراً أو داراً، فلا يصح وقف المنقول إلا في الكراع والسلاح، كذا في النهاية". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الأول: ۲/۳۵۳، رشيدية)

(۲) "وفي القنية: أخذ أحد الشريكين حمار صاحبه الخاص، وطحن به فمات، لم يضمن؛ للإذن دلالة، قال: عرف بجواب هذا أنه لا يضمن فيما يوجد الإذن دلالة، وإن لم يوجد صريحاً". (رد المحتار، كتاب الغصب، مطلب فيما يجوز من التصرف بمال الغير بدون إذن صريح: ۶/۲۰۰، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ظاہر تو یہ ہے کہ یہ روپیہ مسجد اعزاز کے تحفظ وضروریات کے لئے اس میں ڈالتے ہیں، لہٰذا یہ روپیہ وہاں کی ضروریات میں صرف کرنا درست ہے(۱)، اگر بجائے وہاں ایک مکتب قائم کر دیا جائے تو زیادہ مناسب ہے تاکہ مسجد بھی آباد رہے اور حسب مراد کوئی ثواب ملتا رہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۹/۱۳۹۹ھ۔

مسجد میں ہریجن کا چندہ

سوال[۶۳۳۱]: کوئی ہریجن مسجد میں چندہ دے تو اس کے روپے کو مسجد میں خرچ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خرچ کیا جاسکتا ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱/۹۶ھ۔

بھیک سے مانگا ہوا پیسہ مسجد میں صرف کرنا

سوال[۶۳۳۲]: ہمارے محلہ میں ایک ضعیف العمر بوڑھی رہتی ہے جس کا کوئی ذریعہ معاش نہیں،

---

(۱) "اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه بسبب خراب وقف أحدهما، جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه؛ لأنهما حينئذ كشيء واحد". (الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۳، رشيدية)

(۲) "غالب مال المهدي إن حلالاً لا بأس بقبول هديته وأكل ماله ما لم يتبين أنه من حرام، وإن غالب ماله الحرام لا يقبلها ولا يأكل إلا إذا قال: إنه حلال ورثه أو استقرضه". (البزازية على هامش الفتاوى العالمگيرية، كتاب الكراهية، الفصل الرابع في الهدية والميراث: ۶/۳۶۰، رشيدية)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة الثانية: ۱/۳۳۳، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الفتاوى العالمگيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۳، رشيدية)

ہے وہ مانگنے کا پیشہ کرتی ہے، محلہ والے اس کی مدد کرتے ہیں، چنانچہ مانگا ہوا پیسہ کچھ اس کے پاس جمع ہوگیا تو اس نے مسجد کے واسطے ایک جائے نماز اور ایک قرآن شریف اور ایک تسبیح منگوادی ہے۔ لوگوں کو اعتراض ہے وہ کہتے ہیں کہ نہ اس پر نماز جائز ہے اور نہ بڑھیا کو کوئی ثواب ملے گا، بڑھیا ابھی زندہ ہے۔ کیا کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلا ضرورت مانگنا منع ہے(۱)، لیکن جب اس نے پیسہ مانگا اور اہلِ محلہ نے بخوشی اس کو دیا تو وہ پیسہ اس کی ملک ہوگیا اور اس نے جو کچھ مسجد میں دیا ہے وہ درست ہوگیا ہے(۲)، اس مصلے پر نماز بلاشبہ جائز ہے۔ بڑھیا کو سمجھا دیا جائے کہ اب تم کو مانگنا درست نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

لاوارث میت کے کفن کے لئے جمع شدہ رقم میں سے بچی ہوئی رقم مسجد میں خرچ کرنا

سوال [۷۳۳۳]: ایک لاوارث شخص مرگیا جس کے کفن کے لئے چندہ کیا گیا ہے، بعد کفن دفن کچھ چندہ بچ گیا تو اس کو مسجد میں خرچ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن لوگوں نے چندہ دیا ہے ان کی اجازت سے مسجد میں بھی خرچ کرسکتے ہیں(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱/۹۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱/۹۹ھ۔

---

(۱) "عن عبد اللہ بن مسعود رضي اللہ تعالیٰ عنه أنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "من سأل مسألة، وهو عنها غني، جاءت يوم القيامة كدوحاً في وجهه". (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۲/۵۵۰، (رقم الحديث: ۴۲۰۷)، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تفسير ابن كثير: ۱/۴۳۵، (سورة البقرة: ۲۷۳)، دار السلام رياض)

(۲) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة: ۱/۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك الخ: ۴/۵۰۲، سعيد)

(۳) "سيجيء له مسئلات: أوقاف أراد المتولي أن يشتري من غلة الوقف للمسجد دهناً أو حصيراً أو

لاوارث کا مال مسجد میں

سوال[۷۲۲۵]: نظام الدین نامی ایک شخص تھا، وہ انتقال کر چکا اور کچھ سامان و روپیہ چھوڑ گیا ہے اور کوئی اس کا وارث بھی نہیں ہے کہ جس پر تقسیم کیا جائے اور نہ اس نے کوئی وصیت کی ہے۔ اب محلے والوں کی خواہش ہے کہ اس کا مال مسجد میں صرف کر دیا جائے۔ تو کیا یہ کرنا شریعت کی رو سے جائز ہے؟ نیز اگر مسجد میں صرف نہ کیا جاسکے تو اس کی شکل کیا ہوگی، اور کس پر صرف کیا جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس شخص کا دور نزدیک کوئی وارث نہیں تو موجودہ حالت میں اس کے ترکہ کو مدرسہ و مسجد میں صرف کیا جائے: کذا في الدر المختار: ۵/۷۴۹۔

"تب يوضع في بيت المال لا إرثاً بل فيئاً للمسلمين"(۱)۔ كذا في الشامي: ۲/۸۹:

"ورابعها الضوائع مثل ما لا يكون له أناس وارثون". "(قوله: ورابعها) فمصرفه جهات، الخ. موافق مما نقله ابن الضياء في شرح الغزنوية عن البزدوي من أنه يصرف إلى المرضى والزمنى واللقيط وعمارة القناطر والرباطات والثغور والمساجد وما أشبه ذلك" (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= حشيشاً أو آجراً أو جصاً لفرش المسجد أو حصى، قالوا: إن وسع الواقف ذلك للقيم وقال: تفعل ماترى من مصلحة المسجد، كان له أن يشتري للمسجد ماشاء". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الثاني: ۲/۴۶۰، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/۲۹۷، رشيديه)

"لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة أو ولاية عليه، وإن فعل، كان ضامناً". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، مكتبه حنفيه كوئته)

(۱) (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الفرائض: ۶/۷۶۹، سعيد)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب العشر، مطلب في بيان بيوت المال ومصارفها: ۲/۳۳۸، سعيد)

رجب کے کونڈے کی قیمت مسجد میں

سوال [۶۲۲۹]: رجب کے کونڈے جس میں پوریاں، شیرینی، کھیر وغیرہ بھرتے ہیں، ان کو متبرک ہوجانے کے خیال سے گھروں میں استعمال نہیں کرتے، اور مسجدوں میں لے جاتے ہیں۔ کیا ان کونڈوں کو فروخت کر کے ان کی قیمت مسجد کے کسی کام میں صرف کر سکتے ہیں، جیسے مرمت، صفائی، تیل، فرش وغیرہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان کونڈوں کی اصل شرعاً کچھ نہیں (۱)، اگر بہ نیت ثواب دیں تو حسب نیت معطی ان کا استعمال مسجد میں درست ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۷/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/ شعبان/۶۱ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ شعبان/۶۱ھ۔

---

(۱) "كان ابن عمر رضي الله تعالى عنهما إذا رأى الناس وما يعدّون لرجب، كره ذلك". (مصنف ابن أبي شيبة: ۲/.. ، مكتبة الدار السلفية بمبئي)

(۲) "المسجد له مستغلات وأوقاف أراد المتولي أن يشتري من غلة الوقف للمسجد دهناً أو حصيراً أو حشيشاً أو آجراً أو جصاً لفرش المسجد أو حصى، قالوا: إن وسع الواقف ذلك للقيم وقال: تفعل ما ترى من مصلحة المسجد، كان له أن يشتري للمسجد ما شاء". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الثاني في الوقف على المسجد، الخ: ۲/۴۶۲، رشيديه)

(وفتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۲۹۶، رشيديه)

"رجل بسط من ماله حصيراً في المسجد، فخرب المسجد ووقع الاستغناء عنه، فإن ذلك يكون له ... وإن بلي ذلك، كان له أن يبيع ويشتري بثمنها حصيراً آخر، وكذا لو اشترى حشيشاً أو قنديلاً للمسجد، فوقع الاستغناء عنه، كان ذلك له إن كان حياً ... وعند أبي يوسف رحمه الله تعالى يباع ويصرف ثمنه إلى حوائج المسجد، الخ". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۲۹۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۵/۲۲۳، رشيديه)

خواہ وہ مسلم کی زمین میں ہو یا غیر مسلم کی (۱) بلکہ غیر مسلم کی زمین میں بغیر اجازت تصرف کرنا اور بھی زیادہ گناہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

جائیداد مغصوبہ میں مسجد بنانا

سوال[۶۳۳۱]: ایک فقیر کی میراث میں ایک جائیداد کسی دوسرے نے جبرًا لی، اب وہ جائیداد جس نے جبرًا لی ہے اس کے بیٹے کو دوسری اپنی قوم یا رشتہ دار کو یا مسجد میں دے سکتا ہے یا نہیں، یا خود استعمال کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اب وہ جائیداد جبرًا لی گئی ہے تو اس کو اصل مالک کو واپس کرنا ضروری ہے، بغیر مالک کی اجازت کے خود خرچ کرنا، یا کسی رشتہ دار کو دینا، یا مسجد میں صرف کرنا جائز نہیں ہے:

"لا یجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعی". عالمگیریہ: ۲/۱۶۷(۲)۔

فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ ذی قعدہ/۵۵ھ۔

---

(۱) "(قوله: لو بماله الحلال) قال تاج الشریعۃ: أما لو أنفق في ذلک مالاً خبیثاً ومالاً سببه الخبیث والطیب، فیکرہ؛ لأن اللہ تعالیٰ لا یقبل إلا الطیب، فیکرہ تلویث بیته بما لا یقبله اھ. شرنبلالیة". (رد المحتار، کتاب الصلاۃ، مطلب: کلمة "لابأس" دلیل علی أن المستحب غیرہ، الخ: ۱/۶۵۸، سعید)

(۲) (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب السابع في حد القذف، فصل في التعزیر: ۲/۱۶۷، رشیدیه)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الحدود، باب حد القذف: ۵/۶۸، رشیدیه)

(وکذا في النهر الفائق، کتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزیر: ۳/۱۵۱، مکتبه إمدادیه ملتان)

دوسرے کی زمین کو مسجد بنالینا

سوال[۷۳۴۰]: زید نے ایک زمیندار شخص سے ایک زمین خریدی تھی۔ زید پاکستان چلا گیا، محکمہ کسٹوڈین (۱) جو کہ ایسے مکانات اور زمین کو سرکاری طور پر اپنے قبضہ میں کرتی ہے جس کا کوئی مالک نہ ہو۔ اس محکمہ نے جب یہ دیکھا کہ زید پاکستان چلا گیا تو اس کی زمین اپنے قبضہ میں کرکے یہ زمین گورنمنٹ کا ہوگیا۔ یہ محکمہ والے اس زمیندار کے گھر رہتے تھے جس سے زید نے یہ زمین خریدی تھی، محکمہ والوں نے یہ زمین اسی زمیندار کو دیدی یا تو قیمتاً یا رشوتاً یا اس وجہ سے کہ وہ اس کے گھر رہتے تھے، اس لئے بہرکیف مالک پھر بھی زمیندار بن گیا۔

اس کے بعد اس زمیندار سے اس زمین کو اس کے ساتھ کچھ حصہ ملا کر بکر، خالد، عمر، اکبر نے مل کر قبرستان کے لئے خریدیں۔ اس زمین کا لگان اور باقی جو زمین کے لئے ہوتی ہے انہیں کے لئے آنی شروع ہوگئی، جو دلیل ہے اس بات کی کہ زمین کے مالک قانون حکومت کے اعتبار سے بکر وغیرہ ہوگئے۔ اس کے بعد ایک بدعتی ورتیہ مولوی: امیر جمیل ورفیق کی، انہوں نے بغیر اس مذکورہ مالک کی اجازت کے اس میں مسجد تعمیر کرلی۔ اور یہ کہتے ہیں کہ یہ زمین بکر، خالد وغیرہ کی نہیں بلکہ یا تو زید کی ہے جو پاکستان چلا گیا، یا کسٹوڈین والوں کی ہے جنھوں نے زید کے پاکستان جانے کے بعد اس پر قبضہ کرلیا۔

اب مقصد سوال یہ ہے کہ بکر، خالد کی زمین کا شرعی طور پر ملک ہوا تھا یا نہیں؟ اگر ہوا تھا تو ظاہر ہے کہ یہ مسجد ان کی بغیر اجازت کے بنی ہے تو بکر زمین ہذا کا مالک بنا ہے یا نہیں؟ نیز اس زمین میں مسجد تعمیر کرنا جائز ہوا یا نہیں؟ پھر اس میں نماز پڑھنا جائز ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن لوگوں نے مسجد بنائی وہ تو کسی جہت سے بھی مالک نہیں، انہوں نے گویا زمین غصب کرکے اس پر مسجد بنائی ہے، وہاں نماز پڑھنا مکروہ ہے(۲)۔ بکر، خالد، عمر نے جب وہ زمین خرید لی تو ضابطہ میں وہ مالک

---

(۱) "کسٹوڈین: [illegible] نگران، رکھوالا"۔ (فیروز اللغات، ص: [illegible]، فیروز سنز، لاہور)

(۲) "وكذا تكره في أماكن، كفوق كعبة [illegible] وأرض مغصوبة أو للغير لو مزروعة أو مكروبة".

[illegible] "وفي الواقعات: بنى مسجداً في سور المدينة، لا ينبغي أن يصلي فيه؛ لأنه حق العامة، -

ہوگئے۔ زید کے پاکستان چلے جانے سے جب محکمہ گورنمنٹ نے اس پر مالکانہ قبضہ کرلیا تھا تو زید کی ملک ختم ہوگئی تھی۔ مسجد بنانے کے لئے زید کی اجازت کی تو ضرورت نہیں تھی، کیونکہ وہ مالک ہی نہیں رہا تھا، البتہ مالک کا وقف کرنا اور مالک سے اجازت لینا ضروری تھا۔ اب اگر مالک خود اجازت دیدے اور اس کو مسجد قرار دیدے تو شرعی مسجد بن جائے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۲/۹۰ھ۔

دوسرے کا مکان مسجد کو دینے سے وہ مسجد کا نہیں ہوجاتا

سوال [۱۲۲۷]: میرے ایک عزیز کا مکان تھا جو پاکستان چلے گئے تھے، میں اس کی دیکھ بھال کرتا تھا، بعد کو میں نے اس کو مسجد کو دیدیا، مکان بالکل خالی اور گرا ہوا ہے۔ اب مجھے اس کی ضرورت ہے، میں اس میں خود ہی رہنا چاہتا ہوں، مسجد والوں کو صرف زبانی ہی کہہ دیا تھا کہ میرے پاس کافی جگہ ہے، تم ہی اس کو مسجد میں رکھ لینا، لکھا پڑھی کچھ نہیں تھی۔ اب جب کہ مجھے اس کی ضرورت ہے، میں نے ان سے کہا تو وہ منع کرتے ہیں، میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ مسجد کو کچھ پیسے دیدوں، مگر وہ نہیں مانتے۔ اب آپ تحریر کریں کہ وہ میرا حق ہے یا نہیں؟

الجواب: وہ مکان جو پاکستان میں موجود ہے اس نے مجھ کو یہ اختیار نہیں دیا تھا کہ تم اس کو فروخت کردو یا مسجد میں دیدو، اصل مالک تو وہی ہے، اور یہ کام میری غلطی یا نادانی سے ہوا۔

= فلو يخلص فيه تعالى كالمصلي في أرض مغصوبة ... فالصلاة فيها مكروهة تحريماً في قول، وغير صحيحة له في قول آخر". (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب في الصلاة في الأرض المغصوبة: ۱/۳۸۱، سعيد)

(۱) "أما لو وقف ضيعة غيره على جهات، فبلغ الغير فأجازه، جاز بشرط الحكم والتسليم". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۲، رشيدية)

"ولو أجاز المالك وقف فضولي، جاز". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: قد يثبت الوقف بالضرورة: ۴/۳۴۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه وركنه وسببه، الخ: ۲/۳۵۲، رشيدية)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ آپ اس مکان کے مالک نہیں، بلکہ اس کی دیکھ بھال کے فقط ذمہ دار ہیں تو آپ کو یہ بھی حق نہیں کہ اس کو مسجد میں دیدیں، یا کسی کے ہاتھ فروخت کردیں(۱)۔ اپنے ذاتی پیسہ سے مسجد کی جس قدر خدمت واعانت کریں سب موجبِ اجر وثواب ہے(۲)، البتہ مالک مکان کی اجازت کے تحت آپ کو استعمال کرنے کا صرف حق ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۳/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۳/۹۲ھ۔

کرایہ کا مکان مالک نے مسجد کو وقف کردیا

سوال[۷۳۴۲]: ایک مکان زین الدین صاحب کا ہے، اس میں برکت علی ۱۹۲۲ء سے رہتے تھے، وہ برابر مالک مکان کو کرایہ دیتے رہے، ان کے بعد ان کے لڑکے اور پوتے رہے، لیکن ان لوگوں نے کرایہ نہیں دیا، انہوں نے مکان کی مرمت بھی کرائی، اور کچھ چنائی بھی کرائی۔ اب زین الدین کے پوتوں نے اس کی رجسٹری مسجد کے نام کردی ہے۔ یہ فیصلہ کس کے حق میں صحیح ہے؟

---

(۱) "لا یجوز لأحد أن یتصرف في ملک غیرہ بلا إذنه أو وکالة منه أو ولایة علیه، وإن فعل کان ضامناً". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ۱/۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وکذا في الأشباہ والنظائر، کتاب الغصب، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۳۳۳، (رقم القاعدة: ۱۲)، إدارة القرآن کراچي)

(وکذا في الدر المختار، کتاب الغصب، ۶/۲۰۰، سعید)

(۲) "رجل أعطی درهماً في عمارة المسجد أو نفقة المسجد أو مصالح المسجد، صح". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما یتعلق به، الفصل الثاني: ۲/۴۶۰، رشیدیه)

(۳) "ولو قال: جعلت لک سکنی داري هذه شهراً، أو قال: داري لک سکنی، أو قال: عمري لک سکنی، کانت عاریة، هکذا في الظهیریة". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب العاریة، الباب الثاني في الألفاظ التي تنعقد بها العاریة، الخ: ۴/۳۶۴، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ مکان زین العابدین کی ملکیت میں تھا، برکت علی ان میں کرایہ پر رہتے تھے، پھر آئندہ چل کر برکت علی کی اولاد نے کرایہ نہیں دیا اور اولاد کی اولاد نے بھی کرایہ نہیں دیا اور زین العابدین کی اولاد نے خود وہ مکان برکت علی کی اولاد کو ہبہ کیا نہ فروخت کیا، اب زین العابدین کے بعد جو وارث رہے انہوں نے یا ان کے بعد جو وارث شرعی رہے انہوں نے یہ مکان مسجد کو دے دیا ہو یا وقف کیا ہو، یا بیچ دیا ہو تو وہ مسجد کا ہو گیا(۱)۔ برکت علی کے پوتے کو چاہیے کہ وہ مسجد کے حق میں اس کو خالی کر دیں، یا اگر مسجد کے متولی و ذمہ دار حضرات کرایہ پر دینا مناسب سمجھیں تو کرایہ کا معاملہ کر لیں(۲)، بلا وجہ غاصبانہ قبضہ کرنا گناہ ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

سرکاری زمین پر مسجد بنانا

سوال[۶۴۴۳]: عرصہ دراز سے ایک سرکاری زمین پر ایک خاندان قابض ہے مگر سالانہ کرایہ سرکار کو ادا کرتے رہے۔ کچھ عرصہ پہلے اس خاندان نے اس زمین کا کچھ حصہ برائے مکتب اور مسجد وقف کر دیا،

---

(۱) "وفي الحاوي القدسي: وعن محمد بن الحسن عن أبي حنيفة رحمهما الله تعالى: لو جعل أرضه وقفاً على المسجد، جاز، ولم يكن له أن يرجع". (التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۵/۸۵۳، إدارة القرآن كراچي)

"وإن كانت الأرض وقفاً على عمارة المساجد أو على مرمة المقابر، جاز، كذا في فتاوى قاضيخان". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد: ۲/۴۶۳، رشيدية)

(۲) "وإذا علم حرمة إيجار الوقف بأقل من أجر المثل، علم حرمة إعارته بالأولى، ويجب أجر المثل، كما قلناه". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۹۹، رشيدية)

"ولا تجوز إجارة الوقف إلا بأجر المثل، كذا في محيط السرخسي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس: ۲/۴۱۹، رشيدية)

(۳) "عن سالم عن أبيه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من أخذ من الأرض شيئاً بغير حقه خسف به يوم القيامة إلى سبع أرضين". رواه البخاري". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، ص: ۲۵۴، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ زمین کسی خاص شخص کی ملک نہیں، بلکہ افتادہ ملکیت سرکار ہے اور سب کی اجازت ورضامندی سے وہاں اذان وجماعت ہورہی ہے اور سرکار نے اس کو مسجد تسلیم کرلیا ہے تو اس زمین کو غصب کہنا درست نہیں۔ جو شخص اس کے مسجد ہونے میں رکاوٹ ڈالتا ہے وہ غلطی پر ہے، اس کو ایسا نہیں کرنا چاہئے، مسلمان وہاں باقاعدہ مسجد بنالیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۳/۹۵ھ۔

سرکاری زمین میں مسجد بنانا

سوال [۴۲۲۵]: ہمارا مکان لب سڑک ہے، اس کے سامنے ہمارا صحن ہے جو کہ گورنمنٹ کی زمین کہی جاتی ہے اور شاہ دری کی وجہ سے گورنمنٹ کی زمین کہی جاتی ہے، اس زمین پر ہم نے مسجد کی بنیاد ڈالدی ہے جو ابھی چبوترہ کی شکل میں ہے، جس پر پنج وقتہ نماز باجماعت ہورہی ہے۔ تو اس زمین کو مسجد بنانا کیسا ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ وہ زمین گورنمنٹ کی ملک ہے اور آبادی کی حدود میں ہے تو مسجد بنانے کے لئے گورنمنٹ سے

---

(۱) "حتى أنه إذا بنى مسجداً وأذن للناس بالصلاة فيه، فصلى فيه جماعة، فإنه يصير مسجداً". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵/۸۴۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً الخ: ۳/۲۹۰، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۶/۲۳۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"رجل له ساحة لا بناء فيها، أمر قومه أن يصلوا فيها بجماعة ... أما إن أمرهم بالصلاة فيها أبداً نصاً بأن قال: صلوا فيها أبداً، أو أمرهم بالصلاة مطلقاً ونوى الأبد، ففي هذين الوجهين صارت الساحة مسجداً، لو مات لا يورث عنه". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول: ۲/۴۵۵، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً الخ: ۳/۲۹۰، رشيديه)

باقاعدہ اجازت حاصل کرلی جائے، بلا اجازت مسجد بنانے میں خطرہ وتردد ہے شرعاً بھی قانوناً بھی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۷/۱/۹۸ھ۔

ایضاً

سوال[۶۳۳۰]: ہماری بستی کی آبادی تقریباً ۲۰ ہزار ہے جس میں اکثر مسلمان ہیں، بستی میں وضو طہارت کی سہولتیں مہیا ہیں، عبادت گاہ کے اطراف میں ۹ گھروں کی آبادی ہے، پنجگانہ نماز میں ۳۰، ۴۰ نمازی ہوتے ہیں، دور سے عبادت گاہ کا حلیہ مسجد کی طرح نظر آتا ہے، لیکن چونکہ یہ عبادت گاہ سرکاری زمین پر بلا اجازت حکومت بنائی گئی ہے اس لئے حکومت جب چاہے نابود کرسکتی ہے، تو ان حالات میں:

۱… یہ عبادت گاہ مسجد ہوئی یا نہیں؟

۲… نمازی کو مسجد کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

۳… بستی میں دیگر دو مساجد ہیں جن میں نماز جمعہ ادا کی جاتی ہے، تو کیا اس عبادت گاہ میں نماز جمعہ ادا کرسکتے ہیں یا نہیں؟

۴… بارش کے ایام میں دیگر دونوں مساجد میں عید کی نماز ہوتی ہے، تو کیا اس عبادت گاہ میں بھی

---

(۱) "قلت: وهو كذلك، فإن شرط الوقف التأبيد، والأرض إذا كانت ملكاً لغيره، فللمالك استردادها، وأمره بنقض البناء، وكذا لو كانت ملكاً له، فإن لورثته بعده ذلك، فلا يكون الوقف مؤبداً". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: مناظرة ابن الشحنة مع شيخه العلامة قاسم في وقف البناء: ۴/۳۹۰، سعيد)

"أما إن وقت الأمر باليوم أو الشهر أو السنة، ثم مات، يكون ميراثاً عنه، لأنه لابد من التأبيد، والتوقيت ينافي التأبيد". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً الخ: ۳/۲۹۰، ۲۹۱، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد الخ: ۲/۴۵۵، رشيدية)

نمازِ عید ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۲،۱... جماعت موجودہ اس عبادت گاہ کا احترام مسجد ہی کی طرح کیا جائے گا اور اس میں کوئی کام خلافِ احترامِ مسجد نہ کیا جائے، ان شاء اللہ تعالیٰ وہاں نماز پڑھنے کا ثواب بھی مسجد ہی کا ملے گا (۱)۔

۳... اس عبادت گاہ میں نمازِ جمعہ بھی ادا کر سکتے ہیں، جس طرح پنجگانہ نمازیں پڑھتے ہی ہیں۔

۴... یہاں بھی نمازِ عید ادا کر سکتے ہیں۔ فقط اللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، مسجد چھتہ دار العلوم دیوبند، ۱۲/ذی قعدہ/۱۴۰۲ھ۔

ریاست کی حاصل کردہ زمین پر مسجد بنانا

سوال [۷۳۳۶]: ایک زمین کا مالگذاری ریاست کو دیا جاتا ہے جس سے واضح ہے کہ ریاست زمین کی مالک ہے۔ اس حالت میں اس زمین کو وقف فی اللہ کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ریاست سے وہ زمین مالگذاری پر حاصل کی ہے، اگر اس کو مالکانہ تصرفات کے حق کے ساتھ ملی ہے اگرچہ لگان بھی ادا کرتا ہے اور اس کو تملیک کا حق دے دیا ہے تو اس کا وقف کرنا شرعاً درست ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۹/۶/۸۹ھ۔

---

(۱) "(وقوله: لا مصلی عید) وجنازة فليس لهما حکم المسجد في ذلك، وإن کان لهما حکمه في صحة الاقتداء وإن لم تتصل الصفوف، ومثلهما فناء المسجد". (رد المحتار، کتاب الطهارة، مطلب: يوم عرفة أفضل من يوم الجمعة: ۱/۱۵۷، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الطهارة، باب الحيض: ۱/۳۳۸، رشیدیہ)

(۲) "أفاد أن الواقف لا بد أن يكون مالكه وقت الوقف ملكاً باتاً ولو بسبب فاسد، وأن لا يكون محجوراً عن التصرف، حتى لو وقف الغاصب المغصوب لم يصح، وإن ملكه بعد بشراء أو صلح". (رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب: قد يثبت الوقف بالضرورة: ۴/۳۴۰، ۳۴۱، سعید)

افتادہ زمین پر مسجد کے لئے مکانات ودوکانیں بنانا

سوال[۴۳۴۸]: مسجد سے متصل ایک افتادہ زمین پڑی تھی جس میں ملبہ بہت تھا، جب ملبہ صاف کیا گیا تو مکان کی دیواریں نکل آئیں، ۸۰/ سالہ افراد سے معلوم کیا مگر جواب ملا کہ ہماری پیدائش سے یہی حالت تھی۔ اب اس افتادہ زمین پر مسجد کے لئے مکانات یا دوکانیں بنوانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ زمین مسجد کی ملک ہے جیسے کہ سائل سے زبانی معلوم ہوا تو وہاں مسجد کے مصالح کے لئے مکان یا دوکان اہل الرائے کے مشورہ سے بنانا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۳/۸۹ھ۔

مسجد کے قریب غیر مملوکہ زمین میں مصالح مسجد کے لئے دوکان وغیرہ بنانا

سوال[۴۳۴۹]: مسجد قمران سینکڑوں سال پرانی ہے، ایک کنواں جو مسجد سے متصل ہے مسجد کا کنواں کہلاتا ہے، مگر وہ مسجد سے باہر تھا، بعد میں کسی صاحب خیر نے مسجد کے لئے مسجد میں کنواں بنوا دیا اور مسجد سے باہر والا کنواں ویران ہو گیا، پھر محلہ کی ۹۰/ فیصد رائے سے کنویں کو پاٹ کر کے مسجد کے پیشاب گھر اور

---

(۱) "من شرائطه الملك وقت الوقف، حتى لو غصب أرضاً فوقفها ثم ملكها، لا يكون وقفاً".

(مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۶۷/۲، ۵۶۸، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۱۴/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۳۵۳/۲، رشيديه)

(۱) "ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استئجار بيوتها، وتكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً فيؤاجرها". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف، الخ: ۴۱۳/۲، رشيديه)

(الفتاوى لقاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً، الخ: ۳۰۰/۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الأول في المتولي: ۲۳۱/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

دوکانیں تعمیر کی گئیں (۱) اب یہ تعمیر مسجد کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ سرکاری ریکارڈ میں یہ جگہ کسی کی ملکیت نہیں ہے، صرف چبوترہ لکھا ہے۔

عبدالغنی، پٹھان پورہ، دیوبند۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کے قریب یہ جگہ بحالت مصالح مسجد کے لئے خالی چھوڑی ہوئی تھی، جیسا کہ حال اس جگہ کا معلوم ہوتا ہے، خاص کر جب کہ کوئی اس کی ملکیت کا مدعی بھی نہیں تو ایسی حالت میں اس جگہ مصالح مسجد کے لئے متعلق رہنے سے دوکانیں وغیرہ بنوانا شرعاً درست ہوا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۱/۹۲ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۱/۹۲ھ۔

☆ ☆......☆......☆......☆

---

(۱) "پاٹ دینا: بھر دینا، برابر کر دینا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۴۲، فیروز سنز لاہور)

(۲) "ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استئجار بيوتها، وتكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً فيؤاجرها؛ لأن الاستغلال بهذا الوجه يكون أنفع للفقراء". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً الخ: ۳/۳۰۰، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في ولاية الوقف الخ: ۲/۴۱۲، رشيدية)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الأول في المتولي: ۶/۲۲۴، مكتبة مصطفى البابي الحلبي مصر)

باب آداب المسجد

الفصل الأول فيما يستحب في المسجد ومايكره

(مسجد میں مستحب اور مکروہ کاموں کا بیان)

آدابِ مسجد

سوال[۷۲۵۰]: عنداللہ وعندالرسول مسلمانوں نے لئے مسجد کا احترام اور اس کے آداب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے یا نہیں؟

خادم العلماء محمد علی نائب خطیب مسجد شاہی لاہور۔

منجانب انجمن اسلامیہ لاہور پنجاب۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ضروری ہے:

"اعلم أن مبنى الشرائع على تعظيم شرائع الله تعالى والتقرب بها إليه تعالى۔ ۔۔۔۔۔ ومعظم شرائع الله تعالى أربعة: القرآن والكعبة والنبي والصلوة ۔۔۔۔۔۔ وأما الكعبة فكان الناس في زمن إبراهيم عليه السلام توغلوا في بناء المعابد والكنائس باسم روحانية الشمس وغيرها من الكواكب، و صار عندهم التوجه إلى المجرد غير المحسوس بدون هيكل يبنى باسمه، يكون الحلول فيه والتلبس به تقريباً منه أمراً محالاً، تمنعه عقولهم بادى الرأي، فاستوجب أهل ذلك الزمان أن تظهر رحمة الله بهم في صورة بيت يطوفون به ويتقربون به إلى الله، فدعوا إلى البيت وتعظيمه، ثم جاء قرن بعد قرن على علم أن تعظيمه مساوق لتعظيم الله، والتفريط في حقه مساوق للتفريط في حق الله، فعند ذلك وجب

جنحه، وأمروا بتعظيمه". حجة الله البالغة، ص: ٦٦(١)-

"فضل بناء المسجد، وملازمته، وانتظار الصلوة فيه ترجع إلى أنه من شعائر الله، وهو قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا رأيتم مسجداً أو سمعتم مؤذناً، فلا تقتلوا أحداً". وأنه محل الصلوة، ومعتكف العابدين، ومطرح الرحمة، و شبه الكعبة من وجه، وهو قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من خرج من بيته متطهراً إلى صلوة مكتوبة، فأجره كأجر الحاج المحرم، و من خرج إلى تسبيح الضحى لا ينصبه إلا إياه، فأجره كأجر المعتمر". وقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا مررتم برياض الجنة، فارتعوا". قيل: وما رياض الجنة؟ قال: "المساجد"

...... وآداب المسجد ترجع إلى معان: منها: تعظيم المسجد......... ومنها: تنظيفه مما يستقذر و يتنفر منه، ومنها: الاحتراز عن تشويش العباد و هيشات الأسواق، الخ". حجة الله البالغة مختصراً، ص: ١٩٧، ١٩٨(٢)- فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۳/صفر/۵۶ھ۔

دخولِ مسجد کی دعاء کہاں پڑھی جائے؟

سوال[۷۳۵۱]: ایک شاہی مسجد ہے، اس کا بیرونی احاطہ بہت وسیع ہونے کی وجہ سے اصل مسجد کے حدود سے علیحدہ ہیں۔ ایسی صورت میں مسجد میں داخل ہونے کی دعاء کون سے دروازے سے داخل ہوتے وقت پڑھی جائے جب کہ بیرونی یعنی احاطے کے دروازے سے داخل ہونے کے وقت یا اندرونی دروازے سے داخل ہوتے وقت جہاں کہ نماز پڑھی جاتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جگہ نماز کے لئے متعین اور وقف ہے کہ وہاں ناپاکی کی حالت میں جانا جائز نہیں (۳)، خواہ مسقف

---

(۱) (حجة الله البالغة، باب تعظيم شعائر الله: ۱/۲۰۶، ۲۰۸، قديمي)

(۲) (حجة الله البالغة، المساجد من شعائر الله: ۱/۵۳۳-۵۳۵، قديمي)

(۳) "ومنها أنه يحرم عليهما وعلى الجنب الدخول إلى المسجد، سواء كان للجلوس أو العبور:

ہو یا غیر مسقف ہو وہاں پیر رکھتے وقت دعا پڑھی جائے(۱)، جو جگہ مسجد کے مسقف، یا غیر مسقف حصہ سے متصل ہے اور وہ نماز کے لئے متعین نہیں اور ناپاکی کی حالت میں وہاں جانا منع نہیں، وہ شرعی مسجد نہیں اگرچہ احاطہ میں داخل ہو(۲)، وہاں داخل ہوتے وقت دعا نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۳/۹۶ھ۔

جوتا پہن کر مسجد میں جانا، جوتے میں نماز پڑھنا

سوال[۷۵۰۱]: جوتے پہن کر نماز پڑھنے کا حکم ہے یا نہیں، اگر نہیں تو وہ لوگ کس امام کی پیروی کرتے ہیں جو جوتے پہن کر نماز پڑھتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جوتے پہن کر نماز پڑھنا حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی منقول ہے(۳)، اب ہماری مساجد کی وہ حالت نہیں جو اس زمانہ میں تھی، اب فقہاء نے لکھا ہے کہ جوتا پہن کر

= (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس، الخ: ۳۸/۱، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الطهارة، فروع، ص: ۶۰، ۶۱، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(۱) "عن جدتها فاطمة الكبرى رضي الله تعالى عنها قالت: كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم إذا دخل المسجد صلى على محمد وسلم، وقال: "رب اغفر لي ذنوبي وافتح لي أبواب رحمتك، الخ"

(جامع الترمذي، أبواب الصلوة، باب مايقول عند دخوله المسجد: ۱/۷۱، سعيد)

(۲) "رفناء المسجد ليس له حكم المسجد، حتى لو اقتدى بالإمام منه، يصح ..... دون حرمة مرور الجنب ونحوه". (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۳، سهيل اكيڈمي، لاهور)

وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، فصل: كره غلق باب المسجد: ۱/۱۰۹، رشيديه)

(۳) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه قال: بينما رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يصلي بأصحابه إذ خلع نعليه، فوضعهما عن يساره، فلما رأى القوم ذلك، ألقوا نعالهم، فلما قضى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم صلاته قال: "ما حملكم على إلقائكم نعالكم؟" قالوا: رأيناك ألقيت نعليك فألقينا نعالنا، الخ". (سنن أبي داؤد: ۱/۱۰۲، كتاب الصلاة، باب الصلوة في النعل، مكتبه إمداديه ملتان) =

مسجد میں جانا مکروہ ہے، کذا فی عالمگیری(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کے متصل فرش پر جوتہ پہن کر جانا

سوال[۷۲۵۳]: ایک جامع مسجد جس کا نقشہ درج ذیل ہے:
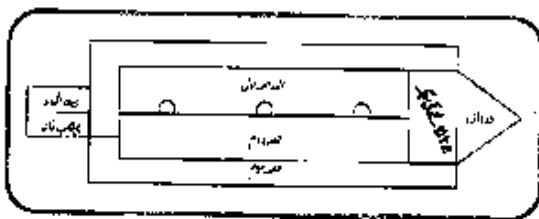
یہ مسجد ڈیڑھ سو برس سے زیادہ کی ہے جب کہ موضع میں اتنی آبادی نہ تھی جتنی اب ہے۔ یہ سرخ نقطہ والی جگہ یہ کسی زمانہ میں پختہ تھی مگر ٹوٹ گئی تھی، اس پر عیدین کی صفیں آتی تھیں۔ چونکہ اس میں گڑھے تھے اور

= "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله تعالى عنه قال: رأيت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يصلي حافياً ومتنعلاً". (سنن أبي داؤد، المصدر السابق: ۱/۱۰۳)

"عن النعمان بن سالم عن ابن أبي أوس قال: كان جدي أوس أحياناً يصلي، فيشير إليّ وهو في الصلوة، فأعطيه نعليه، ويقول: رأيت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يصلي في نعليه". (سنن ابن ماجة، كتاب الصلاة، أبواب إقامة الصلوات والسنة فيها، باب الصلوة في النعال، ص: ۷۲، قديمي)

(۱) "ودخول المسجد متنعلاً مكروه، كذا في السراجية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد... الخ: ۵/۳۲۱، رشيديه)

"من أن دخول المسجد متنعلاً من سوء الأدب". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في أحكام المسجد: ۱/۶۵۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۲/۶۰، رشيديه)

بیرونی حصہ پر لوگ وضو کرتے تھے جس کی وجہ سے تھوک وغیرہ اس پر رہتا تھا۔ کئی سال کا عرصہ ہوا ایک آدمی نے اس جگہ کی یہ حالت دیکھ کر اس کو پھر پختہ کردیا اور توسیع کردی جس پر عیدین کی بھی صفیں آجاتی ہیں اور گرمیوں میں اکثر لوگ سنتیں پڑھتے ہیں اور وضو خانے سے وضو کرکے ننگے پیر اندرون مسجد تک چلے جاتے ہیں۔ اس آبادی میں صرف دو شخص ایسے تھے جو صدا نقشہ والی مسجد پر جوتے پہن کر جاتے ہیں۔

لہٰذا ایسی صورت میں کہ یہ نقشہ والے فرش پر عیدین کی صفیں آتی ہیں لوگ وضو کرکے ننگے پیر اندر مسجد میں جاتے ہیں، نیز جوتے پہن کر چلنے سے پھر نوٹ کر حالت سابقہ پر آجائے گی۔ اس پر جوتے پہن کر جانا جائز ہے یا نہیں؟ ایسے ہی کنویں کی جگہ پر اور جہاں پر وضو کا لوٹا رکھا رہتا ہے، عام مسلمان جب وضو کے لئے جاتے ہیں تو دروازہ پر جوتا اتارتے ہیں، اور اگر کسی شخص کو استنجے کے لئے جانا ہو تو ننگے پیر پشت مسجد سے گھوم کر آتا ہے، یا جوتے ہاتھ میں لے کر پیشاب خانے کے دروازہ تک جاتا ہے اور وہاں سے جوتے پہن کر پیشاب خانے میں جاتا ہے۔

نیز یہ بھی بتلایئے اس طرح جوتے پہن کر جانے سے توہین مسجد لازم آتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا عند اللہ العظیم۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سوال کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سرخ نقطوں والا حصہ مسجد کا جز نہیں، لہٰذا اس کے اوپر مسجد کے احکام جاری نہیں ہوں گے(۱) کہ جس طرح جوتے پہن کر مسجد میں جانا ممنوع ہے اسی طرح اس حصہ میں بھی ممنوع ہو اور منع اس سے مسجد کی توہین ہوگی۔ لیکن جب کہ یہ حصہ مسجد کے ساتھ بالکل متصل ہے اور نمازی اس جگہ سنتیں

---

(۱) "لا یکره ما ذکر من بیت فیه ..... أو فوقه في ذلک البیت مسجد، وهو مکان في البیت أعد للصلاة، فإنه لم یأخذ حکم المسجد". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها، فصل: کره استقبال القبلة: ۲/۶۳، رشیدیه)

"وفناء المسجد لیس له حکم المسجد، حتی لو اقتدی بالإمام منه، یصح ..... دون حرمة مرور الجنب ونحوه". (الحلبي الکبیر، فصل في أحکام المسجد، ص: ۶۱۴، سهیل اکیڈمي لاهور)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، فصل: کره غلق باب المسجد: ۱/۱۰۹، رشیدیه)

بھی پڑھتے ہیں تو اس جگہ جوتہ پہن کر نہیں جانا چاہئے، بلکہ اس جگہ کو بھی پاک صاف رکھنا چاہئے، جیسے کہ کوئی شخص اپنے مکان میں نماز کے لئے کوئی جگہ یا چبوترہ مخصوص کرلے اس کو بھی پاک صاف رکھتا ہے، حالانکہ وہ جگہ اور چبوترہ وہ بھی مسجد نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/محرم/۵۹ھ۔

مسجد کے خام صحن میں جوتا پہن کر جانا

سوال [۷۵۳۴]: ہمارے علاقہ کا عام رواج یہ ہے کہ جب مسجد کی تعمیر ہوتی ہے تو اگرچہ مسجد کے حدود: دالان اور صحن وغیرہ مقرر ہوجاتے ہیں، حواشی اور بعد کی چاروں دیواریں بشکل احاطہ بنادی جاتی ہیں یا نہیں بنائی جاتی ہیں، بہرحال جب تک صحن کی زمین خام غیر مفروش رہتی ہے، اس زمین صحن میں جوتے پہن کر چلنا پھرنا عرف عام میں بے ادبی نہیں سمجھا جاتا۔ اسی عرف پر مسجد مدرسہ ہذا کے صحن میں عمل درآمد تھا۔

بتقریب جلسہ سالانہ علماء کا ورود مدرسہ میں ہوا تو ایک جید عالم عارف باللہ بزرگ نے فرمایا:

"ایسا ہرگز نہ چاہیے، بے ادبی اور ناجائز ہے، جہاں تک صحن بنانا بانی کی نیت میں ہے کسی حصہ میں جوتا پہن کر داخل نہیں ہونا چاہیے"۔

اور ایک مقامی عالم کا خیال ہے کہ:

"صحن بایں معنی یقیناً مسجد ہے کہ حائضہ نفساء کا داخلہ ممنوع ہے، معتکف کا صحن میں آنا جائز ہے، خواہ فرش پختہ ہو یا خام، مگر جوتے پہن کر داخلہ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر فرش پختہ ہے تو بے ادبی ہونے کے سبب ناجائز ہے، اہل عرف اس کو بے ادبی سمجھتے ہیں اور ادب کا مدار عرف پر ہے اور کوئی نص اس کے معارض نہیں، بلکہ "ما رآه المسلمون حسناً

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: "أمر رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم أن تتخذ المساجد في الدور، وأن تطهر وتطيب" (سنن ابن ماجة، أبواب المساجد والجماعات، باب تطهير المساجد وتطييبها، ص: ۵۵، قديمي)

فرمائی جائے۔ ہر قول مدلل مع حوالہ کتب ہو۔ جزاکم اللہ خیراً۔

اشتیاق احمد صاحب نائب ناظم مدرسہ عربیہ بیت العلوم سرائے میر اعظم گڑھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض وقف کی نیت کرنے اور کسی دالان کی جگہ متعین کرلینے سے مسجد کے احکام جاری نہیں ہوجاتے، کیونکہ صرف اتنی بات سے مسجدیت تامہ نہیں ہوتی، بلکہ جب مسجد میں اذان وجماعت ہونے لگے تب مسجدیت تام ہوکر اس پر پورے احکام جاری ہوتے ہیں(۱)۔ پس دوران تعمیر جب وہاں مسجد کا ملبہ، اینٹ، گارہ وغیرہ پڑا ہو، تعمیر ہورہی ہو، معمار مزدور آجارہے ہوں تو اس کا حکم اور ہے اور جب وہاں نماز وجماعت ہونے لگی ہو اس کا حکم اور ہے۔

جتنا حصہ نماز وجماعت کے لئے متعین کردیا گیا ہے اور وہاں نماز وجماعت ہونے لگی ہے، اس پر پورے احکام مسجد کے جاری ہوں گے(۲)، وہاں جوتہ پہن کر جانا بھی احترام کے خلاف ہوگا، دور اول میں جوتا پہن کر مسجد میں داخل ہونا خلاف احترام نہیں تھا، مگر اب وہ عرف نہیں رہا: "دخول المسجد متنعلاً مکروہ، کذا فی السراجیة الخ". عالمگیری: ۳۲۱/۱(۳)۔

---

(۱) "وعندهما لا یصیر مسجداً لمجرد البناء ما لم یوجد القبض والتسلیم، وبالصلاة بجماعة یقع القبض والتسلیم، وبالصلاة بجماعة یقع القبض والتسلیم بلا خلاف، حتی أنه إذا بنی مسجداً وأذن للناس بالصلاة فیه، فصلی فیه جماعة، فإنه یصیر مسجداً". (الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الوقف، الفصل الحادی والعشرون فی المساجد: ۸۴۳/۵، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الأول: ۴۵۴/۲، رشیدیة)

(وکذا فی فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً الخ: ۲۹۰/۳، رشیدیة)

(۲) (راجع الحاشیة المتقدمة آنفاً)

(۳) (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس فی آداب المسجد الخ: ۳۲۱/۵، رشیدیة)

"وینبغی لمن أراد أن یدخل المسجد أن یتعاهد النعل والخف عن النجاسة، ثم یدخل فیه" —

عرف کو دیکھا جاتا ہے، اگر جوتے پہن کر مسجد کے خلاف احترام ہو تو اس سے پرہیز کیا جائے، مسجد مفروش ہو یا غیر مفروش، علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحریر – بحوالہ سوال – نے پختہ غیر پختہ (مفروش غیر مفروش) کا فرق بھی برنائے عرف کیا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۳/۹۰ھ۔

ٹوپ پہن کر مسجد میں جانا

سوال[۶۳۵۵]: اگر میں ٹوپ (۱) پہن کر مسجد میں بغرض ادائے نماز حاضر ہوں تو درست ہے یا نہیں؟ مطلع فرمائیں۔

آپ کا نیاز مند: شجاعت اللہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد دربارِ خداوندی ہے اور نماز عبادت ہے اور عبادت کے لئے دربار میں ایسا لباس پہن کر حاضر ہونا چاہئے کہ خداوند تعالیٰ کو پسند ہو اور وہ لباس مسنون ہے، یعنی خدا کے محبوب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لباس اور آپ کے متبعین کا لباس۔ ایسا لباس پہن کر حاضر نہیں ہونا چاہئے جس سے اللہ تعالیٰ ناخوش ہوتے ہیں، یعنی جس سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور وہ اسے یہاں وہ خدا کے نافرمانوں یعنی کفار وفساق کا لباس ہے، انگریزی ٹوپ وغیرہ بھی اسی میں داخل ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۱۱/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/ ذیقعدہ/ ۵۶ھ۔

– "احترازاً عن تلویث المسجد، وقد قیل: دخول المسجد متنعلاً من سوء الأدب" (البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب ما یفسد الصلوة وما یکرہ فیہا، فصل: کرہ استقبال القبلة: ۲/۱۱۰، رشیدیہ)

(۱) "ٹوپ: بڑی ٹوپی، انگریزی ٹوپی (ہیٹ) لوہے کی ٹوپی جو لڑائی کے وقت پہنتے ہیں (خود)" (فیروز اللغات، ص: ۳۰۱، فیروز اینڈ سنز لاہور)

(۲) "عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "من تشبہ بقوم فہو منہم"." (سنن أبی داؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشہرة: ۲/۲۰۳، مکتبہ امدادیہ ملتان)

فرشِ مسجد کے متصل کپڑے دھونا

سوال[۶۳۵۶]: مسجد میں نماز کے پڑھنے کا اندرونی حصہ اور بیرونی فرش کے علاوہ جو جگہ ہوتی ہے، مثلاً سہ دری، حجرہ وغیرہ، کیا یہ بھی مسجد کے حکم میں شامل ہے؟ اگر کوئی شخص اس جگہ کنواں، نل وغیرہ لگا ہوا ہو وضو کی جگہ کپڑے دھوئے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور مسجد میں رہنے والوں کو مثلاً طالب علم وغیرہ مسجد کے ملازمین کو اجازت ہے کہ وہاں کپڑے دھولیں، اور کوئی نمازی دیندار ہو دھو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جگہ مسجد نہیں یعنی اس پر نماز نہیں پڑھی جاتی، وہاں اس طرح کپڑے دھونا کہ دوسروں کو اذیت نہ ہو اور مسجد کے فرش پر مستعمل پانی یا اس کی چھینٹ نہ جائے درست ہے(۱) اور اس میں طلبہ وغیرہ طالب علم برابر ہیں۔ مگر جو شخص مسجد ہی میں رہتا ہے اس کو دوسری جگہ کپڑے دھونے کے لئے جانے میں دقت ہے اس لئے اس کے حق میں توسع ہے اور زیادہ توسع ہے بہ نسبت دوسرے لوگوں کے کہ وہ بسہولت دوسری جگہ جا سکتے ہیں یا اپنے گھر میں دھو سکتے ہیں، ان کے لئے کسی دوسری جگہ جانے میں مسجد کا کمرہ فنی یا کسی ہمارے کام میں خلل نہیں آتا(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۱۱/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ ذیقعدہ/ ۵۵ھ۔

---

(۱) (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب اللباس، الفصل الثانی، ص: ۳۷۵، قدیمی)

"قال القاری: أي من تشبه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره أو بالفساق أو الفجار، أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار "فهو منهم" أي في الإثم أو الخير عند الله تعالى". (بذل المجهود، باب في لبس الشهرة: ۵/ ۳۰، مكتبه معهد الخليل الإسلامي كراچي)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، رقم الحديث: ۴۳۴۷: ۸/ ۱۵۵، رشيديه)

(۲) "وفناء المسجد ليس له حكم المسجد، حتى لو اقتدى بالإمام منه يصح ... دون حرمة مرور الجنب ونحوه". (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۴، سهيل اكيڈمي لاهور)

"وما اتخذ لصلاة العيد، لا يكون مسجداً مطلقاً، وإنما يعطى له حكم المسجد في صحة الاقتداء بالإمام ... وأما فيما سوى ذلك، فليس له حكم المسجد". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/ ۲۹۱، رشيديه)

ناپاک کپڑا مسجد میں رکھنا

سوال [۷۳۵۷]: مسجد میں ناپاک کپڑا رکھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز نہیں: "وإدخال نجاسة فيه. عبارة الأشباه: وإدخال نجاسة فيه، منه التلويث، و مفاده الجواز لو جافة لكن في الفتاوى الهندية: لا يدخل المسجد من على بدنه نجاسة". شامی: ۱/۶۸۶(۱)۔ قلت: قال الطحطاوی: "وإن لم تصب المسجد، أبوالسعود". (۲)۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ نجس کپڑا مسجد میں نہ رکھے، اگر اس وقت کسی کی معرفت باہر بھیجنا یا خود رکھنا دشوار ہو تو مجبوراً مسجد میں اس طرح رکھنا کہ تلویث نہ ہو درست ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ رجب/ ۷۵ھ۔

مسجد میں تولیہ، آئینہ اور منبر پر غلاف

سوال [۷۳۵۸]: مسجد میں تولیہ رکھنا اور آئینہ رکھنا کیسا ہے؟ نیز منبر پر غلاف یعنی منبر پر کپڑا ڈالنا

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۲/۶۳، رشيدية)

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في رفع الصوت بالذكر: ۱/۶۵۹، سعيد)

"وأنت تراني أنه لا يجوز إدخال النجاسة المسجد، وهو مصرح به". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۲/۶۱، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، الخ: ۵/۳۲۱، رشيدية)

(۲) (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة: ۱/۲۷۷، دار المعرفة بيروت)

کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سب تکلفات ہیں، جو لوگ اپنے مکانات پر تکلف کے ساتھ رہتے ہیں اپنے انتظام سے مسجد میں بھی یہ چیزیں رکھتے ہیں، فی نفسہ یہ چیزیں نہ ضروری ہیں کہ مسجد کی طرف سے ان کا انتظام کیا جائے، نہ ممنوع ہیں کہ ان کو حرام کہا جائے۔ اصل تو یہ ہے کہ اپنے مکانات سے وضو کر کے آدمی مسجد جائے (۱)۔ اگر مسجد ہی میں وضو کرتا ہو تو اپنا تولیہ ساتھ لے جائے۔ وضو کے بعد تولیہ یا رومال کوئی شرعی چیز ہے نہ عرفی، اس عادت کو چھوڑ دینا بہتر ہے۔ منبر پر غلاف بھی ایک تکلف ہے، در و دیوار کو کپڑے پہنانے کی حدیث میں بھی ممانعت آئی ہے (۲)۔ ہاں! اگر گرمی سے تحفظ مقصود ہو تو مضائقہ بھی نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۷/۹۱ھ۔

مسجد کی صفائی برش سے

سوال [۷۳۵۰]: مسجد میں بجائے جھاڑو کے بالوں کا بنا ہوا برش استعمال کرنا کیسا ہے؟

بندہ، محلہ پٹھان پورہ، سہارنپور۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "صلوة الجميع تزيد على صلوته في بيته وصلوته في سوقه خمساً وعشرين درجةً، فإن أحدكم إذا توضأ فأحسن الوضوء وأتى المسجد لا يريد إلا الصلوة، لم يخط خطوةً إلا رفع الله بها درجةً وحط بها خطيئةً حتى يدخل المسجد". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الصلوة، باب الصلوة في مسجد السوق:

۱/۶۹، قديمي)

(۲) "وعن سفينة أن رجلاً ضاف علي بن أبي طالب رضي الله تعالى عنه، فصنع له طعاماً، فقالت فاطمة رضي الله تعالى عنها: لو دعونا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فأكل معنا، فدعوه، فجاء فوضع يديه على عضادتي الباب، فرأى القرام قد ضرب في ناحية البيت، فرجع. قالت فاطمة: فتبعته، فقلت: يا رسول الله! ما ردك؟ قال: "إنه ليس لي أو لنبي أن يدخل بيتاً مزوقاً". أي مزيناً منقشاً". (مشكوة المصابيح، باب الوليمة، الفصل الثاني، ص: ۲۷۸، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ خنزیر کے بالوں سے بنا ہے تو وہ ناپاک ہے اور نجاست کو مسجد میں داخل کرنا منع ہے (۱)۔ اور اگر خنزیر کے علاوہ کسی دوسرے جانور کے بالوں سے بنا ہے تو وہ ناپاک نہیں، اس کو مسجد میں داخل کرنا ناجائز نہیں، تاہم اگر کسی کو اشتباہ ہو تو اس کو چھوڑ دینا چاہئے:

"وشعر الميتة وغير الخنزير طاهر". در مختار مختصراً۔ قال الشامي: "(قوله: على المذهب) أي على قول أبي يوسف الذي هو ظاهر الرواية أي شعره نجس، وصححه في البدائع، ورجحه في الاختيار". شامی: ۱/۲۰۹ (۲)۔

"وإدخال نجاسة فيه (أي في المسجد)". قال الشامي: "في الحموي عن المنية: لا يدخل المسجد من على بدنه نجاسة". ۱/۶۵۶ (۳)۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۲/۵۷ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

تالاب کی نکلی مٹی سے مسجد کو لیپنا

سوال [illegible]: ایک تالاب کا پانی ناپاک ہے، اس کی نکلی مٹی سے مسجد لیپنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر تالاب دہ در دہ یا اتنا لمبا اور چوڑا ہو تو وہ ناپاک نہیں (۴)، اس کی نکلی مٹی ناپاک نہیں، اب

(۱) "(و) كره تحريماً (وإدخال نجاسة فيه)". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱/۶۵۶، سعيد)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب في أحكام الدباغة: ۱/۲۰۹، سعيد)

(۳) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱/۶۵۶، سعيد)

وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/۳۲۱، رشيديه)

"واختار المصنف أنه لا يجوز إدخال النجاسة المسجد، وهو مصرح به". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل كره استقبال القبلة: ۲/۶۰، رشيديه)

(۴) "إن الغدير العظيم كالجاري لا يتنجس إلا بالتغير من غير فصل". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب

سے مسجد کو بھی لیپا جا سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۱/۹۴ھ۔

ناک صاف کر کے مسجد سے ہاتھ پونچھنا

سوال [۷۳۷۱]: ناک چھینک کر مسجد کی دیوار سے انگلی پونچھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خلافِ تہذیب ہے اور دوسروں کے لئے باعثِ اذیت اور مسجد سے بے اعتنائی ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۳/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۲۳/۳/۹۱ھ۔

= الطهارة، باب المياه: ۱۸/۱، رشيديه)

"ولذا قال في الخلاصة: الماء النجس إذا دخل الحوض الكبير، لا ينجس الحوض وإن كان الماء النجس غالباً على ماء الحوض، لأنه كلما اتصل الماء بالحوض، صار ماء الحوض غالباً عليه". (رد المحتار، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب: لو دخل الماء من أعلى الحوض، الخ: ۱/۱۹۹، سعيد)

(۱) "ولا يبزق على حيطان المسجد، ولا بين يديه على الحصى، ولا فوق البواري، ولا تحتها، وكذا المحامد". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، فصل: كره غلق باب المسجد، الخ: ۱/۱۱۰، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل: يكره استقبال القبلة، الخ: ۱/۴۲۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"كذا يكره أن يمسح رجله من الطين باسطوانته أو حائطه". (فتح القدير، المصدر السابق)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، فصل كره غلق باب المسجد، الخ: ۱/۱۱۰، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۱/۲۲۹، الفصل السادس والعشرون في المسجد، الخ: ۱/۲۲۹، رشيديه)

مسجد میں کنگھی کرنا

سوال [۳۴۱۲]: مسجد کے اندر کنگھی کرنا کیسا ہے؟

اکبر علی کانپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے، جب کہ بال مسجد میں نہ گرے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱۱/۸۸ھ۔

اذان کے وقت مسجد میں بات کرنا

سوال [۳۴۱۳]: واعظوں کا مفہوم ہے کہ اذان کے وقت بات کرنے سے ایمان جاتے رہنے کا خوف ہے، اور مسجد میں دنیا کی باتیں کرنے سے چالیس برس کی نیکیاں ضائع ہوجاتی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اکثر بازاروں میں، یا نماز کے لئے آتے وقت، یا جب اذان شروع ہو، باتیں کرتے ہیں، اگر کوئی شخص خاموش رہے تو شدید تکلیف ہوتی، ایسے موقع پر کیا کیا جاوے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اذان کے وقت باتیں کرنے سے ایمان جاتے رہنے کا خوف کسی حدیث میں ہے، مجھے وہ حدیث محفوظ نہیں، آپ تحقیق فرمائیں تو اس کو دیکھا جائے۔ مسجد میں دنیا کی باتیں کرنے کے لئے بیٹھنا منع ہے (۲)، اگر نماز

---

(۱) "لأن تنزيه المسجد عن القذر واجب". (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۲، سهيل اكيدمي لاهور)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۹، سعيد)

(۲) "(قوله: بأن يجلس لأجله) فإنه حينئذ لا يباح بالاتفاق، لأن المسجد ما بني لأمور الدنيا". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/۶۶۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/۳۲۱، رشيدية)

کے لئے مسجد میں جائے اور وہاں کوئی تذکرہ تجارت و ملازمت وغیرہ کی باتیں بھی کسی سے کرے تو یہ اس حکم میں نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا

سوال[۴۲۶۳]: ۱...... مسجد کے اندر بیٹھ کر دنیا کی باتیں کرنا۔

۲...... مسجد میں اخبارات کا پڑھنا، کیونکہ بعض اوقات ان کے بعد سنت پڑھتے ہیں، ایسی حالت میں جب کہ دیگر نمازی سنتیں ادا کر رہے ہوں تو اخبارات کا آواز کے ساتھ پڑھنا۔

فاکسر محمد صدیق خان، سہارنپور، ۱۴/ جمادی الاخریٰ/۸۷ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... مسجد میں دنیا کی باتیں کرنے کے لئے بیٹھنا ناجائز ہے(۲)، البتہ اگر نماز وغیرہ عبادات کے لئے مسجد میں آنے کے بعد کوئی ضرورت پیش آگئی تو مباح کلام کرنا ایسے طریقہ پر کہ دوسرے عبادات کرنے

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۲/۳۴، رشيديه)

(۱) "وصرح في الظهيرية بكراهة الحديث: أي كلام الناس في المسجد، لكن قيده بأن يجلس لأجله ... أما إن جلس للعبادة، ثم بعدها تكلم، فلا". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۲/۶۳، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/۶۶۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/۳۲۱، رشيديه)

(۲) "(قوله: بأن يجلس لأجله) فإنه حينئذ لا يباح بالاتفاق؛ لأن المسجد ما بني لأمور الدنيا". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/۶۶۲، سعيد)

والوں کو اذیت نہ ہو درست ہے (۱) اور غیر مباح کلام جیسے فحش گفتگو اور جھوٹے قصے کسی طرح درست نہیں، اور ایسی حالت میں اخبار کا بلند آواز سے پڑھنا کہ نمازیوں کو اذیت ہو درست نہیں، کذا فی نفع المفتی والسائل، ص: ۱۲۹ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/ جمادی الثانیہ/ ۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ جمادی الثانیہ/ ۵۴ھ۔

مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا

سوال [۶۲۶۵]: مسجد کے اندر دنیا کی باتیں کرنا کیسا ہے؟ خزانۃ المفتیین میں جو یہ تحریر ہے کہ جو شخص مسجد میں دنیا کی باتیں کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے چالیس روز کا عمل برباد کرتا ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟

محمد حسن ڈرائی کلینرز، مگل تال۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جگہ نماز کے لئے متعین کی گئی ہے جہاں بلا غسل جانا ممنوع ہے وہ مسجد ہے (۳)، وہاں نماز

---

(۱) "الكلام المباح من حديث الدنيا يجوز في المساجد وإن كان الأولى أن يشتغل بذكر الله ...... قال في المصفى: الجلوس في المسجد للحديث مأذون شرعاً". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/۶۶۲، سعيد)

وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/۳۲۱، رشيديه)

(۲) "قيل: يجوز الكلام المباح من الدنيا ولا يجوز الكلام المنكر، كالقصص وحكايات الدنيا الكاذبة، فلهذا نقل في فتاوى عالمگير عن التمرتاشي: أن الكلام المباح يجوز في المساجد وإن كان الأولى أن يشتغل بذكر الله". (مجموعة رسائل اللكنوي، رسالة نفع المفتي والسائل ما يتعلق بالمساجد: ۴/۸۱، إدارة القرآن كراچی)

"والسادس: أن لا يرفع فيه الصوت من غير ذكر الله تعالى". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/۳۲۱، رشيديه)

(۳) "المسجد: الموضع الذي يسجد فيه للصلاة، وهو اصطلاحاً: الأرض التي جعلها المالك مسجداً بقوله: جعلته مسجداً، وأفرز طريقه وأذن بالصلاة فيه، فإن صلى واحد زال ملكه". (قواعد =

نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں ٹیپ ریکارڈ سے قرآن سننا

سوال[۷۲۱۶]: ہمارے یہاں جامع مسجد کے امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ آج کل بازار سے جو ٹیپ ریکارڈ آرہے ہیں اس میں دینی تقاریر کے علاوہ نماز، اذان وغیرہ بھرے ہوئے ہوتے ہیں تو امام صاحب نے رمضان شریف میں آخیر عشرہ کی طاق راتوں میں مسجد میں رکھ کر عوام کو سنایا۔ بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا اور کہا کہ مسجد کے باہر رکھ کر سنا دیجئے۔ امام صاحب نے کہا: مسجد میں رکھ کر سنا سکتے ہیں۔ ان کا یہ عمل درست ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں یہ قوی احتمال ہے کہ لوگ صرف ٹیپ ریکارڈ سننے پر کفایت کریں گے اور اسی سے شوق پورا کرلیا کریں گے، خود تلاوت کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے۔ اور پھر یہ بھی احتمال ہے کہ دوسرے لوگ غلط قسم کی چیزیں سنانے لگیں اور اسی سے استدلال کریں گے، لہذا اس طریقہ کو بند کردیا جائے، کیونکہ یہ چیز بڑھتے بڑھتے دور تک پہنچ جاتی ہے۔ بعض جگہ یہ بھی ہے کہ نماز کا وقت آیا اور اذان کا ریکارڈ چلا دیا اور سمجھ لیا کہ اذان ہوگئی، پھر امامت کا ریکارڈ بجا دیا اور اسی کا بھی اقتدا کرلیا، حالانکہ نہ اس طرح اذان ہوئی، نہ امامت ہوئی، نہ اقتدا صحیح ہوئی، نہ نماز ادا ہوئی(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= قال فی المصفی: الجلوس فی المسجد للحدیث مأذون شرعاً" (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها، مطلب فی الغرس فی المسجد: ۱/۶۶۲، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس فی آداب المسجد: ۵/۳۲۱، رشیدیه)

(۱) "بخلاف السماع من الببغاء والصدی، لأن ذلک لیس بتلاوة، وکذا إذا سمع من المجنون، لأن ذلک لیس بتلاوة صحیحة لعدم أهلیته لانعدام التمییز" (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل: سبب وجوبها وبیان من تجب علیه السجدة: ۱/۴۳۰، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب سجود التلاوة: ۲/۱۰۸، سعید)

مسجد میں ٹیپ ریکارڈ سے وعظ سننا

سوال [۶۸۰۸]: ۱... ریڈیو یا ٹیپ ریکارڈ مسجد میں رکھ کر تلاوت قرآن یا کسی مقرر کی تقریر سنی جاسکتی ہے یا نہیں؟

۲... زید جامع مسجد میں اعلان کرتا ہے کہ آج بعد نماز عشاء اس مسجد میں فلاں شخص کی تقریر ہوگی، آپ حضرات تشریف لائیں، بچوں کو بھی ساتھ لائیں، عورتوں کے بیٹھنے کا بھی معقول انتظام ہے۔ لیکن بعد نماز عشاء جو ٹیپ ریکارڈ پر تقریر سنوائی جاتی ہے، تو زید کے اس بیان یا اعلان پر کیا حکم ہے؟

۳... جو مسلمان اس جلسے میں شریک ہو کر بذریعہ ٹیپ ریکارڈ مسجد میں تقریر سنیں، ان کے لئے کیا حکم ہے؟ از روئے شرع جواب جلد مرحمت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۳-۱... فی نفسہ ریڈیو، ٹیپ ریکارڈ سے اگر تلاوت کلام پاک یا وعظ کی آواز آئے تو اس کا سننا مسجد اور غیر مسجد سب جگہ درست ہے (۱)، لیکن اگر مسجد میں یہ طریقہ شروع کر دیا جائے تو اندیشہ ہے کہ ہر قسم کی چیزوں کے سننے کے مکانات کی طرح مسجد میں بھی ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ کا استعمال ہونے لگے گا اور مسجد کی کوئی تمیز باقی نہ رہے گی، اس لئے مسجد میں ایسی چیزوں سے احتراز کیا جائے (۲)۔ تقریر کا اعلان کر کے ٹیپ ریکارڈ سے تقریر سنوانے میں ایک قسم کا فریب ہے، لوگ تو یہی سمجھیں گے کہ واقعۃً تقریر ہوگی، حالانکہ وہ تقریر

---

(۱) "الأمور بمقاصدها: یعنی أن الحکم الذی یترتب علی أمر یکون علی مقتضی ما هو المقصود من ذلک الأمر". (شرح المجلة، المقالة الثانیة، رقم المادة: ۲: ۱/۱۷، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وکذا فی الأشباه والنظائر، القاعدة الثانیة، (رقم القاعدة: ۸۶)، ص: ۱۰۴، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی قواعد الفقه، رقم القاعدة: ۱۵۵، ص: ۱۲۴، الصدف پبلشرز)

(۲) "عن واثلة بن الأسقع رضی الله تعالی عنه أن النبی صلی الله تعالی علیه وسلم قال: "جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم وشراءکم وبیعکم وخصوماتکم ورفع أصواتکم وإقامة حدودکم وسل سیوفکم". الحدیث. (سنن ابن ماجة، أبواب المساجد والجماعات، باب ما یکره فی المساجد، ص: ۵۴، قدیمی)

کی نقل ہے۔ جب ان جلسوں اور تقریروں کا حال معلوم ہو گیا، ان کے سننے کا بھی حال خود بخود واضح ہو گیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۹۳ھ۔

مسجد میں بیٹھ کر خط لکھنا

سوال[۶۹۹۶]: مسجد میں دینی کتابیں پڑھنے اور دین کی معلومات حاصل کرنے کے لئے کچھ لکھنے میں کیا حکم ہے؟ (میں حضرت مولانا علی میاں سے بیعت ہوں)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد میں دینی کتابیں پڑھنا، دینی معلومات کے لئے خط لکھنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

مسجد میں چہل قدمی کرنا

سوال[۶۹۷۰]: وظیفہ پڑھنے والے بعد نماز فجر وعصر اندرون مسجد میں ٹہل ٹہل کر اپنا وظیفہ پڑھتے ہیں۔ یہ فعل کیسا ہے؟ بعض عالم بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکثر بعد نماز عصر کے چہل قدمی فرمایا کرتے تھے، اللہ پاک نے اپنے پیارے حبیب کا اس زمین پر چہل قدمی کرنا پسند فرمایا، اس لئے جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری عطا فرمائی کہ اس پر میرا محبوب چلے جیسا کہ صحاح ستہ میں ہے کہ مسجد ومنبر کے درمیان جو حصہ ہے وہ مثل جنت کی کیاریوں میں سے ایک ہے۔

---

(۱) "وكذا الكاتب إذا كان يكتب بأجر يكره، وبغير أجر لا". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل: كره غلق باب المسجد، الخ: ۱/۱۱۰، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۲/۶۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل: يكره استقبال القبلة الخ: ۱/۴۲۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البزازية، كتاب الصلاة، السادس والعشرون في حكم المسجد: ۴/۸۲، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جملہ وظیفہ جہر نہیں، افضل وبہتر یہ ہے کہ ایک جگہ تنہائی میں بیٹھ کر یکسوئی سے وظیفہ پڑھا جائے (۱)، اگر جماعت کا وقت قریب ہو اور نیند کا اثر ہو جس سے یہ خیال ہو کہ ایک جگہ بیٹھ کر انتظار کرنے سے نیند آ جائے گی، یا اسی قسم کی کوئی اور ضرورت ہو تو مسجد میں ٹہلنے میں مضائقہ نہیں، لیکن مستقلاً ٹہلنے کے لئے مسجد کو تجویز کرنا بعد فجر ہو یا بعد عصر یا کسی اور وقت مسجد کی وضع اور موضوع کے خلاف ہے (۲)۔ مسجد ومنبر کے درمیان "روضة من ریاض الجنة" ہونا حدیث سے ثابت ہے (۳)۔ بعد عصر کے علاوہ دیگر اوقات میں اللہ پاک نے اس زمین پر

---

(۱) قال الله تعالی: ﴿ادعوا ربكم تضرعاً وخفية﴾ الآية. (سورة الأعراف: ۵۵)

قال العلامة الآلوسي: "﴿تضرعاً﴾: أي ذوي تضرع أو متضرعين ..... وهو من الضراعة، وهي الذل والاستكانة ..... وقال الزجاج: التضرع التملق، وهو قريب مما قالوا: أي ادعوه تذللاً". (روح المعاني: ۸/ ۲۰۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من سمع رجلاً ينشد ضالة في المسجد، فليقل: لا ردها الله عليك، فإن المساجد لم تبن لهذا". (مشكوة المصابيح: باب المساجد ومواضع الصلوة، الفصل الأول، ص: ۶۸، قديمي)

(وسنن ابن ماجة، كتاب الصلاة، أبواب المساجد والجماعات، باب النهي عن إنشاد الضوال في المسجد، ص: ۵۶، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلوة، باب النهي عن نشد الضالة في المسجد وما يقول من سمع الناشد: ۱/ ۲۱۰، قديمي)

قال الملا علي القاري رحمه الله: "(من سمع رجلاً ينشد ضالة في المسجد) ..... ويدخل في هذا الأمر كل أمر لم يبن له المسجد من البيع والشراء ونحو ذلك، اهـ". (مرقاة المفاتيح، باب المساجد الخ، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۷۰۶): ۲/ ۴۱۱، رشيدية)

(۳) "وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "ما بين بيتي ومنبري روضة من رياض الجنة، ومنبري على حوضي". (صحيح البخاري: ۱/ ۲۵۳، فضائل المدينة، باب بلا ترجمة، قديمي)

(ومشكوة المصابيح، باب المساجد ومواضع الصلوة، الفصل الأول، ص: ۶۹، قديمي)

ہے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چلنا کیسے پسند کیا ہے؟ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد میں ٹہلتے ہوئے تسبیح پڑھنا

سوال [۷۳۷۰]: کیا مسجد میں ٹہل کر تسبیح وغیرہ پڑھنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تسبیح چلتے پھرتے ٹہلتے ہر طرح پڑھنا درست ہے: "أن الذكر في قوله تعالى: ﴿فإذا قضيتم الصلوة فاذكروا الله قياماً وقعوداً وعلى جنوبكم﴾ هو الصلوة، ولكنه على أحد وجهين: إما الذكر بالقلب، وهو الفكر في عظمة الله تعالى وجلاله وقدرته في خلقه وصنعه من الدلائل عليه وحكمته وحسن صنعه. والذكر الثاني الذكر باللسان بالتعظيم والتسبيح والتقديس. وروي عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: لم يعذر أحد في ترك الذكر إلا مغلوباً على عقله الخ". أحكام القرآن: ۲/۳۴۳ (۱).

قال أبو السعود في قوله تعالى: ﴿فاذكروا الله قياماً وقعوداً وعلى جنوبكم﴾: "أي فداوموا على ذكر الله تعالى وحافظوا على مراقبته ومناجاته ودعائه في جميع الأحوال حتى في حال المسايفة والقتال، كما في قوله تعالى: ﴿إذا لقيتم فئة فاثبتوا واذكروا الله كثيراً لعلكم تفلحون﴾ اهـ". تفسير أبي السعود: ۲/۹ (۲).

لیکن بلا ضرورت مسجد میں ٹہلنا نہیں چاہیے (۳)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

شاہی مسجد کو تفریح گاہ بنانا

سوال [۷۳۷۱]: شہر برہان پور میں شاہی زمانہ کی بنی ہوئی مسجد ہے جو اپنی تعمیر میں نرالی ہے مگر

---

(۱) (أحكام القرآن للجصاص: ۲/۳۴۳، سورة النساء، ذكر اختلاف الفقهاء في الصلوة في حال القتال، مطلب: الذكر على وجهين، قديمي)

(۲) (تفسير أبي السعود، (سورة النساء: ۱۰۳): ۱/۲۲۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۳) (راجع للتخريج المسئلة المتقدمة آنفاً)

مسجد میں افطاری اور سحری

سوال [۷۴۳۷]: مسجد میں روزہ افطار کرنا ایسے ہی سحری کھانا کیسا ہے؟ اگر مکان پر افطاری کرتے ہیں تو جماعت فوت ہوجاتی ہے لہٰذا کیا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ ایسی صورت میں اعتکاف کی نیت کرے (۱)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسجد میں افطار کرنا یا سحری کھانا درست ہے، لیکن جہاں تک ممکن ہو مسجد کو ملوث نہ کیا جائے یا جو جگہ قریب مسجد ہو وہاں کھایا پیا جائے تو بہتر ہے (۲)۔

سعید احمد غفرلہ، ۲۰/ربیع الاول/۵۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۲۲/ربیع الاول/۵۳ھ۔

= وفی مصلی الجنازة والعید، الأصح أنه لیس له حکم المسجد" اهـ. وظاهر ما فی الهدایة أنه یجوز الوطء والبول والتخلی فی مصلی الجنائز والعید، الخ". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها، فصل کره استقبال القبلة: ۲/۳۲: رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها: ۱/۶۵۷، سعید)

(وکذا فی الحلبی الکبیر، فصل فی أحکام المسجد، ص: ۶۱۱، سهیل اکیڈمی لاهور)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، فصل کره غلق باب المسجد، الخ: ۱/۱۱۰، رشیدیه)

(۱) "ویحرم فیه السؤال ... وأکل ونوم إلا لمعتکف وغریب". (الدر المختار). "(قوله: وأکل ونحوه الخ) وإذا أراد أن یفعل ذلک، ینبغی أن ینوی الاعتکاف، فیدخل فیه ویذکر الله تعالی بقدر ما نوی، أو یصلی، ثم یفعل ما شاء، کذا فی السراجیة". (رد المحتار، کتاب الصلاة، مطلب فی الغرس فی المسجد: ۱/۶۶۱، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس فی آداب المسجد، الخ: ۵/۳۲۱، رشیدیه)

(۲) "لأن تنظیف المسجد واجب". (رد المحتار، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۲/۴۴۵، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۲/۵۳۰، رشیدیه)

مسجد میں قربانی کرنا

سوال [۷۰۳۳]: مسجد کے اندر قربانی کرنا یعنی مسجد کے صحن میں قربانی کرنا جب کہ مسجد کی دیواروں میں خون کی چھینٹیں پڑتی ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے اور اگر چھینٹیں نہ پڑیں تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو حصہ مسجد ہے یعنی نماز کے لئے وقف ہے وہاں نماز پڑھتے ہیں اس جگہ ذبح کرنا حرام ہے کہ ناپاک خون سے مسجد ملوث ہو جائے گی (۱)۔ احاطہ مسجد میں جہاں جوتے رکھتے ہیں وہاں بھی ذبح کرنے کی ممانعت ہے وہ جگہ اس لئے وقف نہیں، دوسری جگہ ذبح کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/.../۸۸ھ۔

مسجد میں چھپکلی مارنا

سوال [۷۰۳۴]: مسجد کے اندر چھپکلی کا مارنا کیسا ہے؟

---

(۱) "(قوله: وأما صوته) لأن صوته مستقذر طبعاً، فيجب تنزيه المسجد عنه كما يجب تنزيهه عن المخاط والبلغم". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في رفع الصوت بالذكر: ۱/۶۶۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۵۳۰، رشيدية)

"لأن تنزيه المسجد عن القذر واجب". (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۰، سهيل اكيدمي لاهور)

"لأن تنظيف المسجد واجب". (رد المحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۵، سعيد)

(۲) "لأن شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أي في وجوب العمل به وفي المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۲۰۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

"ويكره كل عمل من عمل الدنيا في المسجد". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد الخ: ۵/۳۲۱، رشيدية)

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں مارنا چاہئے، اس کو وہاں سے باہر نکال کر مارا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۸/۹۲ھ۔

مسجد کی چھت پر سے چڑیا کا شکار

سوال [۷۲۷۷]: مسجد کی چھت پر بیٹھ کر بندوق سے چڑیا مارنا، یا کسی پیڑ، درخت سے جس سے گر کر مسجد میں آوے شکار کھیلنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کی چھت پر شکار کے لئے چڑھنا منع ہے (۲) اور اسی طرح شکار کھیلنا کہ جانور مسجد میں گرے اور مسجد ملوث ہو، یہ بھی منع ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۱/۹۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں کبوتر پکڑنا

سوال [۷۲۷۸]: زید کہتا ہے کہ اپنے گاؤں کی مسجد سے کبوتر بغرض شکار پکڑنا جائز ہے اور بکر کہتا ہے

---

(۱) (راجع، ص: ۲۰۸، رقم الحاشیة: ۱)

(۲) "والصعود علی سطح کل مسجد مکروه". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/۳۲۲، رشيدية)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/۶۵۶، سعيد)

(۳) "لأن تنزيه المسجد عن القذر واجب". (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۲، سهيل اكيڈمي لاهور)

"لأن تنظيف المسجد واجب". (رد المحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۵، سعيد)

کرنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نفس شکار کرنا کبوتر کا جائز ہے(۱)، مگر مسجد کا احترام بھی لازم ہے، لہذا ایسی طرح نہ پکڑیں کہ جس سے مسجد کی بے حرمتی ہو(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

گمشدہ چیز کا مسجد میں اعلان کرنا

سوال[۵۰۲۷]: ایک صاحب کا اعتراض ہے کہ مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان حدیث کی رو سے درست نہیں ہے، اس سلسلے میں حدیثوں کو مطالعہ کیا تو ہر جگہ "ضالۃ" کا لفظ ملا مثلاً:

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من سمع رجلاً ينشد ضالة في المسجد فليقل: لا ردها الله عليك، فإن المساجد لم تبن

---

(۱) "عن أبي ثعلبة الخشني رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "إذا رميت الصيد فأدركته بعد ثلاث ليال وسهمك فيه، فكل ما لم ينتن" (سنن أبي داؤد: ۲/۳۹۵، باب في اتباع الصيد، إمدادية ملتان)

"وحل اصطياد ما يؤكل لحمه وما لا يؤكل" (البحر الرائق، كتاب الصيد: ۸/۳۳۲، رشيدية)

"لعل مناسبته أن كلاً منهما مما يورث السرور، وهو مباح ... قال المصنف: وإنما زدته تبعاً له، وإلا فالتحقيق عندي إباحة اتخاذه حرفة؛ لأنه نوع من الاكتساب، وكل أنواع الكسب في الإباحة سواء على المذهب الصحيح، كما في البزازية وغيرها". (الدر المختار، كتاب الصيد: ۶/۴۶۲، سعيد)

(۲) "عن واثلة بن الأسقع رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم وشراءكم وبيعكم وخصوماتكم ورفع أصواتكم وإقامة حدودكم" الحديث (سنن ابن ماجة، أبواب المساجد والجماعات، باب ما يكره في المساجد، ص: ۵۴، قديمي)

"منها: تعظيم المسجد، ومؤاخذة نفسه أن يجمع الخاطر، ولا يسترسل عند دخوله، وهو قوله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إذا دخل أحدكم المسجد فليركع ركعتين قبل أن يجلس" (حجة الله البالغة: ۱/۵۴۳، المساجد وآداب المسجد، قديمي)

لهذا". رواه مسلم". مشکوٰۃ (۱)۔

لغات میں "ضالۃ" گم شدہ اونٹ یا جانور کو کہتے ہیں، لہذا مطلب کو مخصوص اسی معنی میں لیا جا سکتا ہے کہ کسی گم شدہ اونٹ یا جانور کا اعلان مساجد میں نہ کرنا چاہیے۔ "فإن المساجد لم تبن لهذا" سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مساجد کی ساخت اس کے لئے نہیں ہے اور نہ اس کا محل ہے۔ عین الہدایہ میں بھی "فوائد" کے ذیل میں مرقوم ہے کہ "منجملہ محرمات کے گم شدہ جانور کا پتہ ڈھونڈنا"۔

میرا خیال ہے کہ مسجد کی حدود میں گم ہونے والی چیزوں کا اعلان یا دریافت اس ذیل میں نہیں آتا، لیکن شارحین حدیث اور فقہاء نے مطلقاً کسی چیز کے گم ہونے کے اعلان کو ناجائز و مکروہ لکھا ہے؟ مستفتی و مخاطب۔

الجواب حامداً ومصلياً:

"(قوله: وإنشاد ضالة) هي الشيء الضائع، وإنشادها السؤال عنها، وفي الحديث: "إذا رأيتم من ينشد ضالة في المسجد فقولوا: لا رد الله عليك". اهـ". شامي: ۱/۶۶۲ (۲)۔ قال ابن الأثير: "وهي الضالة من كل شيء من الحيوان وغيره اهـ". نهاية: ۲/۲۶ (۳)۔

"وأما إنشاد الضالة، فالنهي عنه رفع الصوت بذلك؛ إذ فيه الإضرار دون غيره، وبه سوء تأدب نسبة إلى المسجد اهـ". الكوكب الدري: ۱/۱۶۴ (۴)۔ "وأما إنشاد الضالة، فله

---

(۱) (مشكوة المصابيح، باب المساجد و مواضع الصلوة، الفصل الأول، ص: ۶۸، قديمي)

(۲) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۶۶۲، سعيد)

"(قوله: إنشاد ضالة) لقوله عليه السلام: "إذا رأيتم من ينشد ضالة في المسجد، فقولوا: لا رد الله عليك". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب ما يفسد الصلاة: ۱/۲۷۸، دار المعرفة بيروت)

(و كذا في الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد: ۶۱۱، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۳) (النهاية لابن الأثير، باب الضاد مع اللام: ۳/۹۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(و كذا في مجمع بحار الأنوار، ضلل: ۳/۴۱۲، مجلس دائرة المعارف العثمانية دكن)

(۴) (الكوكب الدري، أبواب الصلاة، باب في البيع و الشراء وإنشاد الضالة و الشعر في المسجد: ۱/۱۹۳، إدارة القرآن كراتشي)

صورتان: إحداهما: أن يضل شيء في خارج المسجد وينشده في المسجد لاجتماع الناس، فهو أقبح وأشنع، وأما لو ضاع في المسجد فيجوز الإنشاد بلا شغب". العرف الشذي، ص: ۱۰۸ (۱)۔ هكذا في معارف السنن: ۳/ ۳۰۳ (۲)۔

عبارات منقولہ سے مسئلہ کی حیثیت واضح ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ایضاً

سوال [۴۸۰۱]: مسجد میں اگر کسی نمازی کا جوتا، گھڑی، یا اور کوئی چیز گم ہو جائے تو مسجد میں اس کا اعلان کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بغیر اعلان کے طلب و تجسس درست ہے، اعلان کرنا ہو تو حسب عادت دروازۂ مسجد پر (خارج مسجد) اعلان کرے۔ کذا فی معارف السنن شرح الترمذی (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (العرف الشذي على جامع الترمذي، أبواب الصلوة، باب كراهية البيع والشراء وإنشاد الضالة في المسجد: ۱۰۸، سعید)

(۲) "وأما إنشاد الضالة، فله صورتان: إحداهما: وهي الأقبح والأشنع بأن يضل شيء خارج المسجد، ثم ينشده في المسجد لأجل اجتماع الناس فيه. والثانية: أن يضل في المسجد نفسه، فينشده فيه، وهذا يجوز إذا كان من غير لغط وشغب". (معارف السنن، أبواب الصلوة، باب ما جاء في كراهية البيع والشراء وإنشاد الضالة في المسجد: ۳/ ۳۰۳، سعید)

(۳) اقتباس کا حاصل یہ ہے کہ عبارات مذکورہ سے یہ بات واضح ہوئی کہ احادیث مبارکہ میں اعلان گمشدگی کو ممنوع قرار دیا گیا ہے، فقہائے کرام نے اس کو عام رکھا ہے، البتہ صرف وہ چیز جو کہ مسجد کے اندر ہی سے گم ہو تو اس کے اعلان کی اجازت دیتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ضروری ہے کہ مسجد کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے شور و شغب سے اجتناب کیا جائے۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴) "وأما إنشاد الضالة، فله صورتان: إحداهما: وهي الأقبح والأشنع بأن يضل شيء خارج المسجد، ثم

مسجد میں سے ہوکر غسل خانہ جانا

سوال [۱۰۲۷۹]: مسجد کے فرش پر چل کر غسل خانہ میں جانا پڑتا ہے اور یہ راستہ قدیم سے کر رکھا ہے، یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر غسل خانہ تک جانے کا راستہ بجز مسجد میں کو گذرنے کے کوئی نہیں تو ناپاک آدمی تیمم کرکے وہاں کو جائے اور کوشش کرے کہ راستہ کسی اور طرف کو بنایا جائے (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۲/۹۲ھ۔

عورتوں کا مسجد میں جانا

سوال [۱۰۲۸۰]: عورتوں کا پردہ کے ساتھ باجازت شوہر کے مسجد میں نماز کے لئے جانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فتنہ وفساد کی زیادتی کی وجہ سے ممنوع ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ عورتوں کی یہ حالت اگر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ملاحظہ فرماتے تو مسجد میں جانے سے منع فرمادیتے (۲)۔ فقط

= ينشده في المسجد لأجل اجتماع الناس فيه. والثانية: أن يضل في المسجد نفسه، فينشده فيه، وهذا يجوز إذا كان من غير لغط وشغب". (معارف السنن، أبواب الصلاة، باب ما جاء في كراهية البيع والشراء وإنشاد الضالة في المسجد: ۳۱۳/۳، سعيد)

(۱) "ويحرم به الحدث الأكبر دخول مسجد ولو للعبور إلا لضرورة حيث لا يمكنه غيره". (الدر المختار). "عن المبسوط: مسافر مر بمسجد فيه عين ماء، وهو جنب، ولا يجد غيره، فإنه يتيمم لدخول المسجد عندنا اهـ ...... ولا تجوز العبور في المسجد بلا تيمم". (رد المحتار، كتاب الطهارة: ۱۷۱/۱، ۱۷۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس، الخ: ۳۸/۱، رشيدية)

(۲) "عن يحيى بن سعيد عن عمرة عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: لو أدرك رسول الله صلى الله =

اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے تدبیروں سے اپنی عورتوں کو مسجد میں جانے سے روکا ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

عورتوں کا مسجد کو گذرگاہ بنانا

سوال [۴۳۹۲]: کیا مسجد کے اندر سے مسلم اور غیر مسلم عورتوں کا آنا جانا جائز ہے؟

= تعالى عليه وسلم ما أحدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني إسرائيل". (صحيح البخاري: ۱/ ۱۲۰، كتاب الأذان، باب خروج النساء إلى المساجد بالليل والغلس، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الصلوة، باب خروج النساء إلى المساجد: ۱/۱۸۳، قديمي)

(۱) "وهذا هو محمل ما رواه ابن عباس رضي الله تعالى عنهما من خروجهن بعد فتح مكة، ثم منعهن الصحابة بعد النبي صلى الله تعالى عليه وسلم لفساد الزمان ..... وكان ابن مسعود رضي الله تعالى عنه يخرج النساء من المسجد يوم الجمعة ويقول: "اخرجن إلى بيوتكن خير لكن". رواه الطبراني". (إعلاء السنن، أبواب العيدين، باب وجوب صلوة العيدين: ۸/۸۸، إدارة القرآن كراتشي)

"ويكره حضورهن الجماعة ولو لجمعة وعيد ووعظ مطلقاً ولو عجوزاً ليلاً على المذهب المفتى به، لفساد الزمان". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۶۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الخامس في بيان مقام الإمام والمأموم: ۱/۸۹، رشيدية)

"چنانچہ حضرت عاتکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جن کے کئی نکاح ہوئے تھے جن میں سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ہوا، وہ مسجد میں تشریف لے جاتی تھیں، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گراں ہوتا تھا، کسی نے ان کو کہا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گراں ہوتا ہے، انہوں نے کہا کہ ان کو اگر گراں ہوتا ہے تو منع کر دیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح ہوا، ان کو بھی یہ چیز گراں تھی، مگر روکنے کی ہمت نہ ہوئی تو ایک مرتبہ عشاء کی نماز کے لئے یہ جہاں کو جاتی تھیں، راستہ میں بیٹھ گئے، اور جب یہ وہاں کو گزریں تو ان کو چھیڑا، خاوند تھے اس لئے ان کو تو جائز تھا، مگر ان کو خبر نہ ہوئی، اندھیرا تھا کہ یہ کون ہیں، اس کے بعد انہوں نے جانا چھوڑ دیا۔ دوسرے وقت حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ مسجد میں کیوں جانا چھوڑ دیا، کہنے لگیں کہ اب وہ زمانہ نہیں رہا"۔ (حکایات صحابہ ص: ۱۴۱، کتب خانہ فیضی لاہور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کو گذرگاہ نہ بنایا جائے، نہ مردوں کے لئے نہ عورتوں کے لئے(۱)۔ عورتوں کو تو نماز کے لئے بھی مسجد میں آنے سے روک دیا جائے(۲)۔ غیر مسلم عورتوں کا وہاں کیا کام ہے، وہ کیوں آئیں؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۹/۹۵ھ۔

مدرسہ کا راستہ مسجد میں سے

سوال [۶۳۸۶]: ایک مدرسہ مسجد سے ملحق ہے، اس کا راستہ مسجد کے اندر سے ہے یعنی مسجد ہی کے دروازے سے۔ تو یہ مدرسہ کا راستہ مسجد سے الگ ہونا چاہیے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مدرسہ مسجد سے ایسا متعلق ہے اور اس کا دروازہ دوسری جانب نہیں کیا جا سکتا، تو مجبوراً مسجد میں آنے

---

(۱) "لایتخذ طریقاً في المسجد بأن یکون له بابان، فیدخل من هذا ویخرج من ذلک". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس في آداب المسجد: ۳۲۱/۵، رشیدیه)

"رجل یمر في المسجد ویتخذه طریقاً إن کان لغیر عذر، لایجوز". (البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب مایفسد الصلوة ومایکره فیها، فصل: کره استقبال القبلة: ۶۲/۲، رشیدیه)

(وکذا في الدرالمختار، کتاب الصلوة: ۶۵۶/۱، سعید)

(۲) "عن یحیی بن سعید عن عمرة عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها قالت: لو أدرک رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ما أحدث النساء، لمنعهن المسجد کما منعت نساء بني إسرائیل". (صحیح البخاري: ۱۲۰/۱، کتاب الأذان، باب خروج النساء إلی المساجد باللیل والغلس، قدیمی)

(والصحیح لمسلم، کتاب الصلوة، باب خروج النساء إلی المساجد: ۱۸۳/۱، قدیمی)

"ویکره حضورهن الجماعة ولو لجمعة وعید ووعظ مطلقاً ولو عجوزاً لیلاً علی المذهب المفتی به، لفساد الزمان". (تنویر الأبصار مع الدر المختار، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۵۶۶/۱، سعید)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلوة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الخامس في بیان مقام الإمام والمأموم: ۸۹/۱، رشیدیه)

وضو کی نالی صحن مسجد کے نیچے سے گزرتی ہو تو اس کا حکم

سوال[۲۸۶]: مسجد کے برآمدہ کے متصل دائیں جانب وضو کرنے کی نالی ہے اور وہ نالی باہر کے مسجد کے صحن کے نیچے کو نکالی گئی اور باہر نالی وضو کی پانی بہا کر نکل جاتی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ وضو کا پانی مسجد کے صحن کے نیچے کو گزر جاتا ہے، اس کے متعلق شرع کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ احترام مسجد کے خلاف ہے؟ اور نماز میں بھی کچھ فرق آتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مسجد بناتے وقت نالی کی یہی صورت رکھی گئی ہے تو شرعاً درست ہے، اس سے نماز میں فرق نہیں آتا، لیکن اگر اس نالی کا رخ کسی دوسری طرف بدلا جا سکتا ہے تو وہ مناسب ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۷/۱۴۰۱ھ۔

مسجد کے غسل خانہ میں پاخانہ کرنا

سوال[۲۸۷]: بغیر اجازت متولی مسجد کے غسل خانہ میں ثمؔاذی پاخانہ کرتے ہیں، یہ جائز ہے یا ناجائز، جب کہ یہ غسل خانہ صرف استنجا پاک کرنے کے لئے ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غسل خانے میں پاخانہ کرنا منع ہے(۲)، متولی کو اس کی اجازت دینا بھی منع ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۳/۹۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۳/۹۴ھ۔

— فی أحکام المسجد: ۱/۳۵۶، ۳۵۵، سعید)

(وکذا فی الأشباہ والنظائر، القول فی أحکام المسجد: ۲/۲۳۵، إدارۃ القرآن کراچی)

(وکذا فی الحلبی الکبیر، فصل فی أحکام المسجد، ص: ۶۱۴، سہیل اکیڈمی لاہور)

(۲) "ویحرم فیہ السؤال، ویکرہ الإعطاء ..... والوضوء فیما أعد لذلک" (الدر المختار). "قولہ: (والوضوء): لأن ماءہ مستقذر طبعاً، فیجب تنزیہ المسجد عنہ، کما یجب تنزیہہ عن المخاط والبلغم، بدائع" (رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیہا: ۱/۶۵۶، ۶۶۰، سعید)

(۳) فی الحصن عن عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: "لا یبولن أحدکم —

مسجد کی دیوار پر بیٹھ کر وضو کرنا

سوال [۷۲۸۹]: نظامی مسجد کے صحن کی دیوار، ای پشت تھی (۱)۔ جنوب کی دیوار کو عربی انجمن کے اسکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب- جو کہ حافظ قاری عالم ہیں- اوپر کے حصے کو توڑ کر چوڑا کرواتے ہیں اور اس دیوار پر بیٹھ کر وضو خود بناتے ہیں اور دیگر لوگ بھی وضو اس پر بیٹھ کر بناتے ہیں۔ کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فی نفسہ وضو وہاں درست ہے، جب کہ وضو کا پانی مسجد میں نہ گرتا ہو(۲)، لیکن ہیڈ ماسٹر صاحب کو

= الاجتناب وعدم التحرز في المسجد ...... قال في البدائع: فإن كان (لعمل) بحيث يلوث (المسجد) بالماء المستعمل يمنع (المعتكف) منه، لأن تنظيف المسجد واجب. اهـ" (رد المحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۵، سعيد)

"ويكره الوضوء والمضمضة في المسجد، إلا أن يكون موضع فيه اتخذ للوضوء ولا يصلى فيه" (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۲/۶۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، فصل: كره غلق باب المسجد: ۱/۱۱۰، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، فصل في المسجد: ۱/۶۴، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۱، سهيل اكيڈمي لاهور)

"ويحرم فيه السؤال ...... ويكره الإعطاء ...... والوضوء فيما أعد لذلك" (الدر المختار). "(قوله: والوضوء) لأن ماءه مستقذر طبعاً، فيجب تنزيه المسجد عنه كما يجب تنزيهه عن المخاط والبلغم" (رد المحتار، كتاب الصلوة، مطلب في رفع الصوت بالذكر: ۱/۶۶۰، سعيد)

(۱) "ای پشت: [illegible]" (فیروز اللغات، ص: ۱۱۹۹، فیروز سنز لاہور)

(۲) "ويحرم فيه السؤال ...... والوضوء فيما أعد لذلك". (الدر المختار). (قوله: والوضوء) لأن ماءه مستقذر طبعاً، فيجب تنزيه المسجد عنه كما يجب تنزيهه عن المخاط والبلغم". (الدر المختار، باب أحكام المساجد، مطلب في رفع الصوت بالذكر: ۱/۶۶۰، سعيد)

مسجد کی دیوار میں از خود متولی اور مصلیان سے مشورہ کئے بغیر اس تصرف کا حق نہیں تھا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۲/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۲/۹۳ھ۔

مسجد کا پانی راستہ چلنے والوں کے لئے تکلیف کا باعث نہیں ہونا چاہیے

سوال [۱۰۴۹۰]: ہمارا گاؤں تقریباً ۷۰-۷۵ سال سے آباد ہے، ہم نے شروع میں پکی مسجد بنائی تھی، اب پکی خوشنما مسجد بن گئی ہے۔ مسجد کی چہار دیواری کافی ہے آدمی کے سر کے برابر ہے اور اندر تھوڑی زمین اس لئے رکھی ہے کہ گاؤں کی بڑھتی آبادی کے ساتھ ساتھ عمارت بھی بڑھتی رہے گی۔ اس زمین میں اس وقت ارنڈ وغیرہ کے پیڑ لگے ہوئے ہیں(۱)، اب اندر ہی دو غسل خانے ہیں جن کا گندہ پانی شروع ہی سے باہر جاتا تھا۔

اب ایک شخص نے غسل خانے کا پانی دیوار توڑ کر مسجد کی زمین میں ڈال دیا ہے جو مندرجہ بالا لکھی ہوئی ہے اور اس پانی کو مسجد کی زمین میں ڈالنے پر جو لاگت آئی ہے، وہ روپیہ اس شخص نے مسجد کے خزانے سے نکالا ہے، کیونکہ وہ شخص خود متولی مسجد ہے۔ اس نے یہ پانی اس وجہ سے مسجد کی زمین پر ڈالا ہے کہ راستہ پر کیچڑ رہتا تھا۔ براہ کرم اس بارے میں فتویٰ عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کے غسل خانوں کا پانی اس طرح پر نکالنا کہ وہاں کیچڑ ہو جائے اور چلنے والوں کو تکلیف ہو نہیں چاہیے، اگر اندرون احاطہ پانی کی جگہ ہے جس کے ذریعہ راستہ محفوظ رہ سکے تو راستہ کو بچانا چاہیے۔ مسجد کے متولی صاحب نے ٹھیک کیا ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "ارنڈ: درخت، تخم، بیدانجیر"۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۲۹، فیروز سنز، لاہور)

"ارنڈ: ایک درخت جس کے بیجوں سے تیل نکالا جاتا ہے۔ ارنڈ خربوزہ: ایک خاص قسم کا پھل، پپیتہ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۳، فیروز سنز، لاہور)

(۲) "عن أبي بردة عن أبي موسى رضي الله تعالى عنه قال: قالوا: يا رسول الله! أي الإسلام أفضل؟ قال: من سلم المسلمون من لسانه ويده". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب: أي الإسلام أفضل، ۱:۶، قديمي)

بازار میں واقع مسجد میں لوگوں کی آمدورفت کی وجہ سے بے حرمتی کا اندیشہ

سوال [۱۱۰۲۱]: ایک مسجد جو کہ بازار میں واقع ہے اور بازار کے لوگ مسجد کے نل سے پانی بھرتے ہیں۔ تو یہ درست ہے یا نہیں؟ نیز لوگ مسجد کے غسل خانوں میں آکر گندگی بھی کر جاتے ہیں، نیز وہیں پر عورتیں مسجد میں آکر بیٹھتی ہیں اور کھانا وغیرہ کھاتی ہیں جس سے مسجد میں چھلکے اور دوسری چیزوں کے کوڑے آتے ہیں اور مسجد کی بہت ہی بے حرمتی ہوتی ہے، یہاں تک کہ بعض دفعہ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ غسل خانہ میں لوگ بھنگ بھی پیتے ہیں۔ تو اس صورت میں مسجد غیر اوقاتِ نماز میں بند کر دی جائے یا نہ کی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگرچہ اوقاتِ نماز کے علاوہ مسجد کو بند کرنا بھی درست ہے (۱)، مگر مناسب یہ ہے کہ لوگوں کو پانی کی تکلیف ہوگی، جو کام مسجد میں غلط ہو رہے ہیں ان سے روکنے کے لئے مسجد کے متولی کو تنبیہ کرنے اور اعلان بھی کرا دیا جائے، جب بار بار ان کو تنبیہ ہو جائے گی تو توقع ہے کہ وہ رک جائیں گے۔ نیز اوقاتِ نماز میں جب وہ مسجد میں آئیں تو ان سے درخواست کی جائے کہ وہ نماز ادا کریں، محض بطورِ مسافر خانہ مسجد کو استعمال نہ کریں (۲)۔ اگر دعوت و تبلیغی جماعت کا طریقہ اختیار کیا جائے تو انشاء اللہ زیادہ نفع کی امید ہے، اس سے مسجد کا احترام بھی قلوب میں پیدا ہوگا جس سے غلط کاموں سے نفرت ہو جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۶ھ

---

(۱) "وكره غلق باب المسجد، إلا لخوف على متاعه، به يفتى". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱/۶۵۶، سعيد)

وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۲/۶۰، رشيدية

وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱/۴۲۲، مصطفى البابي الحلبي، مصر

(۲) "ويكره النوم والأكل فيه لغير المعتكف". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/۳۲۱، رشيدية)

وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱/۶۶۱، سعيد

جائے وہ اسی کی جگہ ہوگی، اس کو وہاں سے اٹھانے کا بھی حق نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۸۵ھ۔

دیوارِ مسجد میں تختہ لگا کر قرآن ودینی کتب رکھنا

سوال [۷۴۹۴]: مسجد میں جہاں امام کھڑا رہتا ہے، اس دیوار ہی میں آس پاس جو محرابیں ہوتی ہیں، ان میں فرش یا تختہ وغیرہ لگا کر قرآن شریف ودیگر کتب رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تعمیر مسجد کو اس سے نقصان نہ پہنچے (دیوار کمزور نہ ہوجائے) تو قرآن پاک اور دینی کتب کا مطالعہ کے لئے وہاں رکھنا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۳/۹۴ھ۔

صحنِ مسجد میں نماز

سوال [۷۴۹۵]: صحنِ مسجد کو اگر حکم مسجد میں داخل مانا جائے تو کیا اس میں فرائض ووتر وتراویح نماز

---

(۱) "ویکرہ تخصیص مکان فی المسجد لنفسہ؛ لأنہ یخل بالخشوع". (البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیہا، فصل: کرہ استقبال القبلۃ: ۲/۱۲، رشیدیہ)

"وتخصیص مکان لنفسہ، ولیس لہ إزعاج غیرہ منہ". (الدر المختار). "(قولہ: وتخصیص مکان لنفسہ)؛ لأنہ یخل بالخشوع، کذا فی القنیۃ، أی لأنہ إذا اعتادہ، ثم صلی فی غیرہ، یبقی بالہ مشغولاً بالأول .... قال فی القنیۃ: لہ فی المسجد موضع معین یواظب علیہ، وقد شغلہ غیرہ، قال الأوزاعی: لہ أن یزعجہ، ولیس لہ ذلک عندنا، اھ. أی لأن المسجد لیس ملکاً لأحد". (رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیہا، مطلب فی رفع الصوت بالذکر: ۱/۶۶۲، سعید)

(۲) "ودل تعلیلہم أن المبیع لو کان لا یشغل البقعۃ، لا یکرہ إحضارہ، کدراہم ودنانیر یسیرۃ أو کتاب ونحوہ". (البحر الرائق، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۲/۵۳۰، رشیدیہ)

"لأن إباحتہ فی المسجد للضرورۃ، فلا یجاوز مواضعہا". (فتح القدیر، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۲/۳۹۷، مصطفی البابی الحلبی مصر)

باجماعت ادا کی جائے گی، نیز یہاں ادا کرنے میں ثواب میں تو کمی نہ ہوگی اور افضلیت کس میں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی صورت میں مسجد کا ثواب نہ ملے گا (۱) اور مسجد کو معطل کرنے کا وبال مستقل ہوگا (۲)، جماعت کا ادا کرنا مسجد میں بالیقین افضل ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱۰/۹۱ھ۔

صحنِ مسجد کا احترام

سوال [۷۲۰۹]: مسجد کے صحن کا کچھ حصہ جو حدودِ مسجد میں ہے بغیر مرمت و پلاستر وغیرہ کے ہے، اس جگہ اینٹ روڑا وغیرہ پڑا ہوا ہے، ناہموار ہونے کی وجہ سے یہاں باقاعدہ نماز نہیں پڑھی جاتی۔ کیا اس کا احترام صحنِ مسجد کی طرح ضروری ہے؟ یہاں جوتا وغیرہ لے جانا، غسل وغیرہ کرنا کیسا ہے؟

---

(۱) "ولو اتخذ في بيته موضعاً للصلوٰة، فليس له حكم المسجد أصلاً". (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المساجد، ص: ۶۱۳، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة، الخ: ۲/۶۳، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه، وسعىٰ في خرابها﴾ الآية. (سورة البقرة: ۱۱۴)

(۳) "عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "صلاة الرجل في بيته بصلاة، وصلاته في مسجد القبائل بخمس وعشرين صلاةً". (سنن ابن ماجة، أبواب المساجد، باب ما جاء في الصلاة في المسجد الجامع، ص: ۱۰۲، قديمي)

"لأن الصلوٰة في الجماعة تفضل صلوٰة الفذ بخمس وعشرين، أو سبع وعشرين درجةً" (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المساجد: ۶۱۳، سهيل اكيڈمي لاهور)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "صلوٰة الجميع تزيد على صلوته في بيته وصلوته في سوقه خمساً وعشرين درجةً". (صحيح البخاري: ۱/۶۹، كتاب الصلوٰة، باب الصلوٰة في مسجد السوق، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس حصہ زمین کو مسجد قرار دیدیا گیا ہے وہ مرمت نہ ہونے کے باوجود قابل احترام ہے، اس میں کوئی ایسا کام نہ کیا جائے جو آداب مسجد کے خلاف ہو(۱)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۹/۸۷ھ۔

مسجد کا پھول توڑنا

سوال[۷۴۹۷]: مسجد میں اگر خوشبودار پھول کا پیڑ لگا دیا جائے(۲) تو اس کا پھول توڑنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر پھول کا درخت مسجد میں لگایا ہے تا کہ نمازیوں کو اس سے راحت پہنچے تو اس کا پھول توڑ کر باہر نہ لے جائیں، وہیں لگا رہنے دیں(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱۲/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱۲/۹۱ھ۔

مسجد میں پھول کے گملے

سوال[۷۴۹۸]: مسجد میں خوشبو کیلئے پھول وغیرہ لگانا کیسا ہے؟

مولانا محمد مصطفیٰ۔

---

(۱) "ولو خرب ما حوله، واستغنی عنه یبقی مسجداً عند الإمام والثانی أبداً إلی قیام الساعة، وبه یفتی". (الدر المختار، کتاب الوقف، مطلب فی أحکام المسجد: ۴/۳۵۸، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المساجد: ۵/۴۲۱، رشیدیہ)

"لأن تنزیه المسجد عن القذر واجب". (الحلبی الکبیر، فصل فی أحکام المسجد: ۶۱۲، سهیل اکیڈمی لاہور)

(۲) "پیڑ: درخت، شجر، پودا، بوٹا". (فیروز اللغات، ص: ۳۲۹، فیروز سنز، لاہور)

(۳) (راجع، ص: ۲۲۱، رقم الحاشیة ۱)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر واقعۃً مسجد میں کوئی بیماری ہو تو وہاں پھول لگا دیا گملے میں رکھنا خوشبو کے لئے درست ہے(۱)، مگر جو جگہ نماز کے لئے متعین ہے اس کو پھولوں کے پودوں سے مشغول نہ کریں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسجد میں درخت لگانا

سوال[۶۴۹۱]: درخت بوہڑ یعنی بڑ یا پیپل (جس کی ہندو پوجا اور تعظیم کرتے ہیں) ان کی

---

(۱) "ولو غرس في المسجد يكون للمسجد، لأنه لا يغرس لنفسه في المسجد". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً الخ: ۳/۲۹۱، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والخانات والمقابر الخ: ۲/۴۷۳، رشيدية)

"و(يكره) غرس الأشجار إلا لنفع كتقليل نز، وتكون للمسجد". (الدر المختار). "قال في الخلاصة: غرس الأشجار في المسجد لا بأس به إذا كان فيه نفع للمسجد". (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/۶۵۹، سعيد)

"وإذا غرس شجراً في المسجد، فالشجر للمسجد". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والخانات والمقابر الخ: ۲/۴۷۳، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف الأشجار: ۵/۸۴۳، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "قال الفقيه أبو الليث رحمه الله تعالى: لا يجوز له أن يجعل شيئاً من المسجد مسكناً أو مستغلاً". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً الخ: ۳/۲۹۳، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، نوع في وقف المنقول: ۶/۲۵۸، رشيدية)

شاخیں اور پتے کسی کو توڑنے نہیں دیتے ۔ ۲۔ صحنِ مسجد یعنی فنائے مسجد میں لگانا، یا درخت بڑ خراب شدہ کے اردگرد کچھ زمین بشکل چبوترہ گول چھوڑ کر پانچ یا چھ فٹ گہری کھائی کھود کر بڑ خراب شدہ کی آب پاشی کرنا تاکہ اس کی شاخیں تر وتازہ ہوکر بڑھیں، جائز ہے یا نہیں؟ اور باوجود اس کے کہ مصلی فنائے مسجد میں کھڑے ہوکر اقتدا بھی نہیں کرسکتے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں اگر مسجد کو یا نمازیوں کو کوئی منفعت ہو تو درست ہے، اگر کوئی منفعت نہ ہو یا کفار کے ساتھ تشبہ ہو تو ناجائز ہے، هكذا يستفاد مما في رد المحتار: ۱/۶۶۲ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسجد میں تعزیہ رکھنا

سوال[۳۰۰۱]: مسجد میں تعزیہ بنانا، یا رکھنا، نماز اور جماعت کے وقت کھٹ کھٹ اور شور وغل کرنا اور مسجد کی بجلی وغیرہ خرچ کرنا کیسا ہے؟

---

(۱) "قال في الخلاصة: غرس الأشجار في المسجد، لابأس به إذا كان فيه نفع للمسجد بأن كان المسجد ذا نز، والأسطوانات لاتستقر بدونها، وبدون هذا لايجوز. وفي الهندية عن الغرائب: إن كان لنفع الناس بظله ولايضيق على الناس ولايفرق الصفوف، لابأس به، وإن كان لنفع نفسه بورقه أو ثمره، أو يفرق الصفوف، أو كان في موضع تقع به المشابهة بين المسجد والبيعة، يكره". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/۶۶۲، سعيد)

"ويكره غرس الأشجار في المسجد، لأنه يشبه البيعة، إلا أن يكون به نفع للمسجد كأن يكون ذا نز، أو أسطوانة لاتستقر، فيغرس ليجذب عروق الأشجار ذلك النز، فحينئذ يجوز، وإلا فلا". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة، الخ: ۲/۳۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى البزازية، كتاب الصلاة، السادس والعشرون في حكم المسجد: ۶/۸۱، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، فصل: ويكره استقبال القبلة: ۱/۴۲۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

۲۔ مسجد کے چبوترہ پر رکھنا اور ڈھول وتاشہ بجانے والوں کے لئے اور مسجد کے پاس نماز باجماعت کے وقت شور وغل مچانے والوں کے لئے کیا حکم ہے؟

۳۔۔۔ مسجد کی اشیاء کو عاریت پر دینا، مسجد کی مٹکیاں، لوٹے، گلاس، پنکھے، سائبان مسلمانوں کو عاریۃً بیاہ، شادی یا غمی میں دینا یا لے جانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۔۔۔ ناجائز ہے(۱)۔

۲۔۔۔ یہ لوگ گناہ گار ہیں، ان کو توبہ ضروری ہے(۲)۔

۳۔۔۔ ناجائز ہے(۳)، ان سب کو مسجد میں متولی کی شرائط کے موافق استعمال کرنا چاہیے(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۲/۵۲ھ۔

---

(۱) "ویکرہ کل عمل من عمل الدنیا فی المسجد". (الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب الکراھیۃ، الباب الخامس فی آداب المسجد: ۳۲۱/۵، رشیدیہ)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وما کان صلاتھم عند البیت إلا مکاءً و تصدیۃً﴾. (سورۃ الأنفال: ۳۵)

قال العلامۃ الآلوسی: "یروی أنھم کانوا إذا أراد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم أن یصلی یخلطون علیہ بالصفیر والتصفیق، ویرون أنھم یصنعون شیئاً". (روح المعانی: ۲۰۳/۹، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

قال اللہ تعالیٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد اللہ أن یذکر فیھا اسمہ، وسعی فی خرابھا﴾ (سورۃ البقرۃ: ۱۱۴)

قال العلامۃ الآلوسی: "وظاھر الآیۃ العموم فی کل مانع، وفی کل مسجد، وخصوص السبب لا یمنعہ". (روح المعانی: ۳۶۳/۱، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۳) "ولا تجوز إعارۃ أدواتہ لمسجد آخر". (الأشباہ والنظائر، القول فی أحکام المسجد: ۹۳/۳، إدارۃ القرآن کراچی)

"فإذا تم ولزم، لا یملک ولا یملک ولا یعار ولا یرھن". (الدر المختار، کتاب الوقف: ۳۵۱/۴، ۳۵۲، سعید)

(۴) "لأن شرائط الواقف معتبرۃ إذا لم تخالف الشرع، وھو مالک، فلہ أن یجعل مالہ حیث شاء مالم یکن –

مسجد میں کلنڈر راور اشتہار کتب لگانا

سوال[۱۰۲۰۱]: مسجد میں کلنڈر یا کتابوں کے فروخت کرنے کا اشتہار یا مدرسہ کے جلسہ کے اشتہارات لگانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا نہ کریں، جدار قبلہ میں نقش ونگار کو بھی ردالمحتار میں مکروہ قرار دیا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۵/۹۷ھ۔

مسجد میں آئینہ اور پنجتن کا طغرہ لگانا مکروہ ہے

سوال[۱۰۲۰۲]: ۱... مسجد کے سامنے دیوار پر آئینہ لگانا کیسا ہے؟

۲... پنجتن پاک کا طغرہ دیوار پر لگانا (گھروں میں یا مسجدوں میں) کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... مسجد کی سامنے والی دیوار میں کوئی بھی ایسا کام (آئینہ، طغرہ، نقش ونگار) جس سے مصلی کی توجہ اس طرف ہو مکروہ ہے(۲)۔

= معصیة، ولہ ان یخص صنفاً من الفقراء" (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة: ۳۴۳/۴، سعید)

(۱) "(ولا بأس بنقشه خلا محرابه) فإنه يكره؛ لأنه يلهي المصلي، ويكره التكلف بدقائق النقوش ونحوها خصوصاً في جدار القبلة" (الدرالمختار). "وكره بعض مشايخنا النقش على المحراب وحائط القبلة؛ لأنه يشغل قلب المصلي". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب: كلمة "لا بأس" دليل على أن المستحب غيره: ۶۵۸/۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۳۱۹/۵، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها، فصل: ۶۵/۲، رشيدية)

(۲) "ومحل الاختلاف في غير نقش المحراب، أما نقشه فهو مكروه؛ لأنه يلهي المصلي. كما في فتح القدير وغيره" (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها، فصل: كره استقبال =

۲ اگر اس کے ذریعہ نمازی کی توجہ منتشر ہوتی ہے تو مکروہ ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۸/۱۳۹۹ھ۔

— القبلة: ۲/۱۶۵، رشيدية)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها، فصل: ويكره استقبال القبلة: ۱/۴۲۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلوة، مطلب: كلمة "لابأس" دليل على أن المستحب غيره: ۱/۶۵۸، سعيد)

(۱) "ولا بنقشه بالجص وماء الذهب" أي ولا يكره نقش المسجد، وهو المذكور في الجامع الصغير بلفظ: "لا بأس به". وقيل: يكره للحديث: "إن من أشراط الساعة تزيين المساجد". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها: ۲/۴۰، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/۳۱۹، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، مطلب كلمة "لابأس" دليل على أن المستحب غيره أنفع: ۱/۶۵۸، سعيد)

الفصل الثانی فی النیام والقیام فی المسجد

(مسجد میں سونے اور ٹھہرنے کا بیان)

مسجد میں سونا

سوال [۷۰۳۱]: مسجد میں سونا عوام کو یا خواص کو، چارپائی پر یا بغیر چارپائی کے، بوڑھا ہو یا جوان درست ہے یا نہیں؟ مع حوالۂ کتب مع تشریح کے لکھا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

معتکف کو اور ایسے مسافر کو جس کا کہیں ٹھکانہ نہ ہو درست ہے، چارپائی پر ہو یا بلا چارپائی کے، جوان ہو یا بوڑھا ہو، اوروں کو احتیاط چاہئے کہ مسجد کے اندر سونا مکروہ ہے۔

"ويكره النوم والأكل فيه: أي المسجد لغير المعتكف، وإذا أراد أن يفعل ذلك ينبغي أن ينوي الاعتكاف، فيدخل فيه ويذكر الله تعالى بقدر ما نوى، ولا بأس للغريب ولصاحب الدار أن ينام في المسجد في الصحيح من المذهب، والأحسن أن يتورع فلا ينام، اهـ".

عالمگیری: ۵/۳۲۱(۱)۔

بعض صحابہ سے بعض اوقات مسجد میں سونا ثابت ہے جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، الخ: ۵/۳۲۱، رشيدية)

"والنوم فيه لغير المعتكف مكروه، وقيل: لا بأس للغريب أن ينام فيه، والأولى أن ينوي الاعتكاف، ليخرج من الخلاف" (الحلبي الكبير، ص: ۶۱۲، فصل في أحكام المسجد، سهيل اكيدمي لاهور)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/۶۶۲، سعيد)

تعالیٰ عنہما کے متعلق منقول ہے:

"إنه كان ينام وهو شاب أعزب لا أهل له في مسجد النبي صلى الله تعالى عليه وسلم"(۱)۔

ہمارے علماء نے اس کو ضرورت پر محمول کیا ہے، کما فی فیض الباری (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

مسجد میں سونا

سوال [۳۰۰۸]: ایک شخص ایسا ہے جس کے مکان بھی ہے اور اس دیہات میں بھی ہیں، وہ ہمیشہ بجائے گھر کے مسجد میں سوتا ہے، مسجد کو گویا اس نے اپنا مکان سمجھ رکھا ہے، حالانکہ وہ اپنا سامان نہیں رکھتا، علاوہ بستر کے۔ تو کیسا ہے اور اس کا کیا حکم ہے؟

محمد عرب، سیتاپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مستقلاً مسجد کو مکان بنانا اور وہاں رہائش اختیار کرنا نہیں چاہئے، یہ مکروہ اور احترامِ مسجد کے خلاف ہے(۳)، لیکن اگر کسی پر نیند کا غلبہ ہو اور اس کی جماعت فوت ہوتی ہو، یا نماز قضا ہو جاتی ہے اور مسجد میں سونے سے نماز باجماعت کی پابندی نصیب ہوتی ہے، یا تہجد کی توفیق ہوتی ہے، یا مسجد کی حفاظت مقصود ہے، یا کوئی اور دینی ضرورت ہے جو بغیر مسجد میں سوئے حاصل نہیں ہوتی تو اس کے لئے اجازت بھی ہے، بلکہ صحابہ بھی رہتے

(۱) (صحیح البخاری: ۱/۶۳، باب نوم الرجال فی المسجد، قدیمی)

(۲) "قلت: ولا تمسك فيه، لأن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما كان أحوج الناس وأفقر من الغرباء، لم يكن له بيت ولا شيء، فإذا جاز للغريب أن ينام في المسجد فكيف به". (فيض الباري، كتاب الصلوة، باب نوم الرجال في المسجد: ۲/۴۲، خضر راه بک ڈپو دیوبند)

(۳) "ويكره النوم والأكل فيه: أي المسجد لغير المعتكف، وإذا أراد أن يفعل ذلك، ينبغي أن ينوي الاعتكاف، فيدخل فيه ويذكر الله تعالى بقدر ما نوى أو يصلي، ثم يفعل ما شاء، كذا في السراجية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، إلخ: ۵/۳۲۱، رشيدية)

ضرورت کے لئے مسجد میں سوتے تھے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مدرسہ جامع العلوم کانپور۔

مسجد میں سونا

سوال[۵۲۰۵]: مسجد میں امام یا محلہ کا کوئی شخص ہو، چارپائی بچھا کر روزمرہ سونا کیسا ہے؟ حالانکہ حجرہ اور سونے کی جگہ موجود ہے۔

محمد عمر۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب دوسری جگہ موجود ہے تو پھر مسجد میں سونا اور وہ بھی روزمرہ سونا مکروہ ہے، اس سے بچنا چاہئے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۶/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۶/۵۷ھ۔

مسجد میں سونا، آرام کرنا اور اعتکاف کرنا

سوال[۵۲۰۶]: ۱… مسجد میں داخلہ کے وقت اعتکاف کر سکتے ہیں یا نہیں؟

۲… مسجد میں بستی کا کوئی شخص یا مسافر آرام کر سکتا ہے یا نہیں؟ بعض اشخاص اکثر آیا کرتے ہیں، یہ آرام کر سکتے ہیں یا نہیں؟

---

(۱) "عن عبيد الله قال: حدثني نافع قال: أخبرني عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنهما أنه كان ينام -وهو شاب أعزب لا أهل له- في مسجد النبي صلى الله تعالى عليه وسلم" (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب نوم الرجال في المسجد: ۱/۶۳، قديمي)

"قلت: ولا تمسك فيه، لأن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما كان أحوج الناس وأفقر من ألا يكون له بيت ولا شيء، فإذا جاز للغريب أن ينام في المسجد، فكيف هذا" (فيض الباري، كتاب الصلوة، باب نوم الرجال في المسجد: ۲/۴۴، خضر راه بكڈپو ديوبند)

(۲) (راجع ص: ۲۳۲، رقم الحاشية: ۱)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد نماز کی جگہ ہے سونے اور آرام کرنے کی جگہ نہیں ہے، جو مسافر پردیسی ہو یا کوئی معتکف ہو اس کے لئے گنجائش ہے(۱)۔ جماعتیں عموماً پردیسی ہوتی ہیں، یا پھر مسجد میں رات کو وہ ذکر تسبیح ونوافل میں بیشتر مشغول رہتی ہیں، کچھ دیر آرام بھی کرلیتی ہیں، اس طرح وہ ان کے ساتھ مقامی آدمی بھی شب گزاری کریں تو نیت اعتکاف کرلیا کریں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۴/۸۹ھ۔

امام کا مسجد میں چارپائی بچھا کر لیٹنا

سوال [۷۰۰۱]: جس مسجد میں امام کے رہنے کے لئے کمرہ نہ ہو تو وہاں امام سردی، گرمی، برسات میں چارپائی بچھا کر مسجد میں لیٹ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کے احترام کے خلاف اور دوسروں کے لئے موجب توحش ہے(۳)۔ آج کل مسجد میں چارپائی بچھانے کو مسجد کی بے ادبی تصور کیا جاتا ہے، ایسے مسائل میں عرف کا لحاظ ہوتا ہے(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "والنوم فيه لغير المعتكف مكروه، وقيل: لا بأس للغريب أن ينام فيه، والأولى أن ينوي الاعتكاف ليخرج من الخلاف". (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۲، سهيل اكيدمي لاهور)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، الخ: ۵/۳۲۱، رشيدية)

(وكذا في فيض الباري، كتاب الصلوة، باب نوم الرجال في المسجد: ۲/۳۱، خضر راه بكذبو ديوبند)

(۲) "قوله: (وأكل ونوم) وإذا أراد ذلك، ينبغي أن ينوي الاعتكاف، فيدخل فيه، ويذكر الله تعالى بقدر ما نوى، أو يصلي، ثم يفعل ما شاء". (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/۶۶۲، سعيد)

(۳) "توحش: وحشت، نفرت، وحشت ہونا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۸۹، فیروز سنز لاہور)

(۴) "والعرف في الشرع له اعتبار لذا عليه الحكم قد يدار". (شرح عقود رسم المفتي، ص: ۱۴۳، دار الكتاب)

مسجد میں چارپائی پر آرام کرنا

سوال[۷۴۰۸]: ایک عالم صاحب کہتے ہیں کہ مسجد میں چارپائی بچھا کر سونا جائز ہے، چاہے مسافر ہو چاہے معتکف ہو، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے اعتکاف میں سریر کا مسجد میں ہونا اور اس پر آرام فرمانا احادیث میں صاف صاف مذکور ہے، اس لئے اس کو ناجائز کہنا غلط ہے(۱)۔ البتہ آج کل عرفاً اس چیز سے عوام میں تشویش پیدا ہوتا ہے، اس بناء پر احتیاط کی جائے تو مناسب ہے(۲)، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سریر پر دوران آرام فرمانا تعبداً وتبرکاً للأمة نہیں تھا، بلکہ مصلحۃً (آرام کے لئے) تھا(۳)، پس اس سے

=(وكذا في رد المحتار، كتاب البيوع، مطلب في الشرط الفاسد إذا ذكر بعد العقد أو قبله: ۵/۸۸، سعید)

"ادب کا مدار عرف پر ہے، اس لئے اختلاف ازمنہ سے وہ مختلف ہوسکتا ہے، حضرات صحابہ کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مزاح کرنا ثابت ہے اور اب بزرگوں کے ساتھ مزاح کرنا خلاف ادب سمجھا جاتا ہے"۔ (تحفۃ العلماء، کمالات اشرفیہ: ۲/۱۳۳، ادارہ تالیفات اشرفیہ)

(۱) "عن نافع عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم كان إذا اعتكف، طرح له فراشه، أو يوضع له سريره وراء أسطوانة التوبة". (سنن ابن ماجة، أبواب ما جاء في الصيام، باب في المعتكف يلزم مكاناً في المسجد، ص: ۱۲۷، قديمي)

(وإعلاء السنن، كتاب الصوم، باب جواز طرح الفراش في المسجد للمعتكف: ۹/۱۵۹، إدارة القرآن كراچي)

(۲) راجع، ص: ۲۳۴، رقم الحاشية: ۳)

(۳) فتاویٰ رشیدیہ میں اس سوال کے جواب میں صرف اتنا ہے کہ چارپائی مسجد میں بچھانا درست ہے، مگر نیچے حاشیہ میں مولانا عبدالحی رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معتکف کے لئے ہے، ونصہ:

"جائز است چہ بجائے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم در مسجد سریرے نہادہ شدے در ایام اعتکاف آرام می فرمودند، چنانکہ در سنن ابن ماجہ از ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کردہ "أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم =

لیٹنے اور بیٹھنے دیں جو پیشاب کرکے مسجد اور جائے نماز کو ناپاک کردیں، ان کے لئے مسجد کے خارج میں انتظام کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں ٹھہرنا اور پنکھا استعمال کرنا

سوال [۷۲۱۰]: مسجد میں کون لوگ قیام کرسکتے ہیں؟ اسی طرح مسجد کے اندر رات بھر پنکھا چلا کر بجلی کا استعمال کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ اسی طرح مسجد کے اندر بجلی اور پنکھے رات کو کون سے حصہ تک چلا کر استعمال کرنا مسئلے سے ثابت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص معتکف ہو یا مسافر ہو اور اس کا کہیں ٹھکانہ نہ ہو اس کو مسجد میں ٹھہرنے کی اجازت ہے (۲)۔

= باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا، مطلب فی رفع الصوت بالذکر: ۱/۶۶۰، سعید)

"فإن كان بحيث يلوث المسجد، يمنع منه؛ لأن تنظيف المسجد واجب". (البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۵۳۰، رشيديه)

"لأن تنزيه المسجد عن القذر واجب". (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۲، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(۱) "عن واثلة بن الأسقع رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "جنّبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم ... واتخذوا على أبوابها المطاهر، وجمّروها في الجمع". (سنن ابن ماجة، أبواب المساجد والجماعات، باب مايكره في المساجد، ص: ۵۴، قديمي)

(۲) "ويكره النوم والأكل فيه: أي المسجد لغير المعتكف، وإذا أراد أن يفعل ذلك، ينبغي أن ينوي الاعتكاف، فيدخل فيه ويذكر الله تعالى بقدر ما نوى أو يصلي، ثم يفعل ما شاء. ولا بأس للغريب ولصاحب الدار أن ينام في المسجد في الصحيح في المذهب، والأحسن أن يتورع فلاينام، كذا في خزانة الفتاوى".

(الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد الخ: ۵/۳۲۱، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/۶۶۱، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۲، سهيل اكيڈمي لاهور)

اور جو شخص نماز تہجد و فجر کے اہتمام کی خاطر مسجد میں رہے اس کے لئے بھی اجازت ہے، لیکن اپنے لئے مسجد کو آرام گاہ نہ بنایا جائے۔ مسجد کا پنکھا اور مسجد کی روشنی اصالۃً نماز کے لئے ہے، جب تک نمازی عامۃً نماز پڑھتے ہیں اس وقت تک استعمال کریں، اگر علاوہ نماز کے دیگر مقاصد کے لئے استعمال کریں تو اس کے معاوضہ میں مسجد کی خدمت بھی کردیا کریں، فتاوی عالمگیری میں چراغ مسجد کے متعلق مسئلہ مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۶/۱۴۰۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں نفلی اعتکاف کی نیت سے قیام کرنا

سوال[۱۴۱۷]: رمضان المبارک کے مہینہ کے علاوہ دوسرے ایام میں نفلی اعتکاف کی نیت سے مسجد میں قیام کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نفلی اعتکاف بغیر رمضان کے بھی ہو سکتا ہے اور ایسے معتکف کو بھی مسجد میں قیام کرنا درست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "ولو وقف على دهن السراج للمسجد، لا يجوز وضعه جميع الليل، بل بقدر حاجة المصلين، ويجوز إلى ثلث الليل أو نصفه إذا احتيج إليه للصلاة فيه". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الخ: ۳/۴۵۹، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۰، رشيديه)

(۲) "وهو ثلاثة أقسام: واجب بالنذر، وسنة مؤكدة في العشر الأخير من رمضان، ومستحب في غيره من الأزمنة، هو بمعنى غير المؤكدة". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف: ۱/۲۱۱، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۲۲۲، دارالكتب العلمية بيروت)

الفصل الثالث في دخول الجنب والحائض في المسجد

(مسجد میں جنبی اور حائضہ کے داخل ہونے کا بیان)

کیا بحالتِ جنابت مسجد میں داخل ہونا حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھا؟

سوال[۱۲۰۶]: حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطے حالتِ جنابت میں مسجد میں داخل ہونا جائز تھا یا نہیں، اگر جائز تھا تو کیا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی یا سب کے واسطے برابر حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مکان کا دروازہ مسجد میں تھا(۱)، البتہ بحالتِ جنابت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مرور کی اجازت تھی، ہر ایک کو مسجد میں بحالتِ جنابت داخل ہونا اس وقت بھی ناجائز تھا اور اب بھی کسی کے لئے جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ رجب/ ۵۶ھ۔

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: "كان رسول الله ﷺ إذا اعتكف، أدنى إلي رأسه وهو في المسجد، فأرجله، وكان لا يدخل البيت إلا لحاجة الإنسان". (مشكوة المصابيح، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، الفصل الأول، ص: ۱۸۳، قديمي)

"عن عائشة رضي الله تعالى عنها زوج النبي ﷺ قالت: كان النبي ﷺ يصغي إلي رأسه وهو مجاور في المسجد، فأرجله وأنا حائض". (صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب الحائض ترجل المعتكف: ۱/ ۲۷۲، قديمي)

"قال ابن الملك رحمه الله تعالى: أي أخرج رأسه من المسجد إلى حجرتي". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، الفصل الأول، رقم الحديث: ۲۱۰۰: ۴/ ۵۰۳، رشيدية)

(۲) "قال: حدثني جسرة بنت دجاجة قالت: سمعت عائشة رضي الله تعالى عنها تقول: جاء رسول الله

حالتِ حیض وجنابت میں اور بغیر استنجا کے مسجد میں آنا

سوال[۶۲۱۲]: مسجد کے باہر پیشاب خانہ ہے، کوئی اس میں پاخانہ کرے اور کپڑا ڈھیلے سے صاف کرکے بغیر آبدست(۱) لئے ہوئے اندرونِ مسجد آسکتا ہے یا نہیں بغرض پانی لینے کے، یا بغیر آبدست لئے قطعی نہ آنا چاہئے، اسی طرح جنبی، حائضہ کا مسجد میں آنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جنب، حائضہ کا فرشِ مسجد اندرونِ مسجد داخل ہونا جائز نہیں(۲) اور بغیر آبدست لئے ڈھیلے سے

= صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ووجوہ بیوت أصحابہ شارعۃ في المسجد، فقال: "وجھوا ھذہ البیوت عن المسجد"، ثم دخل النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولم یصنع القوم شیئاً رجاء أن تنزل فیھم رخصۃ، فخرج إلیھم فقال: "وجھوا ھذہ البیوت عن المسجد، فإني لا أحل المسجد لحائض ولا جنب".

(سنن أبي داؤد، کتاب الطھارۃ، باب في الجنب یدخل المسجد: ۱/۳۲، إمدادیہ ملتان)

"وقد علم أن دخولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم المسجد جنباً و مکثہ فیہ من خواصہ".

(رد المحتار، کتاب الطھارۃ، مطلب: یوم عرفۃ أفضل من یوم الجمعۃ: ۱/۱۷۱، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الطھارۃ، باب الحیض: ۱/۳۳۹، رشیدیہ)

(۱) "آبدست: استنجاء، طہارت، پاکیزگی جو پانی سے کی جائے"۔ (فیروز اللغات، ص: ۳، فیروز سنز لاہور)

(۲) "ولا تدخل المسجد، وکذا الجنب لقولہ علیہ السلام: "فإني لا أحل المسجد لحائض ولا جنب"

(الھدایۃ، کتاب الطھارات، باب الحیض والاستحاضۃ: ۱/۶۴، مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

"ومنھا أنہ یحرم علیھما وعلی الجنب الدخول في المسجد، سواء کان للجلوس أو للعبور۔ ھکذا في منیۃ المصلي". (الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب الطھارۃ، الفصل الرابع في أحکام الحیض والنفاس والاستحاضۃ: ۱/۳۸، رشیدیہ)

"قولہ: (ودخول مسجد) أي یمنع دخول المسجد، وکذا الجنابۃ". (البحر الرائق، کتاب الطھارۃ، باب الحیض: ۱/۳۳۸، رشیدیہ)

"ویحرم الحدث الأکبر دخول مسجد ۔ ۔ ۔ ولو للعبور، إلا لضرورۃ". (تنویر الأبصار مع الدر المختار: ۱/۱۷۱، سعید)

صاف کرنے کے بعد آنا جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسجد بیت میں حائضہ کا داخل ہونا

سوال [۷۲۱۲]: جیسا کہ لکھا ہے کہ گھر کی مسجد بالکل مسجد کے حکم میں نہ ہوگی، تو کیا گھر کی مذکورہ مسجد میں حیض و نفاس والی عورتیں اور ناپاک مرد و عورت داخل ہو سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

داخل ہو سکتے ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۷/۸۸ھ۔

☆…☆…☆…☆…☆

---

(۱) "لا یکرہ ما ذکر فوق بیت جعل فیہ مسجد، بل ولا فیہ، لأنہ لیس بمسجد شرعاً" (تنویر الأبصار مع الدر المختار، مطلب فی أحکام المسجد: ۱/۶۵۶، سعید)

وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیہا، فصل: کرہ استقبال القبلة الخ: ۲/۶۲، رشیدیہ)

وکذا فی الہدایة، کتاب الصلاة، فصل ویکرہ استقبال القبلة الخ: ۱/۱۴۳، مکتبہ شرکت علمیہ، ملتان)

الفصل الرابع في دخول الكافر في المسجد

(غیر مسلم کا مسجد میں داخل ہونے کا بیان)

غیر مسلم کا مسجد میں داخل ہونا

سوال[۸۰۱۸]: اگر غیر مسلم مرد وعورت مسجد میں داخل ہو جانے کا ارادہ کریں، معلوم ہو کہ وہ ناپاک ہیں یا پاک ہیں تو داخلہ جائز ہے یا نہیں اور ان سے مسجد کی کوئی گناہ تو نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تک ناپاک ہونے کا علم نہ ہو اور دوسری کوئی چیز مضرت وفساد کی نہ ہو تو اجازت ہے(۱)، اس سے مسجد پر گناہ نہیں ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۳/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

غیر مسلموں کا مسجد کے حوض سے پانی پینا

سوال[۸۰۱۹]: حوض کے پانی سے غیر قوم کو تھوڑا پانی دینے کا حق ہے یا نہیں؟

---

(۱) "ولا بأس بأن يدخل الكافر وأهل الذمة المسجد الحرام وبيت المقدس وسائر المساجد لمصالح المسجد وغيرها من المهمات". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۰، رشيدية)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في جعل شيء من المسجد طريقاً: ۴/۳۷۹، سعيد)

(وكذا في أحكام القرآن للجصاص، (سورة التوبة: ۲۸): ۳/۱۳۰، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/۸۸ھ۔

مشرک کو مسجد میں آنے سے روکنا

سوال [۷۱۴۱]: ایک مشرک ہماری مسجد میں آیا کرتا ہے اور کبھی کبھی نماز میں بھی شریک ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ ایک دن خواب میں دیکھا کوئی اذان دے رہا ہے۔ کیا ایسے شخص کو مسجد میں آنے اور نماز میں شریک ہونے کی اجازت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ کسی عالم بزرگ کا پتہ اس کو بتلا دیا جائے، یا وہاں پہونچا دیا جائے تاکہ بات پوری طرح سمجھ لے، اس کو اسلام کی اصل خوبی نظر آجائے اور جب تک اس کا موقع نہ آئے مسجد میں آنے سے اس کو نہ روکیں (۲)۔ اللہ پاک سے دعاء کرتے رہیں کہ ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے دوسروں کو نفس اسلام

(۱) "وإذا جعل السقاية للشرب، فأراد أن يتوضأ منها، اختلف المشايخ فيه. وإذا وقف للوضوء، لا يجوز الشرب منه. وكل ما أعد للشرب حتى الحياض، لا يجوز منها التوضوء". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر، الخ: ۲/۴۶۵، رشيدية)

"فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، وهو مالك، فله أن يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصية، وله أن يخص صنفاً من الفقراء ولو كان الوضع في كلهم قربة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع: ۴/۳۴۳، سعيد)

"شرط الواقف كنص الشارع: أي في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة، اهـ". (الدرالمختار كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

(۲) "وقال أصحابنا: يجوز للذمي دخول سائر المساجد". (أحكام القرآن للجصاص، (سورة البرأة) مطلب في حجية الإجماع: ۳/۱۳۱، قديمي)

سے نفرت پیدا نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "ولا ينبغي أن يدخل الكافر وأهل الذمة المسجد الحرام وبيت المقدس وسائر المساجد لمصالح المسجد وغيرها من المهمات". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في جعل شيء من المسجد طريقاً: ۴/۳۷۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۰، رشيدية)

الفصل الخامس في إدخال الأشياء المنتنة في المسجد

(مسجد میں بدبودار چیزوں کے داخل کرنے کا بیان)

مسجد میں بدبودار رنگ کرنا

سوال [۶۲۱۸]: مسجد میں ایسا رنگ روغن کرنا جس میں تارپین اور دیگر اقسام کے اجزائے روغنی ڈال کر جس میں بدبو ہو، رنگ پکا کرنے کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ بدبو کافی دنوں تک رہتی ہے پھر ختم ہو جاتی ہے، ایسے رنگ مسجد میں کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکروہ تحریمی ہے، مسجد کو ہر بدبودار چیز سے محفوظ رکھنا چاہئے، حتیٰ کہ کچی پیاز ولہسن کھا کر بغیر منہ صاف کئے بدبودار منہ لے کر مسجد میں آنے کو حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے(۱)، فقہاء نے بھی مکروہ لکھا ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مٹی کا تیل مسجد میں لے جانا

سوال [۶۲۱۹]: اگر کوئی رات کو کلام مجید کی تلاوت کرنا چاہے اور کڑوا تیل نہ ہو تو مٹی کے تیل کی

---

(۱) "وعن جابر رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من أكل من هذه الشجرة المنتنة، فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الإنس". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب المساجد ومواضع الصلوة، الفصل الأول، ص: ۶۸، قديمي)

(۲) "ويكره أكل نحو ثوم، ويمنع منه، وكذا كل مؤذ ولو بلسانه". (الدر المختار). "(وأكل نحو ثوم): أي كبصل ونحوه مما له رائحة كريهة، للحديث الصحيح في النهي عن قربان آكل الثوم والبصل المسجد". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/۶۶۱، سعيد)

بتی جلاکر تلاوت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے(۱) مگر بدبودار تیل وغیرہ مسجد میں نہ جلانا جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۱۰/۱۵ھ۔

مٹی کا تیل مسجد میں جلانا

سوال [۷۰۰۱]: مٹی کا تیل مسجد میں جلانا جائز ہے یا نہیں؟

بشارت علی۔

---

(۱) مسجد میں بدبودار تیل جلانا جائز نہیں ہے اس لئے کہ اس چیز سے فرشتوں کو اذیت پہنچتی ہے جس سے انسان کو تکلیف ہوتی ہے، حضرت علامہ مفتی رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ: "مٹی کا تیل مسجد میں جلانا مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ اس میں بدبو ہوتی ہے اور ہر بدبودار شئی کا مسجد میں داخل کرنا ممنوع ہے۔ حدیث میں ہے کہ: "جو کوئی پیاز لہسن خام کھاوے مسجد میں داخل نہ ہووے" اور نقل عنہ! کپڑے اور بدن کی بدبو کے ساتھ مسجد میں آنے کو منع فرمایا کہ " ملائکہ اذیت پاتے ہیں اس چیز سے جس سے انسان اذیت پاتے ہیں"۔ لہذا اس تیل کے جلانے میں بھی چونکہ جن وانس وملائکہ کو اذیت ہے تو اس کا جلانا حرام ہوتا ہے۔ فقط واللہ اعلم"۔

مولانا عبدالحی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے حاشیہ میں نقل کیا ہے کہ: "اس تیل کا جلانا البتہ مساجد میں مکروہ ہے"۔

(تالیفات رشیدیہ، کتاب الوقف، باب مساجد کے احکام کا بیان، بعنوان مسئلہ: مساجد میں مٹی کا تیل جلانا، ص: ۴۳۹، ادارہ اسلامیات لاہور)

"من أكل من هذه الشجرة المنتنة فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الإنس". "(قوله: المنتنة): أي الثوم ويقاس عليه البصل والفجل وماله رائحة كريهة كالكرات". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوة، باب المساجد ومواضع الصلوة، (رقم الحديث: ۷۰۷): ۲/۴۳۲، حقانيه)

(۲) "قال: حدثنا عبد الوارث عن عبد العزيز قال: قيل لأنس رضي الله تعالى عنه: ما سمعت النبي صلى الله تعالى عليه وسلم في الثوم؟ فقال: "من أكل فلا يقربن مسجدنا". (صحيح البخاري، كتاب الأطعمة، باب ما يكره من الثوم والبقول، الخ: ۲/۸۲۰، قديمى)

(ومشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب المساجد و مواضع الصلوة، ص: ۶۸، قديمى)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مٹی کے تیل میں بدبو ہوتی ہے جس سے مسجد میں آنے والے ملائکہ اور نمازیوں کو اذیت ہوتی ہے، اس لئے اس کو مسجد میں جلانا منع ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/۸/۵۹ھ۔

مٹی کا تیل مسجد میں جلانا

سوال [۱۷۴۰]: ۱..... یہاں کے مسلمانوں کی حالت بہت خستہ ہے، وہ مسجد میں میٹھا تیل نہیں جلا سکتے، اس لئے مٹی کا تیل مسجد میں جلا سکتے ہیں یا نہیں؟

۲..... خارج مسجد جہاں پر وضو وغیرہ کرتے ہیں اس جگہ مٹی کا تیل جلا سکتے ہیں یا نہیں، خواہ اس کی روشنی صحن مسجد میں بھی آتی رہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل یہ ہے کہ بدبو سے ملائکہ کو بہت اذیت ہوتی ہے اور انسانوں کو بھی، اس لئے بدبودار چیز مسجد میں لانا منع ہے (۲)۔ اگر مٹی کا تیل مسجد سے باہر رکھا جائے اس طرح کہ بدبو مسجد میں نہ آئے تو درست ہے۔ اس کی روشنی کا مسجد میں آنا منع نہیں ہے، بلکہ بدبو کا آنا منع ہے، چاہے وضو کی جگہ رکھیں چاہے بیرونی دروازہ کی دیوار

---

(۱) "وعن جابر رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من أكل من هذه الشجرة المنتنة، فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الإنس". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب المساجد ومواضع الصلوة، الفصل الأول، ص: ۶۸، قديمي)

"قال الإمام العيني في شرحه على صحيح البخاري: قلت: علة النهي أذى الملائكة وأذى المسلمين، ولا يختص بمسجده عليه الصلاة والسلام، بل الكل سواء لرواية: "مساجدنا" بالجمع، خلافاً لمن شذ. ويلحق بما نص عليه في الحديث كل ماله رائحة كريهة مأكولاً أو غيره". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/۶۶۱، سعيد)

(۲) (راجع حاشية المتقدمة آنفاً)

وغیرہ پر، جہاں مناسب سمجھیں رکھ کر جاسکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مٹی کا یا شراب سے کھینچا ہوا تیل مسجد میں جلانا

سوال [۵۴۴۲]: یہاں پر تمام مسجدوں میں گیس کے ہنڈے جلتے ہیں، سنا گیا ہے کہ ان میں تیل جو جلتا ہے، مثلاً شراب سے کھنچتا ہے، تو اس کو مسجد میں جلانا کوئی شرع کے لحاظ سے ممانعت تو نہیں ہے؟ اگر منع ہے تو تحریر سے اطلاع دیں۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس تیل میں شراب کے اجزاء ہیں تو اس کا استعمال ناجائز ہے (۱)۔ اور اگر شراب کے اجزاء نہیں، بلکہ صرف مٹی کا تیل ہے تو اس کو مسجد میں جلانا منع ہے (۲)۔ ہاں! اگر کوئی اور تیل ہے جس میں بدبو نہیں، یا مٹی کے تیل کو کسی طرح صاف کرلیا ہے کہ بدبو نہیں رہی تو مسجد میں جلانا بھی درست ہے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۹/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/رمضان/۵۵ھ۔

---

(۱) "وأشار المصنف إلى أنه لا يجوز إدخال النجاسة المسجد، وهو مصرح به، فلذا ذكر العلامة قاسم في بعض فتاواه أن قولهم: إن الدهن المتنجس يجوز الاستصباح به مقيد بغير المساجد، فإنه لا يجوز الاستصباح به في المسجد، لما ذكرنا" (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيه، فصل كره استقبال القبلة، الخ: ۲/۶۱، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، مطلب في أحكام المسجد: ۱/۶۵۶، سعيد)

(۲) "عن جابر رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من أكل من هذه الشجرة المنتنة، فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الإنس". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب المساجد ومواضع الصلوة، الفصل الأول، ص: ۶۸، قديمي)

قال الشيخ المفتي رشيد أحمد رحمه الله تعالى: "حدیث میں ہے کہ کوئی بدبودار چیز کھاکر مسجد کے قریب نہ آئے، مٹی کے تیل کی بو ان چیزوں سے بہت زیادہ کریہہ ہے، اس لئے مسجد میں جلانا جائز نہیں"۔ (احسن الفتاوی، باب المساجد، مسجد میں [illegible]: ۶/۴۵۳، سعید)

(وكذا في إمداد الفتاوى، أحكام المساجد: ۲/۶۹۸، دارالعلوم كراچی)

(۳) کیونکہ بدبودار چیز کو مسجد میں لانے کی ممانعت کی علت "تأذی ملائکہ" ہے، اور جب کہ مذکورہ صورت میں [illegible] بدبو نہیں۔

معماروں کا مسجد میں گھٹنے کھولنا اور حقہ پینا

سوال [۷۲۲۳]: مسجد کے اندر تعمیر کے دوران معماروں کو حقہ پینا اور گھٹنے کھلے رکھنا کیسا ہے، ان کو روکنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گھٹنے کھلے رکھنا بھی ستر کے خلاف ہے، مسجد میں بھی منع ہے، چونکہ مسجد میں (۱) حقہ پینا منع ہے، اس لئے معماروں اور مزدوروں کو ہدایت کی جائے کہ ایسا نہ کریں، مسجد میں حقہ پینے سے بھی ان کو روکا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۳/ ۹۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۳/ ۹۵ھ۔

صحن مسجد میں سگریٹ پینا

سوال [۷۲۲۴]: صحن مسجد میں اکثر قرآن خوانی کے بعد یا جماعت کے انتظار میں مصلیین سگریٹ بیڑی

پینا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں ... شریعت کا مسجد میں بدبودار استعمال نادرست ہے

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: "(قوله: وأكل نحو ثوم) أي كبصل ونحوه مما له رائحة كريهة، للحديث الصحيح في النهي عن قربان آكل الثوم والبصل المسجد. قال الإمام العيني في شرحه على صحيح البخاري: قلت: علة النهي أذى الملائكة وأذى المسلمين، ولا يختص بمسجده عليه الصلوة والسلام، بل الكل سواء، لرواية مساجدنا بالجمع" (رد المحتار، كتاب الصلوة، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/۶۶۱، سعيد)

(۲) "وستر عورته، ووجوبه عام ولو في الخلوة على الصحيح" (الدر المختار). "(قوله: ووجوبه عام) أي في الصلاة وخارجها" (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلاة، مطلب في ستر العورة: ۱/۴۰۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثالث في شروط الصلاة: ۱/۵۸، رشيدية)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، شرائط الصلاة، ص: [illegible]، سهيل اكيدمي لاهور)

(۳) (راجع ص: ۲۴۸، رقم الحاشية: ۲)

سگریٹ کا استعمال کرنا شرعاً کیا حکم ہے؟ ہمارے یہاں بعض علماء جواز کے قائل ہیں اور علامہ شامی کے قول کو دلیل میں پیش کرتے ہیں۔ اور حضرت مولانا عبدالحئی کے فتاویٰ میں جو منقول ہے اس کو اس کی تکمیل پر محمول کرتے ہیں یعنی مولانا عبدالحئی صاحب علامہ شامی کے اعتبار سے کم عمر ہیں اور کم عمری میں انتقال ہو گیا ہے۔ اس مسئلہ کی بابت ہمارے یہاں بہت سخت اختلاف ہو رہا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر دو اختلاف کرنے والوں کے دلائل وعبارات مع حوالۂ کتاب وجلد واضح نقل کریں، پھر راجح مرجوح اور قوی وضعیف کے متعلق کچھ لکھا جائے گا، جس سے اختلاف کے ختم یا کم ہونے کی صورت پیدا ہو۔
فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱/۹۵ھ۔

جس کے زخم سے بدبو آتی ہو اس کا مسجد میں جانا

سوال [۵۲۲۱]: بعض آدمی بعض خاص بیماری کی وجہ سے اپنے صحیح سالم پیر کو زخم کر کے اس میں دوا لگا کر چھوڑ دیتے ہیں اور اس میں سے ہر دم ایک قسم کا پانی اور پیپ نکلتا رہتا ہے، اس زخم پر ایک ڈول دیتے ہیں تاکہ پیپ وغیرہ باہر نہ نکلے اور اس کو کپڑے سے بند کر دیتے ہیں، اس طرح سال دو سال تک رکھتے ہیں۔ تجربہ سے معلوم ہوا کہ اس سے جس بیماری کے لئے کیا جاتا ہے اس کا بھی فائدہ ہوتا ہے وہ بدن میں طاقت وقوت آجاتی ہے۔ بڑے حکیم وڈاکٹروں سے یہ ثابت ہے۔

دوسری بات دریافت طلب یہ ہے کہ اس کے زخم سے ہر وقت بدبو آتی ہے۔ مسجد وغیرہ میں اس کو جانا جائز ہے یا نہیں؟ عرفاً اس کو ڈول دینے والا کہتے ہیں اور اس فعل کو ڈول کہتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے شخص کو جس کے زخم سے بدبو آتی ہو اور دوسروں کو اذیت پہونچتی ہو مسجد میں جانا منع ہے:

"وأكل نحو ثوم يمنع منه، وكذا كل مؤذ ولو بلسانه اهـ". درمختار: "أي كبصل ونحوه مما له رائحة كريهة للحديث الصحيح في النهي عن قربان آكل الثوم والبصل المسجد

قال الإمام العینی فی شرحه علی صحیح البخاری: قلت: علة النهی أذی الملائکة وأذی المسلمین، ولا یختص بمسجده صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، بل الکل سواء، لروایة: "مساجدنا" بالجمع، خلافاً لمن شذ.

ویلحق بما نص علیه فی الحدیث کل ما له رائحة کریهة مأکولاً أو غیره، وإنما خص الثوم هنا بالذکر و فی غیره أیضاً بالبصل والکراث، لکثرة أکلهم لها، وکذا ألحق بعضهم بذلك من بفیه بخر أو به جرح له رائحة، الخ". شامی: ۱/۶۶۱(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۱/۵۷ھ۔

کوڑھی کا مسجد میں جانا

سوال[۷۴۲۶]: زید کوڑھ کے مرض میں مبتلا ہے، دیکھنے میں تندرست معلوم ہوتا ہے، مگر زیر علاج ہے، بائیں ہاتھ کی دو انگلیوں میں کمی آگئی۔ ماہر ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ اس وقت تمہارے خون میں کوئی خرابی نہیں۔ ایسی حالت میں زید مسجد میں جا کر نماز ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ مرض متعدی ہوتا ہے، لہٰذا زید کو مسجد میں نہیں آنا چاہیے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کوڑھ کا اثر خون میں نہیں، بدن سے رطوبت نہیں نکلتی، بدبو نہیں آتی تو مسجد میں جا کر نماز پڑھنا اور جماعت میں شریک ہونا درست ہے، محض دو انگلیوں میں کمی آجانے کی وجہ سے مسجد کی جماعت سے اس شخص کو محروم نہ کیا جائے۔ مرض متعدی نہیں ہوتا ہے(۲)۔

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها، مطلب فی الغرس فی المسجد: ۱/۶۶۱، سعید)

"یجب أن تصان عن إدخال الرائحة الکریهة، لقوله علیه الصلاة والسلام: "من أکل الثوم والبصل والکراث، فلا یقربن مسجدنا، فإن الملائکة تتأذی مما یتأذی منه بنو آدم". متفق علیه".

(الحلبی الکبیر، کتاب الصلوة، فصل فی أحکام المسجد، ص: ۶۱۰، سهیل اکیڈمی لاهور)

(۲) "عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه، حین قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "لا عدوی ولا =

ہیں۔ اگر نمازیوں میں وحشت پیدا ہو اور اس کی وجہ سے لوگ مسجد میں آنا چھوڑ دیں یا مسجد کے غیر آباد ہونے کا اندیشہ ہو، یا اس کے جانے کی وجہ سے تشویش کا اور فتنہ کا اندیشہ ہو تو اس کو خود ہی اس کا لحاظ رکھتے ہوئے مکان پر نماز ادا کر لینی چاہیے۔ مشکوٰۃ شریف میں کوڑھی سے الگ رہنے کی بھی تاکید ہے (۱) اور اس کے ساتھ کھانا کھانے کی بھی تصریح ہے (۲)، دونوں کا محمل یہی ہے کہ واقعی طور پر ہر مرض کو متعدی سمجھنا غلط ہے، اور احتیاط کے درجہ میں پرہیز کرنا درست ہے، مگر جب معالج کے ماتحت مرض موجود نہیں پھر اس سے بے پرہیز بھی نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۲/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

خارش و جذام والے کا مسجد میں آنا

سوال [۲۲۰۹]: ایک شخص ایسے مرض میں مبتلا ہے جو متعدی ہے یعنی خارش اور جذام ہے اور عوام اس سے نفرت بھی کرتے ہیں اور مسجد کی چٹائی نماز وغیرہ ان کے استعمال کرنے سے لوگ متنفر ہوں تو ایسے آدمی کے لئے مسجد کی اشیاء استعمال کرنے اور مسجد میں آنے کا شرعی حکم کیا ہے؟

= صفر ولا هامة"، فقال أعرابي: يا رسول الله! فما بال الإبل تكون في الرمل كأنها الظباء، فيجيء البعير الأجرب، فيدخل فيها فيجربها كلها؟ قال: "فمن أعدى الأول". (الصحيح لمسلم: ۲/۲۳۰، باب لا عدوى ولا طيرة الخ، قديمي)

(وكذا في فيض القدير: ۶/۳۶۸۸، رقم الحديث: ۹۸۰۷، مكتبه نزار مصطفى الباز مكة)

(۱) "وعنه (أبي هريرة) رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "لا عدوى ولا طيرة ولا هامة ولا صفر، وفر من المجذوم كما تفر من الأسد". رواه البخاري". (مشكوة المصابيح، كتاب الطب والرقى، باب الفال والطيرة، الفصل الأول، ص: ۳۹۱، قديمي)

(۲) "وعن جابر رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم أخذ بيد مجذوم، فوضعها معه في القصعة وقال: "كل ثقة بالله وتوكلاً عليه". رواه ابن ماجة". (مشكوة المصابيح، باب الكهانة، الفصل الثاني، ص: ۳۹۲، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی بھی مرض کو فی نفسہ متعدی سمجھنا غلط ہے، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے(۱)، لیکن جو شخص ایسے مرض میں مبتلا ہو کر لوگ اس سے نفرت کرتے ہوں، اور ان کے عقیدے غلط ہو جانے، یا غلط عقیدوں کے پختہ ہو جانے کا اندیشہ ہے، اس شخص کو اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، وہ اپنے مکان سے وضو کر کے جائے۔ اگر مسجد جانے سے بھی لوگوں میں نفرت پیدا ہو، یا اس کے جسم سے بدبو آتی ہو یا رطوبت نکلتی ہو تو اس کو اپنے مکان ہی پر نماز پڑھنی چاہیے، مسجد نہ جائے، جماعت اس سے ساقط ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۸/ ۱۳۹۹ھ۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه: حين قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "لا عدوى ولا صفر ولا هامة" فقال أعرابي: يا رسول الله! فما بال الإبل تكون في الرمل كأنها الظباء، فيجيء البعير الأجرب، فيدخل فيها فيجربها كلها؟ قال: "فمن أعدى الأول" (الصحيح لمسلم: ۲/ ۲۳۰، باب: لا عدوى ولا طيرة، قديمي)

(وكذا في فيض القدير: ۱۲/ ۶۳۸۹، (رقم الحديث: ۹۹۰۴)، مكتبه نزار مصطفى الباز مكة)

(۲) "(قوله: وأكل نحو ثوم) أي كبصل ونحوه مما له رائحة كريهة، للحديث الصحيح في النهي عن قربان آكل الثوم والبصل المسجد. قال الإمام العيني في شرحه على صحيح البخاري: قلت: علة النهي أذى الملائكة وأذى المسلمين ... ويلحق بما نص عليه في الحديث كل ما له رائحة كريهة مأكولاً أو غيره ... وكذلك ألحق بعضهم بذلك من بفيه بخر أو به جرح له رائحة، وكذلك القصاب، والسماك، والمجذوم والأبرص أولى بالإلحاق. وقال سحنون: لا أرى الجمعة عليهما ... وقوله صلى الله تعالى عليه وسلم: "وليقعد في بيته" صريح في أن أكل هذه الأشياء عذر في التخلف عن الجماعة. وأيضاً هنا علتان: أذى المسلمين وأذى الملائكة، فبالنظر إلى الأولى يعذر في ترك الجماعة وحضور المسجد، وبالنظر إلى الثانية يعذر في ترك حضور المسجد ولو كان وحده. اهـ ملخصاً"

(رد المحتار، كتاب الصلوة، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/ ۶۶۱، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۰، سهيل أكيدمي لاهور)

جذام والے کا مسجد میں آنا

سوال [۵۲۲۸]: ایک شخص جو جذام (برص) کی بیماری میں مبتلا ہے، اس کو نماز با جماعت میں کس جگہ کھڑا ہونا چاہیے، شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بدن سے رطوبات بہتی ہیں جس سے مسجد بھی گندی ہوتی ہو اور نمازیوں کے کپڑے بھی خراب ہوں، یا اس کے بدن سے بدبو آتی ہو جس کی وجہ سے نمازیوں کو اذیت ہوتی ہو، جیسا کہ برص یا جذام والے مریض کو بعض دفعہ ہوتا ہے تو ایسے شخص کو مسجد میں آنے کی اجازت نہیں ہے، اس سے جماعت ساقط ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسجد میں ریح خارج کرنا

سوال [۵۲۲۹]: جو لوگ مسجد میں مسافر، طالب علم وغیرہ، نمازی وغیرہ بیٹھے رہتے ہیں، یا سو جاتے ہیں، ان کا وہاں ریح قصداً یا بلاقصد خارج ہو جاتی ہے، تو کیا یہ ادب مسجد کے خلاف ہے؟ یہ جو مشہور ہے کہ اگر کسی کی مسجد میں ریح خارج ہو جاتی ہے تو اس کو فرشتے اپنے منہ میں لے کر باہر پھینکتے ہیں۔ یہ کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

احتیاط اور ادب یہ ہے کہ مسجد میں قصداً ریح خارج نہ کرے، بلکہ مسجد سے باہر جا کر خارج کرے، یا اگر سوتے یا جاگتے میں بلاقصد نکل جائے تو معذوری ہے۔ ایسے شخص کو جس کے لئے دوسری جگہ سونے کی موجود ہو بلا شدید ضرورت کے مسجد میں سونا مکروہ ہے(۲)۔

"لا یخرج فیہ الریح من دبر کما فی الأشباہ، واختلف فیہ السلف فقیل: لا بأس، وقیل:

---

(۱) راجع، ص: ۲۵۳، رقم الحاشیۃ: ۲

(۲) "ویکرہ النوم والأکل فیہ: أی المسجد لغیر المعتکف" (الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب الکراہیۃ، الباب الخامس فی آداب المسجد...الخ: ۵/ ۳۲۱، رشیدیہ)

یخرج إذا احتاج إليه، وهو الأصح، حموي عن القول الجامع الصغير، الخ". درمختار: ۱/۶۸۲(۱)۔

فرشتوں کا ایسی بدبودار چیز سے اذیت پانا تو حدیث پاک سے ثابت ہے(۲)، لیکن اس کا مسجد میں سے کرباہر پھینکنا کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

مسجد میں خروج ریح

سوال [۷۲۲۰]: ایک شخص کو خروج ریح کی بیماری ہے تاہم معذور کے حکم میں نہیں، کئی سال سے اعتکاف کا مشتاق ہے۔ ایسے شخص کے لئے مسجد میں اعتکاف کرنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مسجد میں اخراج ریح کو فقہاء نے منع لکھا ہے، ایسی حالت میں ایسے شخص کو بار بار مسجد سے نکلنا ہوگا، یا کراہت کا ارتکاب کثرت سے کرنا ہوگا(۳)، لہٰذا احوط یہی ہے کہ ایسا شخص اعتکاف نہ کرے، بلکہ اللہ پاک سے دعا کرتا رہے اور اس کی آرزو رکھے تو اس کا اجر ملے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب في أحكام المسجد: ۱/۶۵۹، سعيد)

"وإخراج الريح من الدبر: أي يكره. أقول: في شرح الجامع الصغير للتمرتاشي في كتاب الكراهية: واختلف السلف في الذي يفسو في المسجد، فلم ير بعضهم بأساً، وبعضهم: لا يفسو، بل يخرج إذا احتاج إليه، وهو الأصح". (الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۲/۲۳۲، إدارة القرآن كراچي)

"واختلف في الذي يفسو في المسجد، فلم ير بعضهم بأساً، وبعضهم قالوا: لا يفسو، و يخرج إذا احتاج إليه، وهو الأصح". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، الخ: ۵/۳۲۱، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، مطلب: يوم عرفة أفضل من يوم الجمعة: ۱/۶۲۷، سعيد)

(۲) "عن جابر رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من أكل من هذه الشجرة المنتنة، فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الإنس". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، باب المساجد ومواضع الصلوة، الفصل الأول، ص: ۶۸، قديمي)

(۳) "وإذا فسا في المسجد، فلم ير بعضهم به بأساً، وقال بعضهم: إذا احتاج إليه يخرج منه، وهو الأصح". (ردالمحتار، مطلب: يوم عرفة أفضل من يوم الجمعة: ۱/۶۲۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، الخ: ۵/۳۲۱، رشيديه)

لیکن زیادہ تکلفات کرنا مکروہ ہے: "وفي الفتح: دقائق النقوش و نحوها مكروه". مجمع الأنهر: ۱/۱۲۷(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱/۷/۵۷ھ۔

مسجد کا نقش ونگار مسجد کے مال سے

سوال[۶۲۳۲]: مسجد میں شیشہ کا کام مسجد کے پیسہ سے کرایا گیا ہے، حالانکہ اہل محلہ اور بعض اہل شہر نے متولیان کو منع کیا کہ یہ روپیہ ایسے کام میں ضائع مت کرو، بلکہ مسجد کی دوکانات جنوبی کو از سر نو تعمیر کرا کے اس کے اوپر کمرہ تعمیر کراؤ کہ جس سے مسجد کو کافی آمدنی ہو، اور جائیداد بھی محفوظ ہو جائے، لیکن متولیان نے ایسا نہیں کیا، بلکہ شیشہ کے کام میں صرف کر دیا جو تقریباً پانچ سو روپیہ کے ہوگا۔ کیا یہ خرچ اسراف بیجا ہے یا نہیں، اگر اسراف بیجا ہے تو یہ گراں رقم مسجد کو کون ادا کرے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

"ولابأس بنقشه خلا محرابه، فإنه يكره؛ لأنه يلهي المصلي. ويكره التكلف بدقائق النقوش ونحوها كأخشاب ثمينة وبياض بنحو سيداج خصوصاً في جدار القبلة بجص وماء ذهب لو بماله الحلال لا من مال الوقف، فإنه حرام، وضمن متوليه لو فعل النقش أو البياض، إلا

= يكره فيها، فصل: ۱/۱۹۰، غفاريه كوئته)

"و لا يكره نقش المسجد، وهو المذكور في الجامع الصغير بلفظ "لابأس به".

(البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، فصل: ۲/۶۳، رشيديه)

(۱) (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيه (فصل): ۱/۱۹۱، غفاريه كوئته)

"و محمل الكراهة التكلف بدقائق النقوش ونحوه خصوصاً في المحراب". (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، فصل: ۱/۳۲۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمة "لابأس" دليل على أن المستحب غيره، الخ: ۱/۶۵۸، سعيد)

لئے نہیں۔ اگر نمازی کی تصویر ان شیشوں میں نظر آتی ہے تو اس میں اور بھی تصویر پرستی کی مشابہت ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/۵/۵۷ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۶/۵/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

سلور جوبلی پر مسجد میں چراغاں

سوال[۷۳۳]: ۱...... سلور جوبلی کے سلسلے میں چراغاں میں روشنی یا زینت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ سلور جوبلی جارج پنجم کی ۲۵/ سالہ حکومت کی سال گرہ کی خوشی منانا ہے۔

۲...... مسجد کی آمدنی اس سلور جوبلی کی خوشی کے سلسلے میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سائل خادم یوسف انصاری گنگوہی، مقیم سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو اوقات شرعاً امت کے قابلِ احترام اور موقعِ مسرت ہیں، ان میں زینت اور روشنی مساجد کے متعلق فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ حسبِ تصریح فرماتے ہیں:

"ومن البدع المنكرة مايفعل في كثير من البلدان إيقاد القناديل الكثيرة في ليالي معروفة في السنة كليلة النصف من شعبان، خصوصاً بيت المقدس، فيحصل بذلك مفاسد كثيرة: منها: مضاهاة المجوس في الاعتناء بالنار، والإكثار منها. ومنها: مايترتب على ذلك في كثير من المساجد من اجتماع الصبيان، وأهل البطالة، ورفع أصواتهم، وامتهانهم بالمساجد، وانتهاك حرمتها، وحصول أوساخ فيها، وغير ذلك من المفاسد، يجب صيانة المسجد عنها. ومن المفاسد مايجعل في الجوامع، وهو من إيقاد القناديل، وتركها إلى أن تطلع الشمس، ورفع، وهو من فعل اليهود في كنائسهم. وأكثر مايفعل ذلك في العيد، وهو حرام .... ومما يشبه ذلك وقود الشموع الكثيرة ليلة عرفة، اهـ". حموی شرح أشباه، ص: ۵۶۱(۱)۔

---

(۱) (شرح غمز عيون البصائر على الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۲۲/۳، إدارة القرآن كراچی)=

واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: بندہ عبد الرحمن غفرلہ (صدر مدرس)

الجواب صحیح: بندہ منظور احمد عفی عنہ۔

الجواب صحیح: بندہ نقیر زکریا قدوسی مدرس مدرسہ ھذا۔ المجیب مصیب: عبد الشکور۔

یہ جواب صحیح ہے: اسعد اللہ، مدرس مدرسہ مظاہر علوم۔

الجواب صحیح: نور محمد بقلم خود۔

جواب صحیح: صدیق احمد، مدرس مدرسہ ہذا۔

الجواب صحیح: بندہ ظہور الحسن عفی عنہ، مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: جمیل احمد، مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

مسجد میں روضۂ اقدس کی تصویر لگانا

سوال [۷۳۳۴]: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک کی تصویر مسجد میں لگانا جائز ہے

"قوله: (ولا نقشه بالجص وماء الذهب): أي ولا يكره نقش المسجد ... ... وهذا إذا فعل من مال نفسه، أما المتولي، فإنما يفعل من مال الوقف، ما يحكم البناء دون النقش، فلو فعل ضمن، لما فيه تضييع المال". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۶۵/۲، رشيديه)

"وليس للقيم أن يتخذ من الوقف على عمارة المسجد شرفاً أو ينقش المسجد من ذلك، لو فعل، يكون ضامناً". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۱/۳، رشيديه)

"وكذا يضمن إذا أسرف في السرج في رمضان، وليلة القدر". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۶۰/۵، رشيديه)

یا نہیں؟ خانہ کعبہ کی تصویر مسجد میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

لگا سکتے ہیں، مگر سامنے نہ لگائیں جس سے نمازیوں کی نظر اس پر جائے، اونچائی پر لگائیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۹۰ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں کعبہ اور مسجد نبوی کا فوٹو لٹکانا

سوال [۵۶۳۵]: مسجد میں ایک طرف کعبہ کا نقشہ آویزاں ہے اور دوسری طرف مسجد نبوی کا ہے۔ ایسا نقشہ مسجد میں لگانا یا لٹکانا کیسا ہے، اور خاص کر دائیے جانب ضروری سمجھ کر لٹکانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد میں ایسے نقشے اور کتبے لگانا، یا دیوار مسجد میں ایسے نقش ونگار کرنا جس سے نمازیوں کا دھیان اس کی طرف جائے مکروہ ہے (۲)، اور ضروری سمجھنا تو بالکل ہی غلط وباطل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۳/۱۴۰۱ھ۔

---

(۱) "یجوز نقشہ بالجص وماء الذهب إذا تبرع به إنسان سوی جدار القبلة". (الدر المنتقی فی شرح الملتقی، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیها، فصل: ۱/۱۹۰، غفاریہ کوئٹہ)

(وکذا فی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیها: ۱/۶۵۸، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیها، فصل: کرہ استقبال القبلة: ۲/۶۵، رشیدیہ)

(۲) "ولا بأس بنقشه خلا محرابه، فإنه یکرہ؛ لأنه یلهی المصلی. ویکرہ التکلف بدقائق النقوش ونحوها خصوصاً فی جدار القبلة ... وقیل: یکرہ فی المحراب دون السقف المؤخر". (الدر المختار، کتاب الصلوٰة، مطلب: کلمة "لا بأس" دلیل علی أن المستحب غیرہ: ۱/۶۵۸، سعید)

"ومحل الاختلاف فی غیر نقش المحراب، أما نقشه فهو مکروہ؛ لأنه یلهی المصلی". (البحر الرائق، کتاب الصلوٰة، باب ما یفسد الصلوٰة وما یکرہ فیها، فصل: کرہ استقبال القبلة: ۲/۶۵، رشیدیہ)

دیوارِ مسجد میں آیات وغیرہ لکھوانا

سوال [۷۳۳۱]: عام طور پر مساجد کی دیواروں پر آیاتِ قرآنی، احادیث یا خلفائے راشدین واصحابِ عشرہ مبشرہ کے اسمائے مبارک لکھے جاتے ہیں۔ یہ کس حد تک درست ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلاضرورت یہ چیزیں وہاں نہ لکھی جائیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۳/۲۳ھ۔

چندہ سے تعمیر شدہ مسجد میں اپنے نام کا پتھر لگانا

سوال [۷۳۳۲]: ہمارے یہاں میدان جوگل تحصیل ہندواڑہ میں ایک جامع مسجد تعمیر ہو رہی ہے۔ ایک شخص ایک پتھر جو کہ سنگِ مرمر کا ہے اس پر تاریخ سنگِ بنیاد اور ذاتی نام کھدوا کر دیوار میں نصب کرنا چاہتا ہے، مگر مسجد شریف متذکرہ عوامی چندہ سے تعمیر ہو رہی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو آدمی اپنا نام سنگِ مرمر پر کھدوا کر اس کو دیوار میں نصب کرنا چاہتا ہے، چندہ کی فراہمی اور دیگر کام میں زیادہ حصہ لیتا ہے۔ گاؤں میں اکثر لوگ اس پر براہ ختہ ہو گئے ہیں اور شدید ناراضگی کا اظہار کر رہے ہیں، حتیٰ کہ اب مسجد شریف پر بھی رکاوٹ پڑنے کا احتمال ہے۔

= (وكذا في فتح القدير، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها، فصل: ويكره استقبال القبلة: ۱/۴۲۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۵، ۶۱۶، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(۱) "ولا ينبغي الكتابة على جدرانه: أي خوفاً من أن تسقط وتوطأ. بحر عن النهاية". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، مطلب فيمن سبقت يده إلى مباح: ۱/۶۶۳، سعيد)

"وفي النهاية وليس بمستحسن كتابة القرآن على المحاريب والجدران، لما يخاف من سقوط الكتابة وأن توطأ" (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۲/۶۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، فصل، كره غلق باب المسجد: ۱/۱۰۹، رشيديه)

چونکہ آپ کا ادارہ ایک مستند دینی ادارہ ہے اس لئے آپ سے استدعا ہے کہ اس مسئلہ کو قرآن وسنت کی روشنی میں حل کر کے فتویٰ صادر کریں کہ آیا ہم لوگ اس پتھر کو اس شخص کے نام کے ساتھ دیوار میں نصب کر دیں یا نہیں، بہتر کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اہلیانِ مسجد ان صاحب کو مسجد کا متولی ومہتمم قرار دے لیں اور ان کے انتظام واہتمام سے مسجد کا کام انجام پائے تو اس سنگِ مرمر پر اس طرح سے عبارت لکھ دی جائے کہ "اس مسجد کی تعمیر فلاں صاحب کے انتظام واہتمام سے ہوئی" تو شرعاً اس کی گنجائش ہے، لیکن خود ان صاحب کا مطالبہ کہ میرا نام پتھر پر کندہ کر کے لگایا جائے اخلاص کے خلاف ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی ناموری کے خواہش مند ہیں، یہ خواہش نہایت غلط ہے ثواب کو ختم کرنے والی ہے۔ دنیا میں ایسے شخص کی شہرت وتعریف ہو جائے گی، مگر آخرت میں عمل خالص کے ثواب سے محروم رہے گا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۸/۸/۱۳۹۹ھ۔

مسجد میں حدیث لکھ کر لگانا اور اپنے لئے دعاء کرانا اور اپنا نام لکھنا

سوال [۷۳۴۸]: ہمارے یہاں مسلم ایجوکیشن تحریک والے مندرجہ ذیل حدیثیں کسی مستند رسالے سے نقل کر کے مسجد کے داخلی دروازے کے پاس اندرونِ مسجد آویزاں کرتی ہے اور اس کا مقصد مسلم بھائیوں کی اصلاح کے سوا کچھ نہیں۔ نمازی حضرات سے یہ جماعت اپنے لیے دعائے خیر کی گذارش کرتی ہے۔ کیا از روئے شریعت اس طرح پر کسی فرد یا جماعت کا بغیر اصلاح اور خیر کی دعا کرانا احکامِ ربی اور احادیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لکھنے سے پہلے کسی فرد یا ادارہ کا اول یا آخر نام لکھنا منع ہے؟

مندرجہ ذیل حدیثیں ہم لوگ لکھتے ہیں:

۱..... دین سیکھو اور سکھاؤ۔

---

(۱) "والمراد بوجه الله تعالى ذات الله، والمقصود بوجه الله في العمل هو الإخلاص، وهو أن تكون نيته في ذلك طلب مرضاة الله تعالى من دون رياء وسمعة حتى قال ابن الجوزي: من كتب اسمه على المسجد الذي بناه كان بعيداً من الإخلاص". (عمدة القاري، باب من بنى مسجداً: ۲۱۳/۴، إدارة الطباعة المنيرية)

میں آتا ہے۔ اللہ پاک اس معصیت سے محفوظ رکھے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۵/۹۰ھ۔

نام کھدوا کر مسجد پر پتھر لگوانا

سوال [۷۲۳۱]: متوفی کی طرف سے مسجد بنا کر اس کے نام کا پتھر کھدوا کر لگانا جائز ہے یا نہیں؟

عبدالعلی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایصالِ ثواب کے لئے مسجد بنوا دینا اور اس نیت سے پتھر پر کھدوا کر لگانا کہ دوسروں کو اس قسم کے کاموں کی رغبت ہو، یا کوئی شخص اس پتھر کو دیکھ کر میت کے لئے خصوصیت سے ایصالِ ثواب کرے، درست ہے (۲)، اور شہرت کی بناء پر نام کھدوانا درست نہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

صحیح: عبداللطیف، ۸/ محرم الحرام/ ۵۳ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) "والمراد بوجه الله ذلك فله، وابتغاء وجه الله في العمل هو الإخلاص، وهو أن تكون نيته في ذلك طلب مرضاة الله تعالى من دون رياء وسمعة، حتى قال ابن الجوزي: من كتب اسمه على المسجد الذي بناه كان بعيداً من الإخلاص". (عمدة القاري، باب من بنى مسجداً: ۲۰۳/۴، إدارة الطباعة المنيرية)

(۲) "فيه أن التعاون في بناء المساجد من أفضل الأعمال لأنه مما يجري للإنسان أجره بعد موته، ومثل ذلك حفر الآبار، الخ". (عمدة القاري، باب من بنى مسجداً: ۲۰۹/۴، إدارة الطباعة المنيرية)

(۳) (راجع رقم الحاشية: ۱)

مسجد میں تجارت کرنا

سوال [۷۳۰۲]: اندرونِ مسجد کاروبار یا دوکان بنا کر تجارت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جگہ نماز کے لئے وقف کی گئی ہے اس جگہ کو کاروبار تجارت وغیرہ کے لئے متعین کرنا اور وہاں تجارت کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں (۱)۔ جو جگہ نماز کے لئے نہیں اور مسجد کی مصالح کے لئے وقف ہے، اور اس جگہ کو دوکان وغیرہ بنانے میں مسجد کے احترام اور اس کی تعمیر وغیرہ میں فرق نہ آئے تو اس کو مسجد کی آمدنی کی بڑھوتری کے لئے کرایہ پر دینا درست ہے (۲)۔ مسجد کا اندرونی حصہ یا صحن (بیرونی حصہ) ہو سب کا ایک ہی حکم ہے، کسی جگہ بھی وہاں تجارت کرنا، یا کرایہ پر دینا شرعاً درست نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱/۱/۸۸ھ۔

---

(۱) "عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم نهی عن الشراء والبیع فی المسجد". (سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب التحلق یوم الجمعة قبل الصلاة: ۱/۱۵۳، امدادیه ملتان)

(وسنن الترمذی، کتاب الصلاة، باب ما جاء فی کراهیة البیع والشراء فی المسجد: ۱/۷۳، سعید)

(وسنن النسائی، کتاب المساجد، باب النهی عن البیع والشراء فی المسجد: ۱/۱۱۷، قدیمی)

"وقید بالمعتکف، لأن غیره یکره له البیع مطلقاً، لنهیه علیه الصلاة والسلام عن البیع والشراء فی المسجد". (البحر الرائق، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۲/۵۳۰، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۲/۴۴۹، سعید)

(۲) "ولو کانت الأرض متصلة ببیوت المصر، یرغب الناس فی استیجار بیوتها، وتکون غلة ذلک فوق غلة الزرع والنخیل، کان للقیم أن یبنی فیها بیوتاً فیؤاجرها". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس فی آداب المسجد، الخ: ۵/۳۲۱، رشیدیه)

(وکذا فی فتاوی قاضی خان، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۳۰۰، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الوقف، الفصل الأول فی المتولی: ۶/۲۴۱، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۳) "ولو أن قیم المسجد أراد أن یبنی حوانیت فی حریم المسجد وفنائه، قال الفقیه أبو اللیث رحمه الله تعالیٰ:-

امام کا مسجد میں تجارت کرنا

سوال [۷۰۶۳]: اگر کوئی امام مسجد میں کپڑے وغیرہ کی تجارت کرتا ہے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد میں جہاں نماز پڑھی جاتی ہے وہاں کپڑا وغیرہ رکھ کر تجارت کرنا مکروہ تحریمی ہے(۱)، اگر امام اس سے باز نہ آئے تو وہ معزولی کا مستحق ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۴/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۴/۹۲ھ۔

---

(۱) "لا يجوز له أن يجعل شيئاً من المسجد مستغلاً ولا مسكناً". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً الخ: ۳/۲۹۳، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المسجد، قيم المسجد: ۵/۸۳۹، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم نهى عن الشراء والبيع في المسجد". (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب التحلق يوم الجمعة قبل الصلاة: ۱/۱۵۶، امدادیه ملتان)

(وسنن النسائي، كتاب المساجد، باب النهي عن البيع والشراء في المسجد: ۱/۱۱۷، قديمي)

(وجامع الترمذي، كتاب الصلاة، باب ما جاء في كراهية البيع والشراء في المسجد: ۱/۷۴، سعيد)

"وكره: أي تحريماً، لأنها محل لا يليق، إحضار مبيع فيه". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۹، سعيد)

"وكره إحضار مبيع فيه، كما كره فيه مبايعة غير المعتكف مطلقاً للنهي". (رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۵۳۰، رشيدية)

(وكذا في ملتقى الأبحر، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۱/۲۶۹، غفاريه كوئٹه)

غسل خانہ یا جوتا اتارنے کی جگہ بیع وشراء

سوال [۷۴۴۴]: مسجد کی وہ جگہ جہاں جوتا اتارا جاتا ہے یا غسل خانہ اور وہ حجرہ یا مکان جو مصالح مسجد یا اس کی ضروری بات کے لئے تعمیر کرایا گیا ہو، وہاں غیر معتکف کے لئے بیع وشراء عام اس سے کہ مبیع وہاں موجود ہو یا نہ ہو- جائز ہے یا نہیں؟

سعید الدین آلہ آبادی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیع وشراء احترامِ مسجد کے منافی ہے(۱) اور حصۂ مذکورہ فی السوال شرعاً مسجد نہیں اور اس کا احترام ضروری نہیں، لہذا وہاں بیع وشراء شرعاً درست ہے(۲)، بشرطیکہ نمازیوں کو تکلیف نہ ہوتی ہو(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/ ۵/ ۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/ جمادی الاولیٰ/ ۵۵ھ۔

مسجد کے درخت کی بیع مسجد میں

سوال [۷۴۴۵]: ایک شیشم کا درخت مسجد ہی کا ہے، اس کی خرید وفروخت جہاں نماز ہوتی ہے جائز

---

(۱) "عن واثلة بن الأسقع رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم وشراءكم وبيعكم وخصوماتكم". الحديث. (سنن ابن ماجة، أبواب المساجد، باب ما يكره في المساجد، ص: ۵۵، قديمي)

(۲) اس لئے کہ حصۂ مذکورہ فی السوال کی جگہیں حقیقی طور پر مسجد کی حدود سے باہر ہیں اور جو جگہ مسجد سے باہر ہوتی ہے اس پر مسجد کے احکام جاری نہیں ہوتے۔

(۳) "عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالى عنه عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال: "المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب من سلم المسلمون من لسانه ويده: ۱/۶، قديمي)

قال العلامة العيني رحمه الله تعالى: "فيه الحث على ترك أذى المسلمين بكل ما يؤذي". (عمدة القاري، كتاب الإيمان، باب من سلم المسلمون من لسانه ويده: ۱/۲۰۷، دار الكتب العلمية بيروت)

ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چونکہ مسجدیں نماز وجماعت کے لئے متعین کی گئی ہیں، اس لئے وہاں خرید وفروخت کرنا درست نہیں(۱)، البتہ بیعت کرنی جائز ہے، اگرچہ وہ وقت مسجد ہی کا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، [illegible]ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆.....☆.....☆.....☆

(۱) "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم نهى عن الشراء والبيع في المسجد" (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب التحلق يوم الجمعة قبل الصلاة: ۱/۱۵۵، امدادیہ ملتان)

(وسنن النسائي، كتاب المساجد، باب النهي عن البيع والشراء في المسجد: ۱/۱۱۷، قديمي)

(وسنن الترمذي، كتاب الصلاة، باب ما جاء في كراهية البيع والشراء في المسجد: ۱/۷۳، سعيد)

"وكره إحضار مبيع فيه كما كره فيه مبايعة غير المعتكف مطلقاً للنهي" (الدر المختار)

"(قوله: أي المعتكف) ويشرب وينام ويبيع ويشتري فيه لا غيره. قال ملا علي القاري رحمه الله تعالى في شرحه: أي لا يفعل غير المعتكف شيئاً من هذه الأمور في المسجد اهـ" (رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۵۳۰، رشيدية)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: [illegible]، غفاریہ کوئٹہ)

الفصل الثامن فی الاکتساب فی المسجد

(مسجد میں چندہ کرنے کا بیان)

مسجد میں مدرسہ کے لئے چندہ کرنا

سوال [۷۴۴۶]: مسجد کے اندر مدرسہ کا چندہ اس طرح سے مرحبا اور سبحان اللہ بول کر وصول کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دینی ضرورت کے لئے مسجد میں چندہ کرنا مرحبا اور سبحان اللہ کہہ کر درست ہے، مگر نمازیوں کی نماز میں خلل وتشویش نہ ہونے پائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۹/۹۰ھ۔

مسجد میں چندہ کا اعلان کرنا

سوال [۷۴۴۷]: آج کل ہر جگہ چندہ کنندگان مسجد، مدرسوں، انجمنوں، عیدگاہوں، یتیم خانوں،

---

(۱) اس قسم کا چندہ کرنے میں اگر مسجد کے آداب کا خیال رکھا جائے تو اس میں بظاہر کوئی حرج نہیں، جیسے کہ سائل کو آداب مسجد کا خیال رکھتے ہوئے عطیہ پیسے وغیرہ دینا جائز ہے:

"ویکرہ التخطی للسؤال بکل حال". (الدرالمختار). "قال فی النہر: والمختار أن السائل إن کان لایمرّ بین یدی المصلی ولا یتخطی الرقاب و لا یسأل إلحافاً، بل لأمر لا بد منه، فلا بأس بالسؤال و الإعطاء، اهـ". (رد المحتار، کتاب الصلوۃ، باب الجمعۃ، مطلب فی الصدقۃ علی سؤال المسجد: ۲/۱۶۴، سعید)

(وکذا فی البزازیۃ، الثالث والعشرون فی الجمعۃ، نوع: ۲/۷۶، رشیدیہ)

(وکذا فی النہر الفائق، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعۃ: ۱/۳۶۵، امدادیہ ملتان)

بورڈنگوں، اسکولوں، مقبروں، گورنمنٹوں کے اعلان مسجد میں کرتے ہیں، حتی کہ کسی چیز کے گم ہونے کا بھی اعلان کرتے ہیں اور ملی ہوئی چیز کا بھی اظہار مسجد میں کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں پیر کے بیٹے بیٹیوں کی شادی، مؤذن وامام کی امداد کی بار بار پکار مسجدوں میں کررہے ہیں، حالانکہ امام ومؤذن کی تنخواہ بھی ملتی ہے۔ تو یہ کام مسجد میں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سب کام مسجد سے باہر مناسب ہیں، کیونکہ بسا اوقات ان چیزوں میں بات اپنی حد پر قائم نہیں رہتی بلکہ شور وشغب تک نوبت آجاتی ہے(۱)۔ اور گم شدہ چیز کو تلاش کرنے کی تو مسجد میں ممانعت بھی ہے، اسی طرح ملی ہوئی چیز کا اعلان بھی مسجد سے باہر کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد میں مسجد، ختم اور امام کے لئے چندہ

سوال [۸۴۴۷]: مسجد کے اندر دنیا کی باتیں کرنا منع ہے، دنیاوی باتوں کی وضاحت کیجئے۔ مسجد کے اندر ختم شریف کے سلسلہ میں جو چندہ ہوتا ہے، وہ چندہ نام بنام لکھا جارہا تھا تو ایک صاحب نے اعتراض کیا

---

(۱) جس طرح مسجد میں سوال کرنے کے آداب کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے گناہ ہوتا ہے اسی طرح یہاں بھی گناہ ہوگا:

"وفیہا ولا یجوز الإعطاء إذا لم یکونوا علی تلک الصفۃ المذکورۃ. وقال الإمام أبو نصر العیاضی: أرجو أن یغفر اللہ تعالی لمن یخرجهم من المسجد". (رد المحتار، کتاب الصلوۃ، باب الجمعۃ، مطلب فی الصدقۃ علی سؤال المسجد: ۲/۱۶۴، سعید)

(وکذا فی البزازیۃ، الثالث والعشرون فی الجمعۃ، نوع: ۴/۷۶، رشیدیہ)

(۲) "عن أبی هریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: "إذا رأیتم من ینشد ضالۃ فی المسجد، فقولوا: لا ردها اللہ علیک". (جامع الترمذی، أبواب البیوع، باب النهی عن البیع فی المسجد: ۱/۲۴۷، سعید)

(وسنن أبی داود، کتاب الصلاۃ، باب کراهیۃ إنشاد الضالۃ فی المسجد: ۱/۶۹، دار الحدیث ملتان)

"ویکرہ إنشاد ضالۃ الخ". (الدر المختار)، "هی الشیء الضائع، وإنشادها السؤال عنها، وفی الحدیث: "إذا رأیتم من ینشد ضالۃ فی المسجد، فقولوا: لا ردها اللہ علیک". (رد المحتار، کتاب الصلوۃ، مطلب فی أفضل المساجد: ۱/۶۶۰، سعید)

کہ دنیا کی خرافات نہ ہونا چاہئے، دوسرے شخص نے کہا کہ تمام مسجدوں میں امام صاحب کے لئے چندہ ہوتا ہے اور دیا جاتا ہے۔ تو مذکورہ بالا حضرت بولے کہ مسجد کے اندر لینا دینا دونوں حرام ہے، حرام کی وضاحت نہیں کی۔ تو آیا یہ صحیح ہے کہ لینا دینا دونوں حرام ہیں اور باتیں کس قسم کی ہونا چاہئے؟ مسجد میں تعمیری وانتظامی کام سب ہی ہوتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دنیا کی باتیں جیسے: خرید وفروخت کی باتیں، مقدمات کی باتیں، کھیت اور باغ کی باتیں، یہ سب دنیا کی باتیں ہیں۔ مسجد کی تعمیر یا امام کی تنخواہ کے لئے چندہ کرنا مسجد میں منع نہیں، بشرطیکہ شور وشغب نہ ہو(۱) جیسا کہ عامۃً آج کل ہوتا ہے کہ ایک دوسرے پر طعن کرتے ہیں، غیرت دلاتے ہیں، کم چندہ دینے پر جھگڑتے ہیں۔ غرض مسجد کا احترام ملحوظ نہیں رکھتے، یہ طریقہ منع ہے۔ ختم شریف کے لئے جو چندہ کیا جاتا ہے، وہ اکثر زور دے کر لیا جاتا ہے اور اس میں زیادہ تر دکھاوا اور مقابلہ مد نظر ہوتا ہے، یہ بھی منع ہے(۲)۔

---

(۱) "عن عبد الله بن عامر اليحصبي قال: سمعت معاوية رضي الله تعالى عنه يقول: ...... سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: "إنما أنا خازن، فمن أعطيته عن طيب نفس فمبارك له فيه، ومن أعطيته عن مسئلة وشره، كان كالذي يأكل ولا يشبع". (الصحيح لمسلم: ۱/۳۳۳، كتاب الزكوة، باب النهي عن المسئلة، قديمي)

"ويحرم فيه السؤال، ويكره الإعطاء مطلقاً، وقيل: إن تخطى". (الدر المختار). "(قوله: وقيل: إن تخطى) هو الذي اقتصر عليه الشارح في الحظر حيث قال: فرع: يكره إعطاء سائل المسجد إلا إذا لم يتخط رقاب الناس ...... لأن علياً رضي الله تعالى عنه تصدق بخاتمه في الصلاة، فمدحه الله تعالى بقوله: ﴿ويؤتون الزكاة وهم راكعون﴾". (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب في أفضل المساجد: ۱/۶۵۹، ۶۶۰، سعيد)

(وكذا في البزازية، الثالث والعشرون في الجمعة، نوع: ۴/۶۷، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۱/۳۶۵، إمداديه ملتان)

(۲) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب =

مسجد میں تلاوت، تسبیح، درود شریف، استغفار میں مشغول رہنا چاہئے، ایسے طریقہ پر کہ نمازیوں کو تشویش نہ ہو، اگر مسائل کی تعلیم دی جائے تو یہ بھی مسجد میں درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

☆…☆…☆…☆…☆

— تصب والعربية، الفصل الثاني، ص: ۵۵/۴، قديمي)

(۱) "لأن المسجد ما بني إلا لها من صلاة أو اعتكاف وذكر شرعي وتعليم علم أو تعلمه وقراءة القرآن" (الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۳/۲۰۳، إدارة القرآن كراچي)

الفصل التاسع في المحفلات للوعظ والأناشيد في المسجد

(مسجد میں وعظ ونظم کی محفلوں کا بیان)

مسجد میں جلسہ وتقریر

سوال [۷۳۰۱]: موجودہ زمانہ میں جب کہ مساجد میں جلسے منعقد کیے جاتے ہیں جو اپنے اندر بہت سی قباحتوں کے حامل ہوتے ہیں، جن میں علاوہ تقاریر کے شور وغل، ہاتھا پائی اور گالی گلوچ تک کی نوبت پہنچ جاتی ہے اور ایک دوسرے پر آوازے کسے جاتے ہیں اور طعن وتشنیع سے کام لیا جاتا ہے۔ بعض اوقات تو اکثر سامعین اور بعض مقررین حضرات اپنی پستی اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہیں، جس کا ثبوت قہوہ خانوں میں بھی محال ہے۔ ایسے افعال کے مرتکب مساجد کا کیا حکم ہے؟

خادم العلماء محمد علی نائب ناظم: انجمن اسلامیہ لاہور پنجاب، خطیب مسجد شاہی لاہور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

احکامِ شرعیہ بیان کرنے کے لئے مسجد میں جلسہ کرنا درست ہے(۱)، مقرر اور واعظ کو چاہئے کہ نہایت

---

(۱) "كما يجوز لأهل المحلة أن يجعلوا المسجد الواحد مسجدين، فلهم أن يجعلوا المسجدين واحداً لإقامة الجماعات، أما للتدريس أو للتذكير، فلا؛ لأنه ما بني له وإن جاز فيه". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة الخ: ۲/۲۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، الخ: ۵/۳۲۱، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة: ۱/۶۶۰-۶۶۳، سعيد)

"لأن المسجد ما بني إلا لها من صلاة أو اعتكاف وذكر شرعي وتعليم علم أو تعلمه وقراءة القرآن". (الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۳/۹۳، إدارة القرآن كراچي)

خلاف ہے اور سنجیدگی سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد حاضرین کو سنائے اور سمجھائے۔ اور سامعین کو بھی چاہئے کہ نہایت ادب اور احترام سے اس کو سنیں اور عمل کریں۔ جو صورت سوال میں درج ہے اس طریقہ پر جلسہ کرنا اور ایسی حرکات کا ارتکاب احترام مسجد کے قطعاً خلاف اور ناجائز ہے، فقہاء نے "احکام مسجد" میں ایسے شور و غل اور دنگل کو بالکل ممنوع تحریر کیا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۲/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/صفر/۵۶ھ۔

مسجد میں کرسی بچھا کر وعظ کرنا

سوال [۵۰۷۰]: جب کہ مسجد کے اندر منبر ہے اور وہ پیوست ہے، باہر نہیں آسکتا تو اس شکل میں اگر کوئی دینی وعظ و نصیحت کرنے والا مسجد کے برآمدے میں یا فرش پر جہاں منبر نہیں ہے وہاں کرسی یا موڑھا(۲) بچھا کر اس پر بیٹھ کر وعظ و نصیحت لوگوں کو سنائے تو یہ کیسا ہے؟

---

(۱) "عن واثلة بن الأسقع رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم وشرائكم وبيعكم وخصوماتكم ورفع أصواتكم" الحديث. (سنن ابن ماجة، باب ما يكره في المساجد، ص: ۵۵، مير محمد كتب خانه)

"وفيها أبحاث: الأول فيما يصان عنه المساجد: يجب أن تصان عن إدخال الرائحة الكريهة لقوله عليه السلام: "من أكل الثوم والبصل والكراث، فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه بنو آدم" متفق عليه. وعن حديث الدنيا وعن البيع والشراء، وإنشاد الأشعار، وإقامة الحدود، وتشداد الضالة، والمرور فيها لغير ضرورة، ورفع الصوت، وإدخال المجانين والصبيان لغير الصلاة ونحوها الخ". (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۰، ۶۱۱، سهيل اكيدمي لاهور)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۲/۶۰، رشيديه)

(۲) "موڑھا: سرکنڈوں وغیرہ کی بنی ہوئی کرسی"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۱۹)

الجواب حامداً ومصلیاً:

منبر نہ ہو تو کرسی یا مونڈھا بچھا کر اس پر بیٹھ کر وعظ وتقریر درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۵/۹۶ھ۔

مسجد میں پڑھنے آنے والے بچوں سے تقریر کرانا

سوال[۷۱۵۱]: مسجد میں جو بچے پڑھنے آتے ہیں ان سے صبح کے وقت نظمیں، نعت اور تقریر وغیرہ کرانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد میں جو بچے پڑھنے کے لئے آتے ہیں ان کی تعلیم کے لئے ان کو تقریر کی مشق کرانا اور نعت پڑھوانا بھی درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۱/۱۲/۹۵ھ۔

---

(۱) "وحدثنا شيبان بن فروخ قال: نا سليمن بن المغيرة قال: نا حميد بن هلال قال: قال أبو رفاعة رضي الله تعالى عنه: انتهيت إلى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وهو يخطب قال: فقلت: يارسول الله! -صلى الله تعالى عليه وسلم- رجل غريب جاء يسأل عن دينه لايدري مادينه؟ قال: فأقبل على رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وترك خطبة حتى انتهى إلى فأتي بكرسي حسبت قوائمه حديداً قال: فقعد عليه رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، وجعل يعلمني مما علمه الله، ثم أتى خطبته فأتم آخرها".

(الصحيح لمسلم، كتاب الجمعة، باب من دخل المسجد والإمام يخطب: ۱/۲۸۷، قديمي)

(۲) "ومن هنا يعلم جهل بعض مدرسي زماننا من منعهم من يدرس في مسجد تقرر في تدريسه، أو كراهتهم لذلك زاعمين الاختصاص به دون غيرهم، وهذا جهل عظيم ..... لأن المسجد مابني إلا لها من صلاة أو اعتكاف وذكر شرعي وتعليم علم أو تعلمه وقراءة قرآن". (الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد، (رقم القاعدة: ۳۵): ۲۳/۴، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۲/۶۰، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۲۸، سعيد)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة: ۱/۶۶۳، سعيد)

اور سیاسی پلیٹ فارم کے طور پر استعمال کرے تو کیا از روئے شریعت یہ درست ہے اور ایسے آدمیوں کا شریعت میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجدیں دنیاوی الیکشنوں کے لئے نہیں بنائی گئیں، ایسے کام مسجد میں نہ کئے جائیں، جو ایسا کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱/۹۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

(۱) "ویکره كل عمل من عمل الدنيا في المسجد" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد الخ: ۳۲۱/۵، رشيديه)

"الجلوس في المسجد للحديث لا يباح بالاتفاق، لأن المسجد ما بني لأمور الدنيا. وفي خزانة الفقه: يدل على أن الكلام المباح من حديث الدنيا في المسجد حرام". (الفتاوى العالمكيرية، المصدر السابق)

(وكذا في البحر الرائق، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة الخ: ۳۳/۲، رشيديه)

مسجد کے اندر یا چھت پر نقارہ بجانا

سوال[۷۰۵۵]: مسجد کے اندر یا چھت پر نقارہ بجانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سحری کے لئے مکان کی چھت پر نقارہ بجانے کی اجازت ہے(۱)، مسجد میں یا مسجد کی چھت پر نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

آوازدار گھڑی مسجد میں

سوال[۷۰۵۶]: ایسی گھڑی جو کہ دیوار پر لگائی جاتی ہے اور ہر آدھ گھنٹہ پر خوش کن آواز میں ٹھوکے دیتے ہوئے خصوصاً مسجد میں لگانے کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟

=عنه: أما هذا، فقد قضى ما عليه، سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: "من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان". (الصحيح لمسلم، باب كون النهي عن المنكر من الإيمان: ۱/۵۱، قديمي)

"ثم اعلم أنه إذا كان المنكر حراماً وجب الزجر عنه، وإذا كان مكروهاً ندب، والأمر بالمعروف أيضاً تبع لما يؤمر به، فإن وجب فواجب، وإن ندب فمندوب، ولم يتعرض له في الحديث؛ لأن النهي عن المنكر شامل له، إذ النهي عن الشيء أمر بضده، وضد المنهي إما واجب أو مندوب أو مباح، والكل معروف. وشرطهما أن لا يؤدي إلى الفتنة، كما علم من الحديث، وأن يظن قبوله، فإن ظن أنه لا يقبل فيستحسن إظهار شعار الإسلام". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۸/۸۰۲، (رقم الحديث: ۵۱۳۷)، رشيدية)

(۱) قال العلامة الحصكفي: "وإنشاد ضالة أو شعر إلا ما فيه ذكر ورفع صوت بذكر إلا للمتفقهة". (رد المحتار، مطلب في إنشاد الشعر: ۱/۶۶۰، سعيد)

"قوله: وينبغي أن يكون قبل الفجر في رمضان لإيقاظ النائمين للسحور كبوق الحمام، تأمل". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة: ۶/۳۵۰، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس گھڑی کا مقصد اصلی بھی وقت کو معلوم کرنا ہے اور ستار، باجہ کی طرح آواز سننا مقصود نہیں، لیکن گانا بجانا عام ہوجانے کی وجہ سے اس کی آواز میں اس طرح کا خیال کرلیا گیا ہے کہ گویا کوئی باجہ کی آواز سنتا ہے، بلکہ اس سے نفرت کرتا ہو تو وہ بھی بے اختیار اس کو سنے۔ اس کو ستار وغیرہ کی طرح بالکل ناجائز تو نہیں کہا جائے گا، ہاں ضرور کسی قدر تشبہ پیدا ہوجائے گا، اس لئے ایسی گھڑی کے مقابلے میں وہ گھڑی قابل ترجیح ہوگی جس میں آواز نہ ہو (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۹/۸۵ھ۔

☆ ...☆... ☆ ...☆.....☆

---

(۱) "والسادس: أن لا يرفع فيه الصوت من غير ذكر الله تعالى". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، ۵/۳۲۱، رشيديه)

باب المتفرقات

مسجد کے نام پر دینی درسگاہ بنانا

سوال[۷۵۰۱]: یہاں کے مسلمانوں کا ارادہ ہے کہ اس شہر میں اسلامی مسجد بچوں کے لئے دینی درسگاہ قائم کی جائے جس کے لئے مسجد تعمیر کمیٹی نے کام شروع کیا ہے، لیکن تعمیر کمیٹی میں سے چند افراد کا ارادہ ہے کہ اگر یہاں کی حکومت کو یہ بتلایا جائے کہ مسلمانوں کی جماعت یہاں پر ایک مشرقی وضع قطع پر یوتھ سینٹر تعمیر کرنا چاہتی ہے، اس طرح جمع شدہ رقم پر حکومت اور لوکل کارپوریشن سے ۵۰ فیصد گرانٹ ملنے کا کافی امکان ہے، لیکن اس کے برعکس اگر یہ بتلایا جائے کہ ہم لوگ مسجد بنانے والے ہیں، تو حکومت مذہب کے نام سے کچھ بھی مدد دینے کے لئے تیار نہیں، لیکن یوتھ سینٹر کے نام سے گرانٹ مل سکتی ہے جو وضع قطع میں مینارہ، گنبد نما، بلڈنگ ہوگا۔

اس میں ایک کمرہ عبادت کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔ اس طریقہ پر ایک پنتھ (۱) دو کاج والا معاملہ ہوتا ہے، گرانٹ (۲) بھی مل جائے گی اور مسجد بھی بن جائے گی۔ لیکن اس کے برعکس تمام مسلمانوں سے یہی مطالبہ کیا جائے گا کہ وہ بچوں کے لئے مسجد و دینی درسگاہ بنا رہے ہیں۔ تو کیا اس طریقہ پر جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد وہ جگہ ہے جس کو نماز کے لئے وقف کر دیا ہو، اس پر کسی کو مالکانہ تصرف کا حق نہ رہے، اس کا راستہ بھی الگ ہو، ایسا نہ ہو کہ راستہ کسی کے مکان کے اندر ہو اور وہ جب چاہے اپنا مکان بند کر دے اور مسجد میں

---

(۱) "پنتھ": فرقہ، قوم، ملت، مذہب، جرم، گروہ، راہ، راستہ" (فیروز اللغات، ص: ۳۰۳، فیروز سنز لاہور)

(۲) "گرانٹ" (Grant) حق دے دینا، منتقل کرنا، عطا کرنا، بخشنا، مرحمت کرنا، منظور کرنا، قبول کرنا، مان لینا، تسلیم کرنا، فرض کرنا،
(English to English & Urdu Dictionary, Page No: 365, Feroz Sons, Lahore)

آنے والے نہ آسکیں۔ وہاں اذان وجماعت کی اجازت ہو، پھر وہ جگہ مستقل کسی دوسرے کام (تعلیم وغیرہ) کے لئے مخصوص نہیں ہوسکتی، اور نماز پڑھنے سے وہاں منع نہیں کیا جاسکتا (۱)۔

اگر اسی طرح وہاں کے قانون کے مطابق مسجد بنانے کی گنجائش نہیں، بلکہ کچھ مدت بعد مسجد کو توڑ کر مستقلاً دوسرے کام میں استعمال کرنے کا خطرہ ہے تو بہتر یہی ہے کہ وہاں دینی درسگاہ کے نام سے تعمیر کی جائے اور اس کے کسی ہال میں نماز وجماعت کا بھی انتظام رہے اور چندہ بھی یہی بتا کر لیا جائے کہ دینی درسگاہ بنائی جائے گی جس میں نماز وجماعت کا بھی انتظام ہوگا۔ حکومت سے حاصل شدہ رقم بھی اس میں صرف ہوسکتی ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۸۸ھ۔

---

(۱) "ومن بنى مسجداً لم يزل ملكه عنه حتى يفرزه عن ملكه بطريقه ويأذن بالصلاة فيه، وإذا صلى فيه واحد، زال ملكه ...... أما الإفراز فلأنه لا يخلص لله إلا به؛ لأنه مادام حق العبد متعلقاً به، لم يصر لله.

ومن جعل مسجداً تحته سرداب أو فوقه بيت، وجعل بابه إلى الطريق وعزله، أو اتخذ وسط داره مسجداً وأذن للناس بالدخول، فله بيعه، ويورث عنه؛ لأنه لم يخلص لله، لبقاء حق العبد فيه، والمسجد لايكون إلا خالصاً لله، لما قلنا. ومع بقاء حق العبد في أسفله أو في أعلاه أو في جوانب محيطاً به لايتحقق الخصوص كله ...... وأما إذا اتخذ وسط داره مسجداً، فلأن ملكه محيط بجوانبه، فكان له حق المنع من الدخول، والمسجد من شرطه أن لايكون لأحد فيه حق المنع، قال الله تعالى: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه﴾ [البقرة: ۱۱۴] ولأنه لم يفرزه حين أبقى الطريق لنفسه، فلم يخلص لله، حتى لو عزل بابه إلى الطريق الأعظم، صار مسجداً" (تبيين الحقائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۴/۲۷۰، ۲۷۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۷، ۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۱۵، ۴۲۱، رشيديه)

(۲) "ومصرف الجزية والخراج ومال التغلبي وهديتهم للإمام ...... مصالحنا كسد ثغور وبناء قنطرة وجسر وكفاية العلماء" (الدر المختار). "وكذا النفقة على المساجد كما في زكاة الخانية، فيدخل فيه —

مسجد کی بجلی کا تار کسی کے مکان پر

سوال[۸۵۰۸]: اگر مسجد میں بجلی لگانے سے تار کسی دوسرے شخص کے مکان کے اوپر کو آجائے، اور صاحبِ مکان موجود نہ ہو، آنے پر وہ ناراض ہو تو بجلی لگوانے والے خود اس کو لائنر اور سخت بات کہیں تو کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس کے مکان پر تار آنے سے نقصان ہے تو اس کو وہاں سے ہٹا کر ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ اس کو نقصان نہ پہونچے(۱)، ورنہ وہیں رہنے دیا جائے، ذرا ذرا سی بات پر نزاع کرنا اور اشتعال کی بات کہنا بہت برا ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۲/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

مسجد سے ملا کر اپنی تعمیر کرنا

سوال[۸۵۰۹]: مسجد سے آگے کی سمت (مغرب کی جانب) یا بازو میں کسی طرف مسجد سے متصل ایک شخص کی زمین ہے اور وہ شخص اپنی اس زمین میں عمارت بنوا رہا ہے جو کہ مسجد کی عمارت سے (یعنی دیوار سے) ہی شروع کرتا ہے۔ اگرچہ وہ زمین اسی کی ملکیت میں ہے، لیکن قانون گورنمنٹ کے اعتبار سے اس کو کم از کم تین فٹ جگہ چھوڑ کر عمارت بنانا چاہئے، لیکن وہ شخص اس کے لئے رضامند نہیں ہے۔ قانون کے لحاظ سے تو

= المصرف على إقامة شعائرها من وظائف الإمامة والأذان ونحوهما". (رد المحتار، كتاب الجهاد، مطلب في مصارف بيت المال: ٤١٢/٣، سعيد)

(۱) "لاضرر ولاضرار" قال العلامة المناوي: "(لاضرر): أي لا يضر الرجل أخاه، فينقصه شيئاً من حقه ... أو لا فعل ضرر أو ضرار بأحد في ديننا: أي لا يجوز شرعاً إلا لموجب خاص". (فيض القدير: ١٢/ ٦٣٨٣، (رقم الحديث: ٩٩١٩)، مكتبة نزار مصطفى الباز رياض)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز: ١/ ٢٩، (رقم المادة: ١٩)، مكتبه حنفيه كوئته)

(۲) قال الله تعالى: ﴿وأطيعوا الله ورسوله، ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم، واصبروا، إن الله مع الصبرين﴾ (سورة الأنفال: ٤٦)

تعمیر کرایا، میرے مکان کی خام دیوار کو چھانٹ کر اپنے حجرے کی دیوار قائم کرلی، میری دیوار میں سے ایک فٹ دبا کر لینٹر ڈال لیا ہے۔ میں نے حافظ صاحب سے نہایت تہذیب سے دیوار بنانے کی شکایت کی، مگر توجہ اور معقول جواب نہیں دیا۔ کیا بغیر مالک کی اجازت کے ایسا کرنا جائز تھا؟ نیز ایک چھت اور ہوائی ہے جو مذکورہ چھت سے ملائی گئی اور روشن دان رکھ دیا جس کی وجہ سے بے پردگی ہوگی۔ یہ بھی میری غیر موجودگی میں کیا گیا، حالانکہ باہر جاتے وقت وہاں سے کہہ کر گیا کہ خیال کر کے کام کرنا، کوئی قابلِ اعتراض نہ ہو۔ شرعاً کیا حکم ہے؟

رحیم بخش باندہ، بمبئی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد خدا کا گھر ہے (۱)، اس میں کسی دوسرے کی زمین بغیر مالک کی اجازت کے شامل کرلینا، یا اس کی دیوار پر مسجد کا گاڈر یا لینٹر وغیرہ رکھنا، یا مسجد میں کوئی ایسا روشندان کھولنا کہ جس سے دوسرے کے مکان کی بے پردگی ہو، شرعاً یہ جائز نہیں (۲)، یہ حق تلفی ہے، گناہ ہے۔ اگر مسجد میں کسی کی زمین کی ضرورت ہو تو قیمتاً خریدی جائے، لہٰذا ایسی صورتِ مسئولہ میں مسجد کے ان تصرفات کے لئے دیوار کا کوئی حصہ لے لیا گیا ہو تو اس کی قیمت ادا کی جائے (۳)۔ اگر بے پردگی ہو تو اس کا انتظام کیا جائے اور جس کی حق تلفی کی گئی، اس سے معذرت بھی کی جائے،

---

(۱) "إن بيوت الله تعالى في الأرض المساجد". (فيض القدير: ۱۹۲۶/۴، (رقم الحديث: ۲۲۵۸)، مكتبة نزار مصطفى الباز رياض)

(۲) "أخرج إلى الطريق العامة كنيفاً أو ميزاباً أو جرصناً كبرج وجذع وممر علو وحوض طاقة ونحوها أو دكاناً، جاز إن لم يضر بالعامة، ولم يمنع منه، فإن ضر، لم يحل". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الجنايات، باب ما يحدثه الرجل في الطريق وغيره: ۵۹۲/۶، سعيد)

(۳) "وكذا إذا ضاق المسجد على الناس وبجنبه أرض لرجل، تؤخذ أرضه بالقيمة كرهاً، لما روي عن الصحابة رضي الله عنهم لما ضاق المسجد الحرام، أخذوا أرضين بكره من أصحابها بالقيمة، وزادوا في المسجد الحرام". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۸/۵، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۸۴۴/۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول: ۴۵۶/۲، رشيديه)

ورنہ آخرت کی باز پرس سے نجات نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۴/۹/۹۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۵/۹/۹۷ھ۔

مسجد کا بیمہ

سوال [۷۳۱۱]: مسجد کا بیمہ کرانا کیسا ہے؟ یہاں کی مسجد گذشتہ فساد میں جلادی گئی تھی، مسجد کا سامان چٹائیاں، مصلے وغیرہ سب جلادیے گئے تھے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مسجد کے تحفظ کی کوئی صورت نہیں تو مجبوراً بیمہ کرانا درست ہے(۱)، مگر اس سے حاصل ہونے والی سودی رقم مسجد میں صرف نہ کی جائے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

= (وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۶/۲۳۵، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) مفتی صاحب نے ہندوستان کے حالات کے پیش نظر بیمہ کی اجازت دی ہے جیسا سوال سے ظاہر ہے، لیکن پاکستان میں بیمہ کے جواز کی صورت نہیں ہو سکتی ہے، حضرت مفتی صاحب نے ضرورت کی بناء پر جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

"الضرورات تبيح المحظورات، ومن ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة" (الأشباه والنظائر: القاعدة الخامسة: ۱/۲۵۱، (رقم القاعدة: ۲۸)، إدارة القرآن كراتشي)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۲۹، (رقم المادة: ۲۱)، مكتبه حنفيه كوئته)

(وكذا في قواعد الفقه، ص: ۸۹، (رقم القاعدة: ۱۷۰)، الصدف پبلشرز)

"الحاجة تنزل منزلة الضرورة" (الأشباه والنظائر: ۱/۲۶۷، (رقم القاعدة: ۴۱)، إدارة القرآن)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۳۳، (رقم المادة: ۳۲)، مكتبه حنفيه كوئته)

(وكذا في قواعد الفقه، ص: ۷۵، (رقم القاعدة: ۸۰)، الصدف پبلشرز)

(۲) "قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالى لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله اهـ شرنبلالية". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب: كلمة "لا بأس" دليل على أن المستحب غيره، لأن البأس الشدة: ۱/۶۵۸، سعيد)

مسجدوں کا جنت میں جانا

سوال[۷۴۶۲]: تمام مسجد اپنی پوری ہیئت کے ساتھ خانہ کعبہ میں مل کر جنت میں جائے گی یا صرف زمین؟

محمد ناظر، جونپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مجھے اس کی تحقیق نہیں۔ فقط۔

ذاتی مسجد کا حال

سوال[۷۴۶۳]: یہاں متولی صاحب کی اپنی ذاتی مسجد ہے، وقف جائیداد سے خرچ کرتے ہیں، نہ کوئی کمیٹی ہے اور نہ کاموں میں کسی مقتدی سے صلاح ومشورہ لیتے ہیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

مسجد کسی کی ذاتی ملک نہیں ہوتی (۱) متولی کو وقف کی جائیداد کا حساب کتاب رکھنا لازم ہے (۲)، اگر غلط طریقہ پر صرف کرے گا تو سخت باز پرس ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۳/۲۰ھ۔

مسجد میں جو چیز دی جائے وہ کس کا حق ہے؟

سوال[۷۴۶۴]: جو چیز چڑھاوا مسجد میں آتا ہے وہ کس کا حق ہے؟

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وأن المساجد لله ، فلا تدعوا مع الله أحداً﴾ (سورة الجن : ۱۸)

"وإذا تم ولزم، لایملک ولایملک ولایعار ولایرهن". (الدر المختار). "(قوله: لایملک): أي لایکون مملوکاً لصاحبه". (رد المحتار، کتاب الوقف: ۳/ ۳۵۱، ۳۵۲، سعید)

(وکذا في الهدایة، کتاب الوقف: ۲/ ۶۴۰، مکتبه شرکت علمیة ملتان)

(۲) "وینبغي للقاضي أن یحاسب أمناء ه فیما في أیدیهم من أموال الیتمیٰ، لیعرف الخائن، فیستبدله، وکذا القوّام علی الأوقاف .... فقد علمت أن مشروعیة المحاسبات للنظار إنما هي لیعرف القاضي الخائن من الأمین". (البحر الرائق، کتاب الوقف، قبیل أحکام المساجد: ۵/ ۴۰۷، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد میں کھانے پینے کی جو چیزیں دی جاتی ہیں، وہ امام اور مؤذن کے لئے دی جاتی ہیں، ان کا ہی حق ہے(۱)۔ اگر مسجد کے لئے کوئی چیز دی جائے، مثلاً: صف، لوٹا، چٹائی، فرش وغیرہ تو وہ مسجد کی ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۵/۹۰ھ۔

مسجد میں گلگلے اور شیرینی آئے اس کا مستحق کون ہے؟

سوال[۷۴۱۵]: مسجد میں گلگلے و شیرینی تقسیم ہونے کو آتی ہے۔ لہٰذا اس کو کون کون سے لوگ کھا سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر صدقہ نما کر یہ چیزیں دی جائیں تو ان کے مستحق غرباء ہیں(۳)۔ اور اگر مؤذن وغیرہ کے لئے دی جائیں تو مؤذن وغیرہ مستحق ہیں(۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۷/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "الصدقة هي المال الذي وهب لأجل الثواب" (شرح المجلة لسليم رستم باز، الكتاب السابع في الهبة: ۱/۴۰۲، (رقم المادة: ۸۳۵)، مكتبه حنفيه كوئته)

"يملك الموهوب له الموهوب بالقبض" (شرح المجلة: ۱/۴۷۳، (رقم المادة: ۸۶۱)، مكتبه حنفيه كوئته)

(۲) "رجل بسط من ماله حصيراً في المسجد أو قنديلاً للمسجد، فوقع الاستغناء ... وعنه أبي يوسف رحمه الله تعالى: يباع ويصرف ثمنه إلى حوائج المسجد" (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً الخ: ۳/۲۹۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول: ۲/۴۵۸، رشيديه)

(۳) قال الله تعالى: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها﴾ (سورة التوبة: ۶۰)

(۴) "رجل دفع إلى رجل عشرة دراهم أو مائة من من حنطة، وقال: ادفع إلى فلان الفقير فدفع إلى غيره، =

مکان اور مسجد کے درمیان کتنا راستہ چھوڑا جائے؟

سوال [۷۰۰۶]: ہمارے یہاں جامع مسجد کے پورب جانب ایک صاحب کی جگہ ہے، وہ مکان بنانے مسجد کے قریب تک آگئے، اب گاؤں والے روکتے ہیں کم از کم بارہ فٹ چھوڑ کر بنانا چاہئے، وہ کہتا ہے کہ اگر میں چھوڑ کر بناتا ہوں تو میرے ایک کمرہ کا نقصان ہوتا ہے۔ اب آپ کے فیصلہ شرعی سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عام راستہ کے لئے اتنی جگہ چھوڑنا لازم ہے جس میں آدمی اور وہاں کے مطابق بیل گاڑی، چھکڑا وغیرہ بسہولت گذر جائے، اس سے زیادہ چھوڑنے پر مجبور نہ کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۱۰/۱۵ھ۔

مخصوص مسجد کو جان کے اندیشہ سے چھوڑنا

سوال [۷۰۰۷]: جس مسجد پر نفاق کا شبہ ہو، جس مسجد پر فسق وفجور کے خوف کی وجہ سے کوئی حکم لگایا جا سکتا ہو اور جس مسجد میں داخل ہونے کے لئے جاتے ہوئے نمازیوں پر قاتلانہ حملہ کیا جاتا ہو جس وجہ سے وہاں کے لوگ فسادات میں بھی شریک ہوتے ہوں۔ وہاں جس مسجد میں نماز ادا کرتے ہوئے موضع کے تین چوتھائی مسلمان اپنی جان کا خطرہ محسوس کرتے ہوں، کیا وہ مسجد پورے موضع کی جامع مسجد رہنے کے قابل ہے؟ کیا اس صورت میں اس جدید تعمیر شدہ مسجد میں عام نمازیں اور بشمول نماز جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

= فی المجاری أنه يضمن". (الفتاوى العالمكيرية: ۲/۴۸۰، رشيدية)

"والراكب لو عيّن إنساناً للمصرف تعين، حتى لو صرف الناظر لغيره، كان ضامناً". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۸۱، رشيدية)

(۱) "لو تنازعا أو اختلفا في مقدار عرض الطريق المشترك، ففي الأراضي يقدر بقدر ممر الثور، وفي الدار بقدر عرض باب الدار الأعظم بارتفاعه الذي يترك للطريق". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الكتاب العاشر في أنواع الشركات، الفصل الثامن في بيان أحكام القسمة: ۱/۶۷۵، رقم المادة: ۱۱۶۹، مكتبة حنفية كوئٹه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب القسمة: ۶/۲۶۳، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس شخص کو ایک مسجد میں جانے سے جان کا یا عزت کا خطرہ ہو، وہ دوسری مسجد میں جا کر نماز ادا کرلے، حسبِ ضرورت ومصلحت ایک سے زائد مساجد میں بھی جمعہ درست ہے(۱)۔ جھگڑے اور نساد سے پورا پورا پرہیز کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۵/۱۴۰۱ھ۔

مسجد کے خادم کو ضعیف ہو جانے پر مسجد سے تنخواہ دینا کیسا ہے؟

سوال[۷۲۹۸]: ایک مسجد کا ایک قدیم ملازم ہے جو کام کرتے کرتے بوڑھا ہو گیا ہے، تھوڑا تھوڑا کام کرتا رہتا ہے تو اس کو پوری تنخواہ مسجد سے دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی طاقت کے موافق کام بھی تجویز کر دیا جائے، اتنی مراعات کی گنجائش ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "(وتؤدی فی مصر فی مواضع): ای یصح اداء الجمعة فی مصر واحد بمواضع کثیرة، وهو قول أبی حنیفة ومحمد رحمه الله تعالیٰ، وهو الأصح؛ لأن فی الاجتماع فی موضع واحد فی مدینة کبیرة حرجاً بیناً، وهو مدفوع". (البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة: ۲/۲۵۰، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة: ۲/۵۳، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿واطیعوا الله ورسوله ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ریحکم، واصبروا، إن الله مع الصابرین﴾ (سورة الأنفال: ۴۶)

(۳) "والذی یبدأ به من ارتفاع الوقف عمارته، شرط الواقف أولا، ثم ما هو أقرب إلی العمارة ...... ثم السراج والبساط کذلک إلی آخر المصالح اهـ .... والبساط: بکسر الباء أی الحصیر، ویلحق بهما معلوم خادمهما، وهو الوقاد والفراش، فیقدمان". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۵۶، ۳۵۹، رشیدیه)

"وللمتولی أن یستأجر من یخدم المسجد بکنسه ونحو ذلک بأجر مثله أو زیادة یتغابن —

خدامِ مسجد کو وراثت کا حق نہیں

سوال [۷۶۹۰]: ۱... قصبہ کی جامع مسجد میں زید کے دادا و والد بحیثیت مؤذن امام مقرر تھے، دادا و والد کے انتقال کے بعد زید اس کی جگہ منصوب ہوا، لہٰذا مؤذن وامام دوسرے حضرات مقرر ہوئے، البتہ زید کے لئے وہی مراعات جو زید کے دادا و والد کے لئے اس وقت قصبہ کی طرف سے تھی بحال رہی، لیکن اب ساکنانِ قصبہ زید کی چند نازیبا حرکتوں مثلاً مسجد کے انتظامی امور میں بے جا مداخلت وغیرہ کی بناء پر زید سے متنفر ہیں اور تمام مراعات ختم کر رہے ہیں۔ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

۲... زید کے دادا والد کے لئے جو حجرہ مسجد کی طرف سے تھا اس میں زید کی اب بھی رہائش ہے، کیا یہ شرعاً جائز ہے، اگر ہے تو کیوں؟

۳... زید کا کہنا ہے کہ حجرہ کی توسیع وتعمیر میں میرے والدین کی رقم خرچ ہوئی ہے، لہٰذا اس میں رہائش میرا حق ہے۔ شرعی حکم کیا ہے؟

۴... زید مسجد کی ہر چیز پر پورے طور پر قابض ہے، یہاں تک کہ مسجد کی زمین پر لکڑی کی دوکان کرلی ہے اور مسجد کے درختوں کو اپنی ملکیت بتاتا ہے، درختوں کے لئے یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ ہمارے باپ دادا کے لگائے ہوئے ہیں اور اسی بناء پر درختوں پر زید کا پورا تصرف ہے۔ کیا یہ شرعاً جائز ہے؟

۵... حجرہ مسجد کے احاطہ میں ہے اور دوکان مذکور مسجد کی زمین میں ہے۔ کیا یہ سب مسجد ہی کے حکم میں ہیں؟ نیز مسجد کی حدودِ شرعی کا تعین فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... مسجد کے کسی خادم (مؤذن، امام) کی اگر خدمتِ مسجد کی وجہ سے مراعات کی جاتی ہے تو وہ اسی خادم کی ذات بحیثیت خدمت تک محدود رہتی ہے، اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی کہ خادم کے انتقال کے

– أيضاً. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الثاني: ۲/۴۶۲، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل السابع في تصرف القيم في الأوقاف: ۵/۷۴۳، إدارة القرآن كراچي)

بعد ورثہ بھی استحقاق کی بناء پر مراعات کا مطالبہ کریں، مراعات نہ کرنے کی وجہ سے ان کو بیجا مداخلت کا کوئی حق نہیں (۱)۔

۲... یہ "رہائش" بھی دادا اور والد کو خدمتِ مسجد کی وجہ سے دی گئی تھی، اب جبکہ خدمت ختم ہوگئی بلکہ خدمت کرنے والے بھی ختم ہوگئے تو موجودہ اولاد کو بحیثیت وراثت اس کا حق نہیں پہونچے گا (۲)۔

۳... والدین نے جو رقم دی تھی وہ ثواب کے لئے دی تھی جو آخرت میں ملے گا، دنیا میں اپنا اور اپنی اولاد کا حق قائم کرنے کے لئے نہیں دی تھی، ورنہ اپنی مملوکہ زمین میں اپنے روپے سے تعمیر بناتے۔ جیسا کہ دنیا کا قاعدہ ہے۔ مسجد کی زمین میں مسجد کا حجرہ وسیع کرنے کیلئے روپے دئے ہیں۔ اگر اس طرح روپیہ دینے کی وجہ سے حقِ رہائش کو قائم کیا جانے لگے تو جتنے لوگوں نے مسجد میں روپیہ دیا ہے وہ بھی اپنا حق قائم کرنے لگیں گے، پھر وہ مسجد بجائے خانۂ خدا ہونے کے خانۂ چندہ دہندگان بن جائے گی (۳)۔

۴... مسجد کی زمین پر دوکان لگانے کا اس کو حق نہیں، یہ قبضہ غاصبانہ ہے، یا زمین خالی کرے یا کرایہ مناسب مقرر کیا جائے، جتنی مدت زمین پر اب تک قبضہ رہا اس کا بھی کرایہ ادا کرے (۴)۔ اس زمین پر درخت اگر مسجد کے لئے لگائے تھے تو وہ مسجد کی ملک ہے، زید کو ان میں حقِ تصرف نہیں (۵)۔

---

(۱) "وحكمه (ملك الله تعالى وصرف منفعتها على من أحب) ولو غنيا، فيلزم، فلا يجوز له إبطاله، ولا يورث عنه، وعليه الفتوى، ابن الكمال، وابن الشحنة". (الدر المختار، كتاب الوقف، قبيل مطلب: قد يثبت الوقف بالضرورة: ۴/۳۳۸، ۳۳۹، سعيد)

(۲) "فإذا تم ولزم، لا يملك ولا يملّك ولا يعار ولا يرهن". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

(۳) (راجع الحاشية رقمها: ۲)

(۴) "(يفتى بالضمان في غصب عقار الوقف وغصب منافعه) أو إتلافها، كما لو سكن بلا إذن أو أسكنه المتولي بلا أجر، كان على الساكن أجر المثل ولو غير معد للاستغلال، به يفتى صيانة للوقف" (الدر المختار). "ودخل ما لو كان الوقف مسجدا أو مدرسة، سكن فيه، فيجب فيه أجرة المثل، كما أفتى به في الحامدية" (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب سكنى المشتري دار الوقف: ۴/۴۰۸، سعيد)

(۵) "وإذا غرس شجرا في المسجد، فالشجر للمسجد". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب –

۵..... مسجد تو وہ ہے جہاں نماز پڑھی جاتی ہے، وہاں تو نہ رہائش درست ہے نہ دوکان درست ہے، مسجد کی ملک اس کے علاوہ بھی ہوتی ہے، مثلاً: مسجد کا حجرہ، غسل خانہ، وضوخانہ، مسجد کی زمین، جائیداد، باغ، دوکان، مکان۔ جو چیز بھی مسجد کی ملک ہو خواہ کسی نے وقف کی ہو، یا مسجد کے لئے خریدی گئی ہو، اس پر بھی کسی کا غاصبانہ قبضہ جائز نہیں، اس کا واگذار(۱) کرانا ضروری ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

باہمی نااتفاقی کی بناء پر ایک مسجد کو ویران کرنا

سوال[۱۰۲۷۶]: آپس کی نااتفاقی کی بناء پر کسی نے یہ کہا کہ یہ مسجد ہماری ہے، تو دوسرے فریقان نے الگ مسجد تیار کرلی اور وہ مسجد ایسی جگہ میں تیار کرلی ہے کہ اس زمین کا مقدمہ چل رہا ہو۔ جس کے قبضہ میں وہ زمین ہے اس نے مسجد بنائی، اس خیال سے کہ پہلی مسجد ویران ہو جائے اور اس میں نماز پڑھنے کے لئے کوئی نہ جائے۔ اور پہلی مسجد میں نمازی نہیں ہیں، کم ہیں، ایک یا دو آدمی نمازی نماز پڑھ لیتے ہیں اور باقی آدمی وہ مقدمہ والی مسجد میں نماز پڑھتے ہیں۔ تو اس مقدمہ والی مسجد میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ پہلے یہ قبرستان تھا مگر اب اس میں کوئی قبر نہیں ہے، لیکن کسی سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس میں کچھ قبریں اب بھی ہیں پرانی، اور ایک پختہ مزار اب بھی موجود ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بہت غلط کام کیا کہ پہلی مسجد کو آپس کی نااتفاقی کی وجہ سے ویران کر دیا، اس کا وبال بہت

= الثاني عشر: المسائل التي تعود إلى الأشجار. ۲/ ۴۷۳، رشيديه)

(۱) "واگذار: چھوڑا ہوا"۔ (لغات سعدی، ص: ۸۵۳، سعید)

(۲) "يفتى بالضمان في غصب عقار الوقف وغصب منافعه أو إتلافها". (الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب: سكن المشتري دار الوقف: ۴/ ۴۰۸، سعید)

"وحكمه الإثم لمن علم أنه مال الغير، ورد العين قائمة". (الدر المختار، كتاب الغصب: ۶/ ۱۷۹، سعيد)

تحت ہے(۱)۔ اگر دوسری جگہ مسجد بنائی گئی اور سامنے کوئی قبر نہیں اور وہ جگہ مالک نے مسجد کے واسطے دیدی ہے، یا پہلے سے قبرستان کے لئے وقف ہے مگر اب وہاں مردے دفن نہیں ہوتے، بلکہ دفن کے لئے دوسری جگہ موجود ہے تو اس مسجد میں بھی نماز درست ہے(۲)۔ اب دونوں مسجدوں کو آباد کیا جائے اور آپس کی لڑائی کو ختم کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۷/۱۴۰۱ھ۔

مقروض کا قرض خواہ کی طرف سے قرض مسجد میں دینا

سوال[۷۱۴۱]: ایک شخص کے ذمہ کچھ قرض ہے، جس کا قرض ہے اس شخص نے یہ کہا کہ میرا روپیہ جو تمہارے ذمہ واجب ہے، وہ مسجد میں دیدو۔ قرضدار نے بقدر اس کے قرض کے مسجد میں روپیہ اپنی جانب سے دیا، لیکن یہ بات معلوم ہوئے پر کہ تم کو پہلے قرض ادا کرنا چاہئے تھا مسجد میں، روپیہ لا جو مقروض ہے یہ کہتا

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد اللہ أن یذکر فیها اسمه وسعی فی خرابها﴾ (سورة البقرة: ۱۱۴)

قال العلامة الألوسی: "﴿وسعی فی خرابها﴾ أی هدمها وتعطیلها ﴿أولئک﴾ الظالمون المانعون الساعون فی خرابها". (روح المعانی: ۱/۳۶۴، (سورة البقرة: ۱۱۴)، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۲) "وأما المقبرة الداثرة إذا بنی فیها مسجداً لیصلی فیه، فلم أر فیه بأساً؛ لأن المقابر وقف، وكذا المسجد، فمعناهما واحد". (عمدة القاری شرح صحیح البخاری، باب: هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة ویتخذ مکانها مساجد: ۴/۱۷۴، إدارة الطباعة المنیریة، بیروت)

"وإن بقی من عظامهم شیء تنبش وترفع الآثار، ویتخذ مسجداً، لما روی أن مسجد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم كان قبل مقبرة للمشرکین، فنبشت، كذا فی الواقعات". (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فی دفن المیت: ۲/۲۳۳، سعید)

(وكذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر والخانات ۲/۴۶۹، رشیدیة)

ہے کہ میں نے جو کچھ دیا بخوشی قرضہ والے کی جانب سے اس کے حق میں ادا کرتا ہوں اور اس کا ثواب بھی بخوشی بخشتا ہوں کہ جس کا قرضہ میرے ذمہ ہے، اس کو حق تعالیٰ دیں۔ یا اگر جس کا دینا ہے ان کے روبرو کہہ دے کہ یہ مسجد میں دیا ہوا روپیہ اس کے قرض میں مجرا ہو جائے گا، اور وہ ثواب کا مستحق ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح قرض ادا ہو جائے گا اور اس کا ثواب بھی ملے گا(1)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۹۱ھ۔

نقصان شدہ کھیتی کا ضمان مسجد میں دینا

سوال [۷۴۷۲]: دیہات میں غیر اقوام کے بچوں نے ایک غیر قوم کے کھیت میں ان کا چارہ (جو کہ جانور وغیرہ کھاتے ہیں) جلا دیئے ہیں، اس آدمی نے ان کے والدین سے بچوں لڑکوں کے بطور جرمانہ یا معاوضہ کچھ روپے طلب کئے اور انہوں نے اس کو روپیہ بھی دے دیئے، وہ آدمی جس نے روپے لئے تھے وہ یہ کہتا ہے کہ اس روپے سے کچھ دری کے لئے خرید کر مسجد میں رکھا جائے۔ تو کیا اس کی یہ چیز مسجد میں لگانا اور اس کا اس طریقہ سے لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جتنا نقصان کیا ہے اس کی قیمت وصول کرنے کا حق ہے(2)، پھر اس قیمت کو اپنے کام میں لائے

---

(1) "ولو أمره: أي أمر رجل مديونه بالتصدق بما عليه، صح أمر بجعله المال لله تعالى، وهو معلوم". (تنوير الأبصار مع رد المحتار، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء: ۵/۵۱۹، سعيد)

(2) "المباشر ضامن، وإن لم يتعمد". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۲، رقم المادة: ۹۲، مكتبة حنفية كوئٹه)

"لو أتلف واحد مال آخر أو نقص قيمته تسبباً، يعني: لو فعل ما كان سبباً مفضياً إلى تلف مال أو نقصان قيمته، كان ضامناً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الغصب، الفصل الثاني في الإتلاف تسبباً: ۱/۵۱۲، رقم المادة: ۹۲۲، مكتبة حنفية كوئٹه)

یا مسجد کی روشنی کے لئے دیدے درست ہے، یہ اس وقت ہے کہ اس کی کمیٹی کا نقصان نہ ہو(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۲/۸۸ھ۔

امام کے ذمہ مسجد کا قرض ہے اس کی وصولی کی صورت

سوال [۷۴۳۴]: ایک جگہ مسجد میں امام رہتا تھا اور امام صاحب کا فصلانہ تھا جس سے امام صاحب کے اخراجات پورے ہوتے تھے، جس وقت فصل کا وقت آیا یعنی فصل کٹنی شروع ہوئی تو امام صاحب کے اوپر الزام اٹھایا گیا، یہ خدا بہتر جانتا ہے کہ وہ الزام سچ ہے یا جھوٹ ہے، بہرحال اس الزام کی گرفتاری میں امام صاحب تشریف لے گئے تو امام فصلانہ چھوڑ کر گئے، اب امام کا ایک آدمی رہ گیا فصلانہ لینے کی غرض سے، چند آدمیوں نے فصلانہ دیا، تمام نہیں دیا۔

وہ کسی مجبوری کی وجہ سے امام نے مسجد کے پیسے سے کچھ قرض لیا تھا۔ تو جس وقت امام وہاں سے چلے گئے کوئی پیسہ اپنے پاس نہیں تھا، اب مسجد والوں نے امام سے پیسوں کا تقاضہ کیا تو امام نے جواب دیا کہ میرا فصلانہ ابھی باقی ہے، وہی دو بچوں کا انعام بھی رہ گیا ہے، جن کو میں نے قرآن مجید پڑھایا ہے، اب ان بچوں سے انعام لے کر اور فصلانہ وصول کر کے مسجد کا جو قرضہ مجھ پر ہے پہلے وہ وصول کر لو پھر باقی روپے مجھے دیدو۔

بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام صاحب کا جواب صحیح ہے، اس کے موافق عمل کیا جائے (۲)، مسجد کا پیسہ چھوڑنے کا کوئی حق

---

(۱) "کل یتصرف فی ملکہ کیف شاء" (شرح المجلۃ لسلیم رستم باز، الفصل الأول فی بعض قواعد فی أحکام الأملاک: ۱/۶۵۴، رقم المادۃ: ۱۱۹۲، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

"لأن الملک ما من شأنہ أن یتصرف فیہ بوصف الاختصاص" (رد المحتار، کتاب البیوع، مطلب فی تعریف المال والملک والمتقوم: ۴/۵۰۲، سعید)

(۲) "فإن کان یؤم فی المسجد وقت الحصاد یستحقہ، وصار کالجزیۃ" (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۹۳، رشیدیہ)

نہیں ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۵/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، ۱۴/۵/۹۰ھ۔

کفن کا مصلی مسجد میں

سوال [۶۳۴۳]: مُردوں کو کفنانے کیلئے جو کپڑا خریدا جاتا ہے، اس میں سے بعض حضرات ایک مصلے کی صورت میں تھوڑا سا کپڑا بچا کر مسجد میں دیدیتے ہیں۔ آیا اس مصلے کا استعمال اہلِ مسجد کر سکتے ہیں یا نہیں، یعنی اس کو مصلے کے طور پر استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ کپڑا جزوِ کفن نہیں، ورثاء کی ملک ہے، اس کا رواج ختم کیا جائے۔ ورثاء اگر بالغ ہوں اور میت کو ثواب پہونچانے کیلئے کوئی چیز مصلی وغیرہ مسجد میں دیں تو اس کو استعمال کرنا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۸/۸۹ھ۔

---

(۱) "أكثر تناول من مال الوقف، لمصالحه المتولي على خي و الأكثر غني، لايجوز الصط من مال الوقف". (البحر الرائق، كتاب الوقف ۵/۴۰۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۲۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، تصرف القيم في الأوقاف: ۵/۷۶۰، إدارة القرآن، كراچي)

(۲) "ولو كفن ميتاً فافترسه سبع، فإن الكفن يكون للمكفن إن كان حياً، ولورثته إن كان ميتاً". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول: ۲/۴۵۸، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره المسجد، الخ: ۳/۲۹۳، رشيديه)

مسجد سے متصل اسکول بنانا

سوال[۷۴۸۵]: آج کل مسجدوں میں اردو تعلیم کی شدید ضرورت کی بناء پر اسکول کھولے جارہے ہیں، ان میں معلموں اور معلمات کا تقرر ہوتا ہے، مگر معلم کم اور معلمات زیادہ ہوتی ہیں، ان میں کافی بے تکلفی ہوتی ہے، پردہ کا لحاظ بھی ختم ہوجاتا ہے، تعلیم و بچوں اور گانے بجانے کی وجہ سے آواز کا پردہ بھی ختم ہوجاتا ہے۔ اس قسم کے اسکول عام طور پر مسجد سے متصل ہوتے ہیں، چونکہ گورنمنٹ ان اسکولوں کے لئے جگہ نہیں دیتی، اس لئے ان عورتوں کی آواز نمازیوں کے کانوں میں بری طرح گونجتی ہے اور نمازیوں میں گڑبڑ ہوجاتی ہے، کچھ لوگ مسجد چھوڑنے پر مجبور ہورہے ہیں، اگر زید مخالفت کرتا ہے۔ زید کے حق میں کیا حکم ہے؟ کیا اردو تعلیم کے لئے عورتوں کو بے پردگی اور بلند آواز کی اجازت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اردو کی تعلیم وقت کی اہم ضرورت ہے، مگر احکام شرع کی پابندی حسب نصوص خداوندی و نبوی ضروری ہے، نماز کا احترام بھی لازم ہے(۱)، ترک پردہ اور نامحرم کے ساتھ اختلاط کے مفاسد ظاہر ہیں(۲)، وقف کو شرط واقف کے خلاف استعمال کرنے کا حق نہیں(۳)، مسجد کے قریب ایسا شور وشغب خود

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿إن الصلوة كانت على المؤمنين كتاباً موقوتاً﴾ (سورة النساء: ۱۰۳)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿يا أيها النبي قل لأزواجك وبناتك ونساء المؤمنين يدنين عليهن من جلابيبهن﴾ (سورة الأحزاب: ۵۹)

"عن ابن عباس رضي الله عنهما عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لايخلون رجل بامرأة إلا مع ذي محرم". الخ. (رواه البخاري، باب: لايخلون رجل بامرأة إلا ذو محرم: ۲/۷۸۷، قديمي)

(۳) "على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة" (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في مراعاة غرض الواقفين واجبة: ۴/۴۴۵، سعيد)

"(قوله: شرط الواقف يجب اتباعه) لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أي في وجوب العمل، وفي المفهوم والدلالة" (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

بچوں کے سبق یاد کرنے کا ہی ہو، جس سے نماز میں خلل پیدا ہو، درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۶/۹۵ھ۔

پھینکے ہوئے سیمنٹ کو درستگی کے بعد فروخت کرکے مسجد کا فرش بنانا

سوال [۷۶۱۶]: او، این، جی، سی کمپنی کا بورڈنگ کنڈکٹر نے اعلیٰ افسر کے آرڈر پر کمپنی کے گودام میں رکھا ہوا سیمنٹ گودام سے خارج کرکے پھینک دیا ہے، لیکن کمپنی کے زیر تحت میں چھوڑ رکھا تھا (۲)۔ پھر اس کو مزدوروں نے ریفائن (۳) کرکے بستہ بندی کی ہے، درالی بوریا ۲۵ روپے قیمت دے کر خرید لیا گیا، حسب مناسب رات کو ۹/ بجے تصفیہ کرکے وہ سیمنٹ مناسب مقام پر رکھ کے اس سے مسجد کا فلور صحن تیار کیا گیا، تقریباً ۱۸/ پورے صرف کرکے یہ کام انجام دیا گیا ہے، پھر تقریباً مہینہ بھر نماز پڑھی جاتی رہی۔ بعد میں مقامی معتبر حضرات کو شبہ ہوا کہ اس میں نماز جائز ہے یا نہیں؟ آپ سے شرعی رائے طلب کرتے ہیں، بر تقدیر عدم جواز مستقبل میں یہ فلورنگ توڑ دی جائے یا کوئی دوسری صورت اختیار کی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس کو بیکار قرار دے کر پھینک دیا گیا تھا کہ جس کا دل چاہے اٹھالے تو اب نماز میں کوئی شبہ نہ کریں (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱/۱۴۰۱ھ۔

= (وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۴۳، ۳۴۴، سعيد)

(۱) "عن واثلة بن الأسقع رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "جنبوا مساجدكم صبيانكم، ومجانينكم، وبيعكم، وشراءكم، ورفع أصواتكم، وسل سيوفكم، وإقامة حدودكم". الحديث. (سنن ابن ماجة، أبواب المساجد والجماعات، باب ما يكره في المساجد، ص: ۵۴، قديمي)

(۲) "زیر: نیچے"۔ (فیروز اللغات، ص: ۷۴۴، فیروز سنز، لاہور)

(۳) "ریفائن (refine): نتھارنا، صاف کرنا، خالص بنانا، میل دور کرنا، نکھارنا، درست کرنا، شائستہ کرنا، چمکانا"۔

(English to English & Urdu Dictionary. Page No. 755, Feroz Sons Lahore)

(۴) "ألقى شيئاً، وقال: من أخذه، فهو له، فلمن سمعه أو بلغه ذلك القول أن يأخذه، وإلا لم يملكه" —

کمپنی سے ٹین کی سستی چادریں خرید کر مسجد میں استعمال کرنا

سوال[۷۷۴۷]: قصبہ میں ٹاؤن ایریا کمیٹی اس میں چار مسلمان ممبر اور چھ دیگر ہیں، چیئرمین نے پرانی ٹین کی استعمال شدہ چادریں ہندؤں کو بطور دان (۱) دینی چاہیں ان کی تعداد ۳۱ / ہے اور قیمت تقریباً بارہ سو روپیہ ہے۔ ان چادروں کو ایک مسلم سوسائٹی دان میں نہ لے کر صرف ایک سو روپے میں خرید کر مسجد پر ڈالنا چاہتے ہیں۔ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب ٹاؤن ایریا کمیٹی بااختیار ہے، وہ مفت بھی دینے کی مجاز ہے، تو اس سے خرید کر بھی ان چادروں کا مسجد میں استعمال کرنا درست ہے اگر چہ قیمت بہت کم لگائی گئی ہو(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کا غلہ فروخت کرنے والے سے ضامن بننے کی صورت میں قیمت کی وصولی

سوال[۷۷۴۸]: مسجد کا غلہ کسی ایک آدمی نے فروخت کردیا اور پیسوں کا ذمہ دار فروخت کرنے والا

= لأنه أخذه إعانة لمالكه ليرده عليه، بخلاف الأول؛ لأنه أخذه على وجه الهبة وقد تمت بالقبض". (ردالمحتار، كتاب اللقطة، مطلب: القى شيئاً وقال: من أخذه فهو له: ۲۸۵/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب اللقطة: ۲۵۷/۵، رشيديه)

(۱) "دان: چندہ، تحفہ، نذر، خیرات"۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۱۱، فیروز سنز لاہور)

(۲) "(ويكون بقول أو فعل، أما القول فالإيجاب والقبول) .... (فالإيجاب) هو (مايذكر أولاً من كلام) أحد (المتعاقدين)، والقبول مايذكر ثانياً من الآخر، سواء كان بعت أو اشتريت (الدال على التراضي) قيد به اقتداءً بالآية، وبياناً للبيع الشرعي". (الدرالمختار، كتاب البيوع، شرائط البيع أربعة: ۵۰۶/۴، سعيد)

"(هو مبادلة المال بالمال، ينعقد بإيجاب وقبول بلفظي الماضي) ——— والإيجاب والقبول والتعاطي علة مادية له، والمبادلة يكون بين اثنين، فهما العلة الفاعلية. ولم يقل: على سبيل التراضي، ليشمل ما لا يكون بالتراضي كبيع المكره، فإنه ينعقد، هو الصحيح". (شرح الوقاية، كتاب البيع: ۱۰/۳، ۱۱، سعيد)

ہوگیا کہ پیسے آجائیں گے، لیکن خریدار نے پیسے نہیں دیئے۔ تو فروخت کرنے والے سے پیسے وصول کرنا چاہیے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

فروخت کرنے والا مسجد کو قیمت دے اور خریدار سے وصول کرے یا معاف کرے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱/۱۴۰۱ھ۔

مخصوص خاندان کا اپنی بنائی ہوئی مسجد کو اپنی ملک کی طرح سمجھنا

سوال[۹۷۶۷]: ایک مسجد کسی مخصوص خاندان، یا مخصوص انسان، یا مخصوص قوم نے بغیر کسی قوم کے تعاون کے کرائی اور پھر وقف فی سبیل اللہ کردی۔ بعدہ جو کام ہوا، عوام کے تعاون سے ہوا، لیکن پھر بھی اس قوم یا خاندان یا انسان سے کوئی ایسی بات پیش آئی ہو جس سے عوام پر غلط اثر پڑتا ہو، یا اس کی حرکت سے مصلیانِ مسجد حیران ہوں اور اس کی حرکات وسکنات سے محسوس ہوتا ہو کہ یہ مسجد کو اپنی ملکیت سمجھ کر اس قسم کی ناجائز حرکات کرتا ہے۔ تو ایسی صورت میں ایسی مسجد کیلئے شرعی حکم کیا ہے؟ اور ایسی قوم، ایسے انسان، ایسے خاندان کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو مسجد وقف کردی گئی، خواہ عوام کے پیسہ سے اس کی تعمیر ہوئی ہو، یا کسی خاندان کے پیسے سے، یا کسی شخص خاص کے پیسے سے، بہر صورت وقف ہوجانے کے بعد اس پر کسی کا دعویٰ ملک کرنا صحیح نہیں: "الوقف إذا

---

(۱) "ولو اشترى بغلته ثوباً، ودفعه إلى المساكين، يضمن مانقد من مال الوقف، لوقوع الشراء له، كذا في البحر الرائق ناقلاً عن الإسعاف". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس: ۴۱۸/۲، رشيديه)

"فإن فضل من غلته، فصرف الفضل إلى حوائجه على أن يرده إذا احتاج إلى العمارة، قال: لايفعل، ويتنزه غاية التنزه، فإن فعل مع ذلك، ثم انفق فيه، رجوت أن ذلك يبرأ عما وجب عليه". (خلاصة الفتاوى، كتاب الوقف، الفصل الرابع في المسجد وأوقافه: ۴۲۳/۴، رشيديه)

ثم (لم) لایملك ولایملك". درمختار(۱)۔ قال الله تعالی: ﴿وأن المساجد لله﴾ الآیة(۲)۔

جو شخص یا جو جماعت مسجد کو اپنی ملک سمجھے اس کا سمجھنا غلط ہے، لوگ ایسی مسجد میں نماز پڑھنا ترک نہ کریں، فتنہ فساد سے پورا اجتناب رکھیں۔ اگر وہ شخص یا خاندان دوسرے آدمیوں کو مسجد میں آکر نماز پڑھنے سے روکے تو ایسا شخص ایسا خاندان بڑا ظالم ہے: ﴿ومن اظلم ممن منع مساجد الله أن یذکر فیها اسمه﴾ (الآیة)(۳)۔ مگر ان کی اس حرکت پر بھی لڑائی جھگڑا نہ کیا جائے کہ سرپھٹول ہو مقدمہ بازی ہو۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۸/۱۳۹۰ھ۔

مسجد کے لئے پتھر خریدے اور ایک پتھر بطور یادگار دے دیا

سوال[۷۰۱۰]: ایک بستی کے اندر اس بستی نے تین آدمیوں کو مسجد کیلئے پتھر کی فرشی لینے کے لئے ایک دوسرے شہر میں بھیجا، یہ لوگ وہاں گئے اور انہوں نے مسجد کے لئے مذکورہ چیزیں خرید لیں۔ پیسہ وغیرہ دینے کے بعد اور سامان کو لادتے وقت ان میں سے ایک شخص نے دکاندار سے کہا کہ ایک پتھر مجھے بھی دیدیجئے، دکاندار نے کہا کہ کیا اپنی ذاتی ضرورت کیلئے لے رہے ہو؟ اس نے کہا کہ ہاں، دکاندار نے کہا کہ آپ کو جو پتھر دیا جائے گا وہ مسجد کے بھاؤ میں نہیں، اس لئے کہ میں نے مسجد کی وجہ سے بھاؤ میں رعایت کی ہے۔ تو مذکورہ شخص نے کہا کہ پھر میں نہیں لے سکتا، بلکہ میں تو مسجد کے بھاؤ سے ہی لینا چاہتا ہوں۔

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الوقف: ۳۵۱/۴، ۳۵۲، سعید)

"إذا صح الوقف، لم یجز بیعه ولا تملیکه". (الهدایة، کتاب الوقف: ۶۴۰/۲، شرکت علمیه ملتان)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الوقف: ۲۲۰/۶، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۳۴/۵، رشیدیه)

(۲) (سورة الجن: ۱۸)

(۳) (سورة البقرة: ۱۱۴)

اس کے بعد دوکاندار نے کہا کہ آپ اس پتھر کو کس مقصد کے لئے لے رہے ہیں؟ مذکورہ شخص نے کہا: محض یادگار کے لئے لے رہا ہوں، اس لئے کہ اس اطراف میں یہ پتھر نہیں ملتا۔ اس بات کو سن کر دکاندار نے کہا کہ میں آپ کو ایک پتھر یادگار کے لئے مفت دیتا ہوں اور اس نے ایک پتھر نوکروں سے نکلوا کر مسجد کے پتھروں میں رکھوا دیا۔ اور اس شخص کے دونوں ساتھیوں سے کہہ دیا کہ یہ پتھر میں اس کو دے رہا ہوں، اس کا مسجد کے پتھروں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا یہ پتھر اس کی ذاتی ملکیت ہوگا، یا مسجد کی ملکیت مانا جائے گا؟ ایک شخص اس کے مسجد کی ملکیت ہونے پر ہدایا العمال اور ابن ابی شیبہ کی حدیث سے استدلال فرماتے ہیں: "هذا مالكم، وهذا هدية أهديت لي". الخ(۱)۔ یہ بات ذہن نشین رہے، کہ تینوں حضرات مسجد کے اخراجات پر یہ مذکورہ چیزیں خریدنے گئے تھے۔ جواب باصواب سے مشکور فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

المعارض: نصیر الدین، بیت العلوم، مالیگاؤں ناسک۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس تفصیل کے تحت یہ پتھر ہدایا العمال میں داخل نہیں(۲)، اس لئے کہ اول تو انہوں نے یہ پتھر صدقہ و چندہ میں وصول نہیں کئے، بلکہ خریدے ہیں، بخلاف ابن لبیبہ کے کہ یہاں خریداری کا معاملہ نہیں تھا، بلکہ صدقاتِ واجبہ کی وصول یابی تھی، بیت المال کے لئے جس میں بے جا رعایت اور فروگذاشت کا مظنہ تھا(۳)، یہاں خریداری ہے، بائع نے خود تصریح کردی کہ مسجد کی خاطر کم قیمت لی ہے، نہ کہ ایک پتھر دیکر

---

(۱) (راجع رقم الحاشية: ۳)

(۲) قال العلامة ابن عابدين: "وتعليل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم دليل على تحريم الهدية التي سببها الولاية". (ردالمحتار، مطلب في هدية القاضي: ۳۸۳/۵، سعيد)

(۳) "عن أبي حميد الساعدي رضي الله تعالىٰ عنه قال: استعمل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم رجلاً من بني أسد يقال له: ابن اللتبية على صدقة، فلما قدم قال: هذا لكم، وهذا أهدي لي. فقام النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على المنبر، قال سفيان: أيضاً، فصعد المنبر فحمد الله وأثنى عليه، ثم قال: "ما بال العامل نبعثه فيأتي فيقول: هذا لك، وهذا لي، فهلّا جلس في بيت أبيه أو أمه فينظر أهدى له أم لا الخ".

(صحيح البخاري، كتاب الأحكام، باب هدايا العمال: ۱۰۶۳/۲، قديمي)

زیادہ قیمت لی ہے۔

دوسرے اصلاً اس پتھر کا معاملہ بیع کا کیا جارہا تھا(۱) ہدیہ کا نہیں تھا البتہ قیمت میں رعایت چاہتے تھے، جس کا بائع نے صاف انکار کردیا، پھر جب کہ یادگار کے طور پر رکھنے کی بات کی تو اس نے بلا قیمت کہہ دیا کہ یہ میری طرف سے یادگار ہے(۲)۔ البتہ وہاں سے لانے میں اس پر جو صرفہ ہوگا، وہ مسجد کے ذمہ نہیں ہوگا۔

تنبیہ: چونکہ یہ پتھر مسجد کی غرض اور مسجد کے صرفہ سے سفر کرکے ان کو حاصل ہوا ہے، اب اپنی جانب سے مسجد کو دیدیں تو بہت عالی بات ہے، مگر مسجد کو مطالبہ کا حق نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۷/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۷/۹۲ھ۔

ضد کی وجہ سے پہلی مسجد کو گرانا

سوال[۸۲۷۸]: ۱- اگر مسجد کو امام ومتولی سابقہ کے بغیر بنوائیں تو عندالشرع اس میں نماز جائز ہے یا ناجائز؟

۲- اگر گاؤں کے سابقہ نمازی اس مسجد میں نماز بالکل نہیں پڑھیں گے، کیونکہ ان کی رضامندی کے بغیر بنائی جارہی ہے، ان کی کوئی صلاح وغیرہ نہیں لی گئی، کیونکہ نمازیوں نے پچھلے سال ہی اس مسجد کی چھت دوبارہ ڈلوائی تھی، انہوں نے مسجد کو جبراً گرادیا، آیا اس مسجد کی تعمیر جائز ہے یا ناجائز؟

۳- اگر مسجد میں نماز پڑھنی ناجائز ہو تو کیا اور مسجد بنائی جائے اور اس میں نماز پڑھی جائے تو جائز ہوجاتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ضد اور لڑائی کی وجہ سے مسجد کو گرانا اور از سر نو بنانا گناہ ہے، تاہم اس میں نماز جائز ہے(۳)۔

---

(۱) "البیع ینعقد بالإیجاب والقبول، إذا کانا بلفظی الماضی". (الهدایة، کتاب البیوع: ۳/۲۲، مکتبہ شرکۃ علمیہ ملتان)

(۲) "الهبة تملیک مال لآخر بلا عوض". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، الکتاب السابع فی الهبة: ۱/۴۶۲، (رقم المادة: ۸۳۳)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(۳) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد اللہ أن یذکر فیها اسمه وسعیٰ فی خرابها﴾ (سورۃ البقرۃ: ۱۱۴)۔

۲ ... جامع مسجد شرعی مسجد کو محض ضد کی بنا پر گرا دینا حرام ہے اور نمازیوں کو اس نااتفاقی کی وجہ سے جامع مسجد سے علاحدہ ہو کر ان کی مسجد کو چھوڑ دینا بھی گناہ ہے۔ جب مسجد کسی نے جہالت اور حماقت سے گرادی ہے تو اس کا ترمیم صرف اس گرانے والے کے ذمہ واجب ہے اس کے ذمہ اس کی تعمیر ضروری ہے(۱)۔

۳ ... اور مسجد کے بنانے کی ضرورت نہیں۔ مسلمانوں کو جہالت اور ضد کو چھوڑ کر آپس میں اتحاد و اتفاق سے رہنا چاہیے، آپس کی ضد کا خمیازہ خدا کے گھر پر نکالنا بہت بڑی جرأت اور بربادی کا سبب ہے۔ متولی اور گرانے والے اور نمازی سب مل کر اتحاد و اتفاق سے خدا کے گھر کا احترام اور اس کو آباد کرنا فرض ہے، ورنہ اس کا وبال سب پر آئے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/[illegible] ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم، ۲۸/صفر/ ... ھ۔ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مظاہر علوم۔

مسجد کو شہید کرنے سے نقصان

سوال [۸۲۰۶]: [illegible]

---

(۱) قال العلامة الآلوسي: "وظاهر الآية العموم في كل مانع، وفي كل مسجد، وخصوص السبب لا يمنعه. ﴿وسعى في خرابها﴾: أي هدمها وتعطيلها ... ﴿أولئك﴾ الظالمون المانعون الساعون في خرابها ﴿ما كان لهم أن يدخلوها إلا خائفين﴾" (روح المعاني: ۱/۳۶۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(و) "وعن أبي الليث: مسجد يحتاج إلى مرمة، فالأمر لحافظ المسجد من ذلك البناء، يعني لأهل المسجد أن يرفعوا الأمر إلى القاضي ليأمر أهل النهر بإصلاحه، حتى إذا لم يصلحوه بعد أمره وانهدم حائط المسجد، ضمنوا قيمة ما انهدم". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المسجد في المسجد: ۵/۸۶۱، إدارة القرآن كراتشي)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/۲۹۲، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الثاني: ۲/۴۶۳، رشيدية)

ان شخص مستریان موضع جھنوہ ونگری ضلع میرٹھ نے اپنے حصۂ ارض پر ایک کچی مسجد بنائی، مسجد بنا کر اذان ونماز باجماعت ادا کرنے لگے۔ عرصہ دراز کے بعد جب مستری میاں جی نور بخش صاحب کا انتقال ہوگیا اور عبدالرحمن نے موضع پر ترک سکونت اختیار کرلی تو مسجد میں اذان وجماعت کا کوئی انتظام نہ ہونے کی وجہ سے مسجد ویران نظر آنے لگی تو رحیم الدین کو بطور امانت دے کر گیا تھا جس کا کوئی معاوضہ استعمال پر نہ تھا۔

عبدالرحمن نے آکر اپنا مکان رحیم الدین سے واپس لے لیا اور مسجد کو بنانے میں اپنے ہمراہ دیگر اہل اسلام کو بھی شامل کرلیا اور چند مخلصین حضرات کو لے کر تعمیری سلسلہ شروع کردیا تو تقریباً ایک گز تعمیر ہوئی کہ عبدالرحیم ورحیم الدین نے چند اہل ہنود کو بہکا کر مسجد کی تعمیر بند کرادی۔ حافظ عبدالمجید جو کہ میوات میں مقیم تھے، واپس آئے، انہوں نے جملہ مسلمانوں سے دریافت کیا کہ جب آپ حضرات نے مسجد کی تعمیر شروع کی تھی، پھر کیوں رکوادی؟ معلوم ہوا کہ ان کے چچا عبدالرحیم نے بند کرادی ہے تو اس پر عبدالمجید نے ہندو ذی اثر لوگوں سے مل کر مسجد کو مکمل کرادیا۔

لیکن عبدالرحیم اندرونی طور پر مخالفت پر رہا اور عبدالرحیم نے پس پشت جبکہ وہ کسی جلسہ میں گئے تھے موقع پا کر اہل ہنود کو اکسایا کہ مسجد کو شہید کردیا جائے۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ پہل تم کرو پھر ختم ہم کردیں گے۔ چنانچہ عبدالرحیم نے پہل کر کے ہنود اہل سے مسجد شہید کرادی۔ اس پر تھانہ میں رپورٹ کرادی گئی، تحقیقات ہوئی اور تصفیہ ہوگیا، جملہ مسلمانان سے شرط لی گئی کہ اگر تم نے مسجد بنائی تو تم سے ترک معاملات کیا جائے گا، اور کوئی بھی اہل اسلام تم سے نہیں ملے گا۔ پھر عبدالرحیم نے ذی اثر چند مسلمانوں سے مسجد تعمیر کروائی، مگر جو جگہ مسجد کی تھی وہ اہل ہنود کو دی اور دوسری جگہ مسجد مع محراب کے بنائی۔

۲۔ اب سوال یہ ہے کہ جس نے جو اس شخص نے مسجد کا نقصان کیا ہے اور تمام رقم برباد کی اس کا معاوضہ اس کے ذمہ ہے یا نہیں؟ اور جس مکان کا کرایہ ہوا اس پر اب بھی بالجبر قبضہ کئے ہوئے ہے۔ فرمایئے یہ حق الجواب ہے یا نہیں؟ اور شرائط میں جب مسجد گرادی اور اہل ہنود نے جب ظلم شروع کردیا تو چند مسلم حضرات ہجرت کر گئے تھے فرمایئے یہ ان کی ہجرت حق بجانب ہے یا کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس نے مسجد کا جس قدر روپیہ یا کوئی اور چیز ضائع کیا اس کا ضمان لازم ہے اس سے وصول

وصول کرنے کا حق نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۲/۸۸ھ۔

سرکاری ٹنکی سے مسجد میں پانی لینا

سوال[۷۳۸۴]: مسجد کے پاس باہر پانی کی ایک ٹنکی لگی ہوئی ہے، جو میونسپلٹی کی طرف سے رفاہ عام کے لئے ہے۔ اگر مسجد کے لئے استعمال کرنا چاہیں کہ اس نل کے ذریعہ پائپ یا بالٹی، کسی صورت سے مسجد میں ذخیرہ کرلیں تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ایسا کرنا خلافِ قانون نہ ہو، بلکہ میونسپلٹی کی طرف سے اجازت ہو تو جائز ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۸/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۸/۹۰ھ۔

= المنافق: ۱/۱۰، قدیمی)

(والصحیح لمسلم، کتاب الإیمان، باب علامة المنافق: ۱/۵۶، قدیمی)

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: "ألا لا تظلموا، ألا! لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه". (السنن الکبریٰ للبیهقي: ۳/۳۸۷، رقم الحدیث: ۵۴۹۲، دار الکتب العلمیة بیروت)

(ومشکوٰة المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، ص: ۲۵۵، قدیمی)

(۲) "ولا بأس بأن یشرب من النهر والحوض، ویسقي دابته وبعیره، ویتوضأ منه، کذا في الظهیریة". (الفتاویٰ العالمگیریة، کتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر، الخ: ۲/۴۶۵، رشیدیه)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۴۲۷، رشیدیه)

"قال في المعراج: لأن طاعة الإمام فیما لیس بمعصیة واجبة" (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب العیدین، مطلب: تجب طاعة الإمام فیما لیس بمعصیة: ۲/۱۷۲، سعید)

"لأن طاعة الإمام فیما لیس بمعصیة فرض". (الدر المختار، باب البغاة: ۴/۲۶۳، سعید)

غیر آباد مسجد میں میت دفن کرنا

سوال[۷۴۸۵]: ایک مسجد میں چند سال اہل دہ(۱) نماز پڑھتے رہے اور اصل مسجد جو پہلے سے بنائی گئی تھی وہ اس کے سوا دوسری ہے، یہ نئی مسجد صرف چند ایک اشخاص کے مالکوں نے گاہ گاہ نماز ادا کرنے کے لئے بنائی تھی، دراصل ان کی مسجد قدیمی بھی وہی ہے جو اصل مسجد پہلے بنائی تھی۔ اب چند سال کے بعد یہ نئی مسجد چونکہ اس مسجد کے مرکھپ جانے سے ویران ہوگئی تھی(۲)، اس وجہ سے اگر اس میں کسی میت کو دفن کردیا گیا ہو، بعد میں بعض علماء کا فتویٰ ہے کہ میت کو قبر سے نکال دیا جائے۔

اور بعض کا یہ فتویٰ ہے کہ اب میت کو بناء برعبارت درمختار وشامی: "ولا یخرج منه إلا لحق آدمي الخ" ۔ "(قوله: إلا لحق آدمي) احترز عن حق الله تعالیٰ الخ" ۔ شامی، باب الجنائز(۳) نہ نکالا جائے، حالانکہ مسجد پھر ویران ہوچکی ہے، اس میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مسجد فی الحال ویران ہے یعنی اس میں نماز نہیں ہوتی، تاہم اس سے اس کی مسجدیت میں فرق نہیں آتا اور اس کی مسجدیت ہمیشہ برقرار رہے گی(۴)، اس لئے اس میں مردوں کو دفن کرنا ناجائز ہے، کیونکہ یہ غرضِ بانی وواقف واحترامِ مسجد کے خلاف ہے(۵)، لیکن اگر عدمِ واقفیت کی بناء پر کسی کو دفن کردیا گیا ہے تو اس کو قبر

(۱) "دہ: گاؤں، بستی" ۔ (لغات سوری، ص: ۳۳۷، سعید)

(۲) "مرکھپ: مرکر خاک میں مل جانا، مرکر تمام ہوجانا، بہت زیادہ کوشش کرنا" ۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۳۲، فیروز سنز لاہور)

(۳) (رد المحتار، کتاب الصلوة، مطلب في دفن المیت: ۲۳۶/۲، سعید)

(۴) "لو خرب ما حوله واستغنی عنه، یبقی مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلی قیام الساعة، وبه یفتی"

(تنویر الأبصار مع الدر المختار، کتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل في أحکام المساجد: ۴۲۱/۵، رشیدیه)

(۵) "شرط الواقف کنص الشارع: أي في المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به" ۔ (الدر المختار، کتاب الوقف: ۴۳۳/۴، ۴۳۴، رشیدیه)

(وکذا في الأشباه والنظائر، کتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۲، ۱۰۶، إدارة القرآن کراچي)

کھود کر نکالنے کی ضرورت نہیں کہ اس سے میت کی توہین ہوتی ہے، اور نبش قبر بلا حق آدمی کے ناجائز ہے جیسا کہ عام متون میں مذکور ہے(۱) اور یہاں کسی کا حق فوت نہیں ہوتا، واقف کا اس لئے نہیں کہ اس کی ملکیت نہیں رہی، عام مسلمین کا اس لئے نہیں کہ وہ اس میں نماز نہیں پڑھتے، مسجد غیر آباد ہے، لہذا آئندہ کے لئے مسجد کی حفاظت کردی جائے کہ کوئی اور میت مدفون نہ ہو اور دفن شدہ کو نہ نکالا جائے کہ چند روز میں قبر خود زمین کے برابر ہوجائے گی اور میت کے پرانا ہونے پر قبر کو زمین کے ہموار کر کے اور اس پر چٹائی بچھا کر نماز پڑھنا درست ہوجائے گا(۲)۔

اگر اس سے پہلے وہ مسجد آباد ہوجائے تو قبر پر کھڑے ہوکر، یا اس کی جانب رخ کر کے نماز نہ پڑھیں(۳)، اگر گنجائش نہ ہو اور جگہ کی تنگی ہو تو پھر قبر کو ہموار کر دیا جائے کہ اس صورت میں نمازیوں کا۔ جن کے

---

(۱) "قوله: (ولا يخرج من القبر إلا أن تكون الأرض مغصوبة) أي بعد ما أهيل التراب عليه، لايجوز إخراجه لغير ضرورة، للنهي الوارد عن نبشه، وصرحوا بحرمته. وأشار بكون الأرض مغصوبة إلى أن يجوز نبشه لحق الآدمي، كما إذا سقط فيها متاعه أو كفن بثوب مغصوب، أو دفن في ملك الغير".

(البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/ ۳۴۱، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/ ۵۸۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صلاة الجنائز: ۲/ ۲۳۷، ۲۳۸، سعيد)

(۲) "ولو بلي الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره في قبره، وزرعه والبناء عليه". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/ ۲۴۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/ ۳۴۲، رشيديه)

(۳) "لاتكره الصلاة في جهة قبر إلا إذا كان بين يديه، بحيث لو صلى صلاة الخاشعين، وقع بصره عليه، كما في جنائز المضمرات". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في بيان السنة والمستحب الخ، ۱/ ۶۵۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد الخ: ۵/ ۳۲۰، رشيديه)

لئے مسجد وقف ہے۔حق فوت ہوتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور،۲۰/۲/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف، سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۲۵/صفر/۵۷ھ۔

محض ضد کی وجہ سے مسجد چھوڑنا

سوال [۷۲۸۶]: صرف چند اشخاص جو اس کے ساتھ ہیں، باقی تمام گاؤں کے مسلمان اس کے ساتھ شامل نہیں ہیں اور وہ اشخاص جو کہ دائمی نمازی ہیں، ان کو مطلق مسجد کے بنانے میں شامل نہ کیا جائے، بلکہ وہ اشخاص اب باہر در بدر نمازیں پڑھتے ہیں۔ آیا اس حال میں مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض ضد کی وجہ سے کہ "ہمیں شامل نہیں کیا، ہم سے مشورہ نہیں لیا" مسجد چھوڑنا اور در بدر نماز پڑھنا منع ہے، نماز مسجد ہی میں پڑھنی چاہیے(۱) اور مسجد بنانے والوں کو بھی بغیر نمازیوں کے مشورہ کے مسجد تعمیر کرنا یا گرانا بُری بات ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۲۸/۲/۵۷ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم،۲۸/صفر/۵۷ھ۔ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مظاہر علوم۔

حفاظتِ سامان کے لئے مسجد میں تالا ڈالنا

سوال [۷۲۸۷]: مسجد میں بوجہ چوری و بغرض حفاظت اگر تالا ڈال دیا جائے تو کیا حکم ہے، جائز

---

(۱) "وعن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "صلوة الرجل في بيته بصلوة، وصلوته في مسجد القبائل بخمس وعشرين صلوة، وصلوته في المسجد الذي يجمع فيه بخمسمائة صلوة". (مشكوة المصابيح، باب المساجد ومواضع الصلوة، الفصل الثالث، ص: ۷۲، قديمي)

(۲) "مسجد مبني معمور ليس للمتولي أن يهدمه ثانياً بتكلف في ترميمه". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۵/۸۴۳، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، الفصل الأول: ۲/۴۵۷، رشيديه)

ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جبکہ سامانِ مسجد محفوظ نہیں تو اس کی حفاظت کے لئے تالا ڈالنا شرعاً درست، بلکہ ضروری ہے، وکذا فی البحر الرائق ۲/۳۳(۱)، مگر ہر نماز کے وقت وہاں سب کے آنے اور نماز پڑھنے کی اجازت ہونی چاہیے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۸/۸۹ھ۔

مسجد کی آبادی

سوال[۷۳۸۸]: ۱..... ایک مسجد کے محلہ میں چار پانچ اقوام آباد ہیں، ایک قوم کے تقریباً پندرہ سولہ گھر ہیں اور دیگر اقوام کے دو دو ایک ایک گھر ہیں۔ قوم کثیرین میں سے صرف دو تین آدمی نماز پڑھتے ہیں، باقی اس قوم کثیر کے آدمی نماز نہ پڑھتے ہیں اور نہ کسی کے سمجھانے کو مانتے ہیں اور نہ یہ قوم کثیر مع نمازیوں کے وقت معینہ پر بجز ایک دو اشخاص کے پیش امام کی خدمت کرتے ہیں، اس سے مسجد مذکور میں جو کہ قوم کثیر کے نام سے منسوب اور حصہ میں ہے، کوئی امام نہیں ٹھہرتا۔

اور اگر دیگر اقوام کے آدمی جن میں کچھ تو نمازی ہیں، یا قوم کثیر کے ایک دو آدمی سے رائے لے کر کوئی

---

(۱) "قوله: "(وغلق باب المسجد): لأنه يشبه المنع من الصلوة. قال الله تعالى: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه﴾ (البقرة: ۱۱۴). وقيل: لابأس به إذا خيف على متاع المسجد، وهو أحسن من التقييد بزماننا، كما في عبارة بعضهم، فالمدار خشية الضرر على المسجد، فإن ثبت في زماننا في جميع الأوقات، ثبت كذلك، إلا في أوقات الصلاة، أو لا فلا، أو في بعضها ففي بعضها" (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۲/۳۹، ۴۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، فصل: كره غلق باب المسجد: ۱/۱۰۹، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في أحكام المسجد: ۱/۶۵۶، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، فصل يكره استقبال القبلة: ۱/۴۲۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

امام رکھ لیتے ہیں تو جب پیش امام کی وقتیہ مسجد پر خدمت کرنے کا موقع آتا ہے تو قوم کثیر انواع واقسام کے عذرات پیش کرتی ہے، کوئی کہتا ہے: کیا امام مسجد ہم سے پوچھ کر رکھا تھا، کوئی کہتا ہے کہ یہ امام جو تم نے مقررہ آمدنی پر رکھا ہے اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔ غرض! نہ دینے کی وجہ سے اکثر ناجائز عذر پیش کرتے ہیں، اس لئے مسجد مذکور اکثر امام سے خالی رہتی ہے اور اقوام قلیلہ تنہا اس مسجد کا خرچہ برداشت نہیں کرسکتی۔

۲ . اگر کوئی دوسری مسجد میں جانے کا حکم نہیں ہے تو اگر مسجد مذکور سابق کی غیر آبادی کے باعث کوئی غضب الٰہی نازل ہونے لگے تو اقوام قلیلہ کے نمازی غضب الٰہی سے محفوظ رہیں گے یا قوم کثیر کے ہمراہ مغضوب ہوجائیں گے؟ مدلل جواب فرمایا جاوے۔

۳ .... اگر اقوام قلیلہ کے نمازی قوم کثیر کے ہمراہ رہیں گے تو ایسی حالت میں قوم کثیر اور اس کی مسجد سے کنارہ کرسکتے ہیں اور غضب الٰہی سے محفوظ رہ سکتے ہیں یا نہیں؟

عبدالحمید، مرزاپوری، طالب علم مدرسہ ہذا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جماعت اصح قول پر واجب ہے اور بعض کے نزدیک فرض عین ہے بعض کے نزدیک فرض کفایہ ہے، بعض کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے، تارک جماعت بلا عذر پر تعزیر ہے، اگر سب ترک جماعت کی عادت کرلیں تو امام کو ان سے قتال کرنا چاہیے:

قال الحلبي الكبير: "قيل إنها فرض عين إلا من عذر، وهو قول أحمد وداؤد وعطاء وأبي ثور رحمهم الله تعالى. وقيل: فرض كفاية. وقال محمد رحمه الله تعالى في الأصل: اعلم أن الجماعة سنة مؤكدة، لا يرخص الترك فيها إلا بعذر مرض أو غيره. وأول هذا الكلام يفيد السنية، وآخره يفيد الوجوب، وهو الظاهر معنى الغاية. قال عامة مشايخنا: إنها واجبة. وفي المفيد: إنها واجبة، وتسميتها سنة لوجوبها بالسنة . . .. تاركها من غير عذر يعزر، وترد شهادته، ويأثم الجيران بالسكوت عنه، وهذا كلها أحكام الواجب، الخ".

الحلبي الكبير، ص: ٤٧٤(١)۔

مگر ساتھ ہی محلہ کی مسجد کو آباد رکھنا بھی ضروری ہے، اگر تمام نمازی دوسری مسجد میں نماز کے لئے جائیں گے یہ مسجد ویران ہوجائے گی(۲)۔ اس لئے جہاں تک ہوسکے مصالحت اور نرمی سے مسجد کو آباد رکھنا چاہیے، اگر غرباء امام کا خرچہ برداشت نہیں کرسکتے اور بلا اجرت امام میسر نہیں آتا تو امراء ہی کی رائے سے کسی صالح کو امام مقرر کرلیا جائے(۳)۔

---

(١) (غنية المستملي شرح منية المصلي لإبراهيم الحلبي الكبير، فصل في الإمامة، وفيها مباحث، ص: ٥٠٨، ٥٠٩، سهيل اكيڈمی، لاهور)

"قوله: (والجماعة سنة مؤكدة). أي قوية تشبه الواجب في القوة، والراجح عن أهل المذهب الوجوب، ونقله في البدائع عن عامة مشايخنا ..... والظاهر أنهم أرادوا بالتأكيد الوجوب؛ لاستدلالهم بالأخبار الواردة بالوعيد الشديد بترك الجماعة. وصرح في المحيط بأنه لا يرخص لأحد في تركها بغير عذر، حتى لو تركها أهل مصر يؤمرون بها، فإن ائتمروا، وإلا يحل مقاتلتهم. وفي القنية وغيرها: بأنه يجب التعزير على تاركها بغير عذر ويأثم الجيران بالسكوت". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ١/٦٠٢، ٦٠٣، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ١/٥٥٢، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، باب صلاة الجماعة: ١/٣٨٤، رشيديه)

(٢) "وإن لم يكن لمسجد منزله مؤذن، فإنه يذهب إليه ويؤذن فيه، ويصلي وإن كان واحداً؛ لأن لمسجد منزله حقاً عليه، فيؤدي حقه. مؤذن مسجد لا يحضر مسجده أحد، قالوا: هو يؤذن ويقيم ويصلي وحده، وذلك أحب من أن يصلي في مسجد آخر" اهـ. (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ١/٥٥٥، سعيد)

(وكذا في الفتاوى لقاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، فصل في المسجد: ١/٤٩، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، الفصل السادس والعشرون في المسجد: ١/٢٢٨، رشيديه)

(٣) "الباني عرف فالباني أولى، وكذا في نصب الإمام والمؤذن. وولد الباني وعشيرته من بعده أولى من غيرهم ..... وإن تنازعوا في نصب الإمام والمؤذن مع أهل المحلة، إن كان ما اختاره أهل المحلة أولى من الذي اختاره الباني، فما اختاره أهل المحلة أولى؛ لأن ضرره ونفعه عائد إليهم، وإن كان سواء =

بننے سے اور اس شخص کے رہنے سے مسلمانوں کی عزت، آبرو، جان ومال کا خطرہ ہے۔ لہٰذا اس مسجد میں اور اس شخص کے پیچھے نماز کا پڑھنا کیسا ہے؟ مسجد ضد بازی سے بنائی گئی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ جگہ مسجد بنانے اور نماز پڑھنے کے لئے نہیں دی گئی، بلکہ مالک کی اجازت ومنشاء کے خلاف ایک شخص نے مسجد نما بنالی ہے(۱) اور قبر درمیان میں ہے کہ فرش پر جب نماز پڑھنے والے سجدہ کرتے ہیں تو قبر کی طرف سجدہ ہوتا ہے تو وہاں نماز نہ پڑھی جائے (۲) اور اس شخص کو امام نہ بنایا جائے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۷/۹۲ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۷/۹۲ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "لأن شرط الوقف التأبيد، والأرض إذا كانت ملكاً لغيره، فللمالك استرداده وأمره بنقض البناء". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: مناظرة ابن الشحنة: ۳/۳۹۰، سعيد)

"وكذا تكره في أماكن كفوق كعبة، وفي طريق ومزبلة .... وأرض مغصوبة، أو للغير لو مزروعة أو مكروبة". (الدرالمختار، كتاب الصلاة: ۱/۳۷۹، ۳۸۱، سعيد)

(۲) "عن أبي مرثد الغنوي رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لاتجلسوا على القبور ولا تصلوا إليها". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب كراهة الوطئ والجلوس عليها: ۱/۲۰۳، سعيد)

(۳) "عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يقول: "ثلاثة لا يقبل الله منهم صلوة: من تقدم قوماً وهم له كارهون". الحديث (سنن أبي داؤد: ۱/۹۵، كتاب الصلوة، باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون، مكتبه امداديه ملتان)

(وجامع الترمذي، أبواب الصلوة، باب ما جاء من أمّ قوماً وهم له كارهون: ۱/۸۲، ۸۳، سعيد)

"ولو أمّ قوماً وهم له كارهون، إن الكراهة لفسادٍ فيه، أو لأنهم أحق بالإمامة منه، كره له ذلك تحريماً، لحديث أبي داؤد: "لا يقبل الله صلاة من تقدم قوماً وهم له كارهون". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، سعيد)

باب المصلّی

(عیدگاہ کا بیان)

کیا عیدگاہ کے لئے وقف ہونا لازم ہے؟

سوال[۷۳۵۰]: عیدگاہوں کے لئے وقف ہونا شرط ہے، یا اجازتِ مالک ہی کافی ہے؟ جبکہ مثل سالہا سال سے عیدین کی نماز ہوتی چلی آئی ہے جو اسی کام کے لئے تعمیر کی گئی ہے، اس کے لئے وقف یا اذنِ عام کا تحریری ثبوت اور دلیل ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نمازِ عید کے لئے وقف ہونا اور لوگوں کا وہاں نماز ادا کرنا بس اتنا ہی کافی ہے، تحریری ثبوت لازم نہیں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود۔

عیدگاہ کی جو زمین ندی میں بہہ کر پھر مل گئی، اس کو حکومت سے اپنے نام کرنے کا حکم

سوال[۷۳۵۱]: زید کی زمینداری کے وقت زید کے مورثِ اعلیٰ نے جو تقریباً پچاس سال سے زائد ہوئے کہ ایک عیدگاہ بنوائی تھی، موجودہ حکومت نے زمینداری لے لی اور حال سروے جو لگ بھگ تین سال ہوئے کہ عیدگاہ والا قطعہ بہار سرکار کے کھاتے اندراج پایا۔ ان زمینوں میں سے جس قطعہ پر عیدگاہ واقع

---

(۱) "وقال أبو يوسف رحمه الله تعالى: يزول ملكه بمجرد القول". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۳۷/۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۰۸/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۱۹/۵، رشيديه)

تھی وہ ندی میں بہہ گیا، ایک طویل مدت تک وہ ندی کی شکل میں رہا۔ اب وہ زمین ندی سے باہر نکل چکی ہے، لیکن عیدگاہ کی کوئی علامت اور نشانی باقی نہیں ہے۔ زید نے مذکور فی السوال بہار سرکار سے اور زمینوں کے ساتھ ایک قطعہ کو جس پر کبھی عیدگاہ تھی اپنی ناواقفیت اور کوئی نشاندہی نہیں رہنے کی وجہ سے سرکار سے نذرانہ اور سلامی دے کر بندوبست کرائی ہے اور سالانہ مالگذاری بھی دین ہوتا ہے۔

گاؤں والوں نے دوسری مناسب جگہ اپنی عیدگاہ بنائی ہے۔ مذکورہ صورت میں زید کا عیدگاہ والا قطعہ جو فی الوقت میں ہے، بندوبست کرنا درست ہے یا نہیں، اگر نہیں تو اس کا مصرف کیا ہوگا؟ کیا زید کی آبادی کے بعد زید کے لئے بنائی لینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر یہ ثابت ہوجائے کہ جو قطعۂ زمین زید نے سلامی دے کر حاصل کی ہے، یہ وہی قطعہ ہے جس پر عیدگاہ تھی یعنی یہ وقف ہے تو زید کا اس کو اپنے لئے آباد کرنا اس کی آمدنی حاصل کرنا درست نہیں (۱)، بلکہ اس کی آمدنی جو حاصل کر چکا ہے اس عیدگاہ کو دے دے جو دوسری جگہ بنائی جاچکی ہے (۲) اور اس حاصل شدہ قطعہ پر اہل بستی کے مشورہ سے دوبارہ پھر عیدگاہ بنائی جائے تاکہ واقف کی نیت پوری ہو (۳)۔ اور اگر متعین طور پر یہ

---

(۱) "وإذا تم ولزم، لایملک ولایملک ولا یعار ولا یرهن". (الدرالمختار). "(قوله: لایملک): أی لایکون مملوکاً لصاحبه، (ولا یملک): أی لایقبل التملیک لغیره بالبیع ونحوه، لاستحالة تملیک الخارج عن ملکه". (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۳۵۱/۴، ۳۵۲، سعید)

(وکذا فی الهدایة، کتاب الوقف: ۶۴۰/۲، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الوقف: ۲۲۰/۶، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۲) "رباط استغنی عنه المارة وبجنبه رباط آخر، قال السید الإمام أبو الشجاع: تصرف غلته إلی الرباط الثانی". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فیما لوخرب المسجد، أو غیره: ۳۵۹/۴، سعید)

(وکذا فی فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، فصل فی المقابر والرباطات: ۳۰۵/۳، رشیدیه)

(۳) "علی أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفین واجبة". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفین الخ: ۴۴۵/۴، سعید)

معلوم نہیں کہ یہ حاصل کردہ زمین وہی ہے جس پر عیدگاہ تھی تو پھر زید کو اس کی آمدنی حاصل کرنا اور استعمال کرنا درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا عیدگاہ پر مسجد کے احکام جاری ہوتے ہیں؟

سوال[۷۳۵۲]: ۱..... یہاں ایک متولی میدان ہے جس کا رقبہ بہت وسیع ہے، قبرستان شمار کیا جاتا ہے، اسی رقبہ کے ایک میدان میں عیدگاہ پختہ واقع ہے، عیدگاہ پختہ چہار دیواری سے گھری ہوئی اور دروازہ لگا ہوا ہے، عیدگاہ اور قبرستان کے ایک ہی متولی ہیں۔ یہ کل رقبہ صدیوں سے وقف ہے اور عیدگاہ میں عیدین کی نماز بھی صدیوں سے ہورہی ہے۔ وقف نامہ موجود نہیں، زبانی وقف شمار کیا جاتا ہے۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ یہ عیدگاہ مسجد کے حکم میں ہے یا نہیں اور مسجد کے کل احکام اس پر عائد ہوسکتے ہیں یا نہیں؟

۲..... دوم یہ کہ عیدین کے دن عیدگاہ کے اندر مصلیوں کے سامنے قبل نماز کا نگریس، مسلم لیگ کے پروپیگنڈے، مواعظ و رسم جھنڈا کشائی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

عیدگاہ میں کھیل کھیلنا

۳..... سوم یہ کہ اسی میدان کے کچھ حصہ میں فٹ بال اور مختلف کھیل کود ہوتے ہیں۔ یہ حرکات کس حد تک جائز ہیں؟

المستفتی: حاجی عبداللہ، مقام ہوری، ضلع بیر بھوم بنگال۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... عیدگاہ جواز اقتداء کے حق میں مسجد کے حکم میں ہے، بقیہ امور میں مسجد کے حکم میں نہیں، جیسا کہ جنابت جنابت مسجد میں داخل ہونا ممنوع ہے اس طرح عیدگاہ میں ممنوع نہیں، کذا فی الدر المختار (۱)۔

---

(۱) "أما المتخذ لصلوة جنازة أو عيد، فهو مسجد في جواز الاقتداء وإن انفصل الصفوف، رفقاً بالناس، لا في حق غيره، وبه يفتى، فحل دخوله لجنب و حائض كفناء مسجد، الخ". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱/۶۵۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض: ۱/۳۳۸، رشيديه)

۲- عیدگاہ میں جو شکرانہ ادا کرنے کے لئے اجتماع ہوتا ہے، لہٰذا نمازِ عید کے مختلف احکام اور مسائل وعظ میں بیان کئے جائیں، مسجد یا عیدگاہ کی رسوم کے علاوہ جمع کیا جائے تو بہتر ہے۔

۳- فن ہوں کچھ بھی وہاں غرضِ واقف کے خلاف ہے، اس سے بھی احتراز کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۱۰/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/ شوال/ ۶۱ھ۔

عیدگاہ اور مسجد میں فرق

سوال [۷۰۵۳]: مسجد اور عیدگاہ کا حکم ایک ہے یا علیحدہ؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صحتِ اقتداء میں دونوں کا حکم ایک ہے، کذا فی الدر المختار: ۱/۶۵۷ (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس: ۱/۳۸، رشيدية)

(۱) "على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة: ۴/۴۴۵، سعيد)

(۲) "وأما المتخذ لصلاة جنازة أو عيد، فهو مسجد في حق جواز الاقتداء". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱/۶۵۷، سعيد)

"وفي المتخذ لصلاة العيد، لا يكون مسجداً مطلقاً، وإنما يعطى له حكم المسجد في صحة الاقتداء بالإمام وإن كان منفصلاً عن الصفوف. وأما فيما سوى ذلك، فليس له حكم المسجد. وقال بعضهم: له حكم المسجد حال أداء الصلاة لا غير". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً أو سقاية أو مقبرة: ۳/۲۹۱، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۵/۸۴۳، إدارة القرآن كراتشي)

اگر قبریں بالکل متصل ہیں اور سجدہ کے سامنے ہیں تو وہاں نماز مکروہ تحریمی ہے، اگر دائیں، یا بائیں، یا پیچھے ہیں تو اس ترتیب سے کراہت میں کمی ہے، اگر فاصلہ زیادہ ہے تو کراہت نہیں (۱)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، ناظم مدرسہ۔

عیدگاہ آبادی میں ہونے کی وجہ سے فروخت کرنے کا حکم

سوال [۵۵۰۷]: عیدگاہ آبادی کے اندر آ جانے کی وجہ سے اس کو توڑ کر آبادی کے باہر منتقل کرنا چاہتے ہیں۔ دریافت طلب بات یہ ہے کہ عیدگاہ کو توڑ کر اس کی زمین کو عام استعمال کے لئے بعض دوکان، مکان وغیرہ تعمیر کرنے کے لئے فروخت کیا جا سکتا ہے یا نہیں، یا عیدگاہ کو مسجد بنا دیا جائے؟ اگر آپ مسجد کا حکم دیں گے تو جہاں پر عیدگاہ واقع ہے وہاں پر مسجد کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ وہ مسجد بالکل قریب ہے، انہیں کے لئے نمازی ناکافی ہیں اور مدرسہ بھی عیدگاہ کے قریب ہے، اس لئے مدرسہ بھی نہیں بنا سکتے۔

---

(۱) "عن أبي مرثد الغنوي رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "لا تجلسوا على القبور، ولا تصلوا إليها". (رواه الترمذي، أبواب الجنائز، باب كراهية الوطئ على القبور والجلوس عليها: ۱/۲۰۳، سعيد)

"وتكلموا أيضاً في معنى الكراهة إلى القبر، قال بعضهم: لأن فيه تشبهاً باليهود ... هذا كله إذا لم يكن بين المصلي و بين هذه المواضع حائط أو سترة، أما إذا كان، لا يكره، و يصير الحائط فاصلاً. وإذا لم يكن بين المصلي و بين هذه المواضع سترة، فإنما يكره استقبال هذه المواضع". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد و القبلة والمصحف، الخ: ۵/۳۱۹، ۳۲۰، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، مطلب في بيان السنة و المستحب، الخ: ۱/۶۵۳، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، مكروهات الصلاة، ص: ۳۵۸، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ عیدگاہ وقف ہے تو اس کی زمین کو فروخت کرنا جائز نہیں (۱)، محض آبادی کے اندر آ جانے کی وجہ سے اس میں کسی تغیر کی ضرورت نہیں، اس کو اپنے حال پر رکھیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۷/۹۲ھ۔

متعدد عیدگاہ بنانا جب کہ پرانی عیدگاہ ناکافی ہو

سوال [۶۲۵۱]: آپ سے چند روز قبل ایک فتویٰ لیا تھا، آپ نے اس کا جواب یہ دیا تھا کہ

"اگر عیدگاہ وقف ہے تو اس کی زمین کو فروخت کرنا جائز نہیں، محض آبادی کے اندر آ جانے کی وجہ سے اس میں کسی تغیر کی ضرورت نہیں، اس کو اپنے حال پر رکھیں"۔

اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ عیدگاہ کو محض آبادی کے اندر آ جانے کی وجہ سے منتقل نہیں کر رہے ہیں، بلکہ اس کے ساتھ دوسری عیدگاہ کو موجودہ عیدگاہ سے وسیع بنانا بھی مقصود ہے، کیونکہ یہ بہت چھوٹی ہے، نماز کے موقع پر دشواری ہوتی ہے، اس کے اندر پورے نمازی نہیں سماتے۔ نیز وضاحت فرمائیں کہ آبادی کے باہر عیدگاہ بنانا کس درجہ میں داخل ہے؟ واجب ہے یا افضل؟ اور باہر بنانے سے شریعت کا کیا مقصد ہے اور آبادی

---

(۱) "فإذا تم ولزم: لا یملک ولا یُملّک ولا یعار ولا یرہن". (الدر المختار). "(قولہ: لا یملک): أی لا یکون مملوکاً لصاحبہ. (ولا یملّک): أی لا یقبل التملیک لغیرہ بالبیع ونحوہ، لاستحالۃ تملیک الخارج عن ملکہ". (رد المحتار، کتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعید)

"إذا صح الوقف، لم یجز بیعہ ولا تملیکہ". (الہدایۃ، کتاب الوقف: ۲/۶۴۰، مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مکتبہ مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۳۲، رشیدیہ)

(۲) "شرط الواقف کنص الشارع: أی فی وجوب العمل بہ، وفی المفہوم والدلالۃ إلخ". (الأشباہ والنظائر، کتاب الوقف، الفن الثانی، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارۃ القرآن کراچی)

(وکذا فی مجمع الأنہر، کتاب الوقف: ۲/۵۰۹، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(وکذا فی الدر المختار، کتاب الوقف: ۴/۴۳۳، سعید)

سے باہر عیدگاہ بنانا ہمارے حنفی مسلک کے مخالف ہے یا موافق؟

۲… یہ کہ عیدگاہ کی زمین وقف کی ہے، لیکن اس میں کیا حرج ہے کہ موقوفہ زمین کو فروخت کرکے اس کے پیسوں سے جدید عیدگاہ تعمیر کرلی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱… آبادی سے باہر صحرا میں جاکر نماز عید ادا کرنا افضل اور سنت ہے، خواہ عیدگاہ ہو یا نہ ہو(۱)۔ عیدگاہ مستقل بنالینا قرین مصلحت ہے تاکہ کسی کو یہ اعتراض نہ ہو کہ ہماری زمین وہمارے کھیت میں کیوں نماز پڑھتے ہیں، نیز ممکن ہے کہ نماز کے وقت جگہ خالی نہ ملے کھیتی کھڑی ہو۔ موجودہ عیدگاہ اگر ناکافی ہے اور آبادی سے باہر عیدگاہ بنانے کی ضرورت ہے تو دوسری عیدگاہ بنانے کی ممانعت نہیں، اجازت ہے، بنالی جائے۔ ضعفاء اور کمزوروں، بیماروں کے لئے موجودہ عیدگاہ کو باقی رکھا جائے اور پنجگانہ نماز بھی اس میں درست ہے:

"وفي الخلاصة والخانية: السنة أن يخرج الإمام إلى الجبانة، ويستخلف غيره ليصلي في المصر بالضعفاء، بناءً على أن صلاة العيدين في موضعين جائزة بالاتفاق. وإن لم يستخلف، فله ذلك اهـ. والجبانة: المصلى العام: أي في الصحراء. بحر عن المغرب". شامي(۲)۔

(۱) "(والخروج إليها): أي الجبانة لصلاة العيد (سنة وإن وسعهم المسجد الجامع) هو الصحيح". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب العيدين: ۲/۱۶۹، سعيد)

"الخروج إلى الجبانة في صلاة العيد سنة وإن كان يسعهم المسجد الجامع، على هذا عامة المشايخ، وهو الصحيح". (الفتاوى العالمكيرية، الباب السابع في صلاة العيدين: ۱/۱۵۰، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين: ۲/۲۵۸، رشيدية)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام العيدين الخ: ص۵۳۱، قديمي)

"يجوز إقامة صلاة العيد في موضعين". (الفتاوى العالمكيرية، الباب السابع في صلاة العيدين: ۱/۱۵۰، رشيدية)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۴۴، ۱۴۵، سعيد)

(۲) (رد المحتار، باب العيدين، مطلب: يطلق المستحب على السنة وبالعكس: ۲/۱۶۹، سعيد)

الجواب حامداًومصلیاً:

فساد اور تفرقہ پیدا کرنے کے لئے دوسری عیدگاہ بنانا ناجائز ہے(۱)، البتہ اگر فساد کسی وجہ سے پیدا ہوگیا اور اس کا دفعیہ بجز دوسری عیدگاہ بنانے کے دشوار ہے تو دوسری عیدگاہ بنانا درست ہے(۲)۔ بہرحال جب وہ عیدگاہ بن چکی اور باقاعدہ وقف کردی گئی تو اس میں اور پہلی عیدگاہ میں دونوں میں نماز درست ہے، [پہلی] عید گاہ مستحق تقدیم ہے(۳)، حتی الوسع رفع فساد ضروری ہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۱۱/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، 　　صحیح: عبداللطیف، ۲۳/ ذی قعدہ/ ۵۵ھ۔

رنجش رفع ہونے پر دوسری بنائی گئی عیدگاہ کے ساتھ کیا کیا جائے؟

سوال[۷۴۵۸]: ایک بستی کے اندر پانچ محلے ہیں، تین محلے الگ ہوگئے، آپس میں رنجش ہوگئی اور

---

(۱) "قيل: كل مسجد بني مباهاةً أو رياءً أو سمعةً، أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله، أو بمال غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار". (تفسير المدارك: ۱/ ۶۵۱، (سورة التوبة: ۱۰۷)، قديمي)

(وكذا في الكشاف: ۲/ ۳۱۰، (سورة التوبة: ۱۰۷)، دار الكتاب العربي بيروت)

(وكذا في روح المعاني: ۱۱/ ۲۱، (سورة التوبة: ۱۰۷)، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "وتؤدى بمصر واحد بمواضع كثيرة اتفاقاً، والخلاف إنما هو في الجمعة". (الدر المختار، باب صلوة العيدين، مطلب: أمر الخليفة لايبقى بعد موته: ۲/ ۱۷۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلوة العيدين: ۲/ ۲۸۳، رشيديه)

"أهل المحلة قسموا المسجد، و ضربوا فيه حائطاً، و لكل منهم إمام على حدة و مؤذنهم واحد، لا بأس به، والأولى أن يكون لكل طائفة مؤذن". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/ ۴۱۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/ ۳۲۰، رشيديه)

(۳) "ثم الأقدم أفضل لسبقه حكماً، إلا إذا كان الحادث أقرب إلى بيته، فإنه أفضل حينئذ، لسبقه حقيقةً وحكماً، كذا في الواقعات. و ذكر قاضي خان و صاحب منية المفتي و غيرهما: أن الأقدم أفضل، فإن استويا في القدم، فالأقرب أفضل". (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد: ۶۱۳، سهيل اكيڈمی لاهور)

انہوں نے عیدگاہ کے لئے ایک زمین خریدی اور نماز عید بھی پڑھی۔ اب پھر باہم متفق ہوگئے اور سابقہ عیدگاہ میں ہی نماز پڑھنے لگے۔ تو جو زمین عیدگاہ کے نام سے خریدی تھی اور اس میں نماز پڑھ لی ہے تو وہ زمین عیدگاہ ہی رہے گی یا اس میں دیگر کام کرسکتے ہیں؟

محمد حبیب الرحمان، معرفت محمد الیاس، ہری اسٹریٹ کلکتہ نمبر: ۹۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر چندہ کی رقم سے زمین خریدی گئی اور وہاں عید کی نماز ادا کی گئی ہے اور اس زمین کو نماز عیدین کے لئے وقف کردیا گیا ہے تو اب اس کو فروخت کرنا جائز نہیں:

"لأن الوقف إذا تم ولزم، لا یملك ولا یملك ولا یعار ولا یرهن، اهـ". "أی لا یکون مملوکاً لصاحبه، (ولا یملك): أی لا یقبل التملیك لغیره بالبیع ونحوه، لا ستحالة تملیك الخارج عن ملکه، اهـ". شامی: ۳/۳۶۷ (۱)۔

اب مذکورہ خرید کردہ زمین میں نماز عیدین ہی ادا کی جائے وقف کرنے سے پہلے اس بات پر غور کرنے کی ضرورت تھی۔ اگر اس کو وقف نہیں کیا گیا، بلکہ وقف کرنے کا ارادہ تھا اور محض عارضی طور پر وہاں نماز ادا کرلی گئی تو پھر چندہ دینے والوں کی اجازت سے وہاں مکان، دوکان، باغ لگانا، کاشت کرنا سب کچھ درست ہے، بلکہ فروخت کرنا بھی درست ہے (۲)۔ اس کی قیمت یا آمدنی کا بہتر یہ ہے کہ سابقہ عیدگاہ، یا دیگر مساجد ودینی

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعید)

"إذا صح الوقف، لم یجز بیعه ولا تملیکه". (الهدایة، کتاب الوقف: ۲/۶۴۰، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۳۴، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۲) "رجل له ساحة لا بناء فیها، أمر قوماً أن یصلوا فیها بجماعة . . . . أما إن وقت الأمر بالیوم أو الشهر أو السنة، ففی هذا الوجه لا تصیر الساحة مسجداً، لو مات یورث عنه". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد وما یتعلق به، الخ: ۲/۴۵۵، رشیدیه)

(وکذا فی فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره –

کاموں میں حسب مشورہ صرف کریں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۳/۸۹ھ۔

اگر جدید عیدگاہ بھی بنالی جائے تو نماز کس میں ادا کریں؟

سوال [۷۲۵۹]: واقعہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں چھوٹے چھوٹے تھارہ عیدگاہ کے لوگوں نے مل کر ۱۹۷۸ء میں ایک عیدگاہ بنایا، فخرالدین صاحب کی آدھ بیگہ زمین پر، جدید بڑی عیدگاہ بنادی۔ جو قدیم چھوٹی چھوٹی عیدگاہیں تھیں وہ بالکل معطل ہوگئیں۔ اکثریت مسلمانوں کی جدید عیدگاہ میں جاتی ہے، کچھ لوگ قدیم عیدگاہ میں پڑھتے ہیں، آپس میں اختلاف بہت شدید ہے۔ اب ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟ اگر سب لوگ قدیم عیدگاہوں کو چھوڑ دیں تو پھر ان عیدگاہوں کا کیا کیا جائے؟

نوٹ: قدیم عیدگاہ آدھ بیگہ زمین وقف ہے اور جدید میں دو بیگہ وقف ہے، الغرض اگر جدید میں قدیم کے تمام آجائیں تو ایسی صورت میں قدیم عیدگاہ کی زمین کا حکم کیا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قدیم عیدگاہ بھی وقف ہے مگر چھوٹی ہے، جدید عیدگاہ بھی وقف ہے اور بڑی ہے، جس میں سب نمازی آسکتے ہیں، اگر سب متفق ہو کر قدیم عیدگاہ کو پنجگانہ نماز کے لئے تجویز کر کے آباد کرلیں (۱) اور عید کی نماز جدید عیدگاہ میں پڑھا کریں تو یہ صورت بہتر ہے۔ اگر یہ نہ ہوسکے تو پھر ایسا کرلیں کہ جدید بڑی عیدگاہ میں عید

— مسجداً أو حانوتاً، الخ: ۲/۲۹۰، ۲۹۱، رشیدیه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/۸۳۴، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "في الكبرى: مسجد أراد أهله أن يجعلوا الرحبة مسجداً أو المسجد رحبةً، وأرادوا أن يحدثوا له باباً أو أرادوا أن يحولوا الباب عن موضعه، فلهم ذلك". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الخ: ۲/۴۵۶، رشيدیه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف، في جعل شيء من المسجد طريقاً: ۴/۳۷۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/۸۴۳، إدارة القرآن كراچی)

کی نماز پڑھا کریں اور جو لوگ معذور ہوں وہ قدیم عیدگاہ میں پڑھا کریں (۱)، اس طرح دونوں عیدگاہیں آباد رہیں گی اور واقف کا مقصد بھی پورا ہوگا۔ جب تک دونوں عیدگاہیں آباد رہ سکیں، وہاں کھیتی وغیرہ کچھ نہ کریں (۲)، اگر کوئی صورت نہ ہو سکے، پھر وہاں باغ لگا کر، یا کھیتی کر کے اس کی آمدنی جدید عیدگاہ میں صرف کریں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱/۳۰ھ۔

پرانی عیدگاہ تنگ ہو تو نئی عیدگاہ بنانا

سوال [۷۴۱۰]: یہاں کی عیدگاہ تنگ ہے اور شمال، مشرق اور مغرب دونوں جانب ——— توسیع ممکن نہیں، برسات میں اگر عیدین ہوتی ہیں تو مزید دشواریوں کا سامنا ——— کرنا ہوتا ہے۔ کیا بجائے اس جگہ کے دوسری جگہ عیدگاہ بنائی جا سکتی ہے اور اس عیدگاہ کی اینٹیں نئی عیدگاہ میں صرف کی جا سکتی ہیں؟ نئی جگہ جو تجویز کی گئی ہے وہ ایک بڑی قدیم قبرستان لب سڑک ہے۔

---

(۱) "والسنة أن يخرج الإمام إلى الجبانة، و يستخلف غيره، ليصلي في المصر بالضعفاء والمرضى والأضراء، و يصلي هو في الجبانة بالأقوياء والأصحاء. وإن لم يستخلف أحداً كان له ذلك". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، باب صلاة العيدين، الخ: ۱/۱۸۳، رشيديه)

(و كذا في رد المحتار، باب العيدين، مطلب: يطلق المستحب على السنة وبالعكس: ۲/۱۶۹، سعيد)

(و كذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، ما يستحب يوم العيدين: ۱/۴۲۵، رشيديه)

(۲) "أما مصلى العيد لا يكون مسجداً مطلقاً، وإنما يعطى له حكم المسجد في صحة الاقتداء بالإمام وإن كان منفصلاً عن الصفوف، و فيما سوى ذلك، فليس له حكم المسجد. و قال بعضهم: يكون مسجداً حال أداء الصلوة لا غير، وهو والجبانة سواء. ويجنب هذا المكان عما يجنب عنه المساجد احتياطاً". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: إذا وقف كل نصف على حدة، صارا وقفين: ۴/۳۵۶، سعيد)

(و كذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۵/۸۴۵، إدارة القرآن كراچی)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۵/۴۱۸، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جگہ کی تنگی کی وجہ سے دوسری عیدگاہ بنانے کی اجازت ہے، جب کہ موجودہ عیدگاہ میں توسیع کی گنجائش نہ ہو، لیکن موجودہ عیدگاہ میں اگر صرف زمین نہ ہو تو اس کو توڑ کر اس کی اینٹیں نئی عیدگاہ میں استعمال کی اجازت نہیں(۱)، البتہ اس کی حفاظت کرنا بھی ضروری ہے، خواہ اس کو پنجگانہ نماز کے لئے مسجد بنا دیا جائے۔ اگر اس کی ضرورت نہ ہو اور اس پر کسی غیر کے قبضہ کا اندیشہ ہو تو وہاں دینی مدرسہ/مکتب بھی بنا سکتے ہیں(۲)، باغ بھی لگا سکتے ہیں جس کی آمدنی نئی عیدگاہ کی مصالح میں خرچ کی جائے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

عیدگاہ کے درخت کٹوا کر مسجد میں صرف کرنا

سوال [۷۰۰۱]: مسلمانوں کی آبادی میں ایک مسجد ہے اور ایک عیدگاہ بھی ہے، عیدگاہ کا ایک باغ

---

(۱) "ولو خرب ما حوله واستغني عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتي، حاوي القدسي". (الدر المختار). "فلا يعود ميراثاً، ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر، سواء كانوا يصلون فيه أو لا، وهو الفتوى، حاوي القدسي". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۳۵۸/۴، سعيد)

(۲) "حشيش المسجد وحصره مع الاستغناء عنهما، وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض". (الدر المختار)
"الرباط مستغنى عنه العمارة ويجب رباط آخر، قال السيد الإمام أبو الشجاع: تصرف غلته إلى الرباط الثاني". (رد المحتار، كتاب الوقف: ۳۵۹/۴، سعيد)

(۳) "وإن أراد قيم الوقف أن يبني في الأرض الموقوفة بيوتاً يستغلها بالإجارة، لا يكون له ذلك؛ لأن استغلال أرض الوقف يكون بالزرع". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً الخ: ۳۰۰/۳، رشيدية)

"وإذا دفع أرض الوقف مزارعة، يجوز إذا لم تكن فيه محاباة قدر ما لا يتغابن الناس فيها". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم الخ: ۴۰۳/۲، رشيدية)

ہے اور مسجد کا بھی ایک باغ ہے۔ اب تمام بستی والے اس بات پر راضی ہیں کہ عیدگاہ کے باغ کے کچھ درخت کٹوا کر مسجد کی تعمیر ومرمت میں صرف کرادیں۔ تو شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو باغ عیدگاہ کے لئے وقف ہے اس کے درخت نہ کٹوائے جائیں، البتہ جو درخت خشک ہوگئے اور ان سے کوئی نفع نہیں، ان کو کٹوا کر عیدگاہ کے لئے عمارت میں صرف کردیا جائے (۱)، اگر عیدگاہ میں ضرورت نہ ہو نہ آئندہ ضرورت کی امید ہو تو پھر وہاں کی مسجد کی تعمیر میں صرف کی اجازت ہے (۲) اور جس قدر ضرورت ہو وہ چندہ سے پوری کرلی جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۲/۱۴ھ۔

عیدگاہ کو دو منزلہ بنانا، قدیم عیدگاہ کا مصرف

سوال [۷۰۶۲]: مظفرنگر کی عیدگاہ آبادی میں آ گئی ہے اور نمازیوں کے لئے ناکافی ہوتی

---

(۱) "وكذلك لو وقف شجرة بأصلها على مسجد، فيبست أو يبس بعضها، يقطع اليابس، ويترك الباقي، كذا في محيط السرخسي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات الخ، فصل في الأشجار: ۲/۴۷۵، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في الأشجار: ۳/۳۱۰ رشيديه)

"سئل نجم الدين .... قيل له: فإن تداعت حيطان المقبرة إلى الخراب يصرف إليها أو إلى المسجد؟ قال: إلى ما هي وقف عليه". (الفتاوى العالمكيرية، المصدر السابق)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، نوع في وقف المنقول: ۶/۲۶۱، رشيديه)

(۲) "حشيش المسجد و حصره مع الاستغناء عنهما، وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض". (الدر المختار)

"(قوله: إلى أقرب المسجد أو رباط، الخ) .... يصرف وقفها لأقرب مجانس لها، اهـ".

(ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۵/۸۵۶، إدارة القرآن كراچي)

ہے، آبادی سے باہر دوسری عیدگاہ بنانا اَولیٰ ہے یا اسی کو دوسری منزل کر دیا جائے؟ شق اول پر قدیم عیدگاہ کو کیا کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دو منزلہ بنا سکتے ہوں تو دو منزلہ بنالیں (۱)، اگر آبادی سے باہر دوسری عیدگاہ بنائیں تو موجودہ عیدگاہ کو پنجگانہ نماز کے لئے مسجد قرار دے دیں (۲)۔ یہ بھی وہ کر سکتے ہیں کہ موجودہ عیدگاہ کو عیدگاہ ہی رکھیں اور اس میں معذورین نماز عید ادا کیا کریں (۳)۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۹۴ھ۔

عیدگاہ کا تبادلہ

سوال [۷۲۹۳]: ایک قطعۂ اراضی جس میں چھوٹی سی ناکافی عیدگاہ ہے، چاروں طرف زرعی زمین

---

(۱) "وكره الوطء فوق المسجد، وكذا البول والتغوط؛ لأن سطح المسجد له حكم المسجد، حتى يصح الاقتداء منه بمن تحته". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۲/۶۰، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلاة، فصل: يكره استقبال القبلة: ۱/۱۴۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) "في الكبرى: مسجد أراد أهله أن يجعلوا الرحبة مسجداً، أو المسجد رحبةً، وأرادوا أن يحدثوا له باباً، أو أردوا أن يحولوا الباب عن موضعه، فلهم ذلك". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الخ: ۲/۴۵۶، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في جعل شيء من المسجد طريقاً: ۴/۳۷۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/۸۴۱، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "والسنة أن يخرج الإمام إلى الجبانة، و يستخلف غيره، ليصلي في المصر بالضعفاء والمرضى والأضراء ——— وإن لم يستخلف أحداً، كان له ذلك". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، باب العيدين و تكبيرات أيام التشريق: ۱/۱۸۳، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، باب العيدين، مطلب: يطلق المستحب على السنة وبالعكس: ۲/۱۶۹، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، ما يستحب يوم العيدين: ۱/۶۲۵، رشيديه)

سے تعمیر ہوئی ہے اور دیوار عیدگاہ بھی مرمت طلب ہے، نمازیوں کی زیادتی اس کے لئے تنگ ہے۔ اس پرانی عیدگاہ والی اراضی سے کچھ فاصلہ پر دوسری مزروعہ اراضی جو رقبہ میں تقریباً سہ چند ہے اور شہر سے ملحق لب سڑک ہے، بدلے میں دستیاب ہو رہی ہے، مالکان اراضی قدیم وجدید ایک ہی ہیں۔ اگر اس جدید اراضی میں عیدگاہ دیوار وغیرہ بنائی جاتی ہے تو نمازیوں کو ہر طرح سے آسائش اور سہولت رہے، درمیان اراضی قدیم وجدید کے چہار محیط اور پکی سڑک ہے۔

دریافت طلب امر تبادلہ اراضی قدیم وجدید کی تحقیق ہے از روئے شریعت اسلام بالدلیل ہو، برائے کرم مبین حکم صادر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر سابق عیدگاہ وقف ہے تو اس کے تبادلہ کی اجازت نہیں (۱)، اگر نماز عید ادا کرنے کے لئے دوسری وسیع جگہ عیدگاہ بنالی جائے تو بھی سابق عیدگاہ بھی وقف رہے گی (۲)، اس میں باغ لگا کر اس کی آمدنی جدید عیدگاہ کی ضرورت میں صرف کی جائے۔ جب مالکان اراضی کو اللہ نے وسعت دی ہے اور ہمت دی ہے تو جدید اراضی کو بھی دیدیں، ان کی طرف سے صدقہ جاریہ رہے گا اور ضروریات عیدگاہ کے لئے آمدنی کا بھی انتظام ہوجائے گا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وجاز شرط الاستبدال به أرضاً أخرى" (الدر المختار). "(قوله: جاز شرط الاستبدال به الخ) والثالث: أن لا يشرطه أيضاً، ولكن فيه نفع في الجملة، وبدله خير منه ريعاً ونفعاً، وهذا لايجوز استبداله على الأصح المختار" (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في استبدال الوقف وشروطه: ۴/۳۸۴، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۸، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "فإذا تم ولزم، لا يملك ولا يملّك ولا يعار ولا يرهن" (الدر المختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "(قوله: لا يملك): أي لا يكون مملوكاً لصاحبه (ولا يملّك): أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه" (رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۲، سعيد) =

عیدگاہ کے لئے وقف زمین کو مسجد کے نام کرکے آمدنی مسجد میں صرف کرنا

سوال[۶۹۲۳]: ایک کھیت قدیم زمانہ سے تھا جو عیدگاہ کے نام سے چلا آرہا تھا، مگر کچھ لوگوں نے مشورہ کرکے اس کو جامع مسجد کے نام لکھوالیا اور پٹواری سے جامع مسجد کے نام سے اندراج کرالیا اور دوسری مسجد کی آمدنی نہیں ہے اور اس کھیت کی آمدنی صرف کرنے لگے۔ اور آج تک ان لوگوں نے گاؤں والوں سے کوئی مشورہ نہیں کیا۔ اس جگہ ایک دینی مدرسہ چل رہا تھا، اس میں کچھ لوگوں نے چندہ دینے سے انکار کردیا، جب سے جامع مسجد بنی ہے تب سے کورانہ کے مدرسہ کا طالب علم امام مقرر ہے اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ وہی امام مقرر رہے، مگر دوسرا فریق چاہتا ہے کہ باہر سے امام آنا چاہیے۔ تو اس کھیت کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کھیت عیدگاہ کے لئے وقف ہے، اگر یہ صحیح ہے تو اس کی آمدنی کسی مسجد کے لئے صرف نہ کی جائے، بلکہ عیدگاہ میں صرف کی جائے (۱) اور کوشش کرکے پٹواری کے ذریعہ کاغذات کی تصحیح کرائی جائے۔ اگر عیدگاہ میں خرچ کی ضرورت نہ ہو اور روپیہ محفوظ رکھنا بھی مشکل ہو تو گاؤں والوں کے مشورہ سے جس مسجد میں ضرورت ہو زائد آمدنی وہاں صرف کی جائے (۲)۔ اگر دونوں مسجدوں میں ضرورت ہو تو

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/۳۵۰، رشيديه)

(۱) "سئل نجم الدين ——— قيل له: فإن تداعت حيطان المقبرة إلى الخراب، يصرف إليها أو إلى المسجد؟ قال: إلى ما هي وقف عليه". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات، الخ، فصل في الأشجار: ۲/۴۷۵، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، نوع في وقف المنقول: ۶/۲۶۱، رشيديه)

"قال الخير الرملي: أقول: و من اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوى". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد: ۴/۳۶۱، سعيد)

(۲) "ونقل في الذخيرة عن شمس الأئمة الحلواني أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب، و لا يحتاج إليه، لتفرق الناس عنه: هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد أو حوض آخر؟ فقال: نعم". =

دونوں میں صرف کریں۔

اگر مسائل نماز وطہارت سے واقف طالب علم کو امام رکھا جائے تو یہ بہتر ہے کہ اس میں امامت کے ساتھ طالب علم کی خدمت اور دینی مدرسہ کی اعانت ہے، اہل علم سے رابطہ رکھنا لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۵/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۵/۸۸ھ۔

عیدگاہ کی زمین میں مدرسہ بنانا

سوال[۷۴۱۵]: موضع سلطان پور میں عیدگاہ کی زمین دو تین بیگہ پڑی ہے جس میں لوگ گوبر وغیرہ ڈالتے ہیں۔ اس زمین میں دینی مدرسہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ زمین عیدگاہ کی ہے اور عیدگاہ میں داخل کرنے کی ضرورت نہیں ہے تو وہاں دینی مدرسہ بنا دیں، مگر زمین کا کرایہ عیدگاہ کے لئے تجویز کردیں، زمین عیدگاہ کی رہے گی جس کا کرایہ مدرسہ دے گا اور عمارت مدرسہ کی رہے گی(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱/۹۰ھ۔

= (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۴/۳۵۹، سعيد)

"ولا سيما في زماننا، فإن المسجد أو غيره من رباط أو حوض إذا لم ينقل، يأخذ أنقاضه اللصوص والمتغلبون كما هو مشاهد، وكذلك أوقافه يأكلها النظار أو غيرهم، ولا ينتفع المارة به، وله أوقاف عامرة له، فسئل: هل يجوز نقلها إلى رباط آخر ينتفع الناس به؟ قال: نعم، لأن الواقف غرضه انتفاع المارة، ويحصل ذلك بالثاني". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون في الأوقاف التي يستغنى عنها الخ: ۵/۸۴۸، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "ولو كانت الأرض متصلةً ببيوت المصر يرغب الناس في استئجار بيوتها، ويكون غلة ذلك فوق =

عیدگاہ کو قبرستان بنانا

سوال[۷۴۶۶]: میری بستی میں ایک عیدگاہ قبرستان کے درمیان بنی ہوئی ہے، پہلے آبادی کم تھی، اس لئے تمام لوگ اس میں آجاتے تھے، لیکن اب اس میں گنجائش بالکل نہیں۔ ضرورت ہے کہ عیدگاہ کو وسیع کیا جائے، لیکن مشکل یہ ہے کہ عیدگاہ کے چاروں طرف قبریں ہیں، اس لئے اہل بستی چاہتے ہیں کہ اس عیدگاہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ عیدگاہ بنالی جائے۔ سوال یہ ہے کہ اس عیدگاہ کا ملبہ دوسری عیدگاہ میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ اب اس عیدگاہ کا موجودہ مصرف کیا ہوگا؟ کیا اس عیدگاہ کو بھی قبرستان ہی بنالیا جائے، اس میں میت کو دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ جگہ وقف ہے اور نماز عید کے لئے وقف ہے تو اس کو توڑ کر وہاں میت دفن کرنا درست نہیں، بلکہ اس کو عیدگاہ ہی رکھا جائے (۱)۔ اس کے پاس جو قبرستان ہے وہ اگر پرانا ہوگیا اور اب وہاں میت دفن نہیں کی جاتی، بلکہ دوسری جگہ دفن کی جاتی ہے تو عیدگاہ کی توسیع کے لئے اس قبرستان سے جگہ لی جاسکتی ہے جب کہ قبروں میں میت مٹی بن چکی ہو (۲)، ورنہ تو یہ بھی درست ہے کہ نماز عید کا دوسری جگہ انتظام کرلیا جائے اور دو جگہ نماز عید

= غلة الزرع والنخل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً ويؤاجرها". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳۰۰/۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، تصرف القيم في الأوقاف: ۷۳۶/۵، إدارة القرآن، كراچي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۴۱۳/۲، رشيديه)

(۱) "شرط الواقف كنص الشارع: أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴۳۳/۴، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۶۰۸/۲، مكتبه غفاريه كوئته)

(۲) قال العلامة بدر الدين العيني رحمه الله تعالى: "فإن قلت: هل يجوز أن تبنى على قبور المسلمين؟=

ہو کرے یا پھر دوسری جگہ عیدگاہ بنائی جائے اور موجودہ عیدگاہ میں نماز پنجگانہ ادا کی جائے (۱)۔ الحاصل موجودہ عیدگاہ کو توڑ کر نماز کے علاوہ دوسرے کام میں نہ لایا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱/۹۰ھ۔

عیدگاہ کو اسکول بنانا

سوال[۶۲۷۴]: شولاپور میں ضلع عدالت کے قریب عالمگیر عیدگاہ ہے جو حضرت عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ کے دورِ حکومت میں بنائی گئی تھی۔ عیدگاہ کے نزدیک کی جگہ جہاں بالکل انگریزی اور اردو ہائی اسکول کی عمارت ہے، اسکول کے متولین عالمگیر عیدگاہ کو شہید کرکے اس جگہ اسکول کی عمارت تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ منتظمین

= قلت: قال ابن القاسم رحمه الله تعالى: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت، فبنى قوم عليها مسجداً لم أر بذلك بأساً، وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغني عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد، لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين". (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، كتاب الصلوة، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد: ۴/۲۶۵، دار الكتب العلمية بيروت)

"مقبرة كانت للمشركين أرادوا أن يجعلوها مقبرة للمسلمين، قال أبو القاسم رحمه الله تعالى: إن كانت آثارهم قد اندرست، لابأس بذلك، وإن كانت عظامهم باقية لابأس بأن تنبش ويقبر فيها المسلمون، فإن موضع مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم كان مقبرة للمشركين، فنبشت واتخذت مسجداً". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر والرباطات: ۳/۲۱۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر الخ: ۲/۴۶۹، رشيديه)

(۱) "والسنة أن يخرج الإمام إلى الجبانة ويستخلف غيره ليصلي في المصر بالضعفاء والمرضى والأسراء، ويصلي هو في الجبانة بالأقوياء والأصحاء". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، باب صلوة العيدين: ۱/۱۸۳، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلوة، باب العيدين، مطلب: يطلق المستحب على السنة وبالعكس: ۲/۱۶۹، سعيد)

اسکول مسلمان ہیں، مقامی مسلمان اس حرکت سے بے چین ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عیدگاہ کو توڑ کر اس کی جگہ اسکول کی عمارت بنانا ہرگز جائز نہیں، یہ تو غرض واقف کے خلاف ہے: "شرط الواقف کنص الشارع"۔ در مختار (۱)۔

منتظمین کو مسئلہ بتا کر روکا جائے کہ وہ ایسا نہ کریں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۹/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۹/۹۰ھ۔

عیدگاہ سے متعلق چند سوالات

سوال [۷۶۹۸]: ایک وکیل صاحب نے چوبیس صفحات پر مشتمل ایک تمہید لکھی اور اس کے بعد یہ سوالات قائم کئے جو تحریر ہیں:

کیا عیدگاہ مسجد کے حکم میں ہے؟

سوال [۷۶۹۹]: ۱..... کیا عیدگاہ مسجد ہے؟

ایضاً

سوال [۷۷۰۰]: ۲..... کیا عیدگاہ صرف اس مخصوص وقت کے لئے مسجد کے حکم میں آتی ہے جب عیدین کا اجتماع یہاں منعقد ہو؟

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الوقف: ۴/۴۳۳، سعید)

"على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة" (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين: ۴/۴۴۵، سعید)

"شرط الواقف كنص الشارع: أي في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة"۔ (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۱۲۶، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۶۰۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

نمازِ عیدین کے علاوہ عیدگاہ کا حکم

سوال [۷۷۱۸]: ۳.. عیدین کے اجتماع کے علاوہ عیدگاہ کا مقام کیا ہے اور ایسے وقت کیا یہ جنگل کی تعریف میں آتی ہے، جہاں ہر کام کیا جاسکتا ہے؟

کیا عیدگاہ کی دیواروں اور محراب سے عیدگاہ کی حیثیت میں فرق آتا ہے؟

سوال [۷۷۱۹]: ۴... مذکورہ بالا حالات کے تحت عیدگاہ کو اونچی دیواروں سے گھیرے جانے اور اس کی شاہی زمانہ کی وجہ یہ تعمیر کردہ مغربی دیواروں میں محرابوں کے نشانات اور میناروں و منبروں کے وجود سے کیا اس کی حیثیت میں فرق آگیا اور کیا ان نشانات کی موجودگی سے وہ مسجد کی تعریف میں آگئی؟

عیدگاہ کو کن کن کاموں کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے؟

سوال [۷۷۲۰]: ۵... کیا عیدین کے علاوہ عیدگاہ کو زکے لئے مخصوص کی گئی جگہ کو ان کاموں کے لئے اور ان شرائط کے ساتھ جو پارہ ۲، میں مذکورہ ہیں استعمال کیا جاسکتا ہے، یا کن مزید شرائط کے ساتھ (جس کی نشاندہی فرمادی جائے) ان کاموں کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے؟

عیدگاہ کو مسقف بنانا اور دوسری تیسری منزل بنانا

سوال [۷۷۲۱]: ۶... کیا عیدگاہ کو حالاتِ مذکورہ بالا کے تحت اور اس فقہی اصول کے تحت کہ: "الضرورات تبیح المحظورات"(۱) مسقف کیا جاسکتا ہے اور ایک منزل کے بعد دوسری تیسری مزید منزلیں بڑھائی جاسکتی ہیں؟

چونکہ ان سوالات کا تعلق صرف میرٹھ کی عیدگاہ سے نہیں ہے، بلکہ میرٹھ کے اس تجربہ کے بعد اس کو نمونہ بنا کر ہزاروں لاپرواہی کا شکار عیدگاہیں ایسے ہی غیر کے اجتماعی کاموں کے لئے استعمال کی جا سکیں گی، اس لئے جناب سے پوری توقع ہے کہ جناب والا ان سوالات کے جوابات پورے غور وفکر کے ساتھ اور حتی المقدور کم از کم

---

(۱) (الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: ۱/ ۲۵۱، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، (رقم المادة: ۲۱): ۱/ ۲۹، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في قواعد الفقه، (رقم القاعدة: ۱۰۰)، ص: ۸۹، الصدف پبلشرز)

وقت میں مرحمت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱-۲...... نمازِ عیدین آبادی سے باہر جا کر کھلے (غیر مسقف) میدان میں ادا کرنا مسنون ومستحب ہے(۱)، اس میں شوکتِ اسلام کا اظہار زیادہ ہے، دھوپ تیز ہونے سے پہلے ادا کرلی جائے۔ شدید بارش کے وقت مسجدِ جامع میں ادا کی جائے۔ ایسی حالت میں عید الفطر ۲/ تاریخ کو اور عید الاضحیٰ ۱۱ تا ۱۲/ تاریخ کو بھی درست ہے(۲)۔ عیدگاہ کا میدان ادب واحترام کے لحاظ سے مسجد کے حکم میں نہیں ہے، اس لئے وہاں نمازِ جنازہ مکروہ نہیں(۳)۔

---

(۱) "الخروج إلى الجبانة في صلوة العيد سنة وإن كان يسعهم المسجد الجامع، على هذا عامة المشايخ، وهو الصحيح". (الفتاوى العالمكيرية، الباب السابع في صلوة العيدين: ۱/۱۵۰، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلوة العيدين: ۲/۲۷۸، رشيديه)

(وكذا في تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۱۶۹، سعيد)

(۲) "عن أبي عمير بن أنس عن عمومة له من الصحابة رضي الله تعالى عنهم أن ركباً جاء وا، فشهدوا أنهم رؤوا الهلال بالأمس، فأمرهم النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أن يفطروا، وإذا صبحوا، يغدوا إلى مصلاهم". قال الشيخ ظفر أحمد العثماني رحمه الله تعالى: "والحديث فيه دلالة على جواز عيد الفطر في اليوم الثاني عند العذر، وأما صلاة الضحىٰ فتصح في اليوم الثاني والثالث بعد يوم النحر، لكن مع الإساءة إن كانت التأخير بلا عذر، وبدونها بعذر". (إعلاء السنن، أبواب العيدين، باب صلوة العيدين في اليوم الثاني للعذر: ۸/۱۰۱، ۱۰۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب أحكام العيدين، ص: ۵۳۶، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع عشر في صلوة العيدين: ۱/۱۵۲، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۱۷۶، سعيد)

(۳) "(وتكره الصلوة عليه في مسجد الجماعة) ...... وقيد بمسجد الجماعة؛ لأنها لاتكره في مسجد أعد لها، وكذا في مدرسة ومصلى عيد؛ لأنه ليس لها حكم المسجد في الأصح، إلا في جواز الاقتداء". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل: السلطان أحق بصلاته، ص: ۵۹۵، قديمي) =

جو جگہ نمازِ عید کے لئے وقف کر دی گئی اس کو دوسرے کاموں میں استعمال کرنے کا حق نہیں رہا(۱)۔ جو جگہ مصارفِ عیدگاہ کے لئے وقف کر دی گئی اب اس کے مصارف تبدیل کرنے کا حق نہیں رہا(۲)۔ علاوہ ازیں دیگر اقوام پر اس کے غلط اثرات بھی پڑ سکتے ہیں کہ مسلمانوں نے اپنی عبادت گاہ کو رہائش گاہ یا دفتر یا ہسپتال یا یتیم خانہ یا زچہ خانہ وغیرہ بنا لیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مذہب میں وقتِ ضرورت اس قسم کا تصرف درست ہے، پھر فیروزآباد مساجد میں اس کی اجازت کیوں نہ ہوگی۔ اب تک گورنمنٹ کو بھی یہی معلوم ہے کہ عبادت خانہ کسی دوسرے کام میں نہیں آسکتا، اس پر بہت مقدمات فیصل کئے گئے ہیں۔

اگر میرٹھ میں مجوزہ تصرفات کئے گئے تو یہ تمام ملک میں نظیر بنیں گے اور فتنوں کا نیا باب کھل جائے گا

= وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، باب الرجل يجعل داره مسجداً الخ: ۳/۲۹۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۵/۸۴۳، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "سئل القاضي الإمام شمس الأئمة محمود الأوزجندي عن مسجد لم يبق له قوم، وخرب ما حوله، واستغنى الناس عنه، هل يجوز جعله مقبرة؟ قال: لا". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر، الخ: ۲/۴۷۰، رشيديه)

"شرط الواقف كنص الشارع أي في وجوب العمل به وفي المفهوم والدلالة". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

"ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوى". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۱، سعيد)

(۲) "وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجداً ومدرسة، ووقف عليهما أوقافاً لا يجوز له ذلك". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۶۰، سعيد)

"سئل نجم الدين في مقبرة فيها أشجار ... قيل له: فإن تداعت حيطان المقبرة إلى الخراب يصرف إليها أو إلى المسجد؟ قال: إلى ما هي وقف عليه". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر، الخ: ۲/۴۷۶، رشيديه)

اور گورنمنٹ بھی سماج کی ضرورت کے پیش نظر قبضہ کرنا شروع کردے گی اور اس کو خلاف مذہب تصور نہیں کیا جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۶/۷/۱۴۰۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۷/۶/۱۴۰۱ھ۔

مسجد کے لئے زمین دی اور بعد میں عیدگاہ بنانے کو بھی کہا

سوال [۷۴۷۵]: کسی شخص نے مسجد کو تھوڑی سی زمین وقف کی یوں کہہ کر کہ بعد میں اس زمین پر عیدگاہ بنالینا، تو اس طریقہ سے وقف کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس طرح زمین وقف کی ہے کہ مثلاً اس وقت اس میں کھیتی ہے اس کی آمدنی تو اس مسجد میں دی جائے، پھر کھیتی کٹنے پر یہاں عیدگاہ بنالی جائے تو درست ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۰/۹/۹۲ھ۔

مرہونہ زمین پر عیدگاہ بنانا

سوال [۷۴۷۶]: اگر کسی نے وقت متعینہ کے لئے ایک زمین فروخت کی، پھر جب وقت متعینہ واپسی کا آیا تو مشتری نے اس پر عیدگاہ بنادی اور بائع بار بار تقاضا کرتا ہے کہ عیدگاہ توڑ دی جائے۔ تو ایسا کرنا

---

(۱) "قالوا: شرط الواقف معتبر إذا لم يخالف الشرع، وهو مالك، فله أن يجعل ماله حيث شاء ما لم يكن معصية، وله أن يخص صنفاً من الفقراء" (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع: ۴/۳۴۳، سعيد)

"على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين الخ: ۴/۴۴۵، سعيد)

"شرط الواقف كنص الشارع أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی بیع شرعاً رہن کے حکم میں ہے جس سے انتفاع ناجائز ہے، اس کا وقف کرنا اور عیدگاہ وغیرہ بنانا بھی درست نہیں، بلکہ مالک کو واپس کردینا ضروری ہے: "ومن شرائطه: الملك وقت الوقف، حتى لو غصب أرضاً، فوقفها، ثم ملكها، لايكون وقفاً". مجمع الأنهر (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱/۹۰ھ۔

عیدگاہ پر تعمیر کرانے والے کا نام درج کرنا

سوال [۷۷۰۲]: متولی پاشا صاحب کہتے ہیں: عیدگاہ میں اپنے ہی پیسے سے بنواؤں گا مگر میرا نام عیدگاہ پر درج کرا دینا۔ گذارش یہ ہے کہ عیدگاہ پر تعمیر کرنے والے کا نام درج کرانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عیدگاہ اللہ پاک کو راضی کرنے کے لئے بنانا بہت ثواب کا کام ہے، اس پر بنانے والے کا اپنا نام درج کرنا، اس کی پابندی لگانا شہرت اور ناموری کے لئے اس کے ثواب کو برباد کردے گا۔ متولی پاشا صاحب کو چاہئے کہ ایسا نہ کریں اور ایسے ارادہ سے توبہ واستغفار کرکے اللہ تعالیٰ سے اخلاص کی دعا کریں، جس کام میں اخلاص نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول نہیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱/۹۰ھ۔

---

(۱) (مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۶۱، ۵۶۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"ومنها: الملك وقت الوقف، حتى لو غصب أرضاً، فوقفها، ثم اشتراها من مالكها، ودفع الثمن إليه، أو صالح على مال دفعه إليه، لا تكون وقفاً". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه وركنه وسببه الخ: ۲/۳۵۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۰۳، رشيديه)

(۲) "وعن جندب رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من سمع سمّع الله به، ومن يرائي يرائي الله به". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، باب الرياء والسمعة، الفصل الأول –

عیدگاہ کو اپنا کھیت کہنے والے شخص کا حکم

سوال[۷۴۷۸]: اگر کوئی مسلمان قصبہ میں عیدگاہ کے متعلق یہ کہے: یہ عیدگاہ میرا ہے، اس میں ہل چلا کر فصل پیدا کروں گا، یہ میرا کھیت ہے، دیکھتا ہے کون اس میں نماز عید پڑھنے آتا ہے؟ تو ایسے آدمی پر شرعاً کون سا فتویٰ عائد ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز عید کے لئے جو عیدگاہ وقف ہو، اس کے متعلق ایسے الفاظ کہنے کا کسی کو حق نہیں، جو شخص ایسا کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے(۱)۔ اگر وہ واقعتاً وہاں ہل چلا کر کھیتی کرے اور نماز عید نہ پڑھنے دے تو وہ ظالم، غاصب ہے، سخت گنہگار ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

ص: ۴۵۳، قدیمی)

"وعن شداد بن أوس رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "من صلى يرائي فقد أشرك، ومن صام يرائي فقد أشرك، ومن تصدق يرائي فقد أشرك". رواهما أحمد". (مشكوة المصابيح، باب الرياء والسمعة، الفصل الأول، ص: ۴۵۴، قديمي)

"لا ينبغي الكتابة على جدرانه". (الدر المختار). "أي خوفاً من أن تسقط وتوطأ، بحر عن النهاية". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة، الخ، مطلب: فيمن سبقت يده إلى مباح ۱/۶۴۳، سعيد)

(۱) "إذا صح الوقف، لم يجز بيعه ولا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۰، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۳۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "عن سعيد بن زيد رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أخذ شبراً من الأرض ظلماً، فإنه يطوقه يوم القيامة من سبع أرضين". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، باب الغصب والعارية، الفصل الأول، ص: ۲۵۳، قديمي)

باب فی أحکام المقابر

(قبرستان کے احکام کا بیان)

قبرستان میں مسجد بنانا

سوال [۷۰۵۹]: ایک گاؤں میں جہاں غیر قومیں آباد ہیں مسلمان چند گھر ہیں اس گاؤں میں مسجد بنانے کے لئے مسلمانوں کے پاس زمین نہیں، ایک مقبوضہ ہے جس کی زمین کاغذات میں قبرستان کے نام درج ہے۔ اس قبرستان میں ایک اونچی بلند جگہ ہے، جہاں چند پختہ قبریں پرانی موجود ہیں جو شہید وارث کے نام سے موجود ہے اس کے علاوہ کوئی تحقیق سے ثابت ہے کہ کوئی قبر نہیں ہے۔

قبرستان کی زمین اتنی ہے جہاں تک حکومت کے کاغذات میں درج ہے، وہاں کے مسلمان متفقہ طور پر چاہتے ہیں کہ قبرستان کی اس جگہ میں جہاں قبریں نہیں ہیں مسجد کا سنگ بنیاد رکھ دیا جائے۔ اور وہ زمین اس خطرے سے بھی محفوظ ہو جائے کہ غیر قومیں اس پر قبضہ ہو جائیں جس کا اندیشہ ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ کیا اس مذکورہ قبرستان کی زمین میں مسجد بنائی جا سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئولہ میں وہاں مسجد بنانا شرعاً درست ہے بشرطیکہ دفن موتی کے لئے اس جگہ کی حاجت نہ ہو اور لحاظ بھی ضروری ہے کہ قبریں نمازیوں کے سامنے نہ ہوں، بلکہ درمیان میں دیوار حائل کر دی جائے(۱)۔

---

(۱) "وفی المضمرات: لا تکره الصلاة فی جهة قبر، إلا إذا كان بين يديه، بحيث لو صلى صلاة الخاشعين وقع بصره عليه، كما في جامع المضمرات". (ردالمحتار، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في بيان السنة والمستحب، الخ: ۱/۶۵۴، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، مكروهات الصلاة، ص: ۳۵۷، قديمي)

(وكذا في شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب النهي عن بناء المسجد على القبور: ۱/۲۰۱، قديمي)

"ولو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت، فبنى قوم فيها مسجداً، لم أر بذلك بأساً، وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم، لا يجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغني عن الدفن فيها، جاز صرفها إلى المسجد، لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين، لا يجوز تمليكه لأحد، فمعناهما واحد" اهـ. عینی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ایسے مقبرہ میں مسجد بنانا جس میں قبروں کے نشانات نہ ہوں

سوال [۶۸۹۰]: ۱... ایسے قبروں میں جہاں قبروں کے نشانات نہ معلوم ہوتے ہوں مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟ مدلل بحوالہ کتب تحریر فرمادیں۔

پرانے قبرستان میں مسجد بنانا

سوال [۶۸۹۱]: ۲... ایک زمین ہے جہاں نہ قبروں کے نشان ہیں اور نہ موجودہ لوگوں میں سے کسی کو معلوم ہے کہ یہ کسی زمانہ میں مقبرہ تھا، لیکن حقیقت ضرور ہے کہ شاید یہ مقبرہ رہا ہو، کیونکہ اس کے کچھ فاصلہ پر مقبرہ یقینی تھا لیکن وہاں بھی اب قبروں کے نشانات معلوم نہیں ہوتے، تو کیا اس زمین مذکورہ میں مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱، ۲... اگر قبروں میں میت باقی نہیں بلکہ مٹی بن چکی ہے تو اب احکام بدل گئے، وہاں زراعت کرنا، تعمیر کرنا سب کچھ درست ہے۔

---

(۱) (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، باب: هل تنبش قبور مشركي الجاهلية، الخ: ۱۷۹/۴، إدارة الطباعة المنيرية)

"وإن بلي من عظامهم شيء تنبش وترفع الآثار وتتخذ مسجداً، لما روي أن مسجد النبي صلى الله تعالى عليه وسلم كان قبل مقبرة للمشركين، فنبشت، كذا في الواقعات". (رد المحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲۳۳/۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات، الخ: ۴۶۹/۲، رشيدية)

"جاز زرعه (أي القبر) والبناء عليه إذا بلي وصار الميت تراباً اهـ". زيلعي(۱)۔

جب قبرستان غیر آباد ہوجائے اور وہاں دفن ہونا موقوف ہوجائے تو مسجد بنانا شرعاً درست ہے۔

"قال ابن القاسم رحمه الله تعالى: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت، فبنى قوم فيها مسجداً، لم أر بذلك بأساً، وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم، لا يجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغني عن الدفن فيها، جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين، لا يجوز تمليكه لأحد، فمعناهما على هذا واحد اهـ". عيني(۲)۔

۲... اگر قرائن ظاہرہ سے اس کا مقبرہ قدیمہ ہونا معلوم ہوتا ہے تو اس میں مسجد بنانا شرعاً درست ہے، کما مر في الجواب الأول، جب تک اس کے خلاف دلیل قائم نہ ہو: "التمسك بالظاهر واجب عند تعذر

---

(۱) (الدر المختار، باب صلوة الجنائز: ۲۳۸/۲، سعيد)

"ولو بلي الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره في قبره، وزرعه، والبناء عليه". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۵۸۹/۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن، الخ: ۱۶۷/۱، رشيديه)

(۲) (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، باب: هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد: ۱۷۹/۴، إدارة الطباعة المنيرية دمشق)

"وإن بقي من عظامهم شيء تنبش، وترفع الآثار، وتتخذ مسجداً، لما روي أن مسجد النبي صلى الله تعالى عليه وسلم كان قبل مقبرة للمشركين، فنبشت". (رد المحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲۳۳/۲، سعيد)

"إن ذهبت آثارهم بأن بقي من عظامهم شيء ينبش، ويقبر، ثم يجعل مقبرة المسلمين؛ لأن موضع مسجد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم كان مقبرة للمشركين، فنبشت، واتخذها مسجداً، كذا في المضمرات". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات، الخ: ۴۶۹/۲، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲۳۳/۲، سعيد)

الوقوف على الحقيقة، اهـ". مبسوط(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۴/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ربیع الثانی/ ۶۴ھ۔

پرانے قبرستان کو مسجد بنانا

سوال[۷۴۸۲]: ایک جگہ سالم قبروں کو توڑ کر اور اس جگہ پر مسجد بنائی جاوے، کیا قبروں کا توڑنا جائز ہے یا نہیں اور مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں ان قبر کی جگہ پر؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ قبرستان مملوکہ زمین ہے اور اس میں قبریں اس قدر پرانی ہیں کہ میت ان میں بالکل مٹی بن گئی تو ان قبروں کو توڑ کر زمین کو ہموار کر دینا اور وہاں مسجد، مدرسہ، دوکان سب کچھ بنانا درست ہے(۲)۔

میت کے مٹی بن جانے کے بعد قبر کے احکام بدل جاتے ہیں۔ اگر میت مٹی نہیں بنی تو وہاں مسجد وغیرہ بنانا اور قبر کو توڑنا ناجائز ہے، ایسی حالت میں قبر کا احترام ضروری ہے(۳)۔ قبر کو سامنے کر کے نماز

---

(۱) (المبسوط للسرخسي، باب الحمل والمملوک والكافر: ۹/ ۱۵۲، غفاریہ کوئٹہ)

(۲) "وذكر أصحابنا إذا خرب ودثر، لم يبق حوله جماعة، والمقبرة إذا عفت و دثرت، تعود ملكاً لأربابها، فإذا عادت ملكاً، يجوز أن يبني موضع المسجد داراً، أو موضع المقبرة مسجداً وغير ذلك". (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، باب: هل تنبش قبور مشركي الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد: ۴/ ۱۷۹، إدارة الطباعة المنيرية دمشق)

"ميت دفن في أرض إنسان بغير إذن مالكها، كان المالك بالخيار، إن شاء رضي بذلك، وإن شاء أمر بإخراج الميت، وإن شاء سوّى الأرض، و زرع فوقها". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر، الخ: ۲/ ۴۷۲، رشيديه)

(۳) "يكره أن يبنى مسجد على القبر .... و فيه منع بناء المساجد على القبور، ومقتضاه التحريم، كيف و قد ثبت اللعن عليه، و أما الشافعي وأصحابه فصرحوا بالكراهة". (معارف السنن، أبواب الجنائز، باب ما جاء في كراهية أن يتخذ على القبر مسجداً: ۳/ ۳۰۵، المكتبة البنورية، كراچی) =

قدیم قبرستان میں بنی ہوئی مسجد بھی شرعی مسجد ہے

سوال [۷۴۸۳]: ایک مسجد احاطۂ قبرستان میں عرصہ گیارہ سال سے بنی ہوئی ہے اور اس مسجد میں برابر نماز جمعہ اور نماز پنجگانہ ہوتی ہے۔ تمام اہل محلہ اسی میں نماز پڑھتے رہے ہیں۔ بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ یہ مسجد قبروں پر بنی ہوئی ہے اور لوگوں کو نماز پڑھنے سے روکتے ہیں۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس احاطہ میں قبروں کے نشانات موجود تھے اور دیکھنے والوں کو بخوبی یاد ہے، مگر یہ معلوم نہیں کہ وہ نشانات کہاں کہاں تھے؟ تمام نشانات عرصہ دراز سے موجود تھے، مگر اب جو عرصہ گیارہ سال سے یہ نشانات مسجد میں شامل ہو چکے ہیں، اس لئے بعض افراد کو نماز کے بارے میں شک گذرتا ہے کہ یہاں نماز ہو سکتی ہے کہ نہیں؟

اس مسجد کو مسجدِ ضرار کہنا کیسا ہے؟ اگر اس مسجد میں نماز ناجائز قرار دی جائے تو ان لوگوں کے بارے میں کیا حکم ہے کہ جنہوں نے مسجد کی بنیاد ڈالی اور جن لوگوں نے اس مسجد کی تعمیر میں حمایت کی، یا مسجد تعمیر کرنے والے شخص پر زور دیا اور تمام اخراجات برداشت کئے۔ آیا وہ شخص مسجد کے مخالفین سے اخراجات کا مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ ان کی نماز کے خراب ہونے کا کون شخص ذمہ دار ہے؟ بہر صورت اب یہ سوال ہے کہ اس مسجد کو آباد کیا جائے یا چھوڑ دیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو جگہ مردے دفن کرنے کے لئے وقف کی جائے وہاں مسجد بنانا منشائے واقف کے خلاف ہے، اس لئے منع ہے (۱)۔ ایسی جگہ نماز پڑھنا منع ہے جہاں سامنے قبریں ہوں (۲)۔ لیکن اگر قبرستان پرانا ہو جائے کہ

= (وكذا في ردالمحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۳، سعيد)

(۱) "شرط الواقف كنص الشارع: أي في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة، اهـ". (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد: ۳/۱۰۶، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية: ۱/۱۲۶، مكتبه ميمنيه مصر)

(۲) "عن أبي مرثد الغنوي رضي الله تعالى عنه قال: قال النبي عليه السلام: "لاتجلسوا على القبور، ولاتصلوا إليها". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز: ۱/۲۰۳، سعيد)

اب وہاں مردے دفن نہیں ہوتے اور پرانی قبریں وہاں موجود ہیں مگر زمانہ دراز گذرنے کی وجہ سے اب ان میں میت موجود نہیں بلکہ مٹی بن چکی ہے تو حسب ضرورت وہاں مسجد بنانا شرعاً درست ہے(۱)۔ قبر میں جب میت مٹی بن جائے تو اس کا حکم بھی بدل جاتا ہے، اسی وجہ سے وہاں دوسرا مردہ بھی دفن کرنا درست ہے۔

اگر ذاتی زمین ہو تو وہاں کھیتی کرنا اور تعمیر کرنا بھی درست ہوتا ہے۔ غرض قبر کا حکم باقی نہیں رہتا، ایسی مسجد کو شرعی مسجد کہا جاتا ہے۔ وہاں نماز پڑھنا درست ہوتا ہے، اس کو مسجد ضرار نہیں کہا جاتا، اس میں پڑھی ہوئی نمازوں کا اعادہ لازم نہیں ہوتا:

"فإن قلت: هل يجوز أن تبنى المساجد على قبور المسلمين؟ قلت: قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت، فبنى قوم عليها مسجداً، لم أر بذلك بأساً، وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم، لا يجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها، جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين، لا يجوز تمليكه لأحد، فمعناهما على هذا واحد اهـ". عمدة القاري شرح البخاري: ۴/۱۷۹(۲)۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: "كما جاز زرعه والبناء عليه إذا صار تراباً،

---

(۱) "وأما المقبرة الداثرة إذا بني فيها مسجد ليصلي فيه، فلم أر فيه بأساً؛ لأن المقابر وقف، وكذا المسجد، فمعناهما واحد". (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، باب: هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد: ۴/۱۷۹، مكتبة إدارة الطباعة المنيرية، دمشق)

(۲) (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، باب: هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد: ۴/۱۷۹، إدارة الطباعة المنيرية، دمشق)

"وإن بقي من عظامهم شيء نبش ورفع الأثر وتتخذ مسجداً؛ لما روي أن مسجد النبي صلى الله تعالى عليه وسلم كان قبل مقبرة للمشركين فنبشت. كذا في الواقعات". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات الخ: ۲/۴۶۹، رشيدية)

"وكذا يجوز الدفن في غيره عند الحاجة" كذا في الدر المختار(۱)، ورد المحتار: ۲/۲۳۳(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

قبرستان کی خالی زمین جوت کر اس کی آمدنی مسجد میں لگانا

سوال [۴۸۹۴]: ۱... چند آدمیوں نے مل کر ایک زمین قبرستان کے لئے وقف کی۔ اب اس زمین کے کچھ حصہ میں تو قبریں ہیں اور کچھ حصہ خالی ہے۔ تو جو حصہ خالی ہے اس کو جوت کر اس کی پیداوار مسجد میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ جب کہ جنہوں نے زمین قبرستان کے لئے دی ہے اس پر راضی ہیں۔

قدیم غیر مستعمل قبرستان میں مسجد بنانا

سوال [۴۸۹۵]: ۲... ایک ایسی زمین ہے جس میں کافی قبریں ہیں، جس میں چند ایسی قبریں ہیں جو کہ بالکل ہموار ہو چکی ہیں اور چند ایسی قبریں ہیں جو کہ ابھی تک صحیح وسالم ہیں۔ تو ایسی پرانی قبروں کو ہموار کر کے مسجد بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر مسجد بنا لی تو اس میں نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... قبرستان کے لئے زمین دیتے وقت اگر یہ کہہ دیتے کہ اس کی خالی زمین کی پیداوار مسجد میں دی جائے تب تو اجازت ہو جاتی، مگر اس وقت انہوں نے ایسا نہیں کیا، اب اجازت نہیں، بلکہ اس کی پیداوار قبرستان ہی پر صرف کی جائے (۳)۔ لیکن اگر وہاں ضرورت نہیں اور کوئی قبرستان بھی محتاج نہیں تو آمدنی کے روپے کا

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الصلوٰۃ، باب صلوٰۃ الجنازۃ: ۲۳۹/۲، سعید)

(۲) (رد المحتار، کتاب الصلوٰۃ، باب صلوٰۃ الجنازۃ، مطلب في دفن الميت: ۲۳۳/۲، سعید)

(۳) "سئل نجم الدين في مقبرة فيها أشجار: هل يجوز صرفها إلى عمارة المسجد؟ قال: نعم، إن لم تكن وقفاً على وجه آخر. قيل له: فإن تداعت حيطان المقبرة إلى الخراب يصرف إليها أو إلى المسجد؟ قال: إلى ما هي وقف عليه" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات، والمسائل التي تعود إلى الأشجار، إلخ: ۴۷۶/۲، رشيدية)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، نوع في وقف المنقول: ۲۶۱/۶، رشيدية)

تحفظ دشوار ہے تو پھر سب کے مشورہ سے آمدنی مسجد میں صرف کر سکتے ہیں(۱)۔ اس کا بھی لحاظ رہے کہ اس خالی جگہ میں کھیتی کرنے سے کہیں دوسروں کے قبضہ میں آکر وقف ہی ختم نہ ہو جائے۔

۲... اگر قبرستان پرانا ہو جائے کہ میت مٹی بن چکی ہو اور اب وہاں دفن کرنا بند کر دیا گیا ہو اور قبرستان بند ہونے کی وجہ سے، نیز خالی پڑا رہنے سے اندیشہ ہو کہ اس پر کوئی غاصبانہ قبضہ کرے گا تو پرانی قبروں کو ہموار کر کے وہاں مسجد بنانے کی اجازت ہے(۲)۔ باہمی مشورہ سے کام کیا جائے تو انشاء اللہ فتنہ نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۱/۹/۹۵ھ۔

---

(۱) "ونقل في الذخيرة عن شمس الأئمة الحلواني أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب، ولا يحتاج إليه، لتفرق الناس عنه: هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد أو حوض آخر؟ فقال: نعم". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۴/۳۵۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۶/۲۳۴، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "فإن قلت: هل يجوز أن تبنى على قبور المسلمين؟ قلت: قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت، فبنى قوم عليها مسجداً، لم أر بذلك بأساً؛ وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم، لايجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها، جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين، لايجوز تمليكه لأحد، فمعناهما على هذا واحد، هـ". (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، باب: هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد: ۴/۱۷۹، إدارة الطباعة المنيرية، دمشق)

"ولو بلي الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره في قبره، وزرعه والبناء عليه". (تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، سعيد)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلوة، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن: ۱/۱۶۷، رشيديه)

قبرستان کی زمین کا تبادلہ

سوال[۶۲۸۶]: اگر قبرستان کی جگہ کسی دیگر جگہ میں تجویز کی جائے تو درست ہے یا نہیں، یا پیش امام کے لئے دوسری اراضی تجویز ہو، یہ قبرستان ہی رکھا جائے؟ جو اس میں مناسب و بہتر ہو، اسے تحریر فرمایا جائے۔

المستفتیان: عبدالرزاق، عبدالستار، رائے پور، ضلع سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ زمین مردے دفن کرنے کے لئے واقف نے وقف کی ہے تو امام کو دوسری زمین کاشت کے لئے دی جائے (۱)۔ اگر وہ واقف نے ضروریات مسجد کے لئے وقف کی ہے، تو مردے دفن کرنے کے لئے دوسری زمین تجویز کی جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۵/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ جمادی الاولیٰ/ ۶۱ھ۔

قبرستان میں مدرسہ بنانا

سوال[۶۲۸۷]: ایک گاؤں کنڑ کنڈلہ ہے، اس کی مسلم آبادی دو سو ہے، دو قبرستان ہیں جو تقریباً

---

(۱) "شرط الواقف کنص الشارع: أي في المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

"على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين، الخ: ۴/۴۴۵، سعيد)

"فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، وهو مالك، فله أن يجعل ماله حيث شاء ما لم يكن معصية". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة، الخ: ۴/۳۴۳، سعيد)

(۲) "والأصح ما قال الإمام ظهير الدين: إن الوقف على عمارة المسجد وعلى مصالح المسجد سواء".

(الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثاني في الوقف على المسجد: ۲/۴۶۲، رشيدية)

"ثم يسمى قوله بعد للإمام، لا يضر، لأنه من المصالح". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۸، سعيد)

پچاس سال کی مدت کے سے کافی ہو سکتے ہیں۔ اس گاؤں کے قبرستان میں ایک مسجد تعمیر ہوئی ہے جس میں چالیس سال سے نماز پڑھی جاری ہے۔ مسجد کے متصل دو سو مربع گز زمین خالی ہے، اب اس زمین پر پختہ عمارت مدرسہ کی تعمیر کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ یہ جگہ آبادی کی تمام مسلمانوں کے مکانات سے قریب تر ہے، تو اس جگہ مدرسہ بنانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ قبرستان مملوک ہے تو مالک کی اجازت سے دینی مدرسہ کی تعمیر درست ہے(۱)۔ اگر قبرستان وقف ہے تو واقف نے وقف ہی میں اس کو استعمال کیا جائے(۲)۔ لیکن اگر وقف ہونے کے باوجود وہ جگہ ضرورت سے زائد ہے اور بیکار رہنے سے اندیشہ ہے کہ کوئی اس پر غلط تصرف کرے جس سے وقف ہی تم ختم ہو جائے تو دینی مدرسہ کی تعمیر کرنا بھی درست ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وذكر أصحابنا إذا خربت ودثر لم يبق حوله جماعة، والمقبرة إذا عفت ودثرت، تعود ملكاً لأربابها، فإذا عادت ملكاً يجوز أن يبنى موضع المسجد داراً، وموضع المقبرة مسجداً، وغير ذلك". (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، باب: هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد: ۴/۱۷۹، إدارة الطباعة المنيرية دمشق)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "لأن شرط الواقف يجب اتباعه، لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع، أي في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة، اهـ". (الأشباه والنظائر، الفن الثاني، الفوائد، كتاب الوقف: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۶، سعيد)

(۳) "وما فضل من ريع الوقف، واستغنى عنه، فإنه يصرف في نظير تلك الجهة، كالمسجد إذا فضلت غلة وقفه عن مصالحه، صرف في مسجد آخر؛ لأن الواقف غرضه في الجنس، والجنس واحد". (فقه السنة، كتاب الوقف، فضل ريع الوقف، الخ: ۳/۲۹۵، دار الكتاب العربي بيروت)

"وفي شرح الملتقى: يصرف وقفها لأقرب مجانس لها، اهـ". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد، الخ: ۴/۳۵۹، سعيد)

ایضاً

سوال[۷۳۸۸]: شہر کے درمیان مسجد ہے، اس کے احاطہ میں قبرستان ہے۔ لوگ اس میں دینی مدرسہ کے لئے عمارت بنانا چاہتے ہیں۔ کتنی مدت گذر جانے کے بعد عمارت بنائی جاسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبرستان اس لئے وقف ہوتا ہے کہ اس میں مُردے دفن کئے جائیں، اس کے علاوہ کسی اور کام میں اس کا استعمال کرنے کا حق نہیں (۱)۔ البتہ یہ قبرستان اتنا پرانا ہوگیا کہ اب میت مٹی بن چکی ہوگی اور جدید مردے دفن نہیں کئے جاتے، اس کے لئے دوسرا قبرستان موجود ہے اس کے خالی رہنے سے اندیشہ ہے کہ کہیں لوگ ناجائز قبضہ کرلیں گے تو ایسی حالت میں وہاں دینی مدرسہ تعمیر کرلیا جائے (۲)، یا کوئی اور عمارت بنا کر اس کو کرایہ پر اٹھایا جائے اور کرایہ دوسرے قبرستان کی ضروریات میں خرچ کیا جائے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "سئل الأوزجندي عن المقبرة في القرى إذا اندرست، ولم يبق فيها أثر الموتى لا العظم ولا غيره: هل يجوز زرعها واستغلالها؟ قال: لا، ولها حكم المقبرة، كذا في المحيط". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات الخ: ۲/۴۷۰-۴۷۱، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۳۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "وذكر أصحابنا إذا خرب ودثر، لم يبق حوله جماعة. والمقبرة إذا عفت ودثرت، تعود ملكاً لأربابها، فإذا عادت ملكاً، يجوز أن يبنى موضع المسجد داراً، وموضع المقبرة مسجداً وغير ذلك".

(عمدة القاري شرح صحيح البخاري، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد: ۴/۱۷۹، إدارة الطباعة المنيرية، دمشق)

(۳) "ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استئجار بيوتها، وتكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً فيؤاجرها". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف الخ: ۲/۴۱۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، تصرف القيم في الأوقاف: ۵/۷۶۳، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف: ۶/۲۵۳، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، باب الرجل يجعل داره مسجداً الخ: ۳/۲۹۰، رشيديه)

قبرستان میں خانقاہ

سوال[۷۲۸۹]: قصبہ شورو ضلع مظفر نگر میں ایک تکیہ ہے، اس تکیہ میں ایک مزار ہے اور مزار کے چاروں طرف قبرستان ہے، اس قبرستان کے چاروں طرف کوٹ(۱) گھرا ہوا ہے اور اس کے اندر چار دروازے تھے اور کوٹ کی چہار دیواری ٹوٹ گئی ہے، اس وجہ سے بجائے چار دروازے کے اس وقت بہت سے راستے بن گئے ہیں۔ ایک فقیر نے اس میں ایک مقبرہ بنا لیا تھا اور مقبرہ میں بیٹھ کر لوگوں کو سٹہ بتانے لگا اور مقبرے میں بھی سٹہ کے پیسے کو لگانے لگا، وہ فقیر انتقال کر گیا ہے، اب اس مقبرے میں گاؤں کے بچے تعلیم پا رہے ہیں۔

کچھ لوگوں نے زبردستی اس کا تالا توڑ کر اندرون مقبرہ دو قبریں منہدم کر کے برابر کر دیا ہے اور اس مقبرہ میں بچوں کو پڑھانا شروع کر دیا ہے۔ اس خانقاہ کے نزدیک اس کی دو عمارت بنی ہوئی ہیں، لیکن عمارت پر اس وقت کڑیاں نہیں ہیں، پہلے جو اس مقبرہ کا نگراں تھا اس نے ان عمارتوں کی کڑیاں اتار کر جلائی تھیں۔

اس خانقاہ کے چاروں طرف کچھ درخت بھی موجود ہیں جو لوگ یہاں مدرسہ قائم کرنا چاہتے ہیں، ان کی رائے یہ ہے کہ مقبرہ کے درختوں کو کاٹ کر ان عمارتوں پر کڑیاں اور کواڑ وغیرہ لگا دیئے جائیں، یا یہ کہ درخت کی لکڑیوں کو فروخت کر کے اس کا روپیہ خانقاہ کے کمزور حصوں پر صرف کر دیا جائے، چونکہ ایک طرف سے کوٹ کے ٹوٹ جانے سے کچھ حصہ قریب کے تالاب میں پہونچ گیا ہے۔ ایسا کرنے کے لئے حکم شرع کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ تکیہ قبرستان کے لئے وقف ہے اور وہ خانقاہ بھی اس سے متعلق ہے تو درختوں کو کاٹ کر قیمت کا روپیہ اس عمارت کی مرمت میں صرف کرنا درست ہے(۲)۔ وہاں کسی فقیر کا سٹہ کی تعبیر بتانا یا کسی اور غلط کام میں

---

(۱) "کوٹ: قصر، حصار، گڑھ، فصیل، شہر پناہ، چاردیواری"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۲۰، فیروز سنز، لاہور)

(۲) "وإن نبتت الأشجار فيها بعد اتخاذ الأرض مقبرةً، فإن علم غارسها، كانت للغارس. وإن لم يعلم الغارس فالرأي فيها يكون للقاضي، إن رأى أن يبيع الأشجار ويصرف ثمنها إلى عمارة المقبرة، فله ذلك، ويكون في الحكم كأنها وقف". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في الأشجار: ۳/۲۱۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر، مطلب: الكلام على الأشجار في

اس جگہ کا استعمال کرنا درست نہیں(۱)۔ اگر اس کے ویران ہونے یا تالاب میں چلے جانے کا اندیشہ ہے اور بچوں کی تعلیم کے ذریعہ تحفظ ہوسکتا ہے تو بہتر ہے کہ وہاں بچوں کو تعلیم دی جائے (۲)، مگر قبروں کی بے حرمتی نہ کریں، اس کا خیال رہے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۹/۸۸ھ۔

قبرستان میں عیدگاہ بنانا

سوال[۷۴۰۰]: یہاں پر ایک قبرستان ہے، قبرستان جاری ہے، قبرستان کی زمین بہت بڑی ہے، ہم سوچتے ہیں کہ قبرستان کے ایک حصہ میں عیدگاہ بنائی جائے، عیدگاہ کے لئے وہ حصہ متعین کیا گیا ہے جہاں پر ان

= المقبرة: ۲/۴۷۳، ۴۷۴، رشیدیه)

(۱) "مقبرة قديمة لمحلة لم يبق فيها آثار المقبرة، هل يباح لأهل المحلة الانتفاع بها؟ قال أبو نصر رحمه الله تعالى: لا يباح". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر الخ: ۳/۳۱۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات، الخ: ۲/۴۷۰، ۴۷۱، رشيديه)

(۲) "لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت، فبنى قوم فيها مسجداً، لم أر بذلك بأساً، وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم، لا يجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها، جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين، لا يجوز تمليكه لأحد، فمعناهما على هذا واحد اهـ". (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية، الخ: ۴/۱۷۹، إدارة الطباعة المنيرية)

(۳) "ويكره أن يبنى على القبر، أو يقعد، أو ينام عليه، أو يوطأ عليه، أو يقضي حاجة الإنسان من بول أو غائط". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن، الخ: ۱/۱۶۶، ۱۶۷، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۳، قديمي)

قبروں کے آثار بہت کم ہیں۔ کیا اس قبرستان میں عیدگاہ بنانا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زمین قبرستان کے لئے وقف کی گئی ہو، اس میں عیدگاہ بنانے کی اجازت نہیں، خصوصاً جب کہ وہ جاری ہو اور وہاں مردے دفن ہوتے ہیں، اس لئے عیدگاہ دوسری جگہ بنائی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱/۸۸ھ۔

قبرستان کو عیدگاہ میں شامل کرنا

سوال [۷۰۹۰]: موقوفہ قبرستان کو اگر عیدگاہ میں شامل کرلیا جائے تو ایسا کرسکتے ہیں یا نہیں؟ جب کہ اس کے علاوہ کوئی اور جگہ نہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دفن کے لئے دوسرا قبرستان موجود ہے، جو قبرستان عیدگاہ کے متصل ہے، وہاں دفن کا سلسلہ بند کرکے اس کو عیدگاہ میں شامل کرنے کے لئے وہاں کے لوگ متفق ہوں اور اس میں کوئی فتنہ نہ ہو تو عیدگاہ میں شامل کرلینا درست ہے (۲)۔ قبریں جب اتنی پرانی ہوجائیں کہ ان میں میت موجود نہ ہے بلکہ مٹی بن جائے تو

---

(۱) "سئل الإمام الخجندي عن المقبرة في القرى إذا اندرست ولم يبق فيها أثر الموتى، لا العظم ولا غيره: هل يجوز زرعها واستغلالها؟ قال: لا، ولها حكم المقبرة، كذا في المحيط". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات، الخ: ۲/۴۷۰، رشيدية)

"لا يجوز لأهل القرية الانتفاع بالمقبرة الداثرة". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۴۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "وأما المقبرة الداثرة إذا بني فيها مسجد ليصلى فيه، فلم أر فيه بأساً؛ لأن المقابر وقف، وكذا المسجد، فمعناهما واحد". (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، باب: هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد: ۴/۱۷۹، إدارة الطباعة المنيرية، دمشق)

حکم بدل جاتا ہے، ایسی صورت میں قبروں کو ہموار کر کے وہاں نماز پڑھنا درست ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۸۸ھ۔

مشتبہ قبرستان کی زمین کو خریدنا اور اس پر مکان بنانا

سوال [۷۴۹۲]: مسجد کے قریب ایک زمین ہے جس کے متعلق تحریر نہیں مگر شہرت اس طرح کی ہے کہ ایک مسلم خاندان کا گورستان تھا جس میں مدت ہوئی مُردوں کے دفن کرنے کی سرکاری حکم سے ممانعت کردی گئی، چند قبور پختہ اس میں اب بھی موجود ہیں۔ اور بوڑھے مسلمان کہتے ہیں کہ یہ مسجد بھی بعد میں گورستان ہی کی زمین میں تعمیر ہوئی، بلکہ صحن مسجد میں قبریں بنی ہوئی ۲۵، ۳۰/ برس ہونے کہ اس وقت دیکھی ہیں جو اب بے نشان ہو گئیں، نہ معلوم ابتداء میں کیا صورت ہوئی۔

زید مسلمان کا اس پر قبضہ ہوا اور اسی نے مسجد و کنواں و غسل خانہ اور مکتب کے لئے ایک کمرہ اس میں بنوایا۔ زید مقروض ہو کر وفات پا گیا اور ہندو دائن نے ڈگری جاری کرا کے مجبور کیا کہ وہ نیلام ہو۔ ورثائے زید نے اپنے طور پر سارا قطعہ جس میں مشتبہ گورستان بھی شامل تھا نیلام کر دیا۔ اور ایک ہندو نے اس کو خرید کر قبضہ کر لیا اور نمودار قبروں کی وجہ سے ہندو اس پر تعمیر کرنے سے خائف رہا اور ایک مسلمان کے ہاتھ وہ سارا قطعہ بیچ دیا جس میں قبریں تھیں۔ اس خریدار نے اس کے ٹکڑے کر کے دوسرے لوگوں کے ہاتھ فروخت کر دیئے اور اس میں مکانات تعمیر ہو گئے۔ ایک مختصر قطعہ مسجد کے متصل باقی ہے جس میں اندیشہ ہے کہ کسی ہندو نے خرید لیا تو فتنہ برپا کرے گا۔ مسجد میں اتنی وسعت نہیں کہ خرید سکے۔

پس کیا کوئی گنجائش ہے کہ کوئی مسلمان اس کو خرید کر مکان مسکونہ بنالے اور موجودہ پختہ قبر بحال محفوظ

---

(۱) "بلی المیت وصار ترابا، جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ اھ". (تبیین الحقائق، کتاب الصلوٰۃ، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(وکذا فی رد المحتار، کتاب الصلوٰۃ، مطلب فی دفن المیت: ۲/۲۳۳، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمگیریۃ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن: ۱/۱۶۷، رشیدیہ)

رکھے؟ اور اس مسجد کا کیا حکم ہے، آیا اس میں نماز صحیح و مستحب ہوگی اور حکم مسجد کا دیا جائے گا یا نہیں؟ اور جن مسلمانوں نے اس کو خرید کر تعمیر کیا ہے آیا وہ صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عادت عامہ کے موافق قبور زمین وقف ہی میں بنائی جاتی ہیں، خواہ وہ وقف عام ہو جیسے گورغریباں، یا وقف خاص ہو جیسے کوئی مخصوص خاندان اپنی قبور کے لئے کوئی قطعۂ زمین وقف کردے، گو کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا ہے، لہٰذا اس قطعۂ ارض کو وقف ہی کہا جائے گا: "لأن الحكم بالظاهر واجب عند تعذر الوقوف على الحقيقة، اهـ". مبسوط (۱)۔

اور وہ مسجد بھی جب کہ ایک مسلمان کی بنائی ہوئی ہے، بظاہر شرعی مسجد ہے: "لأن حمل فعل المسلم على الصحة والحل واجب ما أمكن إلا أن تقوم البينة". مبسوط سرخسي (۲)۔

مگر دلیل قطعی نہ اس مسجد کے وقف ہونے پر ہے اور نہ مسجد کے شرعی مسجد ہونے پر، کیونکہ نہ کوئی شہادت ہے نہ وقف نامہ وغیرہ، تاہم مسجد ہونا اقوی ہے، کیونکہ اس کے خلاف کا احتمال بہت ہی مرجوح ہے اور اس زمین کا وقف ہونا اتنا قوی نہیں، نیز مفاد مسجد کے خلاف فتنہ کا اندیشہ ہے، اس لئے "من ابتلی ببلیتین، فلیختر أهونهما" (۳)، گنجائش ہے کہ کوئی مسلمان اس قطعہ کو خرید کر مکان وغیرہ بنالے اور مفاد مسجد کے خلاف فتنہ سے امن ہو جائے، خصوصاً جب کہ دوسرے قطعات میں تصرف بھی ہو چکا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۱/۵۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/محرم الحرام/۵۴ھ۔

جو زمین بچوں کی قبروں کے لئے ہے اس کو فروخت کرنا

سوال [۷۴۴۳]: اگر کسی بستی میں بڑے قبرستان علیحدہ ہوں اور بچوں کے علیحدہ، مگر چونکہ بچوں کے

---

(۱) (المبسوط، باب الحيل والمملوك والكافر: ۹/۱۵۴، غفاریہ کوئٹہ)

(۲) (المبسوط، باب اختلاف الأوقات في الدعوى وغير ذلك: ۹/۷۳، غفاریہ کوئٹہ)

(۳) (الأشباه والنظائر مع شرحه للحموي، القاعدة الخامسة: الضرر يزال: ۱/۲۸۶، إدارة القرآن، کراچی)

قبرستان میں کوڑا کرکٹ پڑا ہوا ہے اور لوگ وہاں مکان بنانا چاہتے ہیں، ان سے اگر اس قبرستان کی جگہ کی قیمت لے لی جائے تو وہ کس جگہ صرف کرنی چاہئے۔ قبرستان میں عیدگاہ بھی ہے، کچھ ٹوٹ پھوٹ واقع ہو رہی ہے۔ اگر جائز ہو تو کیا وہ روپیہ اس میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زمین قبرستان کے لئے وقف ہو خواہ بچوں کے دفن کے لئے یا بڑوں کے دفن کے لئے، وہاں ذاتی مکان بنانا شرعاً جائز نہیں (۱)، کوڑا کرکٹ بھی وہاں نہ ڈالا جائے۔ البتہ اگر وہ زمین وقف نہیں، بلکہ مملوک ہے تو مالک کو اس کا فروخت کرنا شرعاً درست ہے، پھر قیمت اپنے کام میں لائے یا عیدگاہ وغیرہ میں جہاں چاہے صرف کرے، اسے سب طرح اجازت ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ٣/١/٩٣ھ۔

---

(۱) "لأن الملک ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (رد المحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملک والمتقوم: ۴/۵۰۲، سعيد)

"وسئل هو أيضاً عن المقبرة في القرى إذا اندرست، ولم يبق فيها أثر الموتى، لا العظم ولا غيره: هل يجوز زرعها واستغلالها؟ قال: لا، ولها حكم المقبرة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات، الخ: ۲/۴۷۰، ۴۷۱، رشيدية)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۸۶، دار الكتب العلمية بيروت)

"مقبرة قديمة لمحلة لم يبق فيها آثار المقبرة، هل يباح لأهل المحلة الانتفاع؟ قال أبو نصر رحمه الله تعالى: لا يباح". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر: ۳/۷۱۳، رشيدية)

(۲) "إذا دفن الميت في أرض غيره بغير إذن مالكها، فالمالك بالخيار: إن شاء أمر بإخراج الميت، وإن شاء سوى الأرض، وزرع فيها". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن، الخ: ۱/۱۶۷، رشيدية)

(وكذا في فتح القدير، باب الجنائز، فصل في الدفن: ۲/۱۴۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

فقیر نگران کا قبرستان کی زمین کو فروخت کرنا

سوال [۷۰۹۴]: ہمارے بزرگوں کا قدیم قبرستان ہے اور اس میں شبراتی فقیر کو بطور نگراں رکھا گیا تھا، اس نے اس کی زمین ایک دوسرے شخص کو فروخت کردی ہے۔ اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ وہ فقیر محض نگراں کی حیثیت سے رہتا تھا، مالک نہیں تھا تو اس کا اس زمین کو مالک بن کر فروخت کرنا جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱/۱۴۰۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱/۱۴۰۸ھ۔

قبر والی زمین کی بیع

سوال [۷۰۹۵]: ایک شخص نے ایک قطعہ زمین خریدا اور خریدنے والے کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ اس زمین میں بہت سی قبریں ہیں، اب جب مذکور نے اس زمین میں تالاب کھدایا ہے، کھودتے وقت مردار کے سر اور ہاتھ کی ہڈی اور لاشیں پائی گئیں، سب ہڈیاں دوسری جگہ زمین میں دفن کردیں۔ آیا اب قبر والی زمین کو تالاب بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب مالک سے کسی نے زمین خریدی تو اب مالک کو اختیار ہے کہ اس زمین میں تالاب بنائے یا کچھ

---

(۱) "وبطل بیع ما لیس فی ملکہ .... لأنہ علیہ السلام نہی عن بیع ما لیس عند الإنسان".

(تنویر الأبصار مع الدر المختار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۵/۵۸، ۵۹، سعید)

"إذا صح الوقف لم یجز بیعہ ولا تملیکہ" (الہدایۃ، کتاب الوقف: ۲/۶۴۰، مکتبہ شرکت علمیہ بیروت)

(وکذا فی الدر المختار، کتاب الوقف: ۴/۳۵۲، ۳۵۲، سعید)

اور کام کرے(۱)، البتہ ان ہڈیوں کو توڑنا درست نہیں(۲)، بلکہ احتیاط سے ان کو ایک جگہ دفن کردیا جائے(۳)۔ فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے، اگر قبرستان وقف ہو تو اس کی بیع اور اس میں تالاب وغیرہ بنانا، ناجائز ہے(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

چک بندی میں قبرستان اور مدرسہ کے لئے زمین رشوت دے کر چھڑانا

سوال[۷۲۹۶]: ہمارے موضع میں چک بندی ہورہی تھی، حکومت کی طرف سے قبرستان ومدرسہ

---

(۱) "کل یتصرف فی ملکه کیف شاء، لکن إذا تعلق به حق الغیر یمنع المالک من تصرفه". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)

"والقیاس أن من تصرف فی خالص ملکه، لا یُمنع منه وإن أضرّ بغیره، لکن ترک القیاس فی محل یضر بغیره". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، الکتاب السابع فی الحجر والإکراه والشفعة، الباب الثالث، الفصل الأول فی بعض قواعد فی أحکام الاملاک، تحت رقم المادة: ۱۱۹۷، ص: ۶۵۷، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(۲) "کسر عظم المسلم میتاً ککسره وهو حی، قال مالک: تعنی فی الإثم". (مؤطا إمام مالک، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی الاختفاء وهو النبش، ص: ۲۲۱)

"وحاصله أن عظم المیت له حرمة مثل حرمة عظم الحی، لکنه لاحیاة فیه، فکان کاسره فی انتهاک الحرمة ککاسره عظم الحی". (أوجز المسالک، کتاب الجنائز: ۳/۵۲۹، دار القلم دمشق)

(وکذا فی ردالمحتار: ۵/۵۸، باب البیع الفاسد، سعید)

(۳) "ولا یحفر قبر لدفن آخر إلا أن بلی الأول، فلم یبق له عظم، إلا أن لا یوجد، فتضم عظام الأول ویجعل بینهما حاجز من تراب". (ردالمحتار: ۲/۲۳۳، مطلب فی دفن المیت، سعید)

(۴) "وإذا صح الوقف، فلا یملک ولا یملّک". (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر: ۲/۵۸۰، کتاب الوقف، غفاریه کوئٹه)

"فإذا تم ولزم، لایملک ولا یملّک ولا یعار ولا یرهن". (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۴/۳۵۱، سعید)

کے لئے کچھ زمین چھوڑنے کا حکم تھا، مگر بلا رشوت نہیں چھوڑ رہے تھے، بہت کوشش کی مگر معلوم ہوا کہ کچھ رشوت لینا چاہتے ہیں تو مجبوری مدرسہ اور قبرستان کی زمین کے لئے سو روپیہ ان کارکو دیا گیا جس میں پچاس روپیہ مدرسہ کا تھا اور پچاس روپیہ قبرستان کا تھا، تو قبرستان اور مدرسہ کے لئے زمین رک گئی اور [illegible] بھی ہو گیا اور زمین مدرسہ کے لئے حاصل کر لی گئی۔ آیا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ مدرسہ وقبرستان کے لئے زمین چھوڑنا قانونی حق تھا اور بغیر روپیہ کے اس حق کو حاصل نہیں کیا جا سکتا تھا تو مجبوراً روپیہ دینے والے گنہگار نہیں ہوئے (۱)، وہ زمین مدرسہ وقبرستان دونوں کی ہو گئی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۶/۱۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۷/۱۱/۹۰ھ۔

قبرستان کی آمدنی مدرسہ وعیدگاہ میں خرچ کرنا

سوال [۷۰۴۷]: ۱..... قبرستان کی رقم مدرسہ میں لگائی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر لگائی جا سکتی ہے تو کون کون سے کام میں؟ خصوصاً مدرسہ کے مکان یا مدرسین کی تنخواہوں میں لگایا جا سکتا ہے یا نہیں؟

۲..... کیا قبرستان کی آمدنی سے عیدگاہ بنا سکتے ہیں؟ غرض قبرستان کی آمدنی کس مصرف میں آ سکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱، ۲..... موقوفہ قبرستان کی آمدنی کو کسی اور کام (مدرسہ وعیدگاہ) میں صرف کرنا درست نہیں، "لأن

---

(۱) "لا بأس بالرشوة ..... إذا خاف على دينه ... وفيه أيضاً: دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه وماله ولاستخراج حق له ليس برشوة، يعني في حق الدافع اهـ". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، فروع: ۶/۴۲۳، ۴۲۴، سعيد)

(وكذا في رد المحتار، باب البيع الفاسد، مطلب في [illegible]: ۵/۷۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الحادي عشر في المتفرقات: ۴/۴۰۳، رشيدية)

(وكذا في أحكام القرآن للجصاص، (سورة المائدة)، باب الرشوة، مطلب في وجوه الرشوة: ۲/۴۳۳-۴۳۴، دار الكتاب العربي، بيروت)

شرط الواقف كنص الشارع". كذا فی رد المحتار(۱)۔ ہاں!اگر قبرستان میں کوئی ضرورت نہ ہو مثلاً: حفاظت کے لئے چہار دیواری کی ضرورت نہ ہو، آدمی رکھنے کی ضرورت نہ ہو وغیرہ وغیرہ (۲) تو پھر باہمی مشورہ سے مدرسہ وعیدگاہ میں جہاں ضرورت ہو تعمیر، تنخواہ، وظیفہ، خرید کتب وغیرہ میں صرف کر سکتے ہیں تاکہ آمدنی کی رقم ضائع نہ ہو اور اس پر کسی کی ملک نہ ہو اور غاصبانہ قبضہ نہ ہو جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱/۱۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱/۱۰ھ۔

قبرستان کی آمدنی مسجد میں

سوال[۷۴۹۸]: موضع شاہ پور گاؤں میں ہمیشہ سے مسجد کے متعلق ایک ڈھائی بیگہ پختہ رقبہ جس میں دس بسوہ خام رقبہ میں مسجد ہے(۳)، باقی میں کاشت ہوتی ہے جس کی آمدنی پیش امام کے پاس جاتی ہے، اور ہمیشہ سے تمام موضع کے مُردے بھی اسی میں دفن ہوتے ہیں اور قبریں چھوڑ کر کاشت کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ شرعاً جائز

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعید)

"لأن شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أي في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة، اهـ". (الأشباه والنظائر، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية: ۱/۱۲۶، مكتبه ميمنيه مصر)

(۲) "سئل نجم الدين في مقبرة فيها أشجار: هل يجوز صرفها إلى عمارة المسجد؟ قال: نعم إن لم تكن وقفاً على وجه آخر. قيل له: فإن تداعت حيطان المقبرة إلى الخراب، يصرف إليها أو إلى المسجد؟ قال: إلى ما هي وقف عليه إن عرف. وإن لم يكن للمسجد متول و لا للمقبرة، فليس للعامة التصرف فيها بدون إذن القاضي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، المسائل التي تعود إلى الأشجار، الخ: ۲/۴۷۶، ۴۷۷، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في الأشجار: ۳/۳۱۱، رشيديه)

(۳) "بسوہ: زمین نا پنے کا ایک پیمانہ"۔(فیروز اللغات، ص: ۲۰۳، فیروز سنز، لاہور)

ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ زمین ضروریاتِ مسجد کے لئے وقف ہے، یا مردے دفن ہونے کے لئے وقف ہے، اول صورت میں دفنِ میت ناجائز ہے اور ثانی صورت میں اول عمل ناجائز ہے(۱)۔ جس کام کے لئے واقف نے وقف کیا ہے اس میں اسی کو صرف کرنا چاہیے: "لأن نص الواقف کنص الشارع"(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۵/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ جمادی الاولیٰ/ ۶۱ھ۔

قبرستان کی آمدنی سے مساجد کی مرمت

سوال [۷۴۰۹]: ہمارے قصبہ میں قبرستان پرانے بہت ہیں اور حکومت نے بھی ان سے ملحقہ قبرستان کے لئے مزید زمین دیدی ہے، اگر اس میں کاشت کرا کر اس کی پیداوار جو ہو وہ مسجد یا دیگر امورِ خیر میں خرچ کردیں تو درست ہے یا نہیں؟ اگر مساجد وغیرہ کی مرمت نہ کی گئی تو ان کے گرنے اور خراب ہونے کا اندیشہ ہے، اکثریت مسلمانوں کی یہاں سے چلی گئی، بہت معمولی تعداد میں باقی رہ گئے ہیں۔ جو اس کا خرچ برداشت نہیں کرسکتے تو کیا قبرستان کی پیداوار سے مرمت ہوسکتی ہے اور مساجد محفوظ ہوسکتی ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبرستان کے لئے وقف شدہ زمین قبرستان ہی کے کام میں استعمال کی جائے، اگر وہاں کے قبرستان میں ضرورت نہیں اور ان کی ضرورت کے لئے کافی جگہ موجود ہے اور اس زمین کے خالی رہنے سے اندیشہ ہے

---

(۱) یعنی ضروریاتِ مسجد کے لئے وقف ہونے کی صورت میں دفن موتی ناجائز ہے اور مردے دفن کرنے کے لئے وقف ہونے کی صورت میں آمدنی امور کے پاس جانا ناجائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) "لأن شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أي في وجوب العمل به وفي المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، الفن الثاني، الفوائد، كتاب الوقف: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف: ۴۳۳/۴، ۴۳۴، سعيد)

کہ دوسرے لوگ اس پر غاصبانہ قبضہ کرلیں گے اور اس قبضہ کو ختم کرانا دشوار ہوجائے گا جس سے اصل وقف ہی ضائع ہوجائے گا تو مجبوراً اس میں کاشت کرکے اس کی آمدنی سے مساجد کی مرمت کرنا درست ہوگا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۷/۸۷ھ۔

قبرستان کے باغ کی آمدنی مسجد اور مدرسہ کے کاموں میں صَرف کرنا

سوال [۷۵۰۰]: ایک شخص نے مدرسہ اور مسجد میں امامت کی، مسجد اور مدرسہ کے منتظمین نے تنخواہ ماہانہ قبرستان کے فنڈ سے دی۔ یہ باغ اس نیت سے لگایا گیا قبرستان میں کہ اس کی آمدنی سے مدرسہ اور مسجد کا خرچ چل سکے۔ ایک صاحب نے فتویٰ منگایا، فتویٰ میں جواب یہ آیا کہ قبرستان کی آمدنی قبرستان ہی میں صرف کی جائے گی، اس کے علاوہ مدارس و مسجد میں صرف کرنے کا کوئی مجاز نہیں ہے۔ اور وہ شخص جس نے فتویٰ منگایا تھا، امام مسجد سے بتایا کہ ڈیڑھ ماہ سے جتنی نمازیں میں نے تمہارے پیچھے پڑھی ہیں وہ سب میں نے لوٹائیں۔ اس کا کہنا ہے کہ ایسے امام کے پیچھے نماز نہیں ہوتی اور ان صفوں پر نماز بھی نہیں ہوتی جو کہ اس پیسے سے خریدی گئی ہوں۔

ان حالات میں امام مذکور نے امامت اور مدرسی سے علیحدگی اختیار کرلی۔ کچھ اشخاص نے یہ کہا کہ آپ اس پیسے کو کسی سے بدل لیں۔ وہاں کے لوگوں کی اکثریت، نیز منتظمین امام مذکور کو رکھنا چاہتے ہیں۔ مدلل ومفصل

---

(۱) "وما فضل من ريع الوقف واستغنى عنه، فإنه يصرف في نظير تلك الجهة، كالمسجد إذا فضلت غلة وقفه عن مصالحه، صرف في مسجد آخر؛ لأن الواقف غرضه في الجنس، والجنس واحد ....

فإن هذا الفاضل لا سبيل إلى صرفه إليه، ولا إلى تعطيله، فصرفه في جنس المقصود أولى، وهو أقرب الطرق إلى مقصود الواقف". (فقه السنة، كتاب الوقف، فاضل ريع الوقف يصرف في مثله: ۵۲۹/۳، دار الكتاب العربي بيروت)

"وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض". (الدر المختار). "وفي شرح الملتقى": "يصرف وقفها لأقرب مجانس لها، اهـ". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۳۵۹/۳، سعيد)

جواب درکار ہے: ایسی جگہ ملازمت درست ہے یا نہیں اور ایسے امام کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس مسئلہ کی وجہ سے مسجد یا مدرسہ سے علیحدگی کی کوئی ضرورت نہیں، تنخواہ کے متعلق معاملہ کر دیا جائے کہ اس فنڈ سے تنخواہ نہیں دیں گے۔ جو نمازیں پڑھی جا چکی ہیں ان کے لوٹانے کی بھی ضرورت نہیں (۱)۔ جو شئی اس فنڈ سے خریدی گئی ہیں ان کی قیمت اس فنڈ میں جمع کر دی جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱/۹۵ھ۔

پرانے قبرستان میں مکان و بیت الخلاء وغیرہ بنانا

سوال [۱۰۰۸۶]: ایک مکان قبرستان میں بنایا گیا ہے، وہ قبریں بالکل برابر ہو گئیں، ان کا کوئی نشان نہیں رہا ہے، لیکن یہ معلوم ہے کہ یہاں پر قبریں تھیں۔ تو اس مکان میں بیت الخلاء بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ قبرستان وقف نہیں، بلکہ مملوک ہے اور قبریں اتنی پرانی ہیں کہ میت بالکل مٹی ہو چکی ہوگی تو اس کے احکام قبرستان کے نہیں رہے، وہاں مالک کو اور مالک کی اجازت سے دوسروں کو مکان بنانا شرعاً درست ہے

---

(۱) "بنی مسجداً فی أرض غصب، لابأس بالصلاة فیه". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، مطلب فی الصلاة فی أرض مغصوبة: ۱/۳۸۱، سعید)

(۲) "سئل نجم الدین فی مقبرة فیها أشجار، قیل له: فإن تداعت حیطان المقبرة إلی الخراب یصرف إلیها أو إلی المسجد؟ قال: إلی ما هی وقف علیه". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر، مطلب الکلام علی الأشجار التی فی المقبرة: ۲/۴۷۶، رشیدیه)

"(قوله: لایجوز له ذلك): أی الصرف المذکور قال الخیر الرملی: أقول: ومن اختلاف الجهة ما إذا کان الوقف منزلین، أحدهما للسکنی، والآخر للاستغلال، فلا یصرف أحدهما للآخر، وهی واقعة الفتوی". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی نقل انقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۱، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثالث عشر فی الأوقاف التی یستغنی عنها الخ: ۲/۴۷۸، رشیدیه)

اور بیت الخلاء بنانا بھی جائز ہے، جو کھیتی اور زمین کا ہے وہی حکم اس جگہ کا ہے۔ احترامِ میت کا تھا، جب وہ نہیں تو اس جگہ کا کوئی خاص احترام بھی نہیں: "جاز زرعه والبناء علیه إذا صار تراباً. زیلعي" اهـ. درمختار (۱)۔

اگر وہ قبرستان وقف ہے تو وہاں اپنا مکان بنانا درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۱/۹۵ھ۔

پرانے قبرستان میں کرایہ کے لئے دوکانیں بنانا

سوال [۷۰۰۱]: ایک مسجد کے روبرو قبرستان ہے جس کے دونوں جانب شاہراہ ہے۔ اہلِ مسجد یہ چاہتے ہیں کہ اس شاہراہ کے دونوں جانب کرکے تعمیر کرا کر اجارے پر دے دیئے جائیں جس کا کرایہ مسجد کی ضروریات: تنخواہ امام ومؤذن، بجلی وغیرہ یا تعمیرِ مسجد پر خرچ ہوتا رہے۔ اس تعمیر کے اندر چند بوسیدہ قبریں بھی آجائیں گی۔ یہ تعمیر جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کا کرایہ مندرجہ بالا ضروریات پر خرچ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جگہ مسجد کی ہے اور قبریں اتنی پرانی ہیں کہ میت ان میں باقی نہیں، بلکہ مٹی بن چکی ہے تو وہاں بھی

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲۳۸/۲، سعید)

"ولو بلي الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن الخ، ۱۶۷/۱، رشيدية)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۵۸۹/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "وسئل هو أيضاً عن المقبرة في القرى إذا اندرست ولم يبق أثر الموتى، لا العظم ولا غيره: هل يجوز زرعها واستغلالها؟ قال: لا، ولها حكم المقبرة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات الخ: ۴۷۰/۲، رشيدية)

"مقبرة قديمة ... هل يباح لأهل المحلة الانتفاع بها؟ قال أبو نصر: لا يباح". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر: ۳۱۰/۳، رشيدية)

"ويكره أن يبنى على القبر". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۵۸۹/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

مشورہ سے وہاں دوکانیں تعمیر کرا کر کرایہ پر دیا جاوے اور کرایہ سے ضروریات مسجد تعمیر، تنخواہ امام ومؤذن میں صرف کرنا شرعاً درست ہے(۱)۔ جب قبر پرانی ہوجائے اور میت مٹی بن جائے تو قبر کا حکم باقی نہیں رہتا۔

"ولو بلي الميت وصار تراباً، جاز زرعه والبناء عليه". كذا في الدر المختار والزيلعي(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قبرستان کے درختوں کا مصرف

سوال[۷۴۰۵]: ایک احاطہ قبرستان جس کے درمیان میں ایک چھوٹی سی مسجد بنائی گئی ہے، قبرستان بہت پرانا ہے جس کے چاروں طرف گرد زمین کی ملکیت ہے، اس کا کوئی ایک مالک ہے اور وہ بھی اپنی ملکیت کی زمین فروخت کرچکا ہے۔ اگر قبرستان کے درخت وغیرہ کاٹ کر اپنے کام میں لے لئے جائیں اور مسجد کے مصارف چندہ سے پورے ہوتے ہوں تو اس کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ اور کیا یہ درخت مسجد میں لگ سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ قبرستان وقف ہے (جیسا کہ عرف ہے) تو کسی شخص کو درخت وغیرہ کاٹ کر اپنے کام میں لانا جائز نہیں، بلکہ مصارف وقف پر صرف کرنا واجب ہے(۳)۔ اور بے ضرورت درخت کا کاٹنا قبرستان سے ناجائز ہے،

---

(۱) "ويبدأ من غلته بعمارته، ثم ما هو أقرب لعمارته كإمام مسجد ومدرس مدرسة، يعطون بقدر كفايتهم". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۶۶، ۳۶۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۵۹، رشيدية)

(وكذا في الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۳۷، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) "ولو بلي الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه". (تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار، باب صلوة الجنازة: ۲/۲۳۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن: ۱/۱۶۷، رشيدية)

(۳) "وإن نبت الأشجار فيها بعد اتخاذ الأرض مقبرة، فإن علم غارسها، كانت للغارس. وإن لم يعلم =

البتہ سوکھا درخت کاٹ کر مصارفِ وقف پر صرف کردیا جائے(۱)۔ اگر واقف نے مسجد میں خرچ کرنے کی اجازت دی ہے تو وہاں بھی خرچ کرنا درست ہے۔ جو شخص اپنی ملکیت فروخت کر چکا ہے اس کو کسی حال میں بھی کاٹنا اور اپنے کام میں لانا جائز نہیں۔ اس کے علاوہ اگر وہ قبرستان وقف نہیں، بلکہ ملک ہے تو مالک کو سوکھا درخت کاٹ کر اپنے کام میں لانا جائز ہے(۲)۔

"سئل نجم الدين عن مقبرة فيها أشجار، هل يجوز صرفها إلى عمارة المسجد؟ قال: نعم إن لم يكن وقفاً على وجه آخر. قيل له: فإن تداعت حيطان المقبرة إلى الخراب، يصرف

= إلى العمارة؟ قال: الرأي فيها يكون للقاضي، إن رأى أن يبيع الأشجار ويصرف ثمنها إلى عمارة المقبرة، فله ذلك، ويكون في الحكم كأنها وقف". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في الأشجار: ٣١١/٣، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، القبر والدفن: ١٧٣/٢، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، نوع في وقف المنقول: ٢٦١/٦، رشيديه)

(۱) "يكره أيضاً قطع النبات الرطب والحشيش من المقبرة دون اليابس". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في وضع الجريد ونحو الآس على القبور: ٢٤٥/٢، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، القبر والدفن: ١٧٣/٢، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "مقبرة عليها أشجار عظيمة، فهذا على وجهين: إما إن كانت الأشجار نابتة قبل اتخاذ الأرض مقبرة، أو نبتت بعد اتخاذ الأرض مقبرة. ففي الوجه الأول المسألة على قسمين: إما إن كانت الأرض مملوكة لها مالك، أو كانت مواتاً لا مالك لها، واتخذها أهل القرية مقبرة. ففي القسم الأول الأشجار بأصلها على ملك رب الأرض، يصنع بالأشجار ما شاء. وفي القسم الثاني الأشجار بأصلها على حالها القديم.

وفي الوجه الثاني المسألة على قسمين: إما إن علم لها غارس أو لم يعلم. ففي القسم الأول كانت للغارس، وفي القسم الثاني الحكم في ذلك إلى القاضي، إن رأى بيعها وصرف ثمنها إلى عمارة المقبرة، فله ذلك". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات والحياض والطرق الخ، مطلب: الكلام على الأشجار التي في المقبرة: ٤٧٤/٢، رشيديه)

اصطلاح میں جانک پڑھنا کہتے ہیں(۱)۔ قبر کا نام ونشان نہیں ہے۔ ایک شخص نے اس حصہ پر اپنی ریوڑ دانہ دھان کی تخم ریزی کردی، ہاں اگر غلطی سے دو چار قدم قبر والی زمین میں بھی بیج پڑ گیا ہو تو نہیں کہا جاسکتا، دھان ماشاء اللہ بہت اچھا ہوا اور اسی حصہ میں فصلِ ربیع بھی بلا جوتے لگا رکھا ہے۔

تو اب قابلِ سوال مسئلہ یہ ہے کہ اس شخص کا یہ فعل کیسا ہے اور اس زمین سے حاصل شدہ پیداوار کو کس مصرف میں صرف کیا جاوے؟ اگر کسی مدرسہ میں دے دی جائے یا از خود طلبہ پر خرچ کیا جائے تو کیا درست نہیں ہے؟ نیز قبرستان کیا قابلِ کاشت ہوسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو قبرستان مردے دفن کرنے کے لئے وقف ہو اس میں کاشت کرنا جائز نہیں(۲)، خواہ بالفعل وہاں قبریں موجود ہوں یا نہ ہوں، "لأن شرط الواقف كنص الشارع". كذا في رد المحتار(۳)۔ اب جو دھان اس میں پیدا ہوا بہتر یہ ہے کہ اس کو غرباء، طلباء پر صدق کیا جائے، بیواؤں یتیموں کو دیا جائے، خواہ مدرسہ کے مہتمم کو دیدے کہ وہ نادار طلبہ کے کپڑے کھانے پر صرف کردے(۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۹۲ھ۔

---

(۱) "اچانک پڑھنا: دفعۃً، ناگہانی، یک بیک (نغرہ)، وحزیٰ قصد کرتی رہے تھے کہ وہ اچانک آ دبایا"۔ (نور اللغات: ۱/۲۵۳، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور)

(۲) "وسئل هو أيضاً عن المقبرة في القرى إذا اندرست، ولم يبق فيها أثر الموتى، لا العظم ولا غيره: هل يجوز زرعها واستغلالها؟ قال: لا، ولها حكم المقبرة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات، الخ: ۲/۴۷۱، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر: ۳/۳۱۲، رشيديه)

(۳) (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في قولهم: شرط الواقف كنص الشارع: ۴/۴۳۳، سعيد)

"شرط الواقف كنص الشارع، أي في المفهوم والدلالة". (تنقيح الفتاوى الحامدية، شرط الواقف كنص الشارع: ۱/۱۲۶، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني، الفوائد، كتاب الوقف: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

(۴) "إذا استغنى هذا المسجد يصرف إلى فقراء المسلمين، فيجوز ذلك، لأن جنس هذه القربة مما لا ...

قبرستان میں کھیتی کرنا

سوال[۷۵۰۶]: یہاں کے زمیندار قبرستانوں کو بیل سے جتوا کر کاشت کاری کرتے ہیں، بعض قبرستان پر قبریں موجود ہیں، ان پر ہل چلاتے ہیں۔ کیا شرعاً یہ جائز ہے؟ جن کا قبرستان ہے وہ مانع ہوتے ہیں کہ ہمارا قدیم قبرستان ہے، زمیندار کہتے ہیں کہ ہمارے نام کی زمین ہے، مگر قبریں پرانی ہی ہوئی ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قبریں اس قدر پرانی ہیں کہ میت بالکل مٹی بن چکی ہے تو اس زمین میں ہل چلانا اور کاشت کرنا سب درست ہے: "ولو بلی المیت وصار تراباً جاز دفن غیره فی قبره وزرعه والبناء علیه" اھ۔ بحر(۱)۔

مگر زمینداروں کی ملک نہیں، بلکہ دوسروں کی ملک ہے تو ایسی حالت میں زمیندار غاصب اور گنہگار ہوں گے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۲/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۰/جمادی الثانیہ/۵۷ھ۔

= یقطع" (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاوی العالمکیریة، قبیل باب الرجل یجعل داره مسجداً: ۳/۲۸۸، رشیدیه)

(۱) (البحر الرائق، کتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۲، رشیدیه)

"ولو بلی المیت وصار تراباً جاز دفن غیره فی قبره وزرعه والبناء علیه". (الفتاوی العالمکیریة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن الخ: ۱/۱۶۷، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار، باب صلاة الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ۲/۲۳۸، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۹۹، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۲) "الغصب فی الشریعة أخذ مال متقوم محترم بغیر إذن المالک علی وجه یزیل یده وعلی الغاصب رد عین المغصوبة" (الهدایة، کتاب الغصب: ۳/۳۷۶، ۳۷۱، مکتبه ملتان)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الغصب: ۸/۱۹۶، رشیدیه)

"وعن أبی حرة الرقاشی عن عمه رضی الله تعالی عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالی علیه

قبرستان میں کھیتی کرتے وقت ہڈیاں نکلیں تو کیا کیا جائے؟

سوال[۷۰۵۶]: نمبر ۵ کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا ہے (*) کہ:

"اگر قبریں اس قدر پرانی ہوں کہ میت بالکل گل چکی ہوگی تو اس زمین میں ہل چلانا اور کاشت کرنا سب کچھ درست ہے"۔ "ولو بلي الميت وصار تراباً جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه" (۱)۔

آپ کا ارشاد ختم ہوا، مگر یہاں یہ واقع ہے کہ ہل چلانے میں ہڈیاں نکلتی ہیں، تو ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟ قبر میں اگر ہڈی سر وغیرہ کی نکلے تو کیا حکم ہے؟ یا دوسری میت دفن کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی حالت میں اس زمین میں ہل چلانا اور کاشت کرنا جائز نہیں (۲)، البتہ اگر مملوکہ زمین میں بلا مالک کی اجازت کے کوئی میت کو دفن کردے تو مالک کو یہ اختیار رہتا ہے کہ اپنی زمین سے میت کو قبر کھود کر نکلوا دے، یا اس کو زمین سے ہموار کردے اور کھیتی وغیرہ جو دل چاہے کرے اور چاہے اس قبر کو باقی رہنے دے:

"ولا يخرج منه بعد إهالة التراب إلا لحق آدمي، كأن تكون الأرض مغصوبة، أو أخذت بشفعة. ويخير المالك بين إخراجه ومساواته بالأرض: أي ليزرع فوقه مثلاً؛ لأن حقه

= وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

(*) اصل قلمی نسخہ میں نمبر ۵ والا سوال اس سوال سے قبل نہیں، اور فتاویٰ محمودیہ میں بھی نہیں، لیکن شاید اس سے مراد ماقبل کا سوال ہو جس کا عنوان ہے: "قبرستان میں کھیتی کرنا" (جو اصل نسخہ کے مطابق نمبر ۵ کا ہے)۔

(۱) (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۲، رشيدية)

(۲) "لا يحفر قبر لدفن آخر إلا إن بلي الأول، فلم يبق له عظم" (فتح القدير، باب الجنائز، فصل في الدفن: ۲/۱۰۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"وخصوصاً إن كان فيها ميت لم يبل. وما يفعله جهلة الحفارين من نبش القبور التي لم تبل أربابها، وإدخال أجانب عليهم، فهو من المنكر الظاهر" (رد المحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۴، سعيد)

في الصغير وظاهرها، فإن شاء ترك حقه في باطنها، وإن شاء استوفى"، فتح". درمختار وشامی ۲۳۹/۲ (۱)۔

اگر پہلے سے علم ہے کہ اس جگہ قبر کھودنے سے ہڈیاں نکلیں گی تو وہاں نہ کھدوائے، اگر پہلے سے علم نہ ہو اور قبر کھودتے وقت ایک دو ہڈی نکل آوے تو اس کو وہیں ایک طرف کو رکھ دیا جائے اور مٹی اس کے درمیان اور میت کے درمیان حائل کر دی جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

قبرستان کے چاروں طرف دیوار بنانا

سوال [۸۰۵۸]: قبرستان کے چاروں طرف دیوار بنانا کیسا ہے؟ اگر بنا لی گئی تو مسرفین اور مبذرین میں داخل ہوگا یا نہیں؟ بنانے والا بدعتی ہوگا یا نہیں؟

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، باب صلاة الجنازة: ۲۳۹/۲، سعيد)

"وإذا دفن الميت في أرض غيره بغير إذن مالكه، فالمالك بالخيار: إن شاء أمر بإخراج الميت، وإن شاء سوى الأرض وزرع فيها، كذا في التجنيس". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن الخ: ۱۶۷/۱، رشيدية)

"ولا ينبش بعد إهالة التراب ... إلا لعذر ... والعذر أن الأرض مغصوبة، أو يأخذها شفيع ... فإن أحب صاحب الأرض أن يسوي القبر ويزرع فوقه، كان له ذلك، فإن حقه في باطنها وظاهرها، فإن شاء ترك حقه في باطنها وإن شاء استوفاه". (فتح القدير، باب الجنائز، فصل في الدفن: ۱۴۲/۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر الخ: ۴۷۱/۲، رشيدية)

(۲) "إلا أن لا يوجد، فيضم عظام الأول، ويجعل بينهما حاجزاً من تراب". (فتح القدير، باب الجنائز، فصل في الدفن: ۱۴۲/۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في رد المحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت: ۲۳۳/۲، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر جانوروں سے حفاظت مقصود ہو، یا یہ اندیشہ ہو کہ بغیر احاطہ کے اس کی زمین دوسروں کے قبضہ میں چلی جاوے گی تو اس کی چاردیواری بنانا درست بلکہ بہتر ہے، یہ اسراف اور تبذیر نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۲/۹۰ھ۔

قبرستان کی چہاردیواری سینما کی آمدنی سے بنانا

سوال[۴۵۰۰۸]: یہاں پر قدیم قبرستان ہے جس کی چہاردیواری نہیں کی گئی، اب اس کی صورت یہی ہے کہ کسی طرح اس کی چہاردیواری کرائی جاوے۔ چندہ کی تحریک کی جاچکی ہے مگر مسلمانوں کی بدحالی کی وجہ سے چندہ اکٹھا نہیں ہورہا ہے اور خرچ کا تخمینہ بہت زیادہ ہے۔ ایسی صورت میں اگر دوچار شو سینما کے کرا کر اس کی آمدنی سے چہاردیوار کرادی جائے تو شرعاً کیا حکم ہے؟ اگر کوئی دوسری صورت ہو تو اس سے بھی آگاہ کرنے کی زحمت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس مقصد کے لئے سینما کرانا اور اس سے رقم حاصل کرنے کی اجازت نہیں، معصیت ہے(۲)۔ اگر

---

(۱) "أرض لأهل قرية جعلوها مقبرةً وأقبروا فيها، ثم إن واحداً من أهل القرية بنى فيها بناءً لوضع اللبن وآلات القبر، وأجلس فيها من يحفظ المتاع بغير رضا أهل القرية أو رضا بعضهم بذلك، قالوا: إن كان في المقبرة سعةٌ بحيث لا يحتاج إلى ذلك المكان، فلا بأس. وبعد ما بنى لو احتاجوا إلى ذلك المكان، رفع البناء حتى يقبر فيه، كذا في فتاوى قاضي خان" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر الخ: ۲/۲۱۷، ۲۲۸، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر والرباطات: ۳/۳۱۴، رشيديه)

(۲) "قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً، ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره" (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمة "لا بأس" دليل على أن المستحب غيره الخ: ۱/۶۵۸، سعيد)

قبرستان کے چہار طرف دوکانیں تعمیر کرکے ان کو کرایہ پر اٹھادیا جائے، اور کرایہ سے قبرستان کے مصارف پورے کئے جائیں تو اس کی گنجائش ہے جب کہ ان تعمیرات سے قبرستان میں تنگی واقع نہ ہو(۱)۔ تعمیر کے لئے رقوم قرض میں لی جائیں، ایسے آدمی آج کل بسہولت مل جائیں گے جو پیشگی رقم دیدیں، اور دوکان اس کو دیدی جائے اور پیشگی دی ہوئی رقم کرایہ میں محسوب ہوتی رہے۔ ایک کمیٹی بنالی جائے اور سب کام باہمی مشورہ واتفاق سے کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۱۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۱۶ھ۔

قبرستان میں پڑے پتھروں کو اس کے کمپاؤنڈ بنانے میں خرچ کرنا

سوال [۷۵۱۰]: ہمارے گاؤں کا قبرستان صدیوں پرانا ہے، کہیں کہیں پتھروں اور اینٹوں کا خاصہ انبار لگا ہوا ہے، لیکن قبرستان کا کوئی محافظ کمپاؤنڈ نہیں اور قبروں کی بے حرمتی ہوتی ہے، اس لئے کمپاؤنڈ بنانے کا ارادہ ہے۔ کیا مذکورہ اینٹ، پتھروں کو اس کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے؟

---

(۱) "ولو كانت الأرض متصلةً ببيوت المصر يرغب الناس في استيجار بيوتها، و تكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً يؤاجرها". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف، الخ: ۲/۴۱۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، تصرف القيم في الأوقاف: ۵/۷۶۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف: ۶/۲۵۳، رشيديه)

"أرض لأهل قرية جعلوها مقبرةً، وأقبروا فيها، ثم إن واحداً من أهل القرية بنى فيها بيتاً لوضع اللبن وأداة القبر، وأجلس فيها من يحفظ المتاع بغير رضا أهل القرية، أو رضي بذلك بعضهم، قالوا: إن كان في المقبرة سعةٌ بحيث لا يحتاج إلى ذلك المكان، لا بأس به. وبعد ما بنى لو احتاجوا إلى ذلك المكان، رفع البناء حتى يقبر فيه". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، فصل في المقابر والرباطات: ۳/۴۱۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات، الخ: ۲/۴۶۷، ۴۶۸، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

پرانے قبرستان میں اینٹوں کا انبار ہے جس کا مالک کوئی نہیں (۱)، اس کا احاطہ حفاظت کے لئے بنانا ہے تو ان اینٹوں کو اس چہار دیواری بنانے میں خرچ کرنا شرعاً درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹۴/۱۲/۲۵ھ۔

عیدگاہ اور قبرستان بستی کی کس جانب میں ہو؟

سوال [۷۵۱۱]: کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ عیدگاہ ہمیشہ آبادی کے مغرب میں ہونی چاہیے اور قبرستان آبادی کے مشرق میں ہونا چاہیے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آبادی سے جانب مغرب عیدگاہ ہونا ضروری نہیں، جس جانب بھی موقع ہو بنالی جائے، ان دونوں چیزوں کی یہ پابندی بے اصل ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱/۲۵ھ۔

مخصوص قبرستان میں بلا اجازت دفن کرنا

سوال [۷۵۱۲]: ایک زمین قبرستان کے نام سے ایک خاندان کے لئے نامزد ہے، زمین مذکورہ میں خاندان موصوفہ کی میتیں مدفون ہوں، عوام الناس کو عام طریقہ پر اپنے مردے دفن کرنے کی اجازت نہیں ہے، اور نہ کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص غیر متعلق اپنا مردہ بلا اجازت اشخاص خاندان موصوفہ قبرستان مذکورہ میں دفن

---

(۱) اینٹ یا پتھر اکثر لوگ قبروں پر رکھنے کے لئے لاتے ہیں بعض اوقات ضرورت سے زائد ہوتے ہیں وہ بغیر استعمال کے رہ جاتے ہیں لہٰذا ایسے مواقع میں ان کا استعمال درست ہے: "وقد اعتاد أهل مصر وضع الأحجار حفظاً للقبور عن الاندراس والنبش، ولا بأس به". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل: في حملها ودفنها، ص: ۳۱۱، قديمي)

(۲) قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: "واليوم اعتادوا التسنيم باللبن صيانة للقبر عن النبش، وراوا ذلك حسناً، وقال صلى الله تعالى عليه وسلم: "ما راه المسلمون حسناً، فهو عند الله حسن"". (ردالمحتار، مطلب في وقف الميت: ۲/۲۳۷، سعيد)

کریں تو یہ جائز ہے یا ناجائز ہے؟ اگر اجازت حاصل کرنی چاہئے تو جملہ خاندان کے اشخاص کی ضرورت ہے یا صرف ایک، دو شخصوں کی کافی ہے؟ اگر صرف دو چار اشخاص نے اجازت دیدی اور دیگر انکار کردیں تو اس اجازت پر عمل جائز ہے یا ناجائز ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ زمین شرعی طریق پر وقف ہے تو واقف کی شرائط کے موافق عمل کرنا چاہئے، اگر واقف کی طرف سے اجازت ہے تو دفن کرنا درست ہے، اگر غیر متعلق اشخاص کے دفن کرنے کی ممانعت ہے تو دفن کرنا ناجائز ہے۔

"شرط الواقف معتبرة إذا لم يخالف الشرع، وهو مالك، فله أن يجعل ماله حيث شاء ما لم يكن معصية، وله أن يخص صنفاً من الفقراء ولو كان في كلهم قربة". ردالمحتار (۱)۔

اگر وقف نامہ موجود نہیں، نہ شرائطِ واقف کا علم ہے، اور عمل پہلے سے یہ ہے کہ غیر متعلق اشخاص کو اس میں دفن کرنے سے روکا جاتا ہے تو اس میں دفن نہیں کرنا چاہئے۔ اگر وہ وقف نہیں، بلکہ مملوک ہے تو مالک کی اجازت سے دفن کرنا چاہئے، بلا اجازت مالک کے دفن کرنا ناجائز ہے (۲)۔ جو جو اس کے مالک ہیں، مشترک اور مقسوم ہونے کی وجہ سے سب کی اجازت ضروری ہے، اگر تمام نے کسی ایک دو کو اس میں تصرفات اور اجازت وممانعتِ دفن کے لئے اپنا وکیل بنادیا ہے تو اس ایک دو کی اجازت کافی ہے (۳)۔ بلا اجازت دفن کی صورت میں مالک کو اختیار ہوگا کہ میت کو قبر سے باہر نکال دے یا قبر کو برابر کرادے۔

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع: ۴/۳۴۳، سعید)

(۲) "فإن أحب صاحب الأرض أن يسوي القبر ويزرع فوقه، كان له ذلك، لأن حقه في باطنها وظاهرها، فإن شاء ترك حقه في باطنها، وإن شاء استوفاه". (فتح القدير، باب الجنائز، فصل في الدفن: ۲/۱۴۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"وإن بلي الميت وصار تراباً جاز دفن غيره في قبره، وزرعه والبناء عليه". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، سعيد)

(۳) "ولو قال: أنت وكيلي في كل شيء جائز أمرك، يصير وكيلاً في جميع التصرفات المالية كبيع وشراء وهبة وصدقة". (رد المحتار، كتاب الوكالة: ۵/۵۱۰، سعيد)

"إذا دفن المیت فی أرض غیرہ بغیر إذن مالکھا، فالمالک بالخیار: إن شاء أمر بإخراج المیت، وإن شاء سوّی الأرض وزرع فیھا، کذا فی التجنیس". فتاوی عالمگیری(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ شعبان/ ۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ شعبان/ ۵۴ھ۔

قبرستان کی مینڈھ باندھنے کے لئے وہاں کی مٹی لینا

سوال[۷۵۱۳]: قبرستان کی مینڈھ باندھنا چاہتے ہیں، مگر مینڈھ میں بعض جگہ مٹی قبر پر سے اٹھانی پڑتی ہے، اگر مینڈھ(۲) چاروں طرف کی نہ باندھی گئی تو مویشی پیشاب پاخانہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے قبرستان کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ اس حال میں مینڈھ باندھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ضرور مینڈھ باندھ کر حفاظت کریں(۳) لیکن مٹی قبروں کے آس پاس سے یا کسی دوسری جگہ سے لے لیں، قبروں کی مٹی نہ اتاریں، ایسا نہ ہو کہ قبریں کھل جائیں۔ ہاں! اگر قبروں پر مقدار شرع سے زائد مٹی ہو تو اس کو اتار سکتے ہیں(۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۷/ ۷/ ۸۸ھ۔

---

(۱) (الفتاوی العالمکیریۃ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن، الخ: ۱/ ۱۶۷، رشیدیہ)

(وکذا فی فتح القدیر، باب الجنائز، فصل فی الدفن: ۲/ ۱۴۱، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۲) "مینڈھ: بغیر "ھا" کے بمعنی: حد، کنارہ۔ مینڈھ بندی بمعنی حد بندی، حد باندھنا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۳۳، فیروز سنز، لاھور)

(۳) "وقد اعتاد أھل مصر وضع الأحجار حفظاً للقبور عن الاندراس والنبش، ولا بأس بہ". (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاۃ، فصل فی حملھا و دفنھا، ص: ۶۱۱ قدیمی)

(۴) "ولا یخرج منہ بعد إھالۃ التراب، اھ". (الدر المختار، کتاب الصلوۃ، باب صلوۃ الجنازۃ، مطلب =

قبر کی مٹی تبرکاً لیجانا

سوال[۱۴۱۰۶]: اگر کوئی شخص بزرگوں کی قبر پر سے مٹی اٹھا کرکے تبرکاً اپنے پاس رکھے تو جائز ہے یا نہیں؟ اگر ثبوت نفی ہو تو ممانعت کی وجہ کیا ہے؟ اگر ثبوت ملا ہے تو قرآن وحدیث سے ثبوت ہونا چاہئے۔ اور اگر کوئی بزرگوں کے مزار سے مٹی لے بھی آوے تو اس کو کسی جگہ پر ڈالنا چاہئے، عام راستہ میں پھینک دینا درست ہے یا نہیں، ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

شبیر علی، متعلم مدرسہ جامع العلوم، ۲/۴/۹۵ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبرستان وقف سے مٹی اٹھا کر لانا ناجائز ہے، لأنه وقف(۱)۔ اور اپنے مملوک قبرستان سے مٹی اٹھا کر لانا جائز ہے "لأنه ملكه"۔ البتہ تبرکاً کسی بزرگ کی قبر سے مٹی لانا اور اپنے پاس رکھنا امر محدث ہے۔ میت جب تک خاک میں مل جائے تو قبر کی جگہ بشرطیکہ مملوک ہو کھیتی کرنا درست ہے(۲)۔ اس سے معلوم ہوا کہ قبر کی مٹی کا

= في دفن الميت: ۲۳۸/۲، سعيد)

وقال العلامة الكاساني رحمه الله تعالى: "مقدار التسنيم أن يكون مرتفعاً من الأرض قدر شبر أو أكثر قليلاً". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، في سنة الدفن: ۲/۳۵۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "وعندهما: هو حبسها على حكم ملك الله تعالى، وصرف منفعتها على من أحب ولو غنياً، فيلزم". (الدر المختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: "(قوله: فيلزم) تفريع على ما أفاده التعريف من خروج العين عن ملك الواقف، لثبوت التلازم بين اللزوم والخروج عن ملكه باتفاق الأئمة الثلاثة". (رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۳۸، ۳۳۹، سعيد)

"فإذا تم ولزم، لا يملك ولا يملك ولا يعار ولا يرهن". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

(۲) "ولو بلي الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره في قبره، وزرعه والبناء عليه". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن، الخ: ۱/۱۶۷، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، دار الكتب العلمية بيروت)

کوئی خاص احترام شریعت نے نہیں بتایا، بلکہ میت کا احترام بتایا ہے، لہذا اس مٹی کو عام راستہ میں پھینکنا بھی درست ہے۔ اگر عالم کسی قبر کی مٹی تبرکاً لا کر اپنے پاس رکھے گا تو جاہل قبر کو سجدہ کرنے سے دریغ نہ کرے گا، لہذا اجتناب چاہیے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱۲/۵۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/صفر/۵۴ھ۔

قبرستان کی مٹی کا حکم

سوال [۵۱۰۵]: قبرستان کی مٹی یا قبرستان کی جگہ پاک ہے یا نجاست غلیظہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کوئی نجاست نہیں ہے تو محض قبروں کے اندر میت ہونے کی وجہ سے اوپر کی مٹی کو نجس نہیں کہا جائے گا(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱/۸۹ھ۔

قبرستان میں نماز عید

سوال [۵۱۰۶]: یہاں ایک وقف کردہ قبرستان ہے، قبرستان کے چاروں طرف چہار دیواری ہے، شہر کی بیشتر میت اسی قبرستان میں دفن کیے جاتے ہیں، قبرستان کے اندر کچھ زمین ابھی خالی ہے، اس خالی زمین کے پیچھے جو زمین ہے اسی میں میت دفن کیے جاتے ہیں، جب ضرورت ہوگی سامنے کی اس خالی زمین میں بھی میت دفن کی جائے گی۔ فی الحال شہر کو عیدین کی نماز ادا کرنے کے لئے ایک عیدگاہ کی ضرورت ہے، کچھ لوگوں کا ارادہ ہے کہ قبرستان کے باہر ایک غیر مذہب آدمی کی زمین قبرستان کے متصل ہے اُسے خرید کر عیدگاہ بنایا جائے، اکثر لوگ اسی کو پسند کر رہے ہیں، لیکن دو چار لوگ کہتے ہیں کہ ابھی عیدگاہ خریدنے کی ضرورت نہیں، بعد میں

(۱) "أي فإن التراب طاهر ولا يحل أكله". (رد المحتار، كتاب الطهارة، باب المياه:

خریدیں گے، ابھی عید کی نماز قبرستان کے اندر جو زمین خالی ہے اس میں پڑھیں گے۔

لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اگر وقف شدہ قبرستان کی اسی خالی زمین (جس کے سامنے قبر وغیرہ نہیں ہے) میں نماز پڑھنے کی اجازت دیدی جائے تو قبرستان کی وہ زمین ایک دن عیدگاہ بن جائے گی اور قبرستان کے قبضہ سے زمین نکل جائے گی اور جب ضرورت ہوگی تو اس میں مردے دفن نہیں کرسکیں گے اور ایک عیدگاہ خریدنے کی جو بات مکمل ہوگئی ہے وہ ختم ہوجائے گی۔

اب اہلِ شہر آپ کے جواب کے منتظر ہیں کہ جو جواب آپ عنایت کردیں گے اس پر عمل کیا جائے گا، اگر قبرستان کی زمین میں نماز پڑھنے کی ذرا بھی اجازت مل گئی تو شہر میں ہنگامہ کھڑا ہوجائے گا۔ امید ہے کہ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے جواب دیں گے۔

نقشۂ قبرستان ملاحظہ فرمائیں:

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ اس قبرستان میں مردے دفن ہوتے ہیں اور وہاں قبریں نئی پرانی ہر قسم کی موجود ہیں تو وہاں نماز عید ادا نہ کی جائے (۱)، بلکہ اس کے قریب جو جگہ موجود ہے اور اس کو خرید کر عیدگاہ بنانے کی تجویز ہے تو اسی کو خرید

---

(۱) "سئل الأوزجندی عن المقبرة فی القری إذا اندرست، ولم یبق فیها أثر الموتی، لا العظم ولا غیره: هل یجوز زرعها واستغلالها؟ قال: لا، ولها حکم المقبرة، کذا فی المحیط". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر والخانات، الخ: ۲/۴۷۰-۴۷۱، رشیدیه)

(وکذا فی فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، فصل فی المقابر: ۳/۳۱۲، رشیدیه)

کر عیدگاہ وغیرہ بنالیں، اس میں خلفشار وانتشار نہ کریں۔ واقف جس نیک مقصد کے لئے جو جگہ وقف کرے اس مقصد کو ختم نہ کیا جائے اور دوسرے مقصد کے لئے وہ جگہ متعین نہ کی جائے، حتی الوسع شرط منشائے واقف کی رعایت لازم ہے: "کان شرط الواقف کنص الشارع"(۱)۔ قبرستان میں نماز پڑھنے کی ممانعت حدیث وفقہ سے ثابت ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۸/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۸/۹۱ھ۔

جو قبریں راستہ میں ہوں ان کو وہاں سے ہٹانا

سوال[۷۵۱۶]: یہاں کارپوریشن کے ذمہ دار حضرات کا کہنا ہے کہ راستے میں جتنے مزارات آتے ہیں اس کو ہم کریں سے اکھاڑ کر دوسری جگہ دفن کر دیں گے، پورے احترام کے ساتھ۔ تو کیا ایسا ہو سکتا ہے؟ بعض علماء مزارات توڑ دیا جانا اپنے نزدیک مداخلت فی الدین سمجھتے ہیں، جب کہ پوا کارپوریشن کے ذمہ داروں کا خیال ہے کہ اس سلسلہ میں کوئی باعزت سمجھوتہ ہو جائے تو بہتر ہے۔ لہٰذا آپ سے گزارش ہے کہ فوراً جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ قبریں اگر وقف زمین میں ہیں تو اس زمین کو منشائے واقف کے خلاف دوسرے کام میں استعمال کرنا

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعید)

"شرط الواقف کنص الشارع: أي في المفهوم والدلالة". (تنقیح الفتاوی الحامدیۃ، شرط الواقف کنص الشارع: ۱/۱۲۶، مکتبہ میمنیہ مصر)

(وکذا في الأشباہ والنظائر، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارۃ القرآن کراچی)

(۲) "عن أبي مرثد الغنوي رضي اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "لا تجلسوا علی القبور ولا تصلوا إلیھا". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز: ۱/۲۰۳، سعید)

"بقي في المکروھات أشیاء أخر ...... منھا .... والصلاۃ في مظان النجاسۃ کمقبرۃ وحمام". (رد المحتار، باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا، مطلب في بیان السنۃ والمستحب، الخ: ۱/۶۵۴، سعید)

قبرستان میں جوتا پہن کر چلنا

سوال[۴۵۱۸]: قبرستان میں جوتا پہن کر جانا کیسا ہے، اگر قبریں بہت کثیر تعداد میں ہوں تو ادھر سے گزر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبروں پر راستہ بنانا منع ہے(۱) خواہ جوتا پہن کر ہو یا برہنہ پاؤں، اور قبروں سے بچ کر جوتا پہنے ہوئے بھی چلنا درست ہے، "والمشی فی المقابر بنعلین لا یکرہ عندنا، کذا فی السراج الوہاج". فتاوی عالمگیری(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

= "ولو بلي الميت وصار تراباً جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه". (تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن: ۱/۱۶۷، رشيديه)

(۱) "وكره أبو حنيفة رحمه الله تعالى أن يوطأ على قبر أو يجلس عليه أو ينام عليه". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في سنة الدفن: ۲/۶۵، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في الجنائز، ص: ۵۹۹، سهيل اكيدمي لاهور)

"ويكره أن يوطأ على القبر، يعني بالرجل أو يقعد عليه أو يقضي عليه حاجته". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الجنائز، القبر والدفن: ۲/۱۷۰، إدارة القرآن كراچی)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن الخ: ۱/۱۶۷، رشيديه)

"ولا يكره المشي في المقابر بالنعلين عندنا". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۰، قديمي)

"ولو وجد طريقاً في المقبرة، وهو يظن أنه طريق أحدثوه، لا يمشي في ذلك، وإن لم يقع ذلك في ضميره، لا بأس بأن يمشي فيه". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، بيان أن النقل من بلد إلى بلد مكروه الخ: ۱/۱۹۵، رشيديه) =

قبرستان میں برہنہ پا ہونا

سوال[۱۱۵۵]: بعض ممالک کا رواج ہے کہ قبرستان پر سے گزرتے ہوئے برہنہ پا ہو جانا چاہیے، چونکہ جوتوں کے ساتھ گزرنے کے اندر مردوں کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ مع حوالہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبر کے اوپر چلنے سے بے حرمتی ہے، خواہ جوتہ پہن کر ہو یا برہنہ پا۔ اور تمام قبرستان میں جوتہ پہن کر چلنا بے حرمتی نہیں ہے۔ "کرہ وطئہ بالأقدام اھ" مراقی الفلاح، ص: ۳۶۱(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۹/محرم/۵۹ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۹/محرم/۵۹ھ۔

قبرستان میں راستہ بنانا

سوال[۲۰۵۵]: قبرستان کے درخت وغیرہ صاف کر کے بیچ میں راستہ بنانا کیسا ہے؟ اور راستہ میں مرد وعورت سب چلتے ہیں۔ مع حوالہ تحریر کیجئے۔

= (وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الجنائز، القبر والدفن: ۲/۱۷۱، إدارة القرآن كراچی)

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۳، قديمي)

"قال في الفتح: ويكره الجلوس على القبر ووطؤه". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۴۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن، الخ: ۱/۱۶۶، رشيدية)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في الجنائز، ص: ۵۹۹، سهيل اكيڈمي لاهور)

"ويكره أن يوطأ على القبر يعني بالرجل، أو يقعد عليه، أو يقضي عليه حاجته". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، القبر والدفن: ۲/۱۷۱، إدارة القرآن كراچي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

گر قبرستان وقف ہو تو وہیں کو راستہ، سڑک بنانا درست نہیں (۱)، درختوں کو کاٹ کر بقیہ جگہ کو راستہ بنایا جو دے گا، اس میں مردے دفن نہیں کیے جائیں گے۔ یہ منشائے واقف کے خلاف ہے: "شرط الواقف کنص الشارع"۔ شامی (۲)۔ ہاں! اگر مردے لے جانے کے لئے راستہ نہیں تو راستہ بنایا جاوے تاکہ وہاں کو مردے لے جا سکیں، تو اس میں مضائقہ نہیں ہے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۳/۹۰ھ۔

قبرستان میں بیڑی پینا

سوال [۷۵۲۱]: ۱..... قبرستان میں بیڑی پینا کیسا ہے؟

قبرستان میں آگ جلا کر کھانا پکانا

سوال [۷۵۲۲]: ۲..... قبرستان میں آگ جلا کر کھانا پکانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... وہ عبرت کی جگہ ہے، بیڑی وغیرہ سے احتراز چاہیے (۴)۔

۲..... قبرستان کو مطبخ نہ بنانا چاہیے، بلکہ وہاں جا کر قرآن پاک پڑھ کر ایصال ثواب کریں اور میت کے لئے

---

(۱) "ولو وجد طریقاً فی المقبرة وهو یظن أنه طریق أحدثوه، لا یمشی فی ذلک، وإن لم یقع ذلک فی ضمیره، لا بأس بأن یمشی فیه". (فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلوة، باب أن النقل من بلد إلی بلد مکروه، الخ: ۱/۱۹۵، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الصلاة، الجنائز، القبر والدفن: ۲/۱۰۱، إدارة القرآن کراچی)

(۲) (رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب فی قولهم: شرط الواقف کنص الشارع: ۴/۴۳۳، سعید)

(وکذا فی الأشباه والنظائر، الفن الثانی، الفوائد، کتاب الوقف: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی تنقیح الفتاوی الحامدیة، کتاب الوقف، مطلب: شرط الواقف کنص الشارع: ۱/۱۲۴، مکتبه میمنیه)

(۳) "وفی شرح المشکاة: والوطء لحاجة کدفن المیت لایکره. وفی السراج: فإن لم یکن له طریق إلا علی القبر، جاز له المشی علیه للضرورة". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، فصل فی زیارة القبور، ص: ۶۲۰، قدیمی)

(۴) "عن سلیمان بن بریدة عن أبیه رضی الله تعالی عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم:

ور اپنے لئے دعا کریں اور سوچیں: ہمیں بھی قبر میں جانا ہے اس کے لئے تیاری کریں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱۱/۸۹ھ۔

قبرستان میں کبڈی وغیرہ کھیلنا

سوال [۷۵۲۳]: عام قبرستان جس کی کچی قبریں برابر ہوگئی ہوں، ان میں کبڈی، گیند، کرکٹ وغیرہ کھیلنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زمین مردے دفن کرنے کے لئے وقف ہو اس میں یہ سب کام منع ہیں، چاہے قبریں ظاہر ہوں یا برابر ہوگئی ہوں: "لأن شرط الواقف کنص الشارع" (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۴/۱۴۰۱ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

= "قد كنت نهيتكم عن زيارة القبور، فقد أذن لمحمد في زيارة قبر أمه، فزوروها، فإنها تذكر الآخرة".

(جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ما جاء في الرخصة في زيارة القبور: ۲۰۳/۱، سعيد)

(و) "وإذا أراد زيارة القبور، يستحب له أن يصلي في بيته ركعتين يقرأ في كل ركعة الفاتحة، وآية الكرسي مرة واحدة، والإخلاص ثلاث مرات، ويجعل ثوابها للميت، يبعث الله تعالى إلى الميت في قبره نوراً، ويكتب للمصلي ثواباً كثيراً، ثم لا يشتغل بما لا يعنيه في الطريق، فإذا بلغ المقبرة ... يقول: السلام عليكم يا أهل القبور! يغفر الله لنا ولكم، أنتم لنا سلف، ونحن بالأثر، كذا في الغرائب". (الفتاوى العالمكيرية، الباب السادس عشر في زيارة القبور وقراءة القرآن في المقابر: ۳۵۰/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، نوع في المسجد: ۳۵۸/۶، رشيديه)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في قولهم: شرط الواقف كنص الشارع: ۴۳۳/۴، سعيد)

"إن شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أي في وجوب العمل به وفي المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، الفن الثاني، الفوائد، كتاب الوقف: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف، شرط الواقف كنص الشارع: ۱۲۶/۱، مكتبه ميمنيه مصر)

باب مایتعلق بالمدارس

الفصل الأول فی تولیۃ المدارس ونظمہا

(مدارس کے نظم ونسق اور اہتمام کا بیان)

مدرسہ کا مہتمم مجلس شوریٰ کے مشوروں کا پابند ہے یا نہیں؟

سوال [۴۵۲۳]: ہمارے یہاں کئی سال ہوئے چند اہلِ خیر حضرات نے مسلم بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کے لئے مدرسہ قائم کرنے کا مشورہ کیا، اس پر متفق ہوکر کام شروع کرا دیا گیا۔ زمین حاصل کی گئی، چندہ جمع کیا گیا، نقشہ میونسپلٹی سے منظور کراکے تعمیر شروع کرادی گئی، اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی، مدرسہ بن گیا۔ اس کی ضروریات (دارالاقامہ، مطبخ وغیرہ بھی) کی اکثر تیار ہوگئیں۔ یہ سب کام مجلسِ انتظامیہ کے تحت ہوا۔ اور یہ طے پایا کہ مدرسہ کے لئے اساتذہ اور دیگر ملازمین کا تقرر وعزل ونصب اور ان کی تنخواہوں کا اور عہدوں کا تعین وغیرہ تمام چیزیں مجلسِ انتظامیہ کیا کرے گی۔ مجلسِ انتظامیہ میں اکثر اہلِ علم ہیں، بعض غیر عالم تعمیر وغیرہ کی دیکھ بھال کے لئے ہیں مگر سب اہلِ فہم واہلِ تدین ہیں۔ اساتذہ وملازمین کا تقرر ہوگیا، طلبہ داخل ہوئے اور تعلیم شروع ہوگئی۔

مدرسہ سے متعلق ایک مسجد بھی تعمیر کی گئی، مسجد کے لئے ایک امام صاحب کو رکھا گیا، ایک صاحب کو مدرسہ کا مہتمم تجویز کیا گیا، مہتمم صاحب کو تمام حسابات آمد وخرچ درست رکھنے کا ذمہ دار بنایا گیا۔ مجلسِ انتظامیہ کا یہ کام ہے (عامۃً تین ماہ گذرنے پر) حسابات کی جانچ کراتی رہی، اور مدرسہ کے لئے جائیداد خرید کر اوقاف کی ترغیب دے کر مدنی کی صورتیں بہم پہنچاتی رہی۔ مہتمم صاحب کی کوتاہیوں پر حسنِ ادب کے ساتھ توجہ دلاتی رہی، مگر مہتمم صاحب نے کوتاہیوں کی اصلاح نہیں فرمائی جس سے نقصان ہوا۔ بار بار توجہ دلانے پر مہتمم صاحب نے انبارِ تہ ہٹادیا اور فرمایا کہ میں مختارِ کل ہوں، آپ لوگوں کی حیثیت تو صرف مشیر کی ہے، میرا دل چاہے

کسی بات میں مشورہ کروں، نہ دل چاہے تو مشورہ نہ کروں اور پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ میں آپ کے مشورہ پرعمل کروں۔ اب بحث یہ شروع ہوئی کہ صاحبِ اختیار مہتمم صاحب ہیں کہ جس کو چاہیں ملازم رکھیں، جس کو چاہیں الگ کریں یا وہ مجلس انتظامیہ جس کو مشیر یا مجلس شوریٰ بھی کہا جاتا ہے۔

ادھر مسجد کے امام صاحب نے بھی فرمایا کہ امام پر نکتہ چینی کرنے کا کسی کو حق نہیں، نماز پڑھانے والا صرف ایک شخص ہوتا ہے جو کہ مصلے پر کھڑا ہوتا ہے، وہی امام ہے، بقیہ سب لوگ ارکانِ شوریٰ وغیرہ مقتدی ہیں، سب امام کی حرکت وسکون کے تابع ہیں، کسی کو اختلاف کرنے کا حق نہیں ہے، اگر امام نماز میں غلطی بھی کرتا ہے تو اس میں بھی امام کا اتباع لازم ہے، اگر امام میں کوتاہی ہو تو اس کو بھی برداشت کرنا ضروری ہے۔

مہتمم صاحب اور امام صاحب نے مل کر ایک مقالہ تیار کیا جس میں اپنا اپنا اقتدارِ اعلیٰ ثابت کیا ہے اور سب کو اپنا غیر ماتحت اور تابع قرار دیا، مقالہ طویل ہے، اس میں غیر دینی بکثرت عہدہ داروں کا تذکرہ بطور مثال دلیل کیا ہے، مثلاً: ملک کا ایک ہوتا ہے اور تمام حکام ضلع اس کے ماتحت اور تابع ہوتے ہیں، گورنر ایک ہوتا ہے، کمشنر ایک ہوتا ہے، وزیراعظم ایک ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

ان مثالوں کو بطور دلیل بیان کیا ہے، ان کے متعلق تو ہمیں کچھ نہیں پوچھنا، کیونکہ ظاہر ہے کہ یہ مثالیں شرعی مسائل کی بنیاد پر نہیں، نہ حکومت نے کبھی یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہماری حکومت شرعی حکومت ہے۔ بلکہ وہ تو بار بار اعلان کرچکی ہے کہ یہ لادینی حکومت ہے۔ جو شخص لادینی نظام پر دینی نظام کو قیاس کرنا چاہے ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ لغویت کیا ہوگی، اس کے جواب کی تو ضرورت نہیں، کیونکہ کوئی سمجھدار آدمی اس مغالطہ میں نہیں آئے گا۔ البتہ مقالہ کے بعض حصے جا بجا اس سے شبہ ہوتا ہے، ان کے متعلق دریافت کرتا ہے:

۱۔ گھر کا امیر باپ ہوتا ہے، اولاد سب تابع ہوتی ہے، اولاد کو یہ کہنے کا حق نہیں ہوتا کہ ہم کہتے ہیں، آپ ہمارے نوکر کی حیثیت سے رہیے، گھر کی خدمت انجام دیجیے اور جو کچھ ہم اس کے معاوضہ میں دیں، لے کر کھا لیا کیجیے۔

۲۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اہم امور میں حسب ارشادِ باری تعالیٰ، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مشورہ کیا، پھر جو کچھ شرح صدر ہوا اس پر عمل کیا، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رائے اور ان کی کثرتِ رائے کے پابند نہیں ہوئے۔

۳... اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے مشورہ کیا، آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے سلسلہ میں مگر ملائکہ کی رائے کے خلاف عمل کیا، اس سے معلوم ہوا کہ امیر مجلس شوریٰ کا پابند نہیں۔

۴... کیا امیر کی اطاعت ہر کام میں لازم ہے، جب کہ وہ معصیت نہ ہو؟

۵... کیا امیر کی کسی غلطی پر توجہ دلانا شرعاً حرام اور بغاوت ہے؟

۶... کیا امیر پر اعتراض کرنے والا اور اس کی رائے سے اختلاف کرنے والا واجب القتل یا مستحق قتل ہے؟ اسلاف میں اس کے کچھ نظائر ہوں تو پیش فرمادیں۔

۷... مہتمم صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ مہتمم کی حیثیت سلطانِ وقت کی ہے کہ اس کو پورے اختیارات حاصل ہیں، البتہ اس کے پاس فوج، پولیس، خزانہ نہیں ہے اس لئے وہ شرعی سزائیں نہیں دے سکتا، اس حد تک وہ سلطان معذور ہے۔

۸... کیا امامِ نماز... بھی ایسی ہی صاحب اقتدار ہے کہ مقتدی اس کی تمام غلطیوں میں اتباع کرنے پر مجبور ہیں۔

۹... اگر مقتدی امام صاحب کی غلطیوں کی وجہ سے ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے ناخوش ہوں تو ایسی حالت میں امام صاحب کا جبراً نماز پڑھانا اور کہنا کہ "مجھے کوئی الگ نہیں کرسکتا" کہاں تک درست ہے؟

۱۰... کیا کثرتِ رائے کسی حالت میں بھی معتبر نہیں اور کیا یہ یورپی طریقہ ہے کہ اس پر عمل کرنے سے گناہ ہوگا؟

۱۱... امام صاحب، مہتمم صاحب، ملازم صاحب کو کسی حالت میں برطرف بھی کیا جاسکتا ہے، یا وہ ہر حالت میں اپنے عہدوں پر تاحیات برقرار و تنخواہ دار رہیں گے؟

نـــوٹ: سوالات طویل ہوگئے ہیں مگر امید ہے ہماری مجبوری کو مدنظر رکھتے ہوئے مفصل، مدلل جوابات تحریر فرمائیں گے۔ ان اطراف میں مہتمم صاحب کے اس مقولہ سے بہت خلفشار ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔

الجواب واللہ الہادی الی الصواب:

حامداً ومصلیاً علی رسولہ الکریم:

محترمی! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

۱... باپ سے متعلق یہ خیال اور قول صحیح ہے کہ باپ کا درجہ بلند ہے، متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کا حکم فرماتے ہوئے والدین کے ساتھ احسان کا بھی حکم فرمایا ہے:

﴿وَقَضٰى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾(۱)۔ نیز حدیث شریف میں ہے:

"أنت ومالك لوالدك" اھ"۔ مشکوۃ شریف، ص: ۲۹۱(۲)۔

اور فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر ایک شخص نے ایک دوکان شروع کی، پھر اس کا بیٹا بھی اس میں کام کرنے لگا جس سے ترقی ہوئی، پھر باپ بوڑھا ہوگیا، کام کے قابل نہیں رہا تو بیٹا یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں دوکان کا مالک ہوں، یا اس میں شریک وحصہ دار ہوں، کیونکہ میری محنت سے ترقی ہوئی ہے، بلکہ وہ دوکان باپ کی ملکیت ہوگی اور بیٹا معاون شمار ہوگا(۳)۔ نیز یہ بھی فقہاء نے بیان کیا ہے کہ بیٹے کے لئے جائز نہیں کہ باپ سے ملازم کی طرح خدمت لے کہ یہ احترامِ والد کے خلاف ہے(۴)۔

لیکن اس سے مسئلہ مہتمم پر استدلال کرنا غلط اور مغالطہ ہے، کیونکہ باپ تو اصل ہوتا ہے اور اولاد اس

---

(۱) (سورۃ الإسراء: ۲۳)

(۲) والحدیث بتمامه: "عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده رضی الله تعالیٰ عنه أن رجلاً أتی إلی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فقال: إن لی مالاً وإن والدی یحتاج إلی مالی، قال: "أنت ومالك لوالدك، إن أولادکم من أطیب کسبکم، کلوا من کسب أولادکم". رواه أبوداود وابن ماجة". (مشکوۃ المصابیح، باب النفقات وحق المملوك، ص: ۲۹۱، قدیمی)

(۳) قال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: "الأب وابنه یکتسبان فی صنعة واحدة، ولم یکن لهما شیء، فالکسب کله للأب إن کان الابن فی عیاله، لکونه معیناً له، ألا تری لو غرس شجرة تکون للأب". (ردالمحتار، کتاب الشرکة، فصل فی الشرکة الفاسدة: ۳/۳۲۵، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الشرکة، الباب الرابع شرکة الوجوه والأعمال: ۲/۳۲۹، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاوی الکاملیة، کتاب الشرکة، ص: ۵۱، مکتبه حقانیه پشاور)

(۴) "ولا یجوز استئجار الرجل أباه لیخدمه، لأنه مأمور بتعظیم أبیه، وفی الاستخدام استخفاف به، فکان حراماً". (بدائع الصنائع، کتاب الإجارة: ۶/۵، دارالکتب العلمیة بیروت)

کے ذریعہ وجود میں آتی ہے، وہ اولاد کی پرورش کرتا ہے، تعلیم دیتا اور تربیت کرتا ہے۔ مدرسہ میں شوریٰ کا وجود ومنصب پہلے ہے، اس نے اہتمام کا منصب تجویز کیا اور مہتمم صاحب کو لاکر بٹھایا اور ان کے لئے تنخواہ تجویز کی، پس مہتمم مدرسہ اور شوریٰ کا حال باپ اور اولاد کے حال سے بالکل برعکس ہے۔

۲..... حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رسول اور مؤید بالوحی ہونے کے باوجود حکم خداوندی: ﴿وشاورهم في الأمر﴾ (۱) کے تحت اہم امور میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مشورہ بھی فرمایا اور ﴿فإذا عزمت فتوكل على الله﴾ (۲) کے تحت شرح صدر پر عمل بھی فرمایا۔

اور بعض مواقع میں جو اپنی رائے عالی کو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی دل جوئی کے پیش نظر ترک بھی فرمایا، غزوۂ احد کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رائے مدینہ طیبہ سے باہر جا کر جنگ کرنے کی نہیں تھی مگر شہادت کے شوقین صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رائے کو اختیار فرمایا (۳)۔ غزوۂ خندق کے موقع پر آپ کی رائے مصالحت کی تھی، مگر انصار کے دو قبیلوں کے سرداروں کی رائے نہیں ہوئی، آپ نے ان کی رائے کو قبول فرمالیا (۴)۔

---

(۱) (سورة آل عمران: ۱۵۹)

(۲) (سورة آل عمران: ۱۵۹)

(۳) "وكان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يكره الخروج، فقال رجال من المسلمين، ممن أكرم الله بالشهادة يوم أحد وغيره، ممن كان فاته بدر: يارسول الله! اخرج بنا إلى أعدائنا، لايرون أنا جبنّا عنهم وضعفنا؟ .... فلم يزل الناس برسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الذين كان من أمرهم حب لقاء القوم، حتى دخل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بيته، فلبس لأمته، وذلك يوم الجمعة حين فرغ من الصلوة .... ثم خرج عليهم". (السيرة النبوية لابن هشام، غزوة أحد، مشاورة الرسول القوم في الخروج أو البقاء: ۶۷/۳، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البداية والنهاية، غزوة أحد في شوال سنة ثلاث: ۱۲/۳، ۱۳، دار الفكر بيروت)

(وكذا في تاريخ الطبري، غزوة أحد: ۱۸۹/۲، مؤسسة الأعلمي بيروت لبنان)

(وكذا في سيرة ابن هشام: ۶۸/۳)

(وكذا في البداية والنهاية: ۱۳/۳، بيروت)

(۴) "فأراد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن يصالح غطفان على أن يعطيهم ثلث الثمرة، ويخذلوا =

"من قال: لا إله إلا الله" کے لئے جنت کی خوشخبری سنانے کے واسطے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نعلین شریفین دے کر بھیجا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کچھ اور ہوئی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی رائے عالی کو ترک فرمادیا(۱)۔ یہ سب واقعات کتب احادیث صحاح میں صاف صاف مذکور ہے۔

= من الناس وينصرفوا عنه، فأبت ذلك الأنصار، فترك ما كان أراد من ذلك". (الطبقات الكبرى لابن سعد، غزوة رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم الخندق وهي غزوة الأحزاب: ۲/۶۹، دار صادر، بيروت)

(وكذا في السيرة النبوية لابن هشام، غزوة الخندق، هم الرسول بعقد الصلح بينه وبين غطفان ثم عدل: ۳/۲۲۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في تاريخ الطبري، ذكر الخبر عن غزوة الخندق: ۲/۲۳۸، ۲۳۹، مؤسسة الأعلمي بيروت لبنان)

(وكذا في البداية والنهاية لابن كثير: ۴/۱۲۰، مكتبة الرياض الحديثة ودار الفكر بيروت)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: كنا قعوداً حول رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، معنا أبو بكر وعمر في نفر، فقام رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم من بين أظهرنا ... قال: فأتيت فاحتفزت كما يحتفز الثعلب وهؤلاء الناس ورائي، فقال: "يا أبا هريرة!" وأعطاني نعليه، فقال: "اذهب بنعلي هاتين، فمن لقيت من وراء هذا الحائط يشهد أن لا إله إلا الله مستيقناً بها قلبه، فبشره بالجنة". فكان أول من لقيت عمر، فقال: ما هاتان النعلان يا أبا هريرة؟ فقلت: هاتان نعلا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بعثني بهما: من لقيت يشهد أن لا إله إلا الله مستيقناً بها قلبه، بشرته بالجنة. قال: فضرب عمر بيده بين ثديي ضربة، فخررت لاستي، فقال: ارجع يا أبا هريرة. فرجعت إلى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، فأجهشت بكاءً، وركبني عمر، فإذا هو على أثري، فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "ما لك يا أبا هريرة؟" قلت: لقيت عمر، فأخبرته بالذي بعثتني به، فضرب بين ثديي ضربة خررت لاستي، قال: ارجع. فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "يا عمر! ما حملك على ما فعلت؟" قال: يا رسول الله! بأبي أنت وأمي! أبعثت أبا هريرة بنعليك من لقي يشهد أن لا إله إلا الله مستيقناً بها قلبه بشره بالجنة؟ قال: "نعم" قال: فلا تفعل، فإني أخشى أن يتكل الناس عليها، فخلهم يعملون. فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "فخلهم". الحديث. (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب الدليل على أن من مات على التوحيد دخل الجنة قطعاً: ۱/۴۴، قديمي) ....

ظاہر یہ ہے کہ ان مواقع پر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رائے پر شرح صدر اور عزم ہوگیا۔ نبی کا مقام اتنا بلند ہے کہ وہاں غلط چیز پر شرح صدر نہیں ہوسکتا، کیونکہ وحی الٰہی عاصم وحافظ ہے۔

لیکن مجلس شوریٰ اور مہتمم کو اس پر قیاس کرنا غلط در غلط ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو رفیع مقامات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیم وتزکیہ اور فیض صحبت کی بدولت حاصل ہوئے: ﴿یتلوا علیهم اٰیاته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة﴾(۱)۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو منصب رسالت نہیں دیا، بلکہ ﴿الله أعلم حیث یجعل رسالته﴾(۲)۔ پھر مہتمم کے منصب اہتمام کو جو کہ شوریٰ کا دیا ہوا ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منصب رسالت پر کیسے قیاس کیا جاسکتا ہے۔ أستغفر الله العظیم۔

۳..... "جماعت ملائکہ" کے لئے "مجلس شوریٰ" کا لقب بڑا عجیب لقب ہے اور آیت قرآنی: ﴿وإذ قال ربك للملٰئكة إني جاعل في الأرض خلیفة﴾(۳) کا مطلب "مشورہ طلب کرنا" عجیب در عجیب ہے، نہ یہاں شوریٰ ہے، نہ مشورہ ہے، اس سے یہ نکالنا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ملائکہ کی شوریٰ کا پابند نہیں اسی طرح مہتمم بھی مدرسہ کی شوریٰ کا پابند نہیں، بالکل بے محل ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر اپنا خلیفہ بھیجنے کے لئے ملائکہ سے اپنا ارادہ ظاہر فرمایا کہ جس طرح دیگر کائنات سے متعلقہ خدمات ملائکہ کے سپرد ہیں، اسی طرح خلیفہ سے متعلقہ خدمات بھی ان کے سپرد کی جائیں گی، ملائکہ کو تخلیق آدم -علیہ الصلوٰۃ والسلام- کی حکمت کا علم نہیں تھا، اس لئے انہوں نے اپنے منصب سے بڑھ کر بات کی جس پر ان کو جواب دیا گیا: ﴿قال إني أعلم مالا تعلمون﴾(۴)، پھر انہوں نے

=وکذا في إزالة الخفاء، الفصل الثالث في جنس آخر من مقامات الیقین: ۱۹۵/۲، ۱۹۶، سهیل اکیڈمي، لاهور

(۱) (سورة آل عمران: ۱۶۴)

(۲) (سورة الأنعام: ۱۲۴)

(۳) (سورة البقرة: ۳۰)

(۴) (سورة البقرة: ۳۰)

اعتراف قصور کیا (۱)۔

حق تعالیٰ خالق ہیں، ملائکہ مخلوق ہیں، خالق کا مخلوق سے مشورہ لینے کا کیا محل ہے؟ اللہ پاک کا علم ذاتی ہے (۲)، ملائکہ کا علم حصولی (اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا) ہے، پھر وہاں مشورہ کی کیا گنجائش ہے، ملائکہ کو خود اللہ تعالیٰ نے بنایا، اللہ تعالیٰ کو ملائکہ نے نہیں بنایا، کیا مدرسہ کے مہتمم اور شوریٰ کا بھی یہی حال ہے۔ نعوذ باللہ من شرور أنفسنا۔

۳…امیر (سلطان) کی اطاعت واجب ہے، جب کہ موافق شرع ہو، معصیت نہ ہو:

"أمر السلطان إنما ينفذ إذا وافق الشرع، وإلا فلا" الأشباه من القاعدة الخامسة، وفوائد شتى (۳)۔

"فلو أمر قضاته بتحليف الشهود، وجب على العلماء أن ينصحوه ويقولوا له: لا تكلف قضاتك إلى أمر يلزم منه سخطك أو سخط الخالق اهـ" درمختار، "وفي "ط" عن الحموي.

---

(۱) اسی لئے ملائکہ نے کہا: ﴿سبحانك لا علم لنا إلا ما علمتنا إنك أنت العليم الحكيم﴾ (سورة البقرة: ۳۲)

(۲) "والعلم: أي من الصفات الذاتية وهي صفة أزلية ... اهـ" (شرح الملا علي القاري على الفقه الأكبر، ص: ۱۶، حقانیہ پشاور)

"والعلم فإنه تعالى عالم بجميع الموجودات يعلم الجهر وما يخفى بعلمه الذي هو صفة أزلية". (شرح الإمام الماتريدي على الفقه الأكبر، ص: ۸، ۹، ۱۰، مجلس دائرة المعارف النظامية، حیدرآباد دکن)

"العلم وهي صفة أزلية". (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۴۱، میر محمد کتب خانہ کراچی)

"لم يزل عالماً بعلمه أي دائماً عالماً بعلمه القديم الأزلي والأبدي ... والعلم صفة في الأزل أي العلم الذي هو صفة له تعالى ثابت في الأزل كذاته تعالى". (أحسن الفوائد شرح الفقه الأكبر، ص: ۵۵، مكتبة شمس العلوم ژوب بلوچستان)

(۳) (الأشباه والنظائر، النوع الثاني، القاعدة الخامسة: تصرف الإمام على الرعية منوط بالمصلحة، تنبيه: (رقم القاعدة: ۴۰۰)، (۱/۳۳۱، ۳۳۲، إدارة القرآن كراچی)

إن صاحب البحر ذكر نقلاً عن أئمتنا أن طاعة الإمام في غير معصية واجبة، فلو أمر بصوم يوم وجب، اهـ". شامی: ۴/۴۴۳ (۱)۔

لیکن اُمرا اکثر کے نزدیک امام کی رائے میں ضرر ہو تو اکثر کی رائے کا اتباع کیا جائے گا:

"قال في الملتقى: وينبغي للإمام أن يعرض الجيش عند دخول دار الحرب فيعلم الفارس من الراجل. قال في شرحه: وأن يكتب أسماءهم لأن يؤثر عليهم من كان بصيراً بأمور الحرب وتدبيرها ولو من الموالي، وعليهم طاعته؛ لأن مخالفة الأمير حرام، إلا إذا اتفق الأكثر أنه ضرر، فيتبع اهـ". شامی: ۳/۲۳۴ (۲)۔

۵ ... نہ بغاوت ہے، نہ حرام ہے، بلکہ ضرر سے بچنے کے لئے خواہ ضرر دینی ہو یا اُخروی، امیر کو نصیحت کرنا علماء کے ذمہ واجب ہے، جیسا کہ نمبر ۴ میں گزرا ہے۔ "وجب على العلماء أن ينصحوه اهـ" (۳)۔

۷۲۶ ... "عن حذيفة رضي الله تعالى عنه قال: قلت: يا رسول الله! أيكون بعد هذا الخير شر كما كان قبله شر؟ قال: "نعم". قلت: فما العصمة؟ قال: "السيف". قلت: وهل بعد السيف بقية؟ قال: "نعم، تكون إمارة على أقذاء وهدنة على دخن". قلت: ثم ماذا؟ قال: "ثم ينشأ دعاة الضلال، فإن كان لله في الأرض خليفة جلد ظهرك وأخذ مالك فأطعه، وإلا فمت

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب القضاء: ۵/۴۲۲، سعيد)

"إذا كان فعل الإمام مبنياً على المصلحة فيما يتعلق بالأمور العامة، لم ينفذ أمره شرعاً إلا إذا وافقه، فإن خالفه لم ينفذ". (الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: ۱/۱۲۳، إدارة القرآن كراچی)

"لأن طاعة الإمام فيما ليس بمعصية فرض". (البحر الرائق، كتاب السير، باب البغاة: ۵/۲۳۶، رشيدية)

(۲) (رد المحتار، كتاب الجهاد، باب المغنم وقسمته، فصل في كيفية القسمة: ۴/۱۴۵، ۱۴۶، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب السير والجهاد، باب الغنائم وقسمتها: ۲/۴۴۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۳) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب القضاء: ۵/۴۲۲، سعيد)

ہوسکے تو ٹھیک دیا اور فرمایا:

"ثم تكلم أبو بكر، فحمد الله وأثنى عليه، ثم قال: أما بعد! أيها الناس! فإني قد وليت عليكم ولست بخيركم، فإن أحسنت فأعينوني، وإن أسأت فقوموني، اهـ". تاريخ الخلفاء، ص: ۵۸ (۱)۔

"فإذا رأيتموني استقمت فاتبعوني، وإذا رأيتموني زغت فقوموني، اهـ". تاريخ الخلفاء، ص: ۶۰ (۲)۔

یعنی: "اگر میں سیدھا سیدھا چلوں تو میری اتباع کرو اور میری اعانت کرو، اگر میں کج روی اختیار کروں تو اس میں میری اتباع مت کرو، بلکہ مجھے بھی سیدھا کردو"۔

اسی ارشاد سے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے نتیجہ نکالا:

"قال مالك: لا يكون أحد إماماً أبداً إلا على هذا الشرط، اهـ".

تاريخ الخلفاء، ص: ۶۰ (۳)۔

"کوئی شخص کبھی بھی امام نہیں بن سکتا مگر اسی شرط کے ساتھ" (جو خلیفۂ اول نے بیان فرمائی)۔

۲- خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"لا تزيدوا في مهور النساء على أربعين أوقية، فمن زاد ألقيت الزيادة في بيت المال. فقالت امرأة: ما ذاك لك. قال: ولم؟ قالت: لأن الله يقول: ﴿وآتيتم إحداهن قنطاراً﴾ فقال عمر رضي الله تعالى عنه: امرأة أصابت ورجل أخطأ، اهـ". مرقاة المفاتيح: ۴۴۷/۳ (۴)۔

(۱) (تاريخ الخلفاء للسيوطي، ذكر أبي بكر، فصل في مبايعته، ص: ۵۸، نور محمد كتب خانه كراچي)

(۲) (تاريخ الخلفاء للسيوطي، فصل في مبايعته، ص: ۶۰، نور محمد كتب خانه كراچي)

(۳) (تاريخ الخلفاء، المصدر السابق)

(۴) (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب الصداق، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۳۲۰۴): ۳۵۹/۶، ۳۶۰، رشيديه)

ایک عورت نے امیر المؤمنین کی رائے سے اختلاف کیا، اس کی قدر فرمائی، عتاب نہیں فرمایا۔

۳– "عن أبي وائل قال: جلست مع شيبة على الكرسي في الكعبة، فقال: لقد جلس هذا المجلس عمر فقال: لقد هممت أن لا أدع فيها صفراء ولا بيضاء إلا قسمته، قلت: إن صاحبيك لم يفعلا، قال: هما المرءان أقتدي بهما". بخاري شريف، باب كسوة الكعبة، ص: ۲۱۶"(۱)۔

یہاں بھی کوئی عتاب نہیں فرمایا، بلکہ اپنی رائے کو ترک فرمادیا۔

۴– "وفيه روي أن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه كان يعس بالمدينة ليلاً، فسمع صوت رجل في بيت يتغنى، فتسور عليه فوجد رجلاً عنده امرأة وخمر، فقال: يا عدو الله! أظننت أن الله يسترك وأنت على معصية؟ فقال: وأنت يا أمير المؤمنين! فلا تعجل علي، أن أك عصيت الله في واحدة فأنت عصيت في ثلاث: قال الله تعالى: ﴿ولا تجسسوا﴾ وقد تجسست، وقال: ﴿وأتوا البيوت من أبوابها﴾ وقد تسورت علي، وقال الله تعالى: ﴿لا تدخلوا بيوتاً غير بيوتكم حتى تستأنسوا وتسلموا على أهلها﴾ وقد دخلت بيتي بغير إذن ولا سلام. فقال عمر: فهل عندك من خير إن عفوت عنك؟ قال: نعم يا أمير المؤمنين لئن عفوت عني لا أعود لمثلها أبداً، فعفا عنه". إزالة الخفاء: ۲/۷۳"(۲)۔

دیکھئے! یہاں نہ صرف اختلاف ہے، بلکہ سخت تنقید کی، لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سزا نہیں دی۔

خلیفہ ہونے کے بعد خطبہ دیا، اس خطبہ میں فرمایا:

"وروي أنه قال يوماً على المنبر: يا معاشر المسلمين! ماذا تقولون لو

---

(۱) (صحيح البخاري، كتاب المناسك، باب كسوة الكعبة: ۱/۲۱۷، قديمي)

(۲) (إزالة الخفاء، مطلب حكايات گشت حضرت ايشان: ۲/۷۰، ۶۹، سهيل اكيڈمي لاهور)

"ثم أرسل إلى ابن الزبير رضي الله تعالى عنه، فقال: يا ابن الزبير! إنما أنت ثعلب رواغ، كلما خرج من جحر دخل في آخر، وإنك عمدت إلى هذين الرجلين، فنفخت في مناخرهما وحملتهما على غير رأيهما. فقال ابن الزبير: إن كنت قد مللت الإمارة فاعتزلها، وهلم ابنك فلنبايعه، أرأيت إذا بايعنا ابنك معك، لأيكما نسمع ونطيع؟ لا تجتمع البيعة لكما أبداً اهـ". تاريخ الخلفاء، ص: ۱۵۴، ۱۵۵ (۱)۔

غور کیجیے اور جاریہ بن قدامہ کا مکالمہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کتنا سخت ہے، اس کو بھی دیکھیے:

"إن قوائم السيوف التي لقيناك بها بصفين في أيدينا، فقال (معاوية رضي الله تعالى عنه): إذاً تهددني؟ قال: إنك لم تملكنا قسرة، ولم تفتحنا عنوة، ولكن أعطيتنا عهوداً ومواثيق، فإن وفيت لنا وفينا، وإن ترغب إلى غير ذلك فقد تركنا وراءنا رجالاً مداداً وأذرعاً شداداً وأسنة حداداً، فإن بسطت إلينا فتراً من غدر، زلفنا إليك بباع من ختر. قال معاوية: لا أكثر الله في الناس أمثالك اهـ". تاريخ الخلفاء، ص: ۱۵۳ (۲)۔

یزید الناقص ابو خالد بن الولید نے جو خطبہ دیا اس میں صاف صاف اعلان کیا:

"فإن أردتم بيعتي على الذي بذلت لكم فأنا لكم، وإن ملت فلا بيعة لي عليكم، وإن رأيتم أحداً أقوى مني عليها، فأردتم بيعته، فأنا أول من يبايعه، ويدخل في طاعته، وأستغفر الله لي ولكم اهـ". تاريخ

(۱) (تاريخ الخلفاء للسيوطي، فصل: معاوية بن أبي سفيان، ص: ۱۵۰ - ۱۵۵، مير محمد كتب خانه، كراچي)

(۲) (تاريخ الخلفاء للسيوطي، معاوية بن أبي سفيان، فصل في نبذ من أخباره، ص: ۱۵۳، مير محمد كتب خانه، كراچي)

الخلفاء للسیوطی، ص: ۱۹۱(۱)۔

دیکھیے! ان اکابر اسلاف کے پاس فوج اور پولیس بھی تھی، بیت المال کا خزانہ بھی تھا مگر اپنے سے اختلاف کرنے والوں اور اعتراض کرنے والوں کو قتل نہیں کیا، نہ قید کیا، بلکہ غایت تحمل سے کام لیا اور عام کیدی اعلانات کیے کہ ہم سے جو کوئی کوتاہی ہو جائے وہ بلا خوف ہمارے سامنے پیش کردو، تاکہ ہم اس کی اصلاح کریں۔ اگر اختلاف کرنے والے کو قتل کرنا واجب ہوتا تو یہ حضرات قدرت کے باوجود ترکِ واجب کا گناہ اپنے سر نہ لیتے۔

۸... امام کا مقام بہت بلند ہے، اس کو حق جل شانہ کی بارگاہ میں اپنا نمائندہ بنا کر نماز ادا کی جاتی ہے(۲) وہ اعلیٰ صفات کے ساتھ متصف ہونا چاہیے، احکامِ نماز کا وہاں سب سے زیادہ عالم ہو قرآن کریم تجوید کے ساتھ صحیح پڑھتا ہو، سب سے زیادہ متقی ہو، وغیرہ وغیرہ۔

"الأحق بالإمامة تقديماً بل نصباً الأعلم بأحكام الصلوة بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة، ثم الأحسن تلاوة وتجويداً للقراءة، ثم الأورع: أي الأكثر اتقاءً للشبهات، اهـ". در مختار على هامش رد المحتار: ۱/۳۷۴(۳)۔

---

(۱) (تاريخ الخلفاء، ذكر يزيد الناقص أبو خالد بن الوليد، ص: ۱۹۳، مير محمد كتب خانه، كراچی)

(۲) "فإن الإمام من يؤتم به في أمور الدين من طريق النبوة، وكذلك سائر الأنبياء أئمة عليهم السلام، لما ألزم الله تعالىٰ الناس من اتباعهم، والائتمام بهم في أمور دينهم، فالخلفاء أئمة؛ لأنهم رتبوا في المحل الذي يلزم الناس اتباعهم وقبول قولهم وأحكامهم، والقضاة والفقهاء أئمة أيضاً. ولهذا المعنى الذي يصلي بالناس يسمّى إماماً؛ لأن من دخل في صلاته لزمه الاتباع له والائتمام به".

وقال المصنف رحمه الله تعالىٰ بعد أسطر: "فإذا ثبت أن اسم الإمامة يتناول ما ذكرناه، ثم العلماء والقضاة العدول ومن ألزم الله تعالىٰ الاقتداء بهم، ثم الإمامة في الصلوة ونحوها". (أحكام القرآن للجصاص: ۱/۹۷، ۹۸، قديمی)

(۳) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الخامس في الإمامة، فصل في بيان من هو أحق بالإمامة: ۱/۸۳، رشيدية) =

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ امام نے بھول کر غلطی کی تو مقتدی کو اس غلطی میں بھی اتباع لازم ہوتا ہے، تا کہ امام کی مخالفت فعلاً لازم نہ آئے، مثلاً: قنوت، تکبیراتِ عید، قعدۂ اولیٰ، سجدۂ سہو، سجدۂ تلاوت، اگر امام ترک کردے تو مقتدی بھی اتباعِ امام میں ترک کردے، امام کی مخالفت نہ کرے:

"تجب متابعة الإمام في الواجبات فعلاً، وكذا تركاً إن لزم من فعله مخالفة الإمام في الفعل كتركه القنوت أو تكبيرات العيد أو القعدة الأولى أو سجود السهو والتلاوة، فيتركه المؤتم أيضاً، اهـ". شامی: ۱/۳۶۶(۱)۔

لیکن ہر غلطی کا یہ حکم نہیں، جو امور بدعت ہوں یا منسوخ ہوں، یا نماز سے ان کا تعلق نہ ہو ان میں امام کا اتباع نہیں کیا جائے گا، مثلاً: ایک سجدہ زائد کرے، یا تکبیراتِ عید میں اقوالِ صحابہ پر زیادتی کرے، یا نمازِ جنازہ میں چار سے زائد تکبیر کہے، یا پانچویں رکعت کے لئے بھول کر کھڑا ہو جائے تو ان صورتوں میں امام کا اتباع نہیں کیا جائے گا:

"وأنه ليس له أن يتابعه في البدعة والمنسوخ وما لا تعلق له بالصلوة، فلا يتابعه لو زاد سجدةً، أو زاد على أقوال الصحابة في تكبيرات العيدين، أو على أربع في تكبير الجنازة، أو قام إلى الخامسة ساهياً، اهـ". شامی: ۱/۳۶۶(۲)۔

سنن میں فعلاً امام کا اتباع واجب نہیں، مثلاً: امام تکبیرِ تحریمہ کے لئے رفع یدین نہ کرے، یا ثناء نہ پڑھے، یا رکوع وسجود کے لئے تکبیر نہ کہے، یا سبحان ربي العظيم اور سبحان ربي الأعلى نہ پڑھے، یا سمع الله لمن حمده نہ کہے تو ان امور میں امام کا اتباع واجب نہیں:

قال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "وأنه لا تجب المتابعة في السنن فعلاً وكذا تركاً،

= (وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان من هو أحق بالإمامة: ۱/۳۹۹، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۱) (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، مطلب مهم في تحقيق متابعة الإمام: ۱/۴۷۰، سعيد)

(۲) (رد المحتار، المصدر السابق)

فلا يتابعه في ترك رفع اليدين في التحريمة والثناء وتكبير الركوع والسجود والتسبيح فيهما والتسميع، اهـ". شامی: ۱/۳۱٦(۱)۔

اگر امام کسی واجب قولی کو ترک کردے جس کے کرنے سے واجب فعلی میں مخالفت لازم نہ آتی ہو، مثلاً: تشہد، سلام، تکبیر تشریق کو ترک کردے تو اس میں امام کا اتباع نہیں کیا جائے گا:

"وكذا لايتابعه في ترك الواجب القولي الذي لايلزم من فعله المخالفة في واجب فعلي كالتشهد والسلام وتكبير التشريق، اهـ". شامی: ۱/۳۱٦(۲)۔

ہر فرض میں اتباع امام کو کلیتاً فرض کہنا بھی صحیح نہیں:

"وكون المتابعة فرضاً في الفرض لايصح على الإطلاق، لما صرحوا به من أن المسبوق لوقام قبل قعود الإمام قدر التشهد في الصلوة، تصح صلوته إن قرأ ماتجوز به الصلوة بعد قعود الإمام قدر التشهد، وإلا لا، مع أنه لم يتابع في القعدة الأخيرة، فلو كانت المتابعة فرضاً في الفرض مطلقاً، لبطلت صلوته، اهـ". شامی: ۱/۳۱٦(۳)۔

۹...... جس شخص کی امامت کو قوم ناپسند کرے اس لئے کہ اس میں خرابی ہے، یا اس سے زائد لائق امامت دوسرے آدمی موجود ہیں، پھر وہ شخص جبراً امام بن کر نماز پڑھائے تو اس کے لئے ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے، اس کی نماز مقبول نہیں:

"ولو أم قوماً وهم له كارهون، إن الكراهة لفساد فيه، أو لأنهم أحق بالإمامة منه، كره له ذلك تحريماً، لحديث أبي داؤد: "لا يقبل الله صلوة من تقدم قوماً وهم له كارهون، اهـ". در مختار: ۱/۳۷٦(٤)۔

---

(۱) (ردالمحتار على الدرالمختار، باب صفة الصلوة، مطلب: مهمّ في تحقيق متابعة الإمام: ۱/۴۷۰، سعيد)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، مطلب: مهمّ في تحقيق متابعة الإمام: ۱/۴۷۰، سعيد)

(۳) (ردالمحتار، المصدر المتقدم: ۱/۴۷۱، سعيد)

(۴) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، سعيد)

(والحديث رواه أبوداؤد في سننه في باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون: ۱/۹۵، إمداديه ملتان)

قدرِ سنت سے قرأت وأذکار کو طویل کرنا جو کہ قوم پر بار ہو مکروہ تحریمی ہے: "ویکرہ تحریماً تطویل الصلوۃ علی القوم زائداً علی قدر السنۃ فی قراءۃ وأذکار ہ اھ" : ۱/۳۷۹(۱)۔

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عشاء کی نماز میں قرأت طویل کی، ایک مقتدی نے نماز توڑ دی، معاملہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو امام صاحب ہی کو تنبیہ فرمائی۔

"فأقبل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی معاذ فقال: "یامعاذ! أفتان أنت، اقرأ ﴿والشمس وضحاھا﴾، ﴿والضحی واللیل إذا یغشی﴾، ﴿سبح اسم ربک الأعلی﴾". متفق علیہ، الخ". مشکوۃ شریف، ص: ۷۹(۲)۔

یہاں سے قرأت مسنونہ کا اندازہ ہوا۔

ایک شخص نے حاضرِ خدمت ہو کر شکایت کی کہ فلاں شخص صبح کی نماز طویل پڑھاتا ہے جس کی وجہ سے میں شریک نماز نہیں ہوتا، یہ شکایت سن کر امام پر بہت شدید عتاب فرمایا:

"عن قیس بن حازم قال: أخبرنی أبو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رجلاً قال: واللہ یارسول اللہ! إنی لأتأخر عن صلوۃ الغداۃ من أجل فلان مما یطیل بنا، فما رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی موعظۃ أشد غضباً منہ یومئذ، ثم قال: "إن منکم منفرین، فأیکم ما صلی بالناس، فلیتجوز، فإن فیہم الضعیف والکبیر وذا الحاجۃ". متفق علیہ".

---

(۱) (رد المحتار، کتاب الصلوۃ، باب الإمامۃ: ۱/۵۶۴، سعید)

(۲) الحدیث بتمامہ: "عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کان معاذ بن جبل یصلی مع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ثم یأتی، فیؤم قومہ. فصلی لیلۃً مع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم العشاء، ثم أتی قومہ، فأمہم، فافتتح بسورۃ البقرۃ، فانحرف رجل، فسلم، ثم صلی وحدہ، وانصرف، فقالوا: أنافقت یا فلان؟! قال: لا واللہ ولآتین رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فلأخبرنہ، فأتی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال: یارسول اللہ! إنا أصحاب نواضح نعمل بالنہار، وإن معاذاً صلی معک العشاء، ثم أتی قومہ فافتتح بسورۃ البقرۃ، فأقبل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی معاذ فقال: "یامعاذ! أفتان أنت؟ اقرأ: ﴿والشمس وضحٰہا﴾ ﴿والضحی واللیل إذا یغشی﴾ ﴿وسبح اسم ربک الأعلی﴾". متفق علیہ". (مشکوۃ المصابیح، کتاب الصلوۃ، باب القراءۃ فی الصلوۃ، ص: ۷۹، قدیمی)

مشکوٰۃ شریف: ۱/۱۰۰-۱۰۱(۱)۔

تمام عادل صفات کے باوجود اگر امام سے نماز میں غلطی ہو جائے خواہ سہواً ہی ہو، اس سے کلیۃً صرفِ نظر نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس کو متنبہ کیا جائے گا، اگر قرأت میں غلطی ہو جائے تو نماز کو فساد سے بچانے کے لئے لقمہ دیا جائے گا، غلطی فاحش ہو جانے کی صورت میں اعادۂ نماز کا حکم ہوگا۔ اگر صلوٰۃ رباعی میں تیسری رکعت پڑھ کر بیٹھنے لگے تو اس کو بتلا دیا جائے گا کہ کھڑا ہو جائے، اگر چوتھی پڑھ کر کھڑا ہونے لگے تو اس کو بٹھایا جائے گا، اگر وہ نہ بیٹھے تو اس کا اتباع نہیں کیا جائے گا(۲)۔

اگر امام سے سہواً کوئی واجب ترک ہو جائے تو سجدۂ سہو سے مکافات کی جائے گی، اگر نماز میں واجب کا ترک جان بوجھ کر کیا، یا قصداً سجدۂ سہو نہ کیا، یا عمداً واجب کو ترک کیا تو اعادۂ نماز کا حکم ہوگا(۳)۔ غرض اصلاحِ نماز کی کوشش میں امام کے بلند درجات حائل و مانع نہیں۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھول ہوگئی تو مطلع ہونے پر مکافات فرمائی، نیز ارشاد فرمایا:

"إنما أنا بشر مثلكم أنسى كما تنسون، فإذا نسيت فذكروني". متفق عليه.

مشکوٰۃ، ص: ۹۲(۴)۔

یہ بھی حکم فرمایا کہ میرے قریب اہلِ عقل و فہم حضرات ہوا کریں، تاکہ اگر کوئی بات پیش آجائے تو نماز کو فساد سے بچانے میں سہولت رہے۔

"ليليني منكم أولو الأحلام والنهى" الخ. شامی: ۱/۳۸٤(۵)۔

---

(۱) (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الصلوٰۃ، باب الإمامة، ص: ۱۰۱، قدیمی)

(۲) "وأنه ليس له أن يتابعه في البدعة والمنسوخ وما لا تعلق له بالصلوٰة، فلا يتابعه لو زاد سجدة، أو قام إلى الخامسة ساهياً". (رد المحتار، کتاب الصلوٰة، مطلب مهم في تحقيق متابعة الإمام: ۱/۴۷۰، سعید)

(۳) "ولها واجبات لا تفسد بتركها وتعاد وجوباً في العمد والسهو إن لم يسجد له، وإن لم يعدها يكون فاسقاً آثماً". (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلوٰة، باب شروط الصلوٰة: ۱/۴۵۶، سعید)

(۴) (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الصلوٰة، باب السهو في الصلوٰة، ص: ۹۲، قدیمی)

(۵) (رد المحتار، کتاب الصلوٰة، باب الإمامة، مطلب في الكلام على الصف الأول: ۱/۵۶۸، سعید) —

مسلمانوں میں دینی انحطاط بڑھتا جارہا ہے، امامت کے اوصاف بھی کم ہوتے جارہے ہیں۔ ایک مسئلہ بیان کرتے ہوئے فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھنا پڑا: "الجہل فی القراء غالب الخ"۔ (شامی: ۱/۳۰۵)(۱)۔

امامت کو بہت سے حضرات نے پیشۂ معاش بنالیا ہے، متولی صاحبان بھی ان سے تاجروں کی طرح معاملہ کرتے ہیں، جو امام کم نرخ کا ملتا ہے اس کو رکھتے ہیں۔ مختلف علاقوں میں اماموں کی ذمہ داریاں بھی عجیب عجیب دیکھنے میں آتی ہیں اور ان کی آمدنی کے شعبے بھی عجیب عجیب ہیں۔

ایک امام صاحب سے ملاقات کے لئے جانا ہوا، ان کے حجرے میں پانی کے متعدد گھڑے رکھے ہوئے تھے، دریافت کرنے پر بتایا کہ محلہ کی مستورات جب ایام ماہواری سے فارغ ہوتی ہیں تو وہ پانی کا گھڑا امام صاحب کے پاس بھیجتی ہیں، امام صاحب چند مخصوص آیتیں اور سورتیں پڑھ کر اس پر دم کرتے ہیں، اس پانی سے مستورات غسل کرتی ہیں تب پاک ہوتی ہیں، ہر گھڑے پر دم کرنے کا معاوضہ بھی ہوتا ہے۔ اگر امام صاحب سفر میں گئے ہوں تو جب تک وہ واپس آکر پانی پر دم نہ کریں تو وہ پانی غسل کے لئے کارآمد نہ ہوگا، وہ ماء طہور نہ بنے گا، امام صاحب کے دم کرنے سے اس میں طہوریت کی صفت آئے گی۔ اس دم کرنے میں امام صاحب کسی کو اپنا نائب بھی نہیں بناتے، اس لئے مستورات کئی کئی روز بلا غسل اور بلا نماز رہتی ہیں۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

اہل محلہ کی میت کو غسل دینا، اس کی نماز پڑھانا، اس کو قبر میں رکھنا، پھر سوئم، چہلم وغیرہ یہ سب چیزیں امام صاحب ہی کے متعلق رہتی ہیں، اور ان میں ہر کام کا معاوضہ بھی ہوتا ہے۔ مرغی، بکری وغیرہ ذبح کی جائے تو وہ بھی امام صاحب ہی ذبح کریں گے اور اس کا معاوضہ لیں گے۔ عید الاضحیٰ میں چرم قربانی اور عید الفطر میں صدقۃ الفطر بھی امام صاحب کا حق سمجھا جاتا ہے۔

---

* عن أبي مسعود الأنصاري رضي الله تعالى عنه قال: كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يمسح مناكبنا في الصلوة ويقول: "استووا، ولا تختلفوا، فتختلف قلوبكم، ليليني منكم أولو الأحلام والنهى، ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب تسوية الصفوف، ص: ۹۸، قديمي)

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۹۹، سعيد)

فاسق کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے

"وأما الفاسق، فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانته شرعاً، ولا يخفى أنه إذا كان أعلم من غيره لاتزول العلة، فإنه لا يؤمن عليه أن يصلي بهم بغير طهارة، فهو كالمبتدع تكره إمامته بكل حال، بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لما ذكرنا. قال: ولذا لم تجز الصلوة خلفه أصلاً عند مالك ورواية عن أحمد" اهـ". شامي: ۱/۳۷۶(۱)۔

اگر کوئی غیر متقی، بے عمل، فاسق امام مسلط ہو جس کو الگ کرنے پر قدرت نہ ہو تو مجبوراً اس کے پیچھے نماز ادا کر لی جائے، تا کہ جماعت ترک نہ ہو۔

في حديث أبي هريرة رضي الله تعالى عنه: "والصلوة واجبة عليكم خلف كل مسلم، برا كان أو فاجراً، وإن عمل الكبائر" اهـ" مشكوة شريف، ص: ۱۰۰(۲)۔

بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حجاج کے پیچھے ایسی ہی مجبوری میں نماز پڑھی ہے(۳)۔

• اگر مجلس شوریٰ میں امام اور مجمع کے انتخاب یا عزل کا مسئلہ پیش ہو اور اس میں اختلاف رائے ہو تو شرعی دلائل سے ترجیح دی جائے، اگر دلائل مساوی ہوں تو قرعہ اندازی کر لی جائے، یا اہل تقویٰ کی کثرت رائے

---

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماماً لغيره: ۱/۸۴، ۸۵، رشيدية)

(۲) (والحديث بتمامه: "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "الجهاد واجب عليكم مع كل أمير براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر، والصلوة واجبة عليكم خلف كل مسلم، براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر، والصلوة واجبة على كل مسلم، براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر". رواه أبو داود". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب الإمامة، ص: ۱۰۰، قديمي)

(۳) "(قوله: ولا يجب الخروج عليه) لأن فساد الخروج أكثر من ظلمه وفسقه ... ونظيره في إمامته أعني عن الفتن، وقد صبر الصحابة في إمامة بني أمية وزمن يزيد والحجاج ولم يخرجوا عنه بالعزل". (تقريرات الرافعي، باب الإمامة: ۲/۶۸، سعيد)

کو ترجیح دی جائے، بے علم اور بے عمل عوام کی کثرتِ رائے معتبر نہیں:

"فإن استووا يُقرع بين المستويين، أو الخيار إلى القوم، فإن اختلفوا اعتُبر أكثرهم، وإن قدّموا غير الأولى، أساءوا بلا إثم". درمختار: ۱/۳۷۵(۱)۔

"فإن اختلفوا فالعبرة بما اختاره الأكثر، اهـ". "قال في شرح المشكوة: لعله محمولٌ على الأكثر من العلماء، إذا وجدوا، وإلا فلا عبرة لكثرة الجاهلين، قال الله تعالى: ﴿ولكن أكثرهم لايعلمون﴾، اهـ". طحطاوی، ص: ۲۰۳(۲)۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت کے لئے چند حضرات میں سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اکثریت کی رائے کے پیشِ نظر انتخاب کیا جس سے پھر سب ہی نے اتفاق کرلیا(۳)، شروحِ بخاری: فتح الباری(۴)، عمدۃ القاری وغیرہ میں تفصیل مذکور ہے(۵)۔

---

(۱) (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۸، ۵۵۹، سعيد)

(۲) (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۲۳۳، دارالمعرفة، بيروت)

(ومرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب الإمامة، (رقم الحديث: ۱۱۲۳): ۳/۱۹۹، رشيديه)

(۳) "وأنه دار تلك الليالي كلها على الصحابة ومن وافى المدينة من أشراف الناس، لايخلو برجل منهم إلا أمره بعثمان". (فتح الباري شرح صحيح البخاري، كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، باب قصة البيعة، والاتفاق على عثمان بن عفان رضي الله تعالىٰ عنه: ۷/۸۶، قديمي)

"وأيضاً: "قال (عبدالرحمن): ارفع يدك ياعثمان، فبايعه، فبايع له عليٌّ، وولج أهل الدار فبايعوه". (فتح الباري، المصدر السابق: ۷/۷۶، قديمي)

(۴) "عن الزهري أن حميد بن عبدالرحمن أخبره أن المسور بن مخرمة أخبره أن الرهط الذين ولاهم عمر -رضي الله تعالىٰ عنه- اجتمعوا فتشاوروا، فقال لهم عبدالرحمن: لستُ بالذي أُنافسكم على هذا الأمر، ولكنكم إن شئتم اخترتُ لكم منكم، فجعلوا ذلك إلى عبدالرحمن، فلما وَلَّوا عبدالرحمن أمرهم، فمال الناس على عبدالرحمن حتى ما أرى أحداً من الناس يتبع أولئك الرهط ولايطأ عقبه، ومال الناس إلى عبدالرحمن يشاورونه تلك الليالي، حتى إذا كانت الليلة التي أصبحنا منها فبايعنا عثمان قال المسور: طرقني عبدالرحمن بعد هجع من الليل، فضرب الباب حتى استيقظتُ، فقال: أراك نائماً، فوالله! ما اكتحلتُ هذه الثلاث بكثير نوم، انطلق فادْعُ الزبير وسعداً فدعوتُهما له فشاورهما =

عقود رسم المفتی (۱) میں اس کی تصریح کی ہے، حدود کے اندر رہتے ہوئے اس پر عمل کرنا گناہ نہیں، اور "للاکثر حکم الکل" تو ایسا مشہور ہے کہ فقہاء نے جگہ جگہ اس سے استدلال کیا ہے۔

۱۱...حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ صوبہ کوفہ کے گورنر تھے، عشرۂ مبشرہ میں سے تھے، بہت قدیم الاسلام تھے، مستجاب الدعوات تھے، جنہوں نے نماز براہ راست حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سیکھی تھی، جنہوں نے کسریٰ کو شکست دی، ملک فارس کو فتح کیا۔ ان کی شکایت کی گئی، جس میں تھا کہ یہ نماز ٹھیک نہیں پڑھاتے: "انہ لایحسن یصلی"۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود ان سے نماز کی کیفیت کو دریافت کیا اور سن کر فرمایا کہ میرا بھی یہی خیال ہے کہ تم اس طرح پڑھاتے ہوں گے (یعنی شکایت غلط ہے)

پھر آدمی کوفہ بھیج کر تحقیق کی تو سب نے ان کی تعریف کی، مگر ایک شخص نے شکایت کی۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعا کی: یا اللہ! اگر یہ شخص جھوٹا ہے تو اس کے ساتھ ایسا ایسا ہو، چنانچہ اس کا بہت برا حال ہوا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شکایت غلط ہونے پر بھی حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معزول فرمادیا اور ان کی جگہ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو متعین فرمادیا۔ بخاری شریف، ص: ۱۰۴ میں یہ واقعہ مذکور ہے (۲)۔

= تعلق بآداب المفتی: ۱/۳، مكتبه میمنية، مصر)

(۱) "وإذا لم يوجد في الحادثة منهم جواب ظاهر وتكلم فيه المشايخ المتأخرون قولاً واحداً، يؤخذ به. فإن اختلفوا، يؤخذ بقول الأكثرين مما اعتمد عليه الكبار المعروفين". (شرح عقود رسم المفتی، ص: ۲۹-۳۲، دار الإشاعت، كراچی)

(۲) "عن جابر بن سمرة رضي الله تعالى عنه قال: شكى أهل الكوفة سعداً إلى عمر رضي الله تعالى عنه، فعزله واستعمل عليهم عماراً، فشكوا حتى ذكروا أنه لا يحسن يصلي، فأرسل إليه، فقال: يا أبا إسحاق! إن هؤلاء يزعمون أنك لاتحسن تصلي. قال: أما أنا والله! فإني كنت أصلي بهم صلاة رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ما أخرم عنها، أصلي صلاة العشاء فأركد في الأوليين وأخف في الأخريين، قال: ذاك الظن بك يا أبا إسحاق. فأرسل معه رجلاً أو رجالاً إلى الكوفة يسأل عنه أهل الكوفة، ولم يدع مسجداً إلا سأل عنه ويثنون عليه معروفاً، حتى دخل مسجداً لبني عبس، فقام رجل منهم يقال له: =

جب کہ باہم طے کیا گیا کہ عزل ونصب مجلسِ انتظامیہ کے اختیار میں ہے تو جس طرح مجلسِ انتظامیہ نے امام صاحب، مہتمم صاحب، مدرس صاحب، ملازم صاحب کو عہدہ دیا، ان کے لئے تنخواہ مقرر کی، کام سپرد کیا، اسی طرح مجلسِ انتظامیہ کو عہدہ واپس لینے اور معزول کردینے کا بھی حق ہے، مگر اس میں نفسانیت نہ ہو، للّٰہیت ہو، ان کی خدمات اور وقار کا لحاظ رکھا جائے، تذلیل وتحقیر ہرگز نہ کی جائے۔ امام صاحب، مہتمم صاحب وغیرہ کو خود بھی علیحدہ ہوجانے کا اختیار رہے، وہ بھی مجلسِ انتظامیہ کی تذلیل وتحقیر سے پورا پرہیز کریں۔

اجارہ کا معاملہ طرفین کی رضامندی پر ہوتا ہے، ابتداءً بھی جو بھی (۱)، اگر ماہانہ پر معاملہ ہوا ہے تو جو اس معاملہ کو ختم کرنا چاہے، وہ ایک ماہ قبل اطلاع کردے تاکہ طرفِ ثانی اپنا دوسرا انتظام کرلے۔ معاملۂ ملازمت ختم ہوجانے پر بھی تعلقات میں ناگواری اور کشیدگی نہ ہونے پائے۔

اگر آپ پورا رسالہ ارسال کردیتے تو ممکن ہے معلومات میں اضافہ ہوتا اور جواب کے لئے مزید بصیرت حاصل ہوتی۔

ایقاظ:

جو شخص امارت کی حرص یا طلب کرے، وہ اس کا مستحق نہیں:

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "إنكم ستحرصون على الإمارة، وستكون ندامةً يوم القيامة، فنعم المرضعة وبئست الفاطمة". الخ" (۲)۔

"عن أبي موسى رضي الله تعالى عنه قال: دخلت على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أنا ورجلين من قومي، فقال أحد الرجلين: أمّرنا يا رسول الله! وقال الآخر مثله. فقال:

= تولى القضاة بدمشق ...... عوضاً عن ابن الحريري سنةً كاملةً، ثم توجه إلى ديار المصرية وهو معزول". (الجواهر المضية: ۳/۲، قديمي)

(۱) "ويشترط في صحة الإجارة رضى العاقدين". (شرح المجلة لسليم رستم، كتاب الإجارة، (رقم المادة: ۴۴۳)، ۱/۲۵۳، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) (صحيح البخاري، كتاب الأحكام، باب ما يكره من الحرص على الإمارة. ۲/۱۰۵۸، قديمي)

"إنا لا نولي هذا من سأله ولا من حرص عليه" الخ". بخاری شریف، ص: ۱۰۵۸ (۱)۔

امارت کی حرص وطلب کو ناپسند فرمایا گیا اور اس کا انجام قیامت میں خراب بتایا گیا۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو عہدۂ قضاء پیش کیا گیا، مگر انہوں نے انکار فرمادیا، اس کی سزا میں دس کوڑے روزانہ لگتے تھے اور جیل میں ڈال کر زہر دے کر ان کو ختم کر دیا گیا، مگر وہ اپنے استقلال پر قائم رہے، عہدۂ قضاء قبول نہیں کیا (۲)۔ رحمہ اللہ تعالیٰ ورفع درجتہ، آمین۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

تنبیہ: مجلسِ منتظمہ (شوریٰ) کی جو کیفیت سوال میں بیان کی گئی ہے اسی کے متعلق جواب تحریر کیا گیا ہے، اگر کسی مجلسِ منتظمہ (شوریٰ) کی کیفیت اس سے مختلف ہو تو اس کا حکم بھی مختلف ہو سکتا ہے۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، مدرسہ جامع العلوم کانپور، ۱۸/ جمادی الثانیہ/ ۳۷۵ھ۔

کثرتِ رائے کا فیصلہ شریعت کی نظر میں

سوال [۱۵۰۰۱]: دینی مدارس میں اہم امور مثلاً ملازمین کا عزل ونصب، عہدوں کا تقرر، ترقی وتنزل، تعمیرات، آمدنی کے ذرائع، خریدِ جائداد وغیرہ وغیرہ اور ہنگامی حوادث پر غور وخوض اور ان کی انجام دہی کے لئے مجلسِ شوریٰ کے نام سے چند افراد پر مشتمل ایک کمیٹی ہوتی ہے، اس میں فیصلہ کثرتِ رائے پر ہوتا ہے۔

زید کا کہنا ہے کہ کثرتِ رائے پر فیصلہ کرنا غیر اسلامی اور مغربی طریقہ ہے، یہ ہمارے دینی اداروں میں مغربیوں سے آیا ہے، اس کو خارج کرنا لازم ہے، جو شخص مجلس کا صدر ہو فیصلہ اس کی رائے پر ہونا چاہئے، کثرتِ رائے کی قرآن کریم میں بہت جگہ مذمت کی گئی ہے:

---

(۱) (صحیح البخاری، کتاب الأحکام، باب ما یکره من الحرص علی الإمارة: ۲/ ۱۰۵۸، قدیمی)

(۲) "أکره ابن هبيرة أبا حنيفة أن يلي له القضاء، فأبى، فضربه مائة سوط وعشرة أسواط، في كل يوم عشرة أسواط، وهو على الامتناع" اهـ. (تاريخ بغداد: ۱۳/ ۳۲۶، بیروت)

"وروى جماعة أنه رُفع إليه قدح فيه سمّ ليشرب، فامتنع، فقال: إني لأعلم ما فيه ولا أُعين على قتل نفسي، فطرح، فصبّ في فيه قهراً فمات". (الخيرات الحسان، ص: ۱۰)

(وكذا في رد المحتار، كتاب القضاء، مطلب: أبو حنيفة دُعي إلى القضاء ثلاث مرات، فأبى: ۵/ ۳۶۹، سعید)

﴿وأکثرھم لا یعلمون﴾(۱)، ﴿وأکثرھم لا یعقلون﴾(۲)، ﴿وأکثرھم فاسقون﴾(۳) وغیرہ وغیرہ۔ ہر دائرہ اور ہر طبقہ کا یہی حال ہے کہ نا حق و نافرمان اکثر ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ میں زید نے متعدد آیت پیش کی ہیں۔

دریافت طلب یہ بات ہے کہ زید کا قول کہاں تک صحیح ہے؟ دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور اور ان کے مسلک پر چلنے والے دیگر مدارس کے ذمہ دار حضرات کے یہاں کثرتِ رائے پر فیصلہ ہوتا ہے، اور یہ انگریزوں کا طریقہ ان حضرات نے کیوں اختیار فرمایا؟ شرعی دلیل سے جواب دیا جائے، اکابر دیوبند، سہارنپور، تھانہ بھون کی کوئی سند مل جائے تو زیادہ باعثِ اطمینان ہوگی۔

المستفتی: محمد سعید مدنی، مفتی دارالعلوم آزادوِل، جنوبی افریقہ، ۱۵/۳/۱۴۱۰ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دینی مدارس کی مجلسِ شوریٰ میں جو مسائل پیش ہوتے ہیں، ان میں تفصیل ہے:

۱- ایسے مسائل جن میں نص موجود ہو، وہاں عمل کے لئے نص متعین ہے (۴)۔

---

(۱) (سورۃ الأنعام: ۳۷)

(۲) (سورۃ المائدۃ: ۱۰۳)

(۳) (سورۃ التوبۃ: ۸)

(۴) "عن معاذ بن جبل رضي اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لما بعثہ إلی الیمن قال: "کیف تقضي إذا عرض لک قضاء"؟ قال: أقضي بکتاب اللہ. قال: "فإن لم تجد في کتاب اللہ"؟ قال: فبسنۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم. قال: "فإن لم تجد في سنۃ رسول اللہ"؟ قال: أجتھد برأیي ولا آلو. قال: فضرب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی صدرہ وقال: "الحمد للہ الذي وفق رسول رسول اللہ لما یرضی بہ رسول اللہ" الحدیث. (مشکوۃ المصابیح، باب العمل في القضاء والخوف منہ، الفصل الثاني، ص: ۳۲۴، قدیمی)

(وجامع الترمذي، أبواب الأحکام، باب ما جاء في القاضي کیف یقضي: ۱/۲۴۷، سعید)

(وکذا في مرقاۃ المفاتیح، کتاب الإمارۃ والقضاء، (رقم الحدیث، ۳۷۳۷): ۷/۲۰۸، رشیدیہ)

"لامساغ للاجتھاد في مورد النص" ومعنی ھذہ المادۃ أنہ لایسوغ الاجتھاد بقضیۃ =

۲- ایسے مسائل جن میں نص موجود نہیں اور ان میں دو پہلو ہیں: ۱- جلب منفعت، ۲- دفع مضرت۔ وہاں دفع مضرت کی رعایت غالب رہتی ہے(۱)۔

۳- ایسے مسائل جن میں نص موجود نہیں اور دفع مضرت کا ضابطہ بھی رہنما وکارفرما نہیں، جیسے: دو شخصوں میں کس کو مہتمم بنایا جائے، یا کس کو صدر مدرس تجویز کیا جائے، یا مطبخ کے لئے سامان کس دوکان سے خرید جائے، یا طلبہ کتنی تعداد میں داخل کئے جائیں، یا امتحان کن تاریخوں میں لیا جائے وغیرہ وغیرہ۔ اور ارکان شوریٰ کی رائے میں اختلاف ہو لیکن سب ارکان اس بات پر متفق ہوجائیں کہ معاملہ صدر محترم کی صوابدید اور شرح صدر کے سپرد کردیا جائے تو یہ بھی درست ہے(۲)۔ اگر صدر صاحب کا شرح صدر نہ ہو تو کثرت رائے پر عمل کرلیا جائے، یہ بھی درست ہے۔

۴- جس رائے پر متفق ہوکر ارکان شوریٰ اجماع کرلیں اور صدر محترم کی رائے ان سب کی متفقہ رائے کے خلاف ہو تو صدر محترم اپنی رائے پر اصرار نہ کریں۔

زید کا یہ خیال کہ: "کثرت رائے پر فیصلہ کرنا کلیۃً مغربیت ہے، غیر دینی طریقہ ہے انگریزوں کی

= شرعية ورد عليها النص صراحةً؛ لأن الاجتهاد إنما يكون فيما لا نص عليه مثلاً: ورد النص بمنع الظلم ولعب القمار، فلا مساغ للاجتهاد بتجويز هما ... الخ". (شرح المجلة لسليم رستم باز، المقالة الثانية في القواعد الفقهية، (رقم المادة: ۱۴): ۱/۲۵، مكتبه حنفيه كوئته)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الطلاق، باب الظهار، مطلب: مايسوغ فيه الاجتهاد. ۳/۴۶۹، سعيد)

(۱) "درء المفاسد أولى من جلب المصالح، فإذا تعارضت مفسدة ومصلحة، قدم دفع المفسدة غالباً؛ لأن اعتناء الشرع بالمنهيات أشد من اعتنائه بالمأمورات". (الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة الخامسة: ۱/۲۱۰، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، (رقم المادة: ۳۰)، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية: ۱/۳۲، مكتبه حنفيه كوئته)

(وكذا في قواعد الفقه، ص: ۸۱، الصدف پبلشرز، كراچی)

(۲) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: "لأن طاعة الإمام فيما ليس بمعصية فرض، فكيف بما هو طاعة". (الدر المختار، كتاب الجهاد، باب البغاة: ۴/۲۶۴، سعيد)

تقلید وپیروی ہے، کسی حال میں درست نہیں، اس کو دینی اداروں سے خارج کر دیا جائے" صحیح نہیں۔

خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے جب ولی عہد بنانے کا مسئلہ آیا اور چند حضرات کے نام پیش کئے گئے جن کی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ آپ ان کی کمزوریوں سے بھی واقف تھے (ہر شخص میں کچھ صلاحیت ہوتی ہے، کچھ کمزوری بھی ہوتی ہے) تو آپ نے کسی کو متعین نہیں فرمایا، بلکہ مجلس شوریٰ بنادی کہ وہ انتخاب کرلے اور اختلاف کی صورت میں کثرتِ رائے پر عمل کرنے کی سخت تاکید فرمادی:

"عن عمرو بن میمون الأودی قال: قال عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حین طعن لصہیب: صلِّ بالناس ثلاثاً ولیدخل علی عثمان وعلي وطلحة والزبیر وسعد وعبدالرحمن بن عوف، ولیدخل ابن عمر في جانب البیت، ولیس له من الأمر شيء، فقم یاصهیب! علی رؤوسهم بالسیف، فإن بایع خمسة ونکص واحد، فاجلد رأسه بالسیف، وإن بایع أربعة ونکص رجلان فاجلدوه رؤسهما حتی یستوثقوا علی رجل، اهـ". الاعتصام للشاطبي: ۲/۲۶۵(۱)۔

"الطریقة الثالثة أن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه لما ضُرب وأحس بالموت، خاف أن یترك المسلمین بدون خلیفة لئلا یختلفوا، ولم یکن أمام نظره من لو استخلفه یکون مطمئن النفس من قبله، فلم یشأ أن یتحمل أمر المسلمین حیاً ومیتاً، فاختار ستةً من کبار الصحابة وممن یری أنه لایصلح لأمر الخلافة غیرهم، ووضع لهم نظاماً یتعینون به الخلیفة من بینهم، فأمر أن یجتمعوا بعد وفاته في حجرة عائشة ویختاروا الخلیفة في مدة لاتزید علی ثلاثة أیام، وجعل للأغلبیة الرأی القول، فیجب علی الأقلیة الرضوخ لحکمها، وإلا اعتبر خارجیاً یستحق القتل". تاریخ الأمم الإسلامیة، ص: ۶۱۴(۲)۔

---

(۱) (الاعتصام للشاطبي، باب في السبب الذي لأجله افترقت المبتدعة عن جماعة المسلمین: ۲/۲۰۵، دار المعرفة بیروت)

(والحدیث رواه البخاري في صحیحه في کتاب المناقب، باب قصة البیعة والاتفاق علی عثمان بن عفان، ومقتل عمر بن الخطاب: ۱/۵۲۳، قدیمی)

(۲) (تاریخ الأمم الإسلامیة، باب: مقتل عمر وعثمان رضی اللہ تعالیٰ عنهما، وکیف انتخب: ۲/۲۰-۲۲، المکتبة التجاریة الکبری، مصر)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حسنِ تدبیر سے کثرتِ رائے کے ذریعہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ منتخب ہوگئے، پھر سب ہی نے بیعت کی اور اتفاق کرلیا اور یہ ایسا ہی ہوگیا جیسے خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منتخب و متعین فرمادیا ہو(۱)۔

پھر خلیفۂ ثالث کی شہادت کے بعد اربابِ حل وعقد کی کثرتِ رائے سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے، ہر دو کی تفصیل تاریخ الخلفاء میں ہے(۲)، یہ حضرات انگریزوں کی پیروی کرنے والے نہیں تھے۔

کثرتِ رائے کو کلیۃً نظر انداز کردینا غلط ہے، علامہ شامی اصولِ افتاء تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"واختلف الذین قد تأخروا　　　　یرجح الذی علیہ الأکثر

وإذا لم یوجد فی الحادثۃ عن واحد منہم جواب ظاہر، وتکلم فیہ المشایخ المتأخرون قولاً واحداً، یؤخذ بہ، وإن اختلفوا یؤخذ بقول الأکثر الخ". شرح عقود رسم المفتی، ص: ۳۳(۳)۔

= (وکذا فی تاریخ الأمم والملوک لأبی جعفر محمد بن جریر الطبری، قصۃ الشوریٰ: ۳/۲۳۳-۲۳۸، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

(۱) "بویع (أی عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بالخلافۃ بعد دفن عمر بثلاث لیال، فروی أن الناس کانوا یجتمعون فی تلک الأیام إلی عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ یشاورونہ ویناجونہ، فلا یخلو بہ رجل ذو رأی فیعدل بعثمان أحداً. ولما جلس عبدالرحمن للمبایعۃ حمد اللہ وأثنی علیہ، وقال فی کلامہ: إنی رأیت الناس یأبون إلا عثمان ... وفی روایۃ: أما بعد! یا علی! إنی قد نظرت فی الناس فلم أرہم یعدلون بعثمان، فلا تجعلن علی نفسک سبیلاً، ثم أخذ بید عثمان، فقال: نبایعک علی سنۃ اللہ وسنۃ رسولہ وسنۃ الخلیفتین بعدہ، فبایعہ عبدالرحمن وبایعہ المہاجرون والأنصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم". (تاریخ الخلفاء للسیوطی، عثمان بن عفان، فصل فی خلافتہ، ص: ۱۱۹، نور محمد کتب خانہ کراچی)

(۲) "إلی مبایعتہ ومانشأ عن ذلک، قال ابن سعد: بویع علیٌّ بالخلافۃ الغد من قتل عثمان بالمدینۃ فبایعہ جمیع من کان بہا من الصحابۃ". (تاریخ الخلفاء، ذکر علی بن أبی طالب، فصل فی مبایعتہ، ص: ۱۳۳، نور محمد کتب خانہ کراچی)

(۳) (شرح عقود رسم المفتی، ص: ۴۸، میر محمد کتب خانہ کراچی)

"السادس: ما إذا كان أحد القولين المصححين قال به جل المشايخ العظام، ففي شرح البيري على الأشباه: أن المقرر عن المشايخ أنه متى اختلف في المسئلة، فالعبرة بما قاله الأكثر، انتهى. وقدمنا نحوه عن الحاوي القدسي" اهـ". ص: ٤٠(١)۔

یعنی مشائخ فقہاء کی طرف سے یہ بات طے شدہ ہے کہ اختلاف کے وقت کثرتِ رائے کا اعتبار ہوگا، اگر انتخاب امام میں اختلاف ہو اور دونوں کی تعداد برابر ہوں تو قرعہ اندازی کرلی جائے۔ یا اہلِ علم کی کثرتِ رائے سے ترجیح دی جائے:

"فإن استووا، يقرع بين المستويين، أو الخيار إلى القوم، فإن اختلفوا فالعبرة بما اختاره الأكثر" اهـ. در مختار: ١/ ٣٧٤(٢)۔

"قال في شرح المشكوة: لعله محمول على الأكثر من العلماء إذا وجدوا، وإلا فلا عبرة بكثرة الجاهلين، قال الله تعالى: ﴿ولكن أكثرهم لا يعلمون﴾ اهـ". (٣) طحطاوی، ص: ٢٠٣(٤)

کیا صاحب درمختار اور شامی اور شارح مشکوٰۃ اور طحطاوی انگریزوں کی تقلید میں کثرتِ رائے کو ترجیح دینے کی تلقین کر رہے ہیں۔

۱۲۸۳ھ میں دارالعلوم دیوبند قائم ہوا اور اس کے چھ ماہ بعد مظاہر علوم سہارنپور قائم ہوا، ان دونوں درسگاہوں کے قائم کرنے والے، پھر ان کو چلانے والے، ان کی نگرانی کرنے والے، ان کی شوریٰ کے ارکان اور سرپرست اور صدر مدرس اپنے اپنے وقت کے اعلیٰ درجہ کے بے مثال فقیہ، محدث، مفسر، متکلم، متبحر، عارف، روشن ضمیر، مجاہد، اولیاء اللہ ہوئے جن کے دینی کارنامے آفتاب سے زیادہ روشن ہیں، میدانِ شاملی سے غزوات، مالٹا کے خاردار حوالات، کراچی کی جیل وغیرہ ایک ایک کڑیاں گواہ ہیں کہ یہ حضرات ہرگز ہرگز انگریزی کی پیروی کرنے

(١) (شرح عقود رسم المفتي، ص: ٤٠، مير محمد كتب خانه كراچی)

(٢) (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ١/ ٥٥٨، ٥٥٩، سعيد)

(٣) (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب الإمامة، (رقم الحديث: ١١٢٣): ٣/ ١٩٩، رشيدية)

(٤) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ١/ ٣٠٣، دار المعرفة بيروت)

والے نہیں تھے۔

اصلاح انقلاب امت، اصلاح الرسوم، بہشتی زیور، حیات المسلمین، تقریر دلپذیر وغیرہ کو پڑھنے والا ہرگز یقین نہیں کرے گا کہ ان حضرات نے کثرت رائے پر فیصلہ کرنا انگریزوں سے لیا اور سیکھا۔ جو حضرات ذرا ذرا سی جزئیات میں خلاف سنت کا ادنیٰ شائبہ برداشت نہ کرسکتے ہوں وہ دینی اداروں کے فیصلہ کا مدار انگریزوں کی تقلید پر رکھ دیں گے ہرگز نہیں۔ چند اکابر کے نام یہ ہیں:

"حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی، حضرت مولانا محمد مظہر صاحب، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی، حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائے پوری، حضرت مولانا محمود حسن صاحب شیخ الہند دیوبندی، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی، محدث کبیر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی، حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری نور اللہ مرقدہم"۔

اب تھانہ بھون، دیوبند، سہارنپور تینوں جگہ کے اکابر کی تحریرات بھی نقل کی جاتی ہیں

تحریر تھانہ بھون

"ایک مرتبہ حضرت مرشدی (حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہ العالی) نے ایک واقعہ بیان فرمایا کہ جب اہل دیوبند مجلس شوریٰ میں شریک ہوا چاہتے تھے اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا تو اس پر بہت شور تھا اور فتنہ کا اندیشہ تھا تو میں نے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ حضرت دفع شورش کے لئے کیا حرج ہے، اگر ایک دو کو مجلس شوریٰ میں لے لیا جائے، آخر تو تعداد ہمارے حضرات ہی کی زیادہ رہے گی اور کثرت رائے پر فیصلہ ہوتا ہے۔ تو جواباً مولانا گنگوہی نے تحریر فرمایا کہ: نااہل کا ممبر بنانا معصیت ہے تو سبب ہے ناراضی خدا و رسول کا، اس لئے ہم نااہل کو مدرسہ کا ممبر نہ بنائیں گے اچھا ہے مدرسہ رہے یا نہ رہے، ہم کو رضائے الٰہی مقصود ہے مدرسہ مقصود نہیں"۔

عالمہ آپ کے ہاتھ میں ہے اور تھی، مگر یہ قید کہ تینوں کی رائے کا اعتبار ہو، اور اختلاف کی صورت میں کثرتِ رائے کا اعتبار ہو، اسی لئے تھی، اھ''۔

(مکتوبات شیخ الاسلام: ۲/۱۹۲، مکتوب نمبر: ۶۳)(۱)۔

تحریر سہارنپور

سوال: ''ہر دو سوال پیش کر کے شرعی فتویٰ چاہتا ہوں:

۱- ہمارے دونوں مدرسوں: سہارنپور، دیوبند میں ایک مجلس شوریٰ ہے اور دوسرے ایک صاحب مہتمم یا ناظم کے نام سے ہیں جو کار مدارس کے ذمہ دار بلائے جاتے ہیں، آپ کے نزدیک ان میں سے امیر کون ہے، آیا مجلس شوریٰ یا مہتمم یا ناظم؟ اور ﴿فإذا عزمت فتوکل علی اللّٰہ﴾(۲) کا حکم کس کو ہے؟

۲- امور جو بھی ہوں اس کے اختیارات کیا ہیں اور فرائض شرعاً کیا ہیں؟ یہ سوال اس لئے ہے کہ میں اپنی نسبت دیکھوں کہ میں وہ فرائض ادا کر سکتا ہوں یا نہیں؟ والسلام۔

احقر شبیر علی عفی عنہ، ۹/ ربیع الثانی/ ۱۳۶۲ھ۔

الجواب: ۱- مدرسہ مظاہر علوم کے دستور العمل میں سرپرستان اور مہتمم وناظم کے اختیارات وفرائض بیان کئے گئے ہیں، ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کل اختیارات سرپرستان کو ہیں اور ناظم ومہتمم اس کے ماتحت ہیں، کام کی نگرانی کا ذمہ دار ہے، اس دستور میں اختلاف آراء کی صورت میں فیصلہ کی تصریح نہیں ہے، لیکن قدیم سے معمول یہ ہے کہ فیصلہ کثرتِ رائے پر ہوتا ہے، اس لئے یہ دستور کثرتِ رائے پر مبنی معلوم ہوتا ہے، اس میں کسی کو امیر تسلیم نہیں کیا گیا ہے، ناظم یا مہتمم سرپرستان کی اکثریت کے تابع ہو کر عمل کرتا ہے۔ اب یہ بحث علیحدہ ہے کہ شرعاً کثرتِ رائے پر عمل کرنے کا کیا درجہ ہے، دیوبند کا

(۱) (مکتوبات شیخ الإسلام سید حسین أحمد المدني رحمہ اللہ تعالیٰ، (مکتوب نمبر: ۶۲): ۲/۲۳۵، مکتبہ دینیہ دیوبند ضلع سہارنپور)

(۲) (سورۃ آل عمران: ۱۵۹)

دستور اصل میرے پاس نہیں ہے، سنا یہ ہے کہ وہاں بھی کثرتِ رائے پر فیصلہ ہوتا ہے۔

مدرسہ مظاہر علوم کے دستور میں سرپرستان کے یہ اختیارات مذکور ہیں:

دفعہ ۱: سرپرستان مدرسہ کو تمام امور مدرسہ: ترقی، تنزل، عزل، نصب ملازمان، تغیر و تبدل، دفعات آئین وغیرہ کا کل اختیار ہے اور ان کی تجویز جملہ امور مدرسہ میں قطعی ہوگی۔

دفعہ ۲: مہتمم کو تمام بانشان امور میں تمام سرپرستان سے استفسار اور رائے لینا ضروری ہوگا۔ (معاہدات ص: ۲۹)(۱)۔

اختیارات و فرائض ناظم و مہتمم:

دفعہ ۱: مہتمم جملہ ملازمین مدرسہ کے ہر کام کی نگرانی اور درستی حساب کا ذمہ دار ہے۔

دفعہ ۲: امور انتظامیہ اور مصارف روزمرہ معمولی میں مہتمم مجاز ہے، حسبِ صوابدید خود عمل کرے اور جزئی اور معمولی خرچ بھی کر سکتا ہے، مگر کثیر اخراجات غیر معمولی اور خاص انتظامات بااستصواب سرپرستان ہوں گے۔

ان دفعات سے سرپرستان اور مہتمم کے فرائض و اختیارات ظاہر ہیں اور یہ بات واضح ہے کہ کلی اختیارات اس دستور میں سرپرستان کے ہیں اور ہر کام کی نگرانی اور جزئی اختیارات ناظم کے ہیں۔ شرعاً بھی کسی ادارہ کے کارکنان پر وہی فرائض و ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو اس ادارہ کے دستور میں تسلیم کی گئی بشرطیکہ کوئی امر خلافِ شرع نہ ہو"۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ ربیع الاول/ ۱۳۷۰ھ۔

(منقول از فتاویٰ مظہری: ۲۲۳، ۲۲۷)(۲)۔

---

(۱) [illegible]

(۲) (فتاویٰ مظہری للمفتی مظہر اللہ دہلوی رحمہ اللہ: ۲۲۳، ۲۲۷، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی)

دنیا کا حال

اہلِ علم اقل ہیں اہلِ جہل اکثر، مومن اقل ہیں کافر اکثر، موحد اقل ہیں مشرک اکثر، مخلص اقل ہیں منافق اکثر، مطیع اقل ہیں فاسق اکثر، مصلح اقل ہیں مفسد اکثر، کامل العقل اقل ہیں ناقص العقل اکثر، ایسی اکثریت قابلِ تقلید وترجیح نہیں: ﴿وإن تطع أكثر من في الأرض يضلوك عن سبيل الله﴾ (۱)۔

غالباً زید کا ذہن "کثرتِ رائے" کے لفظ سے ایسی ہی اکثریت کی طرف متوجہ ہو گیا جس کا مشاہدہ آج کل کے الیکشنوں میں ہوتا ہے کہ پارلیمنٹ کا ممبر ایسی ہی اکثریت سے منتخب ہوتا ہے اور اکثریت کی رائے بھی کہیں روپیہ وعہدہ وغیرہ کے لالچ میں کہیں قسم قسم کے دباؤ سے حاصل کی جاتی ہے، کہیں ووٹ بھی جعلی ڈالے جاتے ہیں۔ مگر ایسی اکثریت کے سامنے دینی مدارس کے مسائل پیش نہیں کئے جاتے، ایسی کثرتِ رائے پر ارکانِ شوریٰ کی کثرتِ رائے کو قیاس کرنا بدیہی البطلان اور روزِ روشن کو شبِ تاریک بنانا ہے۔ دینی مدارس میں جو ارکانِ شوریٰ ہیں جن کے چند اسمائے گرامی اوپر تحریر کئے گئے ہیں وہ اس اکثریت کے افراد نہیں جن کے ذمائم، قبائح، رذائل زید نے بیان کئے ہیں، بلکہ اس کے مقابل وبرعکس مدائح، محاسن، فضائل کے حامل ہیں۔

جیسے پہاڑوں میں لاکھوں من کے پتھر ہیں اور ان میں خال خال کوئی ہیرا ہوتا ہے، ہیرا روشن ہوتا ہے، اگر ایک جگہ دو ہیرے ہوں اور دوسری جگہ دس ہیرے ہوں تو یہ کثرت مذموم وقبیح نہیں، بلکہ ممدوح وقابلِ تحسین ہے۔ ایک کارخانہ کی ایک سائز کی موم بتی میں جتنی روشنی ہوتی ہے، دو میں اس سے زائد، تین میں اس سے زائد، چار میں اس سے زائد ہوگی۔ کوئی اہلِ عقل اس کثرت کو موجبِ ظلمت اور قبیح نہیں کہے گا۔ ایک پھول میں جتنی خوشبو ہے، متعدد پھولوں میں خوشبو زائد ہی ہوگی، پھولوں کی کثرت سے سارا چمن بلکہ اس کا ماحول بھی مہک جائے گا۔

ایسا ہی حال ان اکابر اہل اللہ کا اور ان کی کثرت کا ہے کہ ان کی آراء کی کثرت سے قلوب واذہان منور ومعطر ہو جائیں گے۔

زید کا یہ کہنا کہ "ہر دائرہ اور ہر طبقہ کی اکثریت کا یہی حال ہے کہ وہ فاسق ونافرمان ہوتے ہیں" زید کو لازم ہے کہ وہ اس پر نظرِ ثانی کرے اور غور سے سوچے کہ طبقۂ محدثین کی اکثریت ایک حدیث کو صحیح قرار دے تو

(۱) (سورة الأنعام: ۱۱۶)

کیا اس کثرت والے پر وہ سارے ذمائم وقبائح مذکورہ چسپاں کردے گا۔ استغفر اللہ العظیم۔

اسی طرح طبقۂ مجتہدین، فقہاء اور دوسرے اہل علم وطلباء حق کے طبقات پر غور کرے، دینی مدارس میں جس قدر اساتذۂ کرام درسِ حدیث دیتے ہیں، خانقاہوں میں زید کے کسی بزرگ مرشد کے تحت جو لوگ تزکیۂ باطن میں مشغول ہیں ان کی اکثریت کے متعلق وہ کیا الفاظ اختیار کرے گا؟

"فاسق" کے معنیٰ "طاعت سے خارج ہونے والا"۔ ابلیس کے متعلق ارشاد ہے: ﴿كان من الجن ففسق عن أمر ربه﴾(۱)۔ اہل کتاب نے انبیاء کو دیکھا، ان کے معجزات کا مشاہدہ کیا، ان پر نازل شدہ کتابوں کو پڑھا پھر بھی اکثر ایمان نہیں لائے، ان کے اکثر کو فاسق کہا گیا۔

لعنت وغیرہ کے الفاظ ان کے لئے استعمال کئے گئے:

﴿لعن الذين كفروا من بني إسرائيل على لسان داود وعيسى ابن مريم ...... ولكن كثيراً منهم فاسقون﴾(۲)۔ ﴿يا أهل الكتاب هل تنقمون منا ...... وأن أكثركم الفاسقون﴾(۳)۔ ﴿ولو آمن أهل الكتاب لكان خيراً لهم، منهم المؤمنون وأكثرهم الفاسقون﴾(۴)۔

یہاں "أكثرهم الفاسقون" کو "منهم المؤمنون" کے مقابلہ میں لایا گیا: ﴿أفمن كان مؤمناً كمن كان فاسقاً لا يستوون﴾(۵)۔ جس طرح "الذين يعلمون" اور "الذين لا يعلمون" میں مساوات نہیں، بلکہ صریح تقابل ہے(۶) اور اعمیٰ وبصیر میں مساوات نہیں، بلکہ صریح تقابل ہے(۷)۔ اسی طرح مومن

---

(۱) (سورة الكهف: ۵۰)

(۲) (سورة المائدة: ۸۱)

(۳) (سورة المائدة: ۵۹)

(۴) (سورة آل عمران: ۱۱۰)

(۵) (سورة الم السجدة: ۱۸)

(۶) قال الله تعالى: ﴿قل هل يستوي الذين يعلمون والذين لا يعلمون﴾ (سورة الزمر: ۹)

(۷) قال الله تعالى: ﴿قل هل يستوي الأعمى والبصير أم هل تستوي الظلمت والنور﴾ (سورة الرعد: ۱۶)

اور فاسق میں مساوات نہیں، بلکہ صریح تقابل ہے، پھر دونوں کے انجام کو الگ الگ بتایا گیا ہے۔

﴿أما الذين آمنوا وعملوا الصالحات، فلهم جنات المأوى نزلاً بما كانوا يعملون، وأما الذين فسقوا فمأواهم النار، كلما أرادوا أن يخرجوا منها أعيدوا فيها﴾ الخ (۱)۔

منافقین کے متعلق ارشاد ہے: ﴿إن المنافقين هم الفاسقون﴾ الخ (۲)۔

امید ہے کہ غور کرنے سے سمجھ میں آجائے گا کہ قرآن کریم میں ﴿أكثرهم فاسقون﴾ کی ضمیر کا مرجع دینی مدارس کے ارکانِ شوریٰ نہیں، اہلِ حق کی خانقاہوں کے ذاکرین، شاغلین نہیں، اساتذۂ حدیث وفقہ نہیں، محدثین وفقہاء، مجتہدین نہیں۔ غرض کوئی بھی اصحابِ تقویٰ وخشیت اس کا مرجع نہیں۔

جو آیات مشرکین، کافرین، منافقین کے بارے میں نازل ہوئی تھیں، خوارج ان کو مومنین پر چسپاں کیا کرتے تھے، کما فی صحیح البخاری (۳)۔ یہ ان کا زیغ وضلال تھا، اللہ تعالیٰ ہر قسم کے زیغ وضلال سے محفوظ رکھے۔ زید کو چاہئے کہ اس سے پورا پرہیز کرے۔

الحاصل: دینی مدارس سے متعلق جزئیات غیر منصوصہ میں اختلافِ آراء کے وقت مصالحِ مدرسہ کے

= وقال الله تعالى: ﴿وما يستوي الأعمى والبصير، ولا الظلمات ولا النور، ولا الظل ولا الحرور﴾ (سورة الفاطر: ۱۹-۲۱)

(۱) (سورة آلم السجدة: ۱۹، ۲۰)

(۲) (سورة التوبة: ۶۷)

(۳) "باب قتال الخوارج والملحدين بعد إقامة الحجة عليهم، وقول الله: ﴿وما كان الله ليضل قوماً بعد إذ هداهم حتى يبين لهم ما يتقون﴾ وكان ابن عمر رضي الله تعالى عنهما يراهم شرار خلق الله، وقال: إنهم انطلقوا إلى آيات نزلت في الكفار، فجعلوها على المؤمنين". (صحيح البخاري، كتاب استتابة المعاندين والمرتدين وقتالهم، باب قتال الخوارج والملحدين: ۲/۱۰۲۴، قديمي)

(وراجع للتفصيل، فتح الباري كتاب استتابة المرتدين والمعاندين، باب قتل الخوارج والملحدين بعد إقامة الحجة عليهم: ۱۲/۳۵۰-۳۵۳، قديمي)

(وأيضاً عمدة القاري شرح البخاري، كتاب استتابة المرتدين والمعاندين، باب قتل الخوارج والملحدين: ۲۴/۸۴، إدارة الطباعة المنيرية بيروت)

پیشِ نظر ارکانِ شوریٰ کی اکثر رائے کو ترجیح دے کر عمل کرنا، تحریروں کی پابندی لازم شرط نہیں، مگر زبانی بات تو بھی

درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۵/۳/۱۴۰۰ھ۔

مدارس کا نظام کیسا ہونا چاہیے؟

سوال [۷۴۲۶]: مدرسہ اسلامیہ کا شرعی طریقہ کیسا ہو، اس کا دستور العمل کیسا ہونا چاہیے؟ نیز امام مسجد کو کتنی معقول تنخواہ دی جائے، تنخواہ کس قدر دینی چاہیے؟ الخ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دارالعلوم کا نظام چھپا ہوا ہے، اس کو منگا کر دیکھیں۔ اس کے علاوہ اربابِ مدرسہ حدودِ شرع میں جو معاملہ طے کرلیں، درست ہے۔ امام سے بھی جو معاہدہ ہو جائے بحسبِ صوابدید و مصالح درست ہے (۱)۔ اس کا لحاظ کیا جائے کہ نہ امام کو تنگی ہو، نہ نمازیوں کو، نہ مسجد پر بار ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۳/۴/۹۵ھ۔

بے دین لوگوں کو ورکنگ کمیٹی کا ممبر بنانا

سوال [۷۴۲۷]: کسی ادارے کی ورکنگ کمیٹی میں ایسے افراد کو رکھنا جو علماء پر تنقید کرتے ہوں، کیسا ہے؟ ایسے افراد جن کی وضع قطع خلافِ شرع ہو، صلوٰۃ وصوم کے پابند نہ ہوں، ان کو مجلسِ شوریٰ میں رکھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دینی ادارہ کا ذمہ دار ایسے لوگوں کو بنایا جائے جو خود بھی دیندار ہوں اور دین کا جذبہ رکھتے ہوں، باسلیقہ ہوں (۲)، ورنہ نظام صحیح نہیں رہے گا۔ اور اہلِ علم کی جو تحقیر ہوگی اس کا سبب بڑی حد تک

---

(۱) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿فاتقوا الله وأصلحوا ذات بینکم، وأطیعوا الله ورسوله إن کنتم مؤمنین﴾ (سورة الأنفال: ۱)

(۲) "قال في الإسعاف: ولا یولّی إلا أمین قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بالمقصود" (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي: ۴/۳۸۰، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۷۸، رشیدیہ)

وہی لوگ ہوں گے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جب مدرسہ کا دستور نہ ہو تو اس وقت کیا کیا جائے؟

سوال [۷۵۲۸]: مدرسہ میں کسی قسم کا کوئی قانون نہیں ہے اور نہ کوئی دستور بنا ہوا ہے، ناظم جس وقت جو کچھ زبان سے نکال دے وہی دستور ہے، جب چاہتا ہے بلا اطلاع تنخواہ کاٹ لیتا ہے، بلا عذر مدرسوں کو ملازمت سے الگ کر دیتا ہے۔ اس کا یہ فعل کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱۔ اہلِ خیر واہلِ صلاح کی ایک کمیٹی بنالی جائے اور کسی باوجاہت اہلِ علم، اہلِ تقویٰ، تجربہ کار کو سرپرست تجویز کر لیا جائے تاکہ حساب وکتاب درست رہے (۲)، ہر مد کا پیسہ اسی مد میں خرچ ہو، اور کسی بڑے

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف: ۲/۴۰۸، رشيديه)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: بينما النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يحدث إذ جاء أعرابي، فقال: متى الساعة؟ قال: "إذا ضيعت الأمانة فانتظر الساعة". قال كيف إضاعتها؟ قال: "إذا وُسِّد الأمر إلى غير أهله، فانتظر الساعة". (مشكوة المصابيح، كتاب الفتن، باب أشراط الساعة، الفصل الأول، ص: ۴۶۹، قديمي)

"إذا وُسِّد": أي أسند وفوض "الأمر" إلى غير أهله": أي ممن لم يوجد فيه شرائط الاستحقاق: كالنساء والصبيان، والجهلة، والفسقة، والبخيل، والجبان ... وأرباب المناصب من التدريس والفتوى والإمامة، والخطابة، وأمثال ذلك مما يتفاخر به الأقران". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الفتن، باب أشراط الساعة (رقم الحديث: ۵۴۳۹): ۹/۳۴۳، ۳۴۴، رشيديه)

(۲) "كما في الإسعاف: ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه، أو بنائبه". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي: ۴/۳۸۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۰۸، رشيديه)

مدرسہ کا دستور سامنے رکھ کر (مثلاً: دار العلوم دیوبند کا) اس مدرسہ کے مناسب دستور بنایا جائے تاکہ بے راہ روی نہ ہونے پائے اور لوگوں کو بھی اعتراض و بدگمانی کا موقع نہ ملے۔

مسجد کا روپیہ مدرسہ میں اور مدرسہ کا روپیہ مسجد میں صرف کرنا جائز نہیں (۱) ایسا کرنے سے ضمان لازم ہوگا۔ زکوۃ کا پیسہ بے محل صرف کرنے سے زکوۃ ادا نہیں ہوگی اور ضمان لازم ہوگا (۲)۔ مدرسہ و مسجد کا پیسہ امانت ہے، اس کو تاجروں کو دینا کہ وہ اپنے کام میں خرچ لیں، پھر وقت پر دے دیں، درست نہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۲/۵/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۵/۵/۹۲ھ۔

ادارہ کو مخالف گروپ کی تباہی سے بچانے کے لئے کیا صورت اختیار کی جائے؟

سوال [۹۰۵۷]: ایک شخص ایک ادارہ کا سربراہ ہے، عالم بھی ہے، کچھ روز سے اس میں انانیت آگئی ہے، نوجوان لڑکیوں کو بے پردہ تعلیم دلاتا ہے، چونکہ کمیٹی میں اس کی اکثریت ہے، اس لئے اس کو الگ کرنا بھی دشوار ہے۔ اس ادارہ کے استاذ بھی تنگ آکر چلے گئے ہیں اور نئے استاذ آگئے۔ دو پارٹیاں ہیں، دونوں

---

(۱) "الفاضل من وقف المسجد هل يصرف إلى الفقراء؟ قيل: لا يصرف، وإنه صحيح، ولكن يشتري به مستغلاً للمسجد ... سئل القاضي شمس الإسلام محمود الأوزجندي رحمه الله تعالى عن أهل المسجد تصرفوا في أوقاف المسجد بغير أمر القاضي، وإنه متولٍ، قال: لا يصح تصرفهم" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثاني في الوقف على المسجد وتصرف القيم: ۴۶۳/۲، رشيديه)

(۲) "ولو خلط زكاة موكليه ضمن" (الدر المختار) "وهذا الوكيل إنما يستفيد التصرف من المزكي، وقد أمره بالدفع إلى فلان، فلا يملك الدفع إلى غيره" (رد المحتار، كتاب الزكوة: ۲۶۹/۲، سعيد)
(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف: ۲۹۱/۳، رشيديه)

(۳) "رجل جمع مالاً من الناس لينفقه في بناء المسجد، وأنفق من تلك الدراهم في حاجة نفسه، ثم رد بدلها في نفقة المسجد، لا يسعه أن يفعل ذلك. وإذا فعل إن كان يعرف صاحب المال رد عليه الضمان، أو يسأله ليأذن له بإنفاق الضمان في المسجد". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً أو سقاية أو مقبرة: ۲۹۰/۳، رشيديه)

جیسے ثم وقرار دیتا ہے، دوسرے فریق کو ناقص، غیر مخلص، سماج سے بے تعلق، خود غرض قرار دیتا ہے، اس لئے دونوں فریق مل کر کسی کو ثالث تجویز کریں اور اس کے فیصلہ پر آمادہ ہو جائیں (۱)، پھر وہ سب کے بیان سنے، کر حالات کی تحقیق کرکے جو کچھ فیصلہ کردے اس کو قبول کرلیں خواہ وہ ہر ایک کے موافق ہو یا مخالف۔ اس طرح انشاء اللہ تعالیٰ نزاع ختم ہو جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

وقت ضرورت خرچ نہ کرنا بھی خیانت ہے

سوال [۷۰۵۳]: مدرسہ اسلامیہ میں رقم مبلغ ۱۰۰ ہزار روپیہ ہے اور یہ روپیہ مدرسہ کے صدر کے پاس ہے، وہ مدرسہ کا روپیہ نہ مدرسہ میں لگاتے ہیں اور نہ طلب کرنے پر دیتے ہیں، کچھ لوگ اس کے گروپ کے ہیں، اس کو صدر رکھنا چاہتے ہیں۔ اس کو صدر رکھا جائے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مدرسہ میں خرچ کرنے کی ضرورت ہے، اس کے باوجود یہ رقم وہ مدرسہ میں خرچ نہیں کرتا، نہ خود ضرورت پوری کرتا، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا ارادہ اپنے کام میں صرف کرنے کا ہے تو مدرسہ کے ممبر یا اثر لوگ مطالبہ

— "و وسیلة الحرام حرام". (مرقاة شرح المشكوة: ۶/۱۹، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الأول، رقم الحديث: ۲۷۶۳، رشيدية)

(۱) قال الله تبارك وتعالى: ﴿وإن خفتم شقاق بينهما فابعثوا حكماً من أهله وحكماً من أهلها﴾ (سورة النساء: ۳۵)

"حكما رجلاً معلوماً ليحكم بينهما ببينة أو إقرار أو نكول ورضيا بحكمه صح". (الدر المختار، كتاب القضاء، باب التحكيم: ۵/۴۲۸، سعيد)

"وإذا حكم رجلان رجلاً فحكم بينهما ورضيا بحكمه جاز، لأن لهما ولاية على أنفسهما، فصح تحكيمهما وينفذ حكمه عليهما". (الهداية، كتاب القضاء، باب التحكيم: ۳/۱۴۳، شركة علمية ملتان)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز: ۲/۱۴۳، رقم المادة: ۱۸۴۱، الباب الرابع في المسائل المتعلقة بالتحكيم، مكتبة حنفية كوئته)

کریں۔ اگر خدانخواستہ خیانت ثابت ہوجائے تو اس کو صدارت سے الگ کردیں (۱) اور رقم وصول کرکے کسی دیانتدار کو ذمہ دار بنائیں۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۳/۹۲ھ۔

غبن کے اتہام پر حساب دینا

سوال [۱۵۴۱]: ایک مذہبی ادارے کے صدر وسیکرٹری پر عام معاونین ادارہ ودیگر مسلمانوں نے غبن کا شبہ ہونے پر لوگوں نے آمد وخرچ کی رپورٹ طلب کی، صدر حساب دینے سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں (کہ) ادارہ کی تشکیل میں میری ذاتی کوششوں کا نتیجہ ہے، مجھ سے کوئی حساب نہیں لے سکتا، جس سے لوگوں کو غبن کا یقین ہوگیا ہے۔ ایسے ادارے سے تعلقات ختم کرلینا موجب گناہ ہے؟ اور صدر مذکور کا جواب اطمینان بخش ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صدر وسیکرٹری کا جواب مذکورہ صحیح نہیں ہے، وہ محض وکیل ہیں، مالک نہیں (۲)۔ ان کو حساب دینے سے انکار نہیں کرنا چاہیے، خصوصاً جبکہ ان پر غبن کا شبہ کیا جارہا ہے (۳)۔ ان کو لازم ہے کہ ذمہ داران وممبران

---

(۱) "وينزع وجوباً لو الواقف، فغيره بالأولى، غير مأمون أو عاجزاً أو ظهر به فسق" (الدر المختار).
"مقتضاه إثم القاضي بتركه والإثم بتولية الخائن، ولا شك فيه بحر. لكن ذكر في البحر أيضاً عن الخصاف أن له عزله أو إدخال غيره معه" (رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۸۰، سعيد)

"الثالث: إذا ظهرت خيانته، فإن القاضي يعزله وينصب غيره". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۹۱، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۱۳، رشيدية)

(۲) "لأنه نائب عنه، لا يملك ولا يعير ولا يرهن". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۴۵۲، سعيد)

"وعلى هذا أفتى في الحامدية بأنه ليس للمتولي التصرف في أمور الوقف بدون إذن المشرف". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: ليس للمشرف التصرف: ۴/۴۵۸، سعيد)

(۳) "لا تلزم المحاسبة في كل عام، ويكتفي القاضي منه بالإجمال لو معروفاً بالأمانة، ولو متهماً يجبره —

وغیرہ کو حساب دکھا کر مطمئن کردیں اور بدگمانیوں اور تہمتوں کو دور کر کے اپنی پوزیشن صاف کرلیں (۱)۔ اگر کوئی رقم بے احتیاطی یا غلط فہمی سے بے موقع خرچ ہوگئی ہے تو اس کا انتظام کریں۔ اگر بدگمانی عام ہوگئی ہے تو حساب لکھ کر شائع کردیں کہ مسلمانوں کی زبانیں طعن وتشنیع سے محفوظ رہیں اور اس مقصد کے لئے حسنِ تدبیر اور فہمائش سے کام لے کر ان پر اخلاقی زور بھی ڈالا جائے اور ادارہ سے تعلقات ختم نہ کئے جائیں۔

تنبیہ: بلا دلیلِ شرعی کسی کو متہم کرنا بھی معصیت ہے (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۴/۸۹ھ۔

مدرسہ عربیہ کی مخالفت اور دیگر خیانتوں کے سبب قوم کے امام پر اشکالات

سوال [۷۵۳۲]: جناب مفتی صاحب! ہماری پونڈا کے مسلمانوں کی ایک جماعت ہے، جو کہ مسجد کا

= على التعيين شيئاً لشيء، ولا يحب بل يهدده، ولو اتهمه يحلفه" (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴۴۸/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۰۲/۵، رشيديه)

(۲) "اتقوا مواضع التهم": ذكره في الإحياء، وقال العراقي في تخريج أحاديثه: لم أجد له أصلاً، لكنه بمعنى قول عمر: "من سلك مسالك الظن اتهم"، ورواه الخرائطي في مكارم الأخلاق: "من أقام نفسه مقام التهم، فلا يلومن من أساء الظن به" وروى الخطيب في المتفق والمفترق عن سعيد بن المسيب قال: وضع عمر بن الخطاب ثماني عشرة كلمة ..... "ومن عرض نفسه للتهمة، فلا يلومن من أساء به الظن" (كشف الخفاء، الهمزة مع التاء المثناة، رقم الحديث: ۸۸: ۱/۴۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۳) قال الله تبارك وتعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا اجتنبوا كثيراً من الظن، إن بعض الظن إثم﴾ (سورة الحجرات: ۱۲)

"يقول تعالى ناهياً عباده المؤمنين عن كثير من الظن وهو التهمة والتخون للأهل والأقارب والناس في غير محله؛ لأن بعض ذلك يكون إثماً محضاً، فليجتنب كثير منه ...... وقال مالك عن أبي الزناد عن الأعرج عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إياكم والظن، فإن الظن أكذب الحديث". (تفسير ابن كثير، (سورة الحجرات: ۱۲): ۲۱۲/۴، سهيل اكيدمي، لاهور)

انتظام کرتی ہے اور قوم کی مذہبی ضروریات کی نگرانی کرتی ہے۔ یہ ادارہ پچھلے تیس سال سے قاضی محمد مصطفیٰ کی نگرانی میں کام کررہا تھا، مولانا ہونے کی وجہ سے ان پر پورا اعتماد تھا اور ان کا عہدہ بغیر جھگڑے کے رہا، انہوں نے جماعت کی کبھی میٹنگ طلب نہیں کی اور نہ کبھی حساب داخل کیا، بعض اوقات اہم انتظامی معاملات میں کچھ حضرات سے مشورہ کیا ہے۔

انہوں نے کبھی قوم کو کوئی مذہبی منفعت پہونچانے کی کوشش نہیں کی، بلکہ ان کا رجحان گورنمنٹ کی ملازمت کی طرف ہوگیا اور مسلم قوم کے نمائندہ ہونے کی حیثیت سے شعبۂ تعلیم میں ایک جگہ مل گئی، یہ بہت اچھی تنخواہ کی جگہ ہے۔ وہ قوم کی خدمت کی طرف کم توجہ دیتے ہیں، اس سے تنگ آکر جماعت کے نوجوان اور باعزت ممبران نے ایک عربی مدرسہ شروع کیا، کیونکہ ہمارے بچوں کے لئے اعلیٰ تعلیم کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ مذکورہ مولانا نے اس مدرسہ کی مخالفت کی، کیونکہ ان کے خیال میں اگر لڑکوں نے عربی پڑھ لی تو ان کی اہمیت کم ہوجائے گی۔

دعوت دینے کے باوجود انہوں نے اہم میٹنگ میں شرکت نہیں کی اور نہ کوئی پیغام بھیجا، بلکہ اس مدرسہ کے خلاف پروپیگنڈا شروع کیا۔ اب یہ مدرسہ دو سال سے چل رہا ہے اور اس وقت ۱۴۰ طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ اس نیک کام کو برداشت نہ کرتے ہوئے مولانا صاحب نے ایک عربی مدرسہ کے لئے چندہ شروع کردیا، جب جماعت کے ذہن میں یہ بات آئی تو ان سے معلوم کیا گیا کہ آپ کس کے حق میں چندہ جمع کررہے ہیں، کیا جماعت نے آپ کو متقابل مدرسہ قائم کرنے کے لئے کوئی اختیار دیا ہے؟ جواب دینے کے بجائے انہوں نے ڈانٹ دھمکانا شروع کردیا۔

باوثوق ذرائع سے یہ معلوم ہوا کہ انہوں نے ہزار بارہ سو مسلم قوم سے بغیر جماعت کے اختیار دیئے ہوئے جمع کیا ہے۔ پہلے انہوں نے چندہ جمع کرنے سے انکار کیا تھا، جب ان کے سامنے ثبوت پیش کئے تو انہوں نے کہا کہ چند سال قبل جماعت نے چندہ جمع کرنے کا اختیار دیا تھا۔ اپنے دعویٰ کی تصدیق کے لئے انہوں نے ایک میٹنگ بلائی اور اپنے ہم خیال ممبران کے دستخط کرانے، جب کہ تحقیق کے بہرہ ور ہیں۔ جب ان سے درخواست کی گئی کہ وہ جماعت کی میٹنگ میں تشریف لائیں اور بیان دیں، لیکن وہ تشریف نہیں لائے۔

اب جماعت نے بالاتفاق ان کو صدارت سے علیحدہ کردیا، اس کے ردِ عمل میں انہوں نے نئے منتخب
صدر کو یہ نوٹس بھیجا ہے کہ ان کو ان کے عہدے سے کوئی علیحدہ نہیں کرسکتا ہے، کیونکہ ان کا تعلق ایک معزز
خاندان سے ہے جو دوسرے مسلمانوں پر فوقیت رکھتا ہے جو کہ غریب اور جاہل ہے۔ اپنے زمانۂ صدارت میں
پیش امام کے خاندان کو مسجد کے احاطہ میں رہنے کی اجازت دے دی تھی، اس کے خاندان کی عورتیں مسجد
کی تمام چیزوں کو استعمال کرتی ہیں۔ جب ان سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ میں عالم ہوں اور تم سے
بہتر جانتا ہوں۔

مذکورہ بالا مولانا صاحب کہتے ہیں کہ مسجد اور اس کی متعلقہ جائیداد ان کی اور ان کے خاندان کی ہے،
جس وقت سے ان کے خسر نے وقف کی، لیکن مسجد کی تعمیر قوم کے ممبران کے عطیہ سے تیار ہوئی اور ان کے خسر کو
کچھ رقم ادا کی گئی ہے، حالانکہ دستاویز پر دستخط بحیثیت وقف کے کئے گئے ہیں۔ مولانا نے چندہ اکٹھا کرکے مسجد
میں کچھ ترمیمات کی ہیں، مگر اس کا کوئی حساب کتاب نہیں دیا ہے۔ جب شہادت لی گئی تو معلوم ہوا کہ انہوں نے
رقم کا ناجائز استعمال کیا ہے۔ مولانا کو دمہ اور مختلف امراض ہیں، وہ کسی کو بحیثیت نائب امام بنادیتے ہیں۔

ان مولانا صاحب کا ایک بھائی شہر کا ایک بدمعاش ہے، اس نے بہت سے یتیم بچوں کا مال ہضم کرلیا
ہے اور جیل میں بھی گیا ہے، لیکن ہمارے مولانا صاحب اس کے ساتھ قیام کرتے ہیں اور بھائی کے گندے کام
میں شریک ہیں۔ تمام لوگوں میں یہ صرف ایک مولانا ہیں جنہوں نے پرتگالی حکومت کے دور میں درخواست دی
کہ آغا خان کے حقوق ان کو دے دیئے جائیں تاکہ پوری مسلم قوم کے کام انجام دے سکیں۔ اس طرح سے وہ
پیغمبری کا دعویٰ مسلمانوں میں کرنا چاہتے تھے جو کہ شرک ہے۔ تمام مسلمانوں نے اس کی مخالفت پوری مستعدی
سے کی۔

ہماری جماعت کے ممبر اس بات پر غور کررہے ہیں کہ مندرجہ بالا کاموں کی وجہ سے ان کے خلاف
قانونی کارروائی کریں، دورِ صدارت کی معرفت ان سے کہلایا گیا کہ حسابات وغیرہ دے دیں اور باعزت
طریقہ سے اس عہدہ سے سبکدوش ہوجائیں۔ ہم ممبر نہیں چاہتے کہ مولانا کو مصیبت میں گرفتار کرائیں، لیکن اگر وہ
سخت رہے تو قوم کے مفاد کو نظر انداز کرکے ایک شخص کی عزت نہیں بچائی جاسکتی۔ اس لئے آپ سے درخواست
ہے کہ ہمیں بتایا جائے کہ اگر ہم ان کی امامت برداشت کریں تو کیا ان کی امامت جائز ہے اور ہمیں ان کے

خلاف کارروائی کرنی چاہیے یا نہیں؟ براہِ مہربانی ہمارے اس مسئلہ کو بذریعہ فتویٰ حل کردیجئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقف کا انتظام وحساب رکھنا ضروری ہے، دیانت دار اور منتظم آدمی وقف کا متولی ہوسکتا ہے، اور رہ سکتا ہے(۱)، جس متولی کے متعلق خیانت ثابت ہوجائے وہ اس قابل ہے کہ اس کو عہدۂ تولیت سے الگ کردیا جائے(۲)۔ دینی تعلیم کے لئے مدرسہ ہونا بہت ضروری ہے، اس کی مخالفت کرنا ہرگز جائز نہیں۔ مولانا صاحب اپنی روش پر نظرِ ثانی کرلیں اور جو شکایات ان سے ہیں ان کی اصلاح کرلیں۔ مسجد ومدرسہ کا شریعت کے مطابق انتظام اور حساب صاف رکھیں۔ اگر ایسی چیزوں سے پرہیز کریں جن سے ان کی حیثیت شرعاً مجروح ہوتی ہے تو ان کو برقرار رکھا جائے(۳)، ورنہ پھر لامحالہ کام صحیح رخ پر چلانے کے لئے دوسرے لائق آدمی کا انتظام ناگزیر ہوگا(۴)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۲/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "قال في الإسعاف: ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر".

(رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي: ۴/۳۸۰، سعيد)

(۲) "وينزع وجوباً لو الواقف ...... غير مأمون أو عاجزاً أو ظهر به فسق". (الدر المختار). "مقتضاه إثم تركه والإثم بتولية الخائن، ولا شك فيه. بحر. وذكر في البحر أيضاً عن الخصاف أن له عزله أو إدخال غيره معه ...... قوله: ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بالمقصود". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: يأثم بتولية الخائن: ۴/۳۸۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۷۸، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم: ۲/۴۰۸، رشيدية)

(۳) "وكذا لو أخرجه لفسق وخيانة ثم بعد سنة تاب إلى الله وأقام بينة أنه صار أهلاً لذلك، فإنه يعيده".

(الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس: ۲/۴۰۹، رشيدية)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۸۰، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الأول في المتولي: ۶/۲۴۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۴) (راجع رقم الحاشية: ۳)

مہتمم مدرسہ اور ملازمین کو بلا وجہ معزول کرنا، برطرفی کے مہینہ کی تنخواہ کا استحقاق

سوال[۷۵۳۴]: ایک پرانے مدرسہ میں نئی کمیٹی کے برسر اقتدار آتے ہی پہلی میٹنگ میں مدرسہ میں تقریباً تیس برس پرانے انتہائی صادق، امانت دار، دیانت دار مہتمم کو کسی خامی وغلطی بتائے وثابت کئے بغیر معزول کر دیا گیا۔ نئی کمیٹی کی ماتحتی میں مدرسہ کے پرانے مدرسین حسب سابق کام کرتے رہے، معمول کے مطابق ششماہی سالانہ امتحانات ہوئے۔ امتحان سالانہ کے بعد حسب معمول مدرسہ میں تعطیل ہوگئی کہ اچانک ۵،۴/ رمضان المبارک کو مدرسہ کے نئے مہتمم کی طرف سے پرانے تمام مدرسین کو۔ جن کی تعداد نو ہے۔ مدرسہ سے معطلی کا نوٹس مل جاتا ہے۔ معطلی کا نوٹس ملتے وقت رمضان سمیت مدرسین کی چار چار ماہ کی تنخواہ مدرسہ کے ذمہ باقی تھیں، وسط رمضان میں تین ماہ کی تنخواہیں مدرسین کو مل گئیں، مگر رمضان کی تنخواہ دینے سے صاف انکار کر دیا گیا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح بلاقصور تیس سالہ ناظم کو معزول کر دینا از روئے شرع کیسا ہے؟ مذکورہ بالا حالات میں مدرسین رمضان کی تنخواہ پانے کے مستحق ہیں یا نہیں؟ اور نئے ناظم کا مدرسین کی تنخواہیں رمضان کی روک لینا از روئے شرع کیسا ہے؟

محمد نیاز الدین، پیش امام جامع مسجد چمپا نگر، بھاگل پور (بہار)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ ناظم اور مدرسین صحیح طریقے پر حسب ضوابط مدرسہ پابندی سے کام کر رہے ہوں تو بلا وجہ ان کو عزل یا معطل کرنے کا حق نہیں، نہ تنخواہ روکنے کا حق ہے، هكذا يفهم مما في ردالمحتار، ص: ۳۸٦، تحت مطلب: لا يصح عزل صاحب وظيفة بلا جنحة (۱)۔ پوری بات جب معلوم ہوگی کہ فریق ثانی کا

---

(۱) "قال في البحر: واستفيد من عدم صحة عزل الناظر بلا جنحة عدمها لصاحب وظيفة في وقف بغير جنحة وعدم أهلية. خصوصاً إن كان المقرر عن مدرس أهل، لأن الأهل لم يعزل، وصرح البزازي في الصلح". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: لا يصح عزل صاحب وظيفة بلا جنحة: ۳۸۲/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۹۰، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/ ۲۳۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

بیان بھی سامنے آئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۱/۹۵ھ۔

ناظم مدرسہ کا ماتحت مدرسین سے باز پرس کرنا

سوال [۷۵۳۴]: مدرسہ کے ناظم صاحب کا اپنے ماتحت مدرسین کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ سیاست میں حصہ نہ لیں۔ تو اگر کوئی مدرس یا صدر مدرس اس کے خلاف کرے اور سیاست میں حصہ لے تو ناظم صاحب کو بازپُرس کا حق ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی صورت میں ناظم صاحب کو بازپرس کرنے کا حق حاصل ہے، کہ اس نے خلافِ عہد کیوں کیا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿وأوفوا بالعهد إن العهد كان مسئولا﴾ (سورة الإسراء: ۳۴)

"عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قلما خطبنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إلا قال: "لا إيمان لمن لا أمانة له، ولا دين لمن لا عهد له". رواه البيهقي". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، الفصل الثاني، ص: ۱۵، قديمي)

(وكذا في مسند أحمد: ۳/۱۵۴، (رقم الحديث: ۱۲۳۸۷)، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

مہتمم اور منتظم کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ اس قسم کی شرائط اپنے مدرسین کے لئے مقرر اور وضع کریں، کیونکہ شریعتِ مطہرہ میں ایسے نظائر موجود ہیں جن میں حاکم کا اپنے محکوم کے لئے ایسی شرائط مقرر کرنا مصرح ہے:

"عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه: أنه كان إذا بعث عماله، شرط عليهم أن لا تركبوا برذوناً، ولا تأكلوا النقي، ولا تلبسوا رقيقاً، ولا تغلقوا أبوابكم دون حوائج الناس، فإن فعلتم شيئاً من ذلك فقد حلت بكم العقوبة، ثم يشيعهم". (مشكوة المصابيح، كتاب الإمارة والقضاء، باب ما على الولاة من التيسير، الفصل الثالث، ص: ۳۲۳، قديمي)

اسی طرح قوانین اور قواعد کے تحت فرائضِ منصبیہ کو پورا نہ کرنے کی صورت میں بھی حاکم کو بازپرس کا حق حاصل ہے، جب کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی حکومت کے بعض عمال کے بارے میں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کہ "اگر =

مہتمم کا ملازم کو اجازت سے چندہ کے سفر کا ٹکٹ بنوانے کے بعد روکنا

سوال [۷۵۳۵]: زید مدرس مدرسہ ہذا چھ سال تھا، امسال ۱۴۰۱ کی تعطیل کی غرض سے بسلسلۂ چندہ مدرسہ سے متعلق منجانب مدرسہ بمبئی کا سفر کرنا چاہتا تھا، مہتمم مدرسہ سے ذکر کرنے پر زبانی اجازت دے دی اور زید نے مہتمم مدرسہ سے ذکر کر کے ٹکٹ روانگی بنوا لیا، ٹکٹ بن جانے پر مہتمم مدرسہ نے سفر سے بسلسلۂ چندہ انکار کر دیا اور رخصت دینے کا وعدہ کر لیا ہے۔ زید نے سفر کے روز سے تقریباً ایک ہفتہ قبل رخصت کی درخواست دے دی، مہتمم نے مدرسہ سے سفر کے روز عین وقت پر رخصت دینے سے انکار کر دیا۔

اگر ایسی صورت میں زید نے اپنے ذاتی مصرف سے سفر کر لیا تو زید شرعاً مجرم ہے یا نہیں؟ نیز مہتمم صاحب کا بعد وعدہ کے عین وقت پر انکار کرنا جرم ہے یا نہیں؟ نیز صورت بالا میں زید کو برخاست کرنا صحیح ہے یا غلط ہے؟

ضابطۂ مدرسہ

۱- طلباء ہوں یا مدرس تحریری رخصت لینا ضروری ہے، اس کے خلاف کرنے پر تدارک کیا جائے گا۔

۲- باستثناء رخصت اتفاقیہ ایک ماہ پیشتر درخواست دینا ضروری ہے، یہ قانون غیر معمول بہا ہے، نہ زید بلکہ جملہ ملازمین حتیٰ کہ مہتمم قانون سے وقت سفر تک ناواقف ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مدرس کو ملازمت کا معاملہ کرتے وقت مدرسہ کے کم از کم ان ضوابط کا معلوم کرنا ضروری ہے، جن کی

"میں ٹھیک کام کروں تو میری اتباع کرو اور اگر برا کام ہو تو میری اصلاح کرو" جب کہ حاکم اپنی اصلاح کے لئے رعایا سے اپنی اصلاح کی التجا کرتا ہو تو اسی طرح حاکم کو بھی حق ہے کہ اپنے ماتحت کی اصلاح کرے۔

"وروي أنه قال يوماً على المنبر: يا معاشر المسلمين! ماذا تقولون لو ملت برأسي إلى الدنيا كذا - وميّل رأسه - فقام إليه رجل فاستلّ سيفه، وقال: أجل كنا نقول بالسيف كذا - وأشار إلى قطعه - فقال: إياي تعني بقولك؟ قال: نعم إياك أعني بقولي، فنهره عمر ثلاثاً وهو ينهر عمر، فقال عمر: رحمك الله، الحمد لله الذي جعل في رعيتي من إذا تعوّجت قوّمني". (إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء، الفصل الثاني في جنس من مقامات اليقين إلخ، ص: ۷۵، سهيل اكيدمي لاهور)

پابندی اس کے ذمہ لازم ہے، یا جن کے تحت اس کو مراعاۃ دی جاسکتی ہے، ضوابط مدرسہ سے ناواقف رہنا بڑی کوتاہی ہے۔ ذمہ داران مدرسہ (مہتمم وغیرہ) کو بھی لازم ہے کہ مدرس ملازم کو ضوابط سے آگاہ کر دیا کریں، تاکہ نظم میں خلل پیدا نہ ہو۔ بعض مدارس میں زبانی اجازت لینا بھی کافی ہوتا ہے، پھر رجسٹر میں اندراج ہوتا ہے اور زبانی انکار بھی کافی ہوتا ہے، اگر وہاں کا معمول یہی ہے تو یہ اجازت کافی تھی (۱)۔ اور اگر مصالحِ مدرسہ کے پیش نظر سفر سے مہتمم صاحب نے منع کر دیا تو یہ منع بھی صحیح ہے، البتہ ٹکٹ کی واپسی میں جو پیسہ خرچ ہوں وہ مہتمم صاحب دے دیں (۲)۔

پھر حسب وعدہ سفر کی رخصت دینا مہتمم صاحب کے ذمہ تھا، لیکن اگر عین وقت پر مانع قوی پیش آنے کی وجہ سے رخصت نہیں دی تو وہ وعدہ خلافی کے مجرم نہیں (۳) اور اس سفر کے کام کا معاوضہ پانے کا بھی حق

---

(۱) اس لئے کہ امور غیر منصوصہ میں عرف کا اعتبار ہوگا:

"ومالم ينص عليه، حمل على العرف". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب الربا: ۱۷۶/۵، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الأول، (رقم القاعدة: ۲۳۸) : ۲۶۹/۱، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في قواعد الفقه، (رقم القاعدة: ۱۸۵)، ص: ۹۳، الصدف پبلشرز كراچی)

(۲) واضح رہے کہ مذکورہ صورت میں مدرس وکیل اور سفیر ہے، مہتمم موکل ہے اور وکیل کی آمدورفت کا خرچہ موکل کے ذمہ ہوگا:

"إذا اشترطت الأجرة في الوكالة وأوفاها الوكيل، استحق الأجرة. إطلاقه يدل على أنه لا فرق فيما إذا وقت وقتاً معلوماً لإيفاء الوكالة، أولا". شرح المجلة، (رقم المادة: ۱۴۶۷): ۲/ ۷۸۹، مكتبه حنفيه)

(وكذا في الفقه الإسلامي، كتاب الوكالة، البحث الأول في تعريف الوكالة: ۳۰۵۸/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى الكاملية، كتاب الوكالة، ص: ۱۳۶، مكتبه حقانيه پشاور)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۵۷۲/۳، ۵۷۳، سعيد)

(۳) "عن زيد بن أرقم رضي الله تعالى عنه، عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "إذا وعد الرجل أخاه ومن نيته أن يفي له، فلم يف ولم يجئ للميعاد، فلا إثم عليه". رواه أبوداؤد". (مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب الوعد، الفصل الثاني، ص: ۴۱۶، قديمي)

(وتفصيله في مرقاة المفاتيح، باب الوعد، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۴۸۸۱) : ۶۱۵/۸، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الحظر والإباحة: ۲۳۶/۳، إدارة القرآن كراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

دارالعلوم دیوبند میں جو قرآن کریم، حدیث شریف، تفسیر، فقہ، اصول کلام اور فنون کی تعلیم باقاعدہ ہوتی ہے جس میں کئی سال صرف ہوتے ہیں، سہ ماہی، ششماہی، سالانہ امتحانات لئے جاتے ہیں، تب سند دی جاتی ہے۔ اور جو شخص خدائے پاک کی توفیق سے اپنی استعداد اور صلاحیت کے مطابق تدریس، تالیف، تذکیر وغیرہ دینی علمی خدمات انجام دیتا ہے۔ محض کسی کی درخواست پر اس کو کوئی سند نہیں دی جاتی۔ آپ کو خدمت کا شوق وجذبہ ہے تو تبلیغ کیجئے، مرکز تبلیغ نظام الدین دہلی سے جماعت بلوا لیجئے وہ جماعت گشت کرکے لوگوں کو مسجد میں نماز کے لئے جمع کرتی ہے بلکہ سکھاتی ہے، نماز سکھاتی ہے، تعلیمی حلقہ قائم کرتی ہے۔ اس کا پورا نظام سمجھ لیجئے۔

بہتر صورت یہ ہے کہ پہلے آپ خود دہلی نظام الدین جائیے، وہاں سب کام دیکھئے، پھر اپنے مقام پر بھی کام شروع کردیجئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے اور آپ سے اپنے دین کی خدمت لے اور ہدایت پھیلائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۳/۱۴۰۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۳/۱۴۰۳ھ۔

مدرس کو دوسری جگہ ملازمت کرکے پہلے مدرسہ کو ویران کرنا

سوال [۶۰۲۸]: زید ایک مستند عالم ہے اور ایک مذہبی تین القوامی ادارہ میں کام کرتا ہے، چار سال کام کیا، اس کے ساتھ بڑے احسانات کئے گئے، مگر اس سے ایسی کوتاہیاں ہوئیں کہ اگر مہتمم وصدر مدرس نہ سنبھالتے تو یہ کہیں کا نہ رہتا، مگر زید نے اس ادارہ کی اینٹ سے اینٹ بجانے کی کوشش کی۔ طلباء میں پارٹی بندی کرادی اور طلباء سے کہہ دیا کہ میں شوال میں نہیں آؤں گا تم بھی نہ آنا۔ اور چندہ دہندگان کو سمجھایا کہ اس ادارے میں تو کوئی طالب علم ہے نہ استاذ ہے، وہاں فلاں کو بھیجنا، چندہ دینا۔ اس طرح قدیم ادارہ کو توڑنا اور جدید جگہ پر طلباء کو لے جانا، یا ادھر ادھر منتشر کرکے ادارے کو بند کرانے کی سعی کرنا زید کے لئے جائز ہے یا ناجائز؟

ایم محمد فاروق مہتمم (ریٹائرڈ) بیوگام، کرناٹک۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ حرکت سخت مذموم، قابلِ نفرت، قابلِ ملامت ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۳/۹۵ھ۔

بلا وجہ دینی مدرسہ کو بند کرنا

سوال[۷۵۳۹]: ایک قصبہ میں عرصہ سے ایک مدرسہ اسلامیہ چل رہا ہے، جس کا انتظام چند ممبران کمیٹی اور ایک منیجر کے سپرد ہے، جملہ مسلمان مدرسہ میں چندہ دے کر مدرسہ کی اعانت کرتے ہیں، وہ عام مسلمانوں کے پیسے سے مدرسہ کا کام چلتا ہے، انہی مسلمانوں کے بچے مذہبی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اب عرصہ ایک ماہ ہوا کہ بغیر کسی وجہ اور بغیر کسی مشورہ کے منیجر مذکور نے مدرسہ کو تالا لگا دیا، بچوں کی دینی تعلیم بند ہوگئی۔ اب جملہ مسلمان پریشان ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ منیجر کو بدل دیں۔ اگر از روئے شرع کوئی جرم ثابت ہوتا ہے تو تحریر فرمائیں، جب کہ علمِ دین کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، اس کا بند کرنے والا کس جرم کا مرتکب ہوا اور اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلا وجہ دینی مدرسہ کو بند کرنا اور تالا لگانا درست نہیں، منیجر کوئی وجہ معقول پیش نہ کرے تو علیحدگی کا مستحق ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۸/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۸/۹۲ھ۔

---

(۱) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿ولا تبغ الفساد فی الأرض، إن اللہ لا یحب المفسدین﴾ (سورۃ القصص: ۷۷)

قال الحافظ ابن کثیر تحتہا: "﴿ولا تبغ الفساد﴾ أی لا تکن ہمتک بما أنت فیہ أن تفسد بہ فی الأرض وتسیء إلی خلق اللہ". (تفسیر ابن کثیر: ۳/۵۰۹، سہیل اکیڈمی لاہور)

(۲) "وینزع وجوباً لو الواقف، فغیرہ بالأولیٰ غیر مأمون، أو عاجزاً، أو ظہر بہ فسق کشرب خمر ونحوہ". (الدر المختار، کتاب الوقف: ۴/۳۸۰، سعید) =

جدید مدرسہ بنانے پر قدیم مدرسہ کا حکم

سوال[۷۵۲۰]: ایک واقف نے حسب ذیل شرائط کے ساتھ اپنا مکان مدرسہ کے لئے ایک جماعت کو وقف کرکے سپرد کیا تھا، شرائط یہ تھیں:

۱- مدرسہ میں اہل سنت والجماعت کی بچوں کو تعلیم دی جائے۔

۲- تعلیم کی کوئی فیس نہ لی جائے۔

۳- مدرسہ میں انگریزی تعلیم نہ دی جائے۔

ان شرطوں کے ساتھ یہ مدرسہ تقریباً ساٹھ برس سے چلتا ہے۔ فی الحال مین جماعت نے مدرسہ کے لئے نیا مکان بنوایا ہے، اور اس مدرسہ کو متولی کو واپس کردیا ہے، اب یہ مدرسہ چھ ماہ سے بند پڑا ہے۔ مدرسہ قدیم کی کوئی آمدنی نہیں ہے کہ جس سے مدرسہ کو چلایا جاسکے۔ دریافت طلب یہ ہے کہ مذکورہ مدرسہ کو کسی بھی اہل سنت والجماعت کی جماعت یا برادری کو دیا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱- جو حضرات بھی قرآن پاک اور دینی تعلیم کا انتظام کرسکیں ان کے حوالہ کردیا جائے(۱) تاکہ واقف کو ثواب پہونچتا رہے اور مدرسہ کو چالو کردیا جائے۔

۲- اگر آمدنی کی کوئی صورت نہیں تو بالائی حصے میں تعلیم کا انتظام کردیا جائے اور تحتانی (نیچے) کا حصہ

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۲۹۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۱۳، رشيديه)

(۱) "ولا يولّى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن، وكذا تولية العاجز؛ لأن يخل بالمقصود" (رد المحتار: ۴/۳۸۰، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۵/۳۷۵، كتاب الوقف، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۲/۴۰۸، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف، رشيديه)

کرایہ پر دیا جائے تا کہ اس کی آمدنی سے مدرسہ کی ضروریات پوری ہوسکیں (۱)۔

۳- اعلیٰ بات یہ ہے کہ تمام مسلمانوں سے چندہ کر کے مدرسہ چلایا جائے اور دونوں منزلوں میں مدرسہ ہی رہے (۲)، کرایہ پر دینے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۹۵ھ۔

دینی مکتب و مدرسہ کو ذاتی ملک سمجھنا

سوال [۱۰۱۵۷]: ایک دینی مکتب و مدرسہ جو عوام کے تعاون سے چلتا ہو، جس میں مقامی مسلمانوں کا اور بیرونی مسلمانوں کا تعاون زیادہ ہو، کیا ایسے مکتب یا مدرسہ کو کوئی مخصوص قوم یا کوئی مخصوص خاندان یا کوئی مخصوص انسان اپنی ملکیت بنا کر سمجھے، یا اپنی ملکیت بنانے کی سعی کرے تو ایسی صورت میں ایسی ملکیت اور مدرسہ کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟ اور ایسی قوم یا ایسے خاندان یا ایسے انسان کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا مدرسہ کسی شخص یا کسی خاندان کی ذاتی ملک نہیں، نہ اس پر دعوائے ملکیت صحیح و قابلِ تسلیم ہے (۳)۔

---

(۱) "وهذا كالخان الموقوف على الفقراء إذا احتيج إلى عمارة، بكسح الخان ويفتح الباب ويسدة، فيسلم المتولي بيتاً من بيوته إلى رجل سطرمن الأجرة كالمقيوم بذلك، فهو جائز". (الفتاوى العالمكيرية: ۲/۴۱۳، ۴۱۵، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف، رشيدية)

(وكذا في التاتارخانية: ۵/۷۳۶، كتاب الوقف، الفصل السابع في تصرف القيم في الأوقاف، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۶/۱۳۳، كتاب الوقف، الفصل السابع في تصرف القيم في الأوقاف، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وتعاونوا على البر والتقوىٰ﴾ (سورة المائدة: ۲)

(۳) "فإذا تم (الوقف) ولزم، لا يملك ولا يرهن". (الدر المختار) "(قوله لا يملك): أي لا يكون مملوكاً لصاحبه (ولا يملك): أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه". (رد المحتار: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۵/۳۲۲، كتاب الوقف، رشيديه)

جو چیز اپنی ملک نہ ہو اس کو اپنی ملکیت سمجھنا یا قرار دینا غلط ہے، کسی ایسے غلط عمل کی وجہ سے دینی مدرسہ سے تعلق منقطع نہیں کرنا چاہئے، بلکہ اس کے ساتھ تعاون کرتے رہنا چاہئے۔ جو لوگ غلط طور پر اس کو اپنی ملک سمجھتے ہیں ان کو فہمائش کی جائے۔ اور یہ بات کچھ سمجھ میں بھی نہیں آتی کہ ایسے مدرسہ کو وہ لوگ اپنی ذاتی ملک کیسے سمجھتے ہیں۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۸/۹۹ھ۔

مدرسہ کا مہتمم کس کا وکیل ہے؟ اور کیا مدرسہ کا چندہ وقف ہے؟

سوال[۷۵۳۲]: ۱۔ بعض حضرات جو مدارس کے مہتمم صاحبان یا ان کے نمائندوں کو ادا کردیتے ہیں اور کسی ذاتی مجبوری کی وجہ سے سفیر وغیرہ کی مجبوری سے وہ رقم ادارے کو بہت دیر میں پہنچتی ہے، اس دوران میں دینے والے کا انتقال ہو جاتا ہے، تو ان اداروں کے نمائندگان اور مہتمم یا منتظم حضرات کے ذمہ اس رقم کی واپسی واجب ہے یا نہیں؟

۲۔ نیز اگر مہتمم یا منتظم سفیر وغیرہ کے قبضہ میں چندہ کی رقم موجود ہو یا مدرسہ کے خزانہ میں یا بینک میں جمع ہے مگر ابھی تک غرباء و مساکین پر خرچ نہیں ہوئی اور نہ ہی اس کی تملیک کرائی گئی تھی کہ دینے والے کا انتقال ہوگیا تو اس رقم کی واپسی اس کے ورثاء کو واجب ہے یا نہیں؟

۳۔ نیز جن اداروں کو زکوۃ کی رقم دی جا چکی ہے اور وہ اس کو خرچ بھی کر چکے ہیں، مگر انہوں نے شرعی طریقہ پر تملیک نہیں کرائی، بغیر تملیک کرائے اس کو خرچ کر چکے ہیں تو ان اداروں کو دینے سے زکوۃ ادا ہوئی یا نہیں؟

۴۔ سفیر اور مہتمم صاحبان کے نمائندے دینے والوں کے وکیل ہیں یا غرباء و مساکین یعنی مصارف صدقات و زکوۃ کے وکیل ہیں، جب کہ ان اداروں میں مصرف زکوۃ موجود ہیں اور ان کے اخراجات کی کفالت ادارہ کرتا ہے؟

محمد احمد تھانوی، مدرسہ شرعیہ، سکھر۔

= (وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف: ۲۸۵/۳، رشيدية)

(وكذا في الهداية: ۶۲۰/۲، كتاب الوقف، مكتبه شركة علمية ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... اس مسئلہ سے متعلق حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہ سے سوال کیا تھا، وہ اور اس کے جواب مع حذف مکرر امداد الفتاوی ۲/۷۶-۲۷۷ میں منقول ہے جو کہ درج ذیل ہے:

سوال: ”مدرسہ میں جو چندہ آتا ہے اگر یہ وقف ہے تو بقاء عین کے ساتھ انتفاع کہاں ہے؟ اور اگر یہ ملک معطین کا ہے تو اس کے مرجانے کے بعد واپسی ورثہ کی طرف واجب ہے؟“

جواب: ”احقر کے نزدیک مدارس کا روپیہ وقف نہیں، مگر اہل مدرسہ مثل عمال بیت المال معطین وآخذین کی طرف سے وکیل ہیں، لہذا اس میں زکوۃ واجب ہوگی اور معطین واپس لے سکتے ہیں“۔

سوال: ”عمال بیت المال منصوب من السلطان ہیں اور سلطان کی ولایت عامہ ہے، اس لئے وہ سب کا وکیل بن سکتا ہے اور مہتممین میں ولایت عامہ نہیں، اس لئے آخذین کا وکیل کیسے بنے گا؟ کیونکہ نہ توکیل صریح ہے نہ دلالۃً، اور مہتممین رعیہ میں دلالت ہے کہ جب وہ اس کے زیر اطاعت ہیں تو وہ واجب الاطاعت ہے“۔

جواب: ”بندہ کے خیال میں سلطان میں دو وصف ہیں: ایک **حکومت**، جس کا ثمرہ ہے تنفیذ حدود وقصاص۔ دوسرا: انتظام حقوق عامہ۔

امر اول میں کوئی اس کا قائم مقام نہیں ہوسکتا، امر ثانی میں اہل حل وعقد بوقت ضرورت قائم مقام ہوسکتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ اہل حل وعقد کی رائے ومشورہ کے ساتھ نصب سلطان ونصب قضاۃ ہے جو باب انتظام سے ہے، لہذا ہمارا انتظام مدارس جو بوجہ ضعف سلطنت وحفاظت بقائے دین کے لئے بنایا گیا ہے، بلا ولی معتبر ہوگا، ذرا غور فرماویں، انتظام جمعہ کے لئے عامہ

کا نصب اہم معتبر ہوتا ہی جزئیات میں شاید اس کی نظیر ہو سکے"(۱)۔

ایک تحریر تذکرۃ الرشید: ۱/۱۹۳ میں زیر عنوان "شبہات فقہیہ و مسائل مختلف فیہا" موجود ہے اس کو بھی نقل کرتا ہوں:

سوال: "مدرسہ میں چندہ وغیرہ کا جو روپیہ آتا ہے وہ وقف ہے یا مملوک؟ اگر وقف ہے تو بجائے خود تعین واجب ہے اور صرف پر دوسرا کے ناجائز، اگر مملوک ہے اور مہتمم صاحب وکیل ہے تو معطی کی چندہ اگر مر جائے تو غرباء اور ورثاء کا حق ہے ان کی تفتیش اس کو واجب ہے۔ زمانہ شارع علیہ السلام و خلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں جو بیت المال تھا اس میں بھی یہ اشکال جاری ہے، دریں صورت فکر قواعد شرعیہ سے حل شدہ اور مختلف چندوں کو خلط کرنا استہلاک ہو جانا چاہیے اور مستہلک (فتح القدیر) ملک مستہلک ہو کر جو صرف کیا جاوے اس کا تبرع ہوگا اور مالکوں کا ضامن ہوگا۔ اگر یہ ہے تو اہل مدرسہ یا انجمن کو سخت دقت ہے۔ امید ہے کہ جواب بصواب سے تسلی فرمادیں گے"۔

جواب: "مہتمم مدرسہ کو قیم و نائب جمع طلبہ کا ہوتا ہے جیسا کہ مہتمم بیت المال کا ہوتا ہے، اس کے بعد جو شے کسی نے مدرسہ کو دی، مہتمم کا قبضہ خود طلباء کا قبضہ ہے، اس کے قبضہ سے ملک معطی سے نکلا اور ملک طلبہ کا ہو گیا اگرچہ وہ مجہول الاعیان والذوات ہوں، مگر نائب معین ہے، پس بعد موت معطی کے ملک ورثاء معطی کا اس میں نہیں ہو سکتی۔ اور مہتمم بعض وجوہ میں وکیل معطی کا بھی ہو سکتا ہے۔ بہر حال نہ یہ وقف ہے نہ ملک ورثہ معطی کی ہوتی ہے نہ خود معطی کی ملک ہے۔ واللہ اعلم"(۲)۔

---

(۱) (امداد الفتاوی، کتاب الوکالۃ، مہتمم مدرسہ متعین چندہ کی صرف مستعد وکیل ہے ورنہ ... صرف نہیں کر سکتا: [illegible]، مکتبہ دار العلوم کراچی)

(۲) (تذکرۃ الرشید، عنوان: شبہات فقہ و مسائل مختلف فیہا: ۱/۱۹۳، ادارہ اسلامیات، لاہور)

(وکذا فی جواهر الفتاوی للمفتی عبدالسلام چاٹگامی: ۳۰۰/۲، عنوان: "تحقیق ..." ... اسلامی کتب خانہ کراچی)

اس تحریر میں شبہ مولانا صادق الیقین رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور جواب حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ کا ہے، یہ ہے کہ آپ کا مسئلہ ان تحریرات سے حل ہو جائے گا۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۱۵/۳/۸۸ھ۔

مدرسے سے متعلق ایک وصیت نامہ

سوال [۷۰۳۲]: ذیل کی لکھی ہوئی وصیت کے بارے میں کیا حکم ہے؟

"حبیب اللہ! تم میرے انتقال کے بعد جامع مسجد میں تمام نمازیوں سے چند باتیں بتا دینا، کیونکہ میری طبیعت ٹھیک نہیں چل رہی ہے:

۱- میں نے جو تحریر مدرسہ اور مسجد کے بارے میں لکھی ہے۔ اس پر عمل کیا جائے، وہ لوگوں کو پڑھ کر سنا دینا۔

۲- تمام لوگ مل کر ایک مجلس انتظامیہ بنا لیں اس میں ہر طرف کے آدمی ہونے چاہییں، اگر مجلس ٹھیک کام نہیں کرتی تو اس کو بدلا بھی جا سکتا ہے اور دوسری مجلس انتظامیہ بنائی جا سکتی ہے۔

۳- جو بھی رقم مسجد یا مدرسے کے لئے وصول کی جائے اس کی رسید باقاعدہ لوگوں کو دی جائے، بغیر رسید کے کسی کی رقم نہ لینی چاہیے، اور جو رقم وصول کی جائے اسے فوراً ڈاکخانے میں جمع کر دیا جائے، کیونکہ آج کل زمانہ بہت نازک ہے۔

۴- میری تحویل میں زکوۃ وصدقات کی رقم ڈاکخانے میں جمع کر دینا، مدرسے کے نام جو مجلس انتظامیہ بنائی جائے اس کو ڈاکخانے کی کتاب دے دینا۔

۵- کسی عالم ہم خیال وعقیدہ حنفی دیوبندی کو تعلیم کے واسطے مدرسہ میں ضرور مقرر کرنا، میرے بعد تعلیم سے غافل نہ ہونا، ورنہ مجھے بڑا دکھ ہوگا۔ دیکھو! تم اپنے عمل کے تم سب ذمہ دار ہوگے"۔

سائل: حبیب اللہ عزت، مولانا عظمت حسین محمد حسن قریشی، یادہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سب باتیں شرعاً درست اور مفید ہیں (۱)۔ اگر خانہ میں ایسی صورت بھی ہے جس میں سود کا معاملہ نہیں، اسی صورت میں جمع کریں ورنہ رقوم واجب الاداء جن کی ہوں ان کو مستحقین تک پہونچانے کا مناسب انتظام کریں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۵/۱۰/۹۲ھ۔

درسگاہ میں گھنٹہ بجنے سے پہلے نشانی رکھ دینا

سوال [۵۵۴۴]: طلبائے دار العلوم دیوبند عام طور پر ایسا کرتے ہیں کہ اسباق میں بیٹھنے کے لئے گھنٹہ بجنے سے پہلے ہی درسگاہوں میں اپنی نشانی رکھ دیتے ہیں۔ اس طور پر نشانی رکھنے سے اس جگہ پر ان کے بیٹھنے کا استحقاق ہو جاتا ہے یا نہیں؟ براہ کرم جواب عنایت فرمائیں۔

مختار احمد سہارنپوری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

پہلے ہی سے محض اس نشانی کو رکھ دینے کی وجہ سے ان کا حق لازم و مستقر نہیں ہو جاتا، کوئی دوسرا طالب علم اگر وہاں بیٹھ جائے تو گنہگار نہیں ہوگا۔ البتہ دوسری جگہ موجود ہو تو نشانی والے کو وحشت میں ڈالنے سے اخلاقاً

---

(۱) "وإن مات القيم وقد أوصى إلى أحد، فوصيّ القيم بمنزلة القيم. وهذه المسئلة دليل على أن للقيم تفويضاً إلى غيره عند الموت بالوصية؛ لأنه بمنزلة الوصي عند الموت، وللوصي أن يوصي إلى غيره". (الفتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل الثاني في نصب المتولي وما يملك: ۳/۳۰۵-۳۰۶، رشيدية)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: الوصي يصير متولياً بلا نص: ۴/۴۲۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم: ۲/۴۰۹، رشيدية)

(۲) کیونکہ رقوم متعلقین کے پاس امانت ہے اور امانت کو مستحقین تک پہنچانا ضروری ہے

قال الله تبارك وتعالى: ﴿إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها﴾ (سورة النساء: ۵۸)

احتراز مناسب ہے۔

ہاں! اگر کوئی شخص پہلے سے آکر بیٹھ چکا تھا، پھر کسی عارض کی وجہ سے مثلاً تجدید وضو وغیرہ کی وجہ سے اٹھ کر گیا اور نشانی رکھ گیا تا کہ ضرورت سے فارغ ہو کر بلا تشویش آکر بیٹھ جائے تو اس کی جگہ دوسرے کو بیٹھنے کا حق نہیں۔ شامی (۱) وعالمگیری (۲) وشرح اشباہ (۳) وشرح بخاری شریف (۴) میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) "في القنية: له في المسجد موضع معين يواظب عليه، وقد شغله غيره، قال الأوزاعي: له أن يزعجه، وليس له ذلك عندنا، اهـ. أي لأن المسجد ليس ملكاً لأحد. قلت: وينبغي تقييده بما إذا لم يقم عنه على نية العود بلا مهلة كما لو قام للوضوء مثلاً، ولا سيما إذا وضع فيه ثوبه لتحقق سبق يده ... وكذا كل ما يكون المسلمون فيه سواء كالنزول في الرباطات والجلوس في المساجد للصلوة". (رد المحتار، كتاب الصلوة، مطلب فيمن سبقت يده إلى مباح: ۱/۶۶۲، سعيد)

(۲) "ذكر الفقيه رحمه الله تعالى في التنبيه: حرمة المسجد خمسة عشر ... والتاسع أن لا ينازع في المكان، والعاشر أن لا يضيق على أحد في الصف". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المساجد: ۵/۳۲۱، رشيديه)

(۳) "وقال في شرح المهذب في باب الجمعة: لا يقام أحد من مجلسه ليجلس في موضعه، فإن قام باختياره، لم يكره". (شرح الأشباه والنظائر، القاعدة الثالثة من الفن الأول: ۱/۳۳۲، إدارة القرآن كراچی)

"يجوز لكل واحد الانتفاع بالمباح، لكنه بشرط أن لا يضر بالعامة". (شرح المجلة، الفصل الثالث في أحكام الأشياء المباحة الخ، رقم المادة: ۱۲۵۴، مكتبه حبيبه كوئٹه)

(۴) "عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما، عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أنه قال: "من ترك الصف الأول مخافة أن يؤذي مسلماً، أضعف الله له أجر الصف". (شرح صحيح البخاري لابن بطال رحمه الله، كتاب الأذان، باب الصف الأول: ۲/۳۳۹، مكتبة الرشد، رياض)

مدرسہ کی آمدنی سے امارتِ شرعیہ کی امداد

سوال[۷۵۴۶]: ایک مدرسہ کی آمدنی کی رقم سے دوسرے مدارس یا امارتِ شرعیہ وغیرہ کا تعاون جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک مدرسہ کی وقف کی آمدنی دوسرے مدارس، یا امارتِ شرعیہ کے تعاون میں صرف کرنا جائز نہیں ہے:

"اتحد الواقف والجهة وقلّ مرسوم بعض الوقف عليه بسبب خراب وقف أحدهما، جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه؛ لأنهما حينئذٍ كشيء واحد. وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين، أو رجل مسجداً ومدرسةً، و وقف عليها أوقافاً، لايجوز له ذلك". درمختار على هامش الشامية: ۳/۵۱۵(۱)۔ "فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع". شامی: ۳/۴۹۹(۲)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۸۸ھ۔

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳/۳۶۰، کتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه، سعید)

"قال الخير الرملي: أقول: ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوى". (ردالمحتار: ۳/۳۶۱، کتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد و نحوه، سعید)

"و قد علم منه أنه لا يجوز لمتولي الشيخونية بالقاهرة صرف أحد الوقفين للآخر". (البحرالرائق: ۵/۳۶۲، کتاب الوقف، رشیدیہ)

(۲) (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة، : ۳/۴۳۳، سعید)

(وكذا في مجمع الأنهر، کتاب الوقف، فصل: ۲/۴۰۸، غفاریہ کوئٹہ)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، کتاب الوقف، مطلب: شرط الواقف كنص الشارع: ۱/۱۲۶، مکتبہ میمنیہ مصر)

چندہ کا روپیہ جلسۂ انعامی میں خرچ کرنا

سوال[۷۵۴۷]: یہاں مدرسہ اسلامیہ کے لئے تعمیر سے سالانہ چندہ کیا جاتا ہے جس میں زیادہ تر صدقاتِ واجبہ: زکوٰۃ، چرمِ قربانی کی ہوتی ہے اور مصارفِ مدرسہ تنخواہ مدرسین اور خرچ یتیم خانہ وغیرہ کی مدیں ہیں، اس کے علاوہ روزمرہ کے کچھ متفرق خرچ ہوجاتا ہے۔ چندہ دہندگان کے ذہن میں اخراجاتِ مدرسہ کی تفصیل نہیں ہوتی اور نہ ہر وقت ان سے ہر ہر خرچ کی اجازت لی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ دو تین سال میں جلسہ انعامی بھی ہوتا ہے جس میں طلبا کو کتابیں انعام میں اور علماء کا خرچ مد وقف دیا جاتا ہے۔

آیا یہ خرچ جلسہ بھی مدرسہ کے چندہ کی رقم میں سے کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر بلا اجازت نہیں کیا جاسکتا تو اجازت زکوٰۃ دہندگان سے لی جایا کرے، یا تملیک کرنے والے جو زکوٰۃ کی رقم اپنی ملک میں لے کر مدرسہ میں داخل کردیتا ہے، یا قرض لے کر مدرسہ میں دیدیا جاتا ہے، ان کو صدقات کی رقم بنام قرض ادا کرنے کے لئے دیدی جاتی ہے۔ امید ہے کہ جواب سے مشرف فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر چندہ دہندگان نے مصرف کی تعیین کردی ہے تو اسی مصرف پر چندہ صرف کیا جائے گا، اس کے خلاف نہ کیا جائے (۱)۔ اگر مصرف کی تعیین نہیں کی، بلکہ مہتمم کو مصالحِ مدرسہ میں صرف کرنے کا کلی اختیار دیدیا ہے تو پھر ہر مصلحت میں صرف کرنا درست ہے (۲)۔ جن رقوم میں تملیک واجب ہے، ان کو بغیر تملیک کے بغیر

---

(۱) "ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوى" اهـ. (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد: ۴/۳۶۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۶۲، رشيدية)

"وهنا الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان، فلا يملك الدفع إلى غيره" (رد المحتار، كتاب الزكوة: ۲/۲۶۹، سعيد)

(۲) "مسجد له أوقاف مختلفة، لا بأس للقيم أن يخلط غلتها كلها، وإن خرب حانوت منها، فلا بأس بعمارته من غلة حانوت آخر، لأن الكل للمسجد". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۵، رشيدية) =

محل: یعنی تنخواہ وغیرہ میں صرف کرنا جائز نہیں (۱)۔

جب انعامی جلسہ ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ چندہ دہندگان بھی کثیر مقدار میں جمع ہوتے ہوں گے، ان کے سامنے مدرسہ کا پورا آمد وصرف کا حساب مد وار پیش کیا جاتا ہوگا، یہ ان کے لئے ذریعۂ علم ہے، پھر ہر شخص سے علیحدہ علیحدہ ہر ہر مد بتا کر مصرف (یعنی جو رقم زکوۃ وصدقات کے علاوہ یکمشت مدرسہ میں آتی ہے اس کے لئے تفصیل کی ضرورت نہیں، اجمالی علم ان مدات کا ان کو ہوتا ہی ہے وہ کافی ہے) کا دریافت کرنا ضروری نہیں۔ ہاں! اگر قرائن سے معلوم ہو جائے کہ یہ صاحب اپنا روپیہ فلاں مد میں صرف کرنا پسند نہ کریں گے تو ان کا روپیہ اس مد میں بلا اجازت صرف نہیں کرنا چاہیے۔

اگر اب تک چندہ دہندگان کے سامنے جملہ مدات کو پیش نہیں کیا گیا تو بہتر یہ ہے کہ ان کو ضرور پیش کر دیا جائے تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ ہمارا روپیہ کہاں کہاں صرف ہوتا ہے اور جس شخص کو اس طرح چندہ دینے سے گریز ہو تو وہ اس میں خرچ کرنے سے منع کر دے۔ جلسۂ انعامی بھی مصالح مدرسہ میں سے ہے۔ رقم واجب التملیک میں مستحقین کو انعام دینا درست ہے اور غیر مستحقین کو بلا تملیک درست نہیں۔ جب رقم واجب التملیک کی تملیک ہوگئی تو اصل دہندہ کی زکوۃ وغیرہ ادا ہوگئی، اب اگر کسی مد میں صرف کرنے کے لئے اجازت کی ضرورت ہو تو جو شخص مالک بننے کے بعد از خود مدرسہ میں دے گا اس سے اجازت لی جائے، سابق دہندہ سے اجازت کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، 　صحیح: عبد اللطیف۔

مجلسِ شوریٰ نے جس کے لئے جو چیز تجویز کر دی وہ اسی کے لئے ہے

سوال [۷۵۴۸]: مدرسین کا اس مال سے تنخواہ لینا کیسا ہے جو زکوۃ، صدقہ، امداد میں مخلوط ہو، اور بلا

= (وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الرابع في المسجد وما يتصل به: ۶/۲۶۹، ۲۷۰، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف: ۳/۳۶۰، سعيد)

(۱) "وقدمنا أن الحيلة أن يتصدق على الفقير، ثم يأمره بفعل هذه الأشياء. وهل له أن يخالف أمره؟ لم أره، والظاهر: نعم". (الدر المختار، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۲/۳۴۵، سعيد)

تنخواہ لے سکتا ہے یا نہیں؟ اگر شوریٰ نے کوئی شئی کسی ایک کے لئے علماء میں سے منتخب کردی تو کیا دوسرا آدمی اسی محلہ کا اس سے چھین لے سکتا ہے ضرورت کے پیش نظر؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ وصدقہ سے تنخواہ لینا درست نہیں ہے(۱)۔ شوریٰ نے جس کے لئے جوشئی تجویز کردی، بغیر شوریٰ کی اجازت کے کسی دوسرے کو اس کے لینے کا حق نہیں (۲) ضرورت ہو تو شوریٰ سے کہے۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مدرسہ کے لئے دی ہوئی رقم اپنے رکھے ہوئے مدرس کو دینا

سوال[۷۵۴۹]: ۱...... میں کمیٹی کی طرف سے بنایا ہوا ایک مدرسہ کا مہتمم ہوں۔ زید مدرسہ کے نیچے کی منزل کا کرایہ دار ہے، مدرسہ کو کرایہ دیتا چلا آیا ہے۔ میری زید سے مخالفت ہوگئی تو زید نے یہ عمل کیا کہ مدرسہ کے ایک کمرہ میں ایک مدرس کو اپنی ذمہ داری پر تعلیم کے لئے بٹھادیا، میں نے بوجہ تقدس کوئی مخالفت نہیں کی۔ زید کے اوپر دو سال کا کرایہ مدرسہ کا واجب ہوگیا، اس سے کرایہ کا مطالبہ کیا گیا تو اس نے جواب دیا کہ میں تو اپنے

---

(۱) زکوٰۃ کی ادائیگی میں تملیک بلاعوض شرط ہے اور تنخواہ عوض ہے جو دی جاتی ہے لہذا یہ جائز نہیں: "هي تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالى". (البحر الرائق، كتاب الزكوة: ۲/۳۵۲، ۳۵۳، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الزكوة: ۲/۲۵۶، ۲۵۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الزكوة، الباب الأول: ۱/۱۷۰، رشيديه)

(۲) "ولف له متول ومشرفه لا يمكون للمشرف أن يتصرف في مال الوقف، لأن ذلك مفوض إلى المتولي، والمشرف مأمور بالحفظ لا غير". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً أو سقاية أو مقبرة: ۳/۲۹۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم: ۲/۴۱۵، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الوقف، الفصل الثاني: ۴/۴۱۱، امجد اكيڈمي، لاهور)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۳۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

رکھے ہوئے مدرس کو تنخواہ دیتا ہوں، آپ کو نہیں دوں گا۔ اس کا یہ عمل کیسا ہے؟ میں اس کے اس عمل سے متفق نہیں ہوں، تو مدرسہ کا دو سال کا کرایہ اس پر واجب ہے یا شرعاً ادا ہو گیا؟

ایضاً

سوال [۷۵۵۰]: ۲..... شادی وغیرہ کے موقع پر بعض لوگ مدرسہ کو رقم دیتے ہیں، مذکورہ شخص وہ رقم لے کر مدرسہ میں دینے کے بجائے اپنے مدرس کو تنخواہ دیتا ہے۔ اس کا یہ عمل شرعاً کیسا ہے؟ اور یہ سب کچھ میری مخالفت کی وجہ سے کر رہا ہے، اور وہ شادی وغیرہ کی رقم اس کے ذمہ واجب الادا ہے یا نہیں؟

لیئق احمد، مدرسہ خادم القرآن، مرد صعد میرٹھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... حسب معاہدہ زید کے ذمہ کرایہ کا ادا کرنا واجب ہے(۱)، اپنی ذمہ داری پر کسی مدرس کو تنخواہ دینے سے کرایہ ساقط نہیں ہوگا، بلکہ اگر بطور چندہ مدرسہ میں وہ روپیہ یا سامان دے، یا طلباء کو کھانا دے اس سے بھی کرایہ ساقط نہیں ہوگا (۲)۔

۲..... جو چیز رقم وغیرہ کسی نے اس کو مدرسہ میں دینے کے لئے دی ہے وہ چیز امانت ہے، اس کے ذمہ لازم ہے کہ مدرسہ کے ذمہ دار کے حوالہ کرے، خود اپنے رکھے ہوئے مدرس کو دینا درست نہیں، اس طرح سے حقِ امانت ادا نہیں ہوتا (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۹/۵/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱۱/۵/۹۲ھ۔

---

(۱) "واعلم أن الأجر لا يلزم بالعقد، فلا يجب تسليمه به، بل بتعجيله أو شرطه في الإجارة ..... أو الاستيفاء للمنفعة أو تمكنه منه". (الدر المختار، كتاب الإجارة: ۶/۱۰، سعيد)

"ثم الأجرة تستحق بأحد معان ثلاثة: إما بشرط التعجيل أو بالتعجيل أو باستيفاء المعقود عليه، فإذا وجد أحد هذه الثلاثة، فإنه يملكها". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الثاني: ۴/۱۳، رشيديه)

(۲) چونکہ مدرس کو زید ہی نے رکھا ہے، لہٰذا زید ہی کے ذمہ اس کی تنخواہ ہے، مدرسے کی رقم سے نہیں دے سکتا ہے، کما تقدم في الحاشية المتقدمة.

(۳) قال الله تبارك وتعالى: ﴿إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانت إلى أهلها﴾ (سورة النساء: ۵۸)

سفر بکارِ مدرسہ میں اپنا ذاتی سامان ضائع ہوجائے تو اس کا بدل

سوال [۷۵۵۱]: مدرسہ کے کام سے کہیں گئے اور اپنا ذاتی سامان کھو گیا تو کیا مدرسہ سے مطالبہ کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۳/۱۴۰۶ھ۔

دینی مدرسہ کے لئے وقف شدہ زمین کی پیداوار اسکول میں دینا

سوال [۷۵۵۲]: والد مرحوم نے اپنی حیثیت میں ایک دینی مدرسہ کی خدمت کے واسطے مدرسہ میں زمین وقف کی تھی، پہلے دینی تعلیم اور اسی کورس کی تعلیم ہوتی تھی، چند سال بعد ممبران مدرسہ نے اسے بدل کر انگریزی، ہندی شامل کر کے پورا ہائر سکنڈری کورس کے مطابق چلایا۔ اس وقت وہ کالج ہے، طلبہ کی وضع قطع بالکل بدل گئی۔ گورنمنٹ کی طرف سے روپیہ مدرسہ کو ملتا ہے، سرکاری امتحانات ہوتے ہیں، سرکاری مشورہ سے نصاب میں ترمیم وتنسیخ بھی ہوتی ہے۔ والد صاحب اس وقت مخالف ہوئے اور ممبری سے استعفاء دیا اور وقف زمین کی پیداوار غلہ دھان وغیرہ بجائے اس مدرسہ میں دینے کے دارالعلوم دیوبند اور دوسرے مدارس کو جہاں دینی تعلیم ہو، دیتے گئے۔

اب والد صاحب کا انتقال ہوگیا ہے، ہم چار بھائی ہیں، ہم سب کا بھی وہی خیال ہے جو والد صاحب کا تھا۔ کمیٹی والے ہم کو زور دے رہے ہیں کہ تم بھی دو، کیونکہ تمہارے والد صاحب نے مدرسہ میں زمین وقف کی تھی۔ ہم جواب دیتے ہیں کہ یہ رجسٹرڈ نہیں ہے کہ آپ کا مدرسہ جس حال میں بھی ہو قیامت تک اس کا غلہ دیا جائے۔ بہرحال زمین رجسٹرڈ نہیں ہے۔

---

(۱) "الأصل أن الضمانات في الذمة لاتجب إلا بأحد الأمرين: إما بأخذ أو بشرط، فإذا عدما، لم تجب. فالأخذ: وهو الغصب وقبض الرهن والتقاط من غير شهاد ونحوها، والشرط قبول العقد كالشراء والاستيجار ونحوها". (قواعد الفقه، (رقم القاعدة: ۶۰)، ص: ۱۵، الصدف پبلشرز، کراچی)

(وكذا في شرح المجلة: ۱/۵۳، (رقم المادة: ۸۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی حالت میں اس کا غلہ اس مدرسہ میں دیا جائے یا دوسرے مدرسہ اسلامیہ کو جہاں دینی تعلیم ہوتی ہے؟ جواب سے نوازیں۔

عبدالمنان چودھری جہدا، ڈاک رنج پچھاڑہ آسام۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس دینی خدمت کے لئے آپ کے والد مرحوم نے وہ زمین مدرسہ کو دی تھی جب وہ خدمت وہاں نہیں رہی، بلکہ اس کے خلاف کا سلسلہ قائم ہوگیا اور والد صاحب نے خود بھی اس جگہ اس زمین کا غلہ دینا بند کر دیا تو آپ سب بھی وہاں غلہ نہ دیں، بلکہ دینی تعلیم پر خرچ کریں۔ واقف کی غرض فوت ہونے کی وجہ سے ممبروں کو اس کے مطالبہ کا حق نہیں۔ غرض، واقف کی رعایت لازم ہوتی ہے، جیسا کہ بحر(۱) تبیین(۲) ردالمحتار وغیرہ میں موجود ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، [illegible]ھ۔

ایک مدرسہ کی رقم دوسرے مدرسہ کے طالب علم کو دینا درست نہیں

سوال [۷۵۵۳]: مدرسہ کے نام پر وصول کی ہوئی رقم کسی ایسے محتاج طالب علم کو دینا جو اس مدرسہ میں داخل نہ ہو درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو رقم ایک مدرسہ کے لئے وصول ہوئی ہو، وہ کسی غیر متعلق آدمی کو دینا درست نہیں، اگرچہ وہ کسی

(۱) "لو شرط عند الإيقاف ذلك، اعتبر شرطه". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۶۸، رشيديه)

"أجمعت الأمة أن من شروط الواقفين ما هو صحيح معتبر يعمل به". (البحر الرائق: ۵/۴۰۱، كتاب الوقف، رشيديه)

(۲) "لأن شرط الواقف معتبر، فيراعى كالنص" (تبيين الحقائق: ۴/۲۹۹، كتاب الوقف، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "وما خالف شرط الواقف، فهو مخالف للنص ... سواء كان نصه في الوقف نصاً أو ظاهراً ... وشرط الواقف كنص الشارع، فيجب اتباعه". (رد المحتار: ۴/۴۹۵، كتاب الوقف، سعيد)

دوسرے مدرسہ کا طالب علم ہی ہو(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۵/۹۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۵/۹۴ھ۔

ایک مدرسہ کے لئے جمع شدہ روپیہ دوسرے مدرسہ میں خرچ کرنا

سوال [۷۵۵۴]: ایک جماعت نے مدرسہ اسلامیہ قائم کر کے اس کے نام رسید وغیرہ بھی جاری کر کے چندہ وصول کیا اور چند ماہ تک مدرسہ کو اس چندہ سے چلاتے رہے، بعد میں کافی رقم ہونے پر چند اشخاص نے دوسری جگہ مدرسہ اسلامیہ جاری کرنے کا ارادہ کیا۔ اب وہ روپیہ جو مدرسہ موجودہ کے لئے جمع کیا گیا تھا دوسرے مدرسہ میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ حالانکہ پہلے مدرسہ میں روپیہ کی سخت ضرورت ہے اور مدرسہ روپیہ کا سخت محتاج ہے۔ صاف و مدلل جواب باصواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس مدرسہ کے لئے متعین طور پر چندہ وصول کیا ہے جب تک وہ مدرسہ آباد ہو اور اس میں وہ روپیہ خرچ ہو سکتا ہو تو دوسرے مدرسہ میں خرچ کرنا شرعاً جائز نہیں(۲)، کیونکہ جماعت چندہ وصول کنندہ امین ہے،

---

(۱) مہتمم مدرسہ رقم دینے والوں کی طرف سے وکیل ہے اور وکیل کو موکل کی تصریح کے خلاف خرچ کرنے کا حق نہیں ہے: "وهنا الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل وقد أمره بالدفع إلى فلان، فلا يملك الدفع إلى غيره". (رد المحتار: ۲/۲۶۹، كتاب الزكاة، مطلب: في زكاة ثمن المبيع وفاءً، سعيد)

"ولو اشترى بغلة الوقف ثوباً ودفعه إلى المساكين، يضمن ما نقد من مال الوقف، لوقوع الشراء له". (الفتاوى العالمكيرية: ۲/۴۱۸، كتاب الوقف، الباب الخامس، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق: ۵/۳۹۰، كتاب الوقف، رشيدية)

(۲) "قال الخير الرملي: ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوى". (رد المحتار: ۴/۳۶۱، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه، سعيد)

"وأما إذا اختلف الواقف، أو اتحد الواقف واختلف الجهة بأن بنى مدرسة ومسجداً وعين لكل وقفاً، وفضل من غلة أحدهما، لا يبدل شرط الواقف ... وقد علم منه أنه لا يجوز للمتولي ... =

جس مدرسہ کے لئے وصول کیا ہے اس میں خرچ کرنا ضروری ہے اور دوسرے مدرسہ میں خرچ کرنا امانت اور دیانت کے خلاف ہے، اور جو خیانت کرے وہ متولی ومہتمم بننے کا مستحق نہیں: "وفي الإسعاف: لا یولی إلا أمین قادر بنفسه أو بنائبه اهـ" عالمگیری: ۲/۴۰۸(۱)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

اگر پہلا مدرسہ غیر آباد ہو جائے تب دوسرے مدرسہ میں صرف کرنا درست ہے، بشرطیکہ چندہ دہندگان منظور کریں (۲)۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

ایک مدرسہ کا روپیہ دوسرے مدرسہ میں خرچ کرنا

سوال[۵۵۵۵]: بارات کے سمدھی (معطی) نے بعد تحقیق وتفتیش بیواضح طور پر بتایا کہ میں نے کھیڑے والی مسجد اور مدرسہ میں پچاس روپے لوجہ اللہ دیئے ہیں اور حال یہ ہے کہ ان روپیوں کو کسی دوسرے مدرسہ کے متولی نے عیاری سے لے لیا۔ استفتاء یہ ہے کہ ان روپیوں کو کھیڑے والی مسجد اور مدرسہ کے علاوہ کسی دوسرے مسجد یا مدرسہ میں صرف کرنا جائز ہے یا نہ جائز؟ جبکہ معطی بار بار یہ کہہ رہا ہے کہ میری یہ خیرات کھیڑے

= الشیخوخة بالقاهرة صرف أحد الوقفین للآخر" (البحر الرائق: ۵/۳۷۲، کتاب الوقف، رشیدیه)

(۱) (الفتاوی العالمکیریة: ۲/۴۰۸، کتاب الوقف، الباب الخامس في ولایة الوقف وتصرف القیم، رشیدیه)

(وکذا في رد المحتار: ۴/۳۸۰، کتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي، سعید)

(وکذا في البحر الرائق: ۵/۳۷۸، کتاب الوقف، رشیدیه)

(۲) "عن شمس الأئمة الحلواني، أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب، ولا یحتاج إلیه، لتفرق الناس عنه، هل للقاضي أن یصرف أوقافه إلی مسجد أو حوض آخر؟ قال: نعم". (رد المحتار: ۴/۳۵۹، کتاب الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد أو غیره، سعید)

(وکذا في البحر الرائق: ۵/۴۲۲، کتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، رشیدیه)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة: ۲/۴۷۸، کتاب الوقف، الباب الثالث عشر في الأوقاف التي یستغنی عنها، رشیدیه)

والے مدرسہ اور مسجد کے لئے ہے۔ تحریر حکم سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس جگہ خرچ کرنے کے لئے وہ روپیہ دیا ہے اسی جگہ خرچ کرنا لازم ہے(۱)، اگر دوسری جگہ خرچ کردیا تو ضمان لازم ہوگا۔ اس لئے کہ متولی امین اور وکیل ہے، معطی کی تصریح کے خلاف خرچ کرنے کا اس کو حق نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۲/۵/۹۰ھ۔

طلبہ کی انجمن کا روپیہ دارالعلوم میں دینا

سوال [۷۵۵۲]: افریقی طلبہ کی ایک انجمن ہے جس کا نام "افریقہ مسلم اسٹوڈنٹس یونین" ہے، یہ وقتی طور پر معطل قرار دی گئی ہے، اس کا چندہ اکثر جنوبی افریقہ سے آتا تھا، ہم نے وہاں کے ایک رسالہ کے ذریعہ انجمن کے معطل ہونے کا عام اعلان کیا ہے اور یہ بھی اعلان کیا کہ انجمن کا معمولی سامان ڈابھیل کے مدرسہ جامعہ اسلامیہ میں امانت رہے گا، اور رقم دارالعلوم دیوبند میں بطور عطیہ دی جارہی ہے۔ کیا اس صورت میں یہ رقم دارالعلوم میں داخل کرسکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چندہ دینے والوں کو اگر یہ منظور ہے اور اس پر کوئی معترض نہیں تو ایسا کرنا شرعاً درست ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۸/۹۵ھ۔

---

(۱) "وما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص، وشرط الواقف كنص الشارع فيجب اتباعه". (رد المحتار: ۴/۴۹۵، كتاب الوقف، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر: ۲/۱۰۶، كتاب الوقف، الفن الثاني، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۲/۶۰۸، كتاب الوقف، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "وهنا الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان، فلا يملك الدفع إلى غيره". (رد المحتار: ۲/۲۶۹، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً، سعيد)

(۳) "الإذن والإجازة توكيل" (شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۴/۵۰۳، رقم المادة: ۱۴۵۲، كتاب –

موقوفہ کتب کو ایک مدرسہ سے دوسرے مدرسہ میں منتقل کرنا

سوال [۷۵۵۱]: ایک قدیم مدرسہ ہے جس میں بہت سی کتب ہیں اس وقت وہ بند ہے کوئی بھی فائدہ نہیں ہوتا، بلکہ دیمک کی نذر ہو رہی ہے تو کیا شرعی رو سے اگر کوئی شخص جو کسی دوسرے مدرسہ میں پڑھ رہا ہو ان سے استفادہ کر سکتا ہے؟ یا ایک مدرسہ جو جاری ہے اب وہ کتب جن کی ضرورت ہے اس وقت رکھی ہوئی ہیں، کوئی فائدہ نہیں اٹھا رہا ہے، فی الحال مدرسہ کو ضرورت ہے، تو کیا کسی کو بطور استفادہ دے سکتے ہیں، واپسی ہر حالت میں ضروری ہے بعد استفادہ کے؟ جواب مع حوالہ عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

واقف و مہتمم مدرسہ اور دیگر اصحاب رائے باہمی مشورہ کر کے ان کتب کو ایسے مدرسہ میں منتقل کر سکتے ہیں جہاں ان سے استفادہ کیا جا سکے اور دیمک سے بھی حفاظت ہو جائے، وقف کا مقصد بھی فی الجملہ ہو، جیسا کہ دوسری جزئیات سے مستفاد ہوتا ہے(۱)۔ دوسرے مدرسہ میں پڑھنے والا قابل اطمینان ہو کر کتابیں واپس

ـہ الوکالۃ، حقانیہ پشاور)

"يشترط أن يكون الموكل ممن يملك التصرف بالنوع الذي وكله؛ لأن الوكيل يستفيد ولاية التصرف من الموكل ويقدر عليه من قبله". (شرح المجلة لسليم رستم: ۲/۷۴۳، (رقم المادة ۱۴۵۷)، كتاب الوكالة، الباب الثاني في بيان شروط الوكالة، مكتبه حنفيه كوئته)

(وكذا في رد المحتار: ۲/۲۶۹، كتاب الزكاة، سعيد)

(و) "وجاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه؛ لأنهما كشيء واحد". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۶۰، سعيد)

"ويحكى أنه وقع مثله في زمن سيدنا الإمام الأجل في رباط في بعض الطرق خرب ولا ينتفع المارة به، وله أوقاف عامرة، فسئل: هل يجوز نقلها إلى رباط آخر ينتفع الناس به؟ قال: نعم؛ لأن الواقف غرضه انتفاع المارة، ويحصل ذلك بالثاني". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد: ۴/۳۶۰، سعيد)

"وقف مصحفاً على أهل مسجد للقراءة إن يحصون جاز، وإن وقف على المسجد جاز ويقرأ فيه، ولا يكون محصوراً على هذا المسجد، وبه عرف حكم نقل كتب الأوقاف من محالها =

کردے گا تو اس کو استفادہ کے لئے رکھنا بھی درست ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۷/۱۴۰۰ھ۔

شیخ کے مہمانوں کا مدرسہ کے کلوخ استعمال کرنا

سوال [۷۵۵۸]: جو لوگ سہارنپور میں حضرت شیخ کے مہمان بنتے ہیں وہ رمضان میں قبلہ یا بعدہ مدرسہ کے کلوخ بیت الخلاء وغیرہ استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

رمضان المبارک کے سلسلہ میں جو مہمان حضرت شیخ کی وجہ سے سہارنپور آتے ہیں وہ خود بھی براہ راست مدرسہ کی خدمت و اعانت بڑی مقدار میں کرتے ہیں اور کھانے، بجلی وغیرہ کا وہاں پورا خرچ حضرت شیخ ادا کرتے ہیں، جس میں ڈھیلے بھی شامل ہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱۱/۹۵ھ۔

مدرسہ کا کھانا تبلیغی جماعت کو کھلانا

سوال [۷۵۵۹]: ایک مدرسہ میں مہتمم صاحب نے تبلیغی مرکز قائم کر رکھا ہے، جو حضرات کو جماعتیں آتی ہیں تو انہیں مدرسہ کی طرف سے کھانا کھلایا جاتا ہے۔ مدرسہ کے روپے سے تبلیغی جماعت کو کھانا کھلانا درست ہے یا نہیں؟ جماعت میں غریب، امیر سب ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان مہتمم صاحب کا یہ طریقہ غلط ہے، اس کی اصلاح ضروری ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۲/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۲/۹۲ھ۔

= للانتفاع بها، والفقهاء بذلك ملزمون". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۳۶۶/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۸۱/۵، ۳۸۲، رشيديه)

(۱) (راجع الحاشية المتقدمة)

(۲) واضح رہے کہ جب حضرت شیخ مدرسہ کے تمام اخراجات خود برداشت کرتے ہیں تو مہمان گویا حضرت شیخ ہی کی چیز کا استعمال کرتے ہیں، اس لئے اس میں کوئی حرج نہیں۔

(۳) (راجع، ص: ۴۷۷، رقم الحاشية: ۱)

طلبہ کا غلہ تبلیغی جماعت کو کھلانا

سوال [۷۴۱۰]: کسی مدرسہ میں بچے تعلیم پاتے ہیں اور تبلیغی جماعت بھی آتی ہے، چندہ مدرسہ خیر لسلام اور دار لمسافرین کے نام سے ہوتا ہے، پھر لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ جس مدرسہ میں ہم غلہ دیتے ہیں اس میں تبلیغی جماعت کے آدمی کھاتے ہیں۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو غلہ مدرسہ میں پڑھنے والے بچوں کے لئے دیا گیا ہے اس میں سے تبلیغی جماعت کے لوگوں کو کھلانا درست نہیں، جب تک دینے والوں کی طرف سے اجازت نہ ہو(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۲/۵/۹۱ھ۔

مدرسہ کا روپیہ تبلیغ میں خرچ کرنا

سوال [۷۴۱۱]: ا... مدرسہ کا روپیہ تبلیغ میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۲... مدرسہ کے نام سے جو کچھ وصول ہوتا ہے: روپے، دھان، چاول، بات، آلو، پیاز وغیرہ ان سب چیزوں سے تبلیغ کے مہمانوں اور مبلغین اور سامعین کو کھلانا کیسا ہے، جائز ہے یا نہیں؟

۳... مدرسہ کے روپے سے کسی آدمی یا مبلغ کو خرچہ دیکر کلکتہ، دہلی وغیرہ کسی مرکز، یا اجتماع میں بھیجنا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) "وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين، أو رجل مسجداً و مدرسة، و وقف عليهما أوقافاً لا يجوز له ذلك". (الدر المختار) "(قوله: لا يجوز له ذلك): أي الـ

لخير الرملي. أقول: ومن اختلاف الجهة ما إذا كان

للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوى

مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه، سعيد)

"فإن كان الوقف معيناً على شيء، يصرف إليه بعد

كتاب الوقف، مطلب: يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب، سعيد)

(وكذا في منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۵ ...)

۴۔۔۔ روزانہ جو مٹھی کھانا پکنے کے وقت نکالی جاتی ہے (مدرسہ کے نام) وہ چاول یا آٹا تبلیغ میں خرچ کرنا اور تبلیغ والوں کو کھلانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱۔۔۔ جو روپیہ مدرسہ میں طلباء کے کھانے، کپڑے کے لئے دیا گیا ہے اس کو تبلیغ میں یا باہر بھیج کر خرچ نہ کیا جائے (۱)۔

۲۔۔۔ یہ چیزیں بھی طلباء پر خرچ کرنے کے لئے دی گئی ہوں تو ان کو مواقع مسئولہ پر خرچ نہ کریں۔

۳۔۔۔ اس کا جواب نمبر: ۱ سے ظاہر ہے۔

۴۔۔۔ اس کا جواب نمبر: ۲ میں آگیا، غلہ وغیرہ دینے والوں کو اگر بتا دیا جائے کہ اس کو تبلیغ وغیرہ میں بھی خرچ کیا جائے گا اور وہ اس کی اجازت دیدیں تو درست ہے (۲)۔

مدرسین کے لئے خاص کھانا

سوال: [۵۹۲۲]: ۱۔۔۔ مجلس منتظمہ کی اجازت سے اگر مدرسہ کے روپے سے مدرسہ کے طلباء کے لئے عام اور مدرسین کے لئے خاص کھانا پکے تو یہ خاص کھانا مدرسین کے لئے جائز ہے یا نہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

---

(۱) مقدم تخریجہ تحت عنوان: "طلباء کا غلہ تبلیغی جماعت کو کھلانا"۔

(۲) "مسجد له مستغلات وأوقاف أراد المتولي أن يشتري من غلة الوقف للمسجد دهناً أو حصيراً أو حشيشاً ... قالوا: إن وسع الواقف ذلك للقيم وقال: تفعل ما ترى من مصلحة المسجد، كان له أن يشتري للمسجد ما شاء" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر: ۲/۴۶۱، رشيدية)

"فإن فضل، فإن عرف صاحب ذلك، رد الفضل عليه، أو سأله تجديد الإذن فيه" (التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون في الأوقاف التي يستغنى عنها: ۵/۸۷۹، إدارة القرآن كراتشي)

وفي فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية ۳/۲۹۹، كتاب الوقف، باب الرجل
مسجداً أو خاناً أو سقاية أو مقبرة، رشيدية)

۲...... عام اور خاص کا برتاؤ از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

۳..... کیا اسلام میں اس کی کوئی نظیر یا دلیل موجود ہے؟ اگر ہے تو مہربانی فرما کر تحریر فرمائیں۔

۴..... کیا ایک ہی مجلس میں بیٹھ کر بعض لوگ عام اور بعض لوگ خاص کھانا کھا سکتے ہیں؟ کیا حدیث شریف میں عام وخاص کا کوئی ثبوت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حدیث پاک میں ہے "أنزلوا الناس منازلهم" جیسا کہ مسلم (۱) اور ابوداود (۲) کی روایت سے جامع صغیر/ ۱۰۸ میں مذکور ہے (۳)۔ اس حدیث کے پیش نظر تخصیص وتعمیم کے بے شمار واقعات ظاہر ہوئے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں ایک سائل آیا تو اس کو معمولی چیز دے کر چلتا کر دیا، ایک مہمان آیا تو اس کو بٹھا کر اہتمام سے کھانا کھلایا (۴)۔ نماز میں بڑے آدمیوں کا صف اول میں کھڑا ہونا اور بچوں کا پیچھے ہونا کتب فقہ میں مذکور ہے (۵)۔ امام کے قریب اہل علم، اہل عقل کا کھڑا ہونا حدیث شریف سے ثابت ہے:

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها أنها قالت: أمرنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم "أن ننزل الناس منازلهم". (الصحيح لمسلم: ۱/۳، المقدمة، قديمي)

(۲) "عن ميمون بن أبي شبيب، أن عائشة رضي الله تعالى عنها مرّ بها سائل، فأعطته كسرةً، ومرّ بها رجل عليه ثياب وهيئة، فأقعدته فأكل، فقيل لها في ذلك، فقالت: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "أنزلوا الناس منازلهم". (سنن أبي داؤد: ۲/۳۱۶، كتاب الأدب، باب في تنزيل الناس منازلهم، امداديه)

(۳) قال العلامة المناوي رحمه الله تعالى: "أنزلوا الناس منازلهم": أي احفظوا حرمة كل أحد على قدره، وعاملوه بما يلائم حاله في دين و علم وشرف، فلا تسوّوا بين الخادم والمخدوم، والرئيس والمرؤوس، فإنه يورث عداوةً وحقداً في النفوس..... وقد عدّ العسكري هذا الحديث من الأمثال والحكم، وقال: هذا مما أدّب به المصطفى صلى الله تعالى عليه وسلم أمته من إيفاء الناس حقوقهم من تعظيم العلماء والأولياء وإكرام ذي الشيبة وإجلال الكبير وما أشبهه". (فيض القدير شرح الجامع الصغير: ۵/۲۳۴۲، (رقم الحديث: ۲۷۳۵)، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

(۴) (راجع سنن أبي داؤد، المصدر المتقدم)

(۵) "(ويصف الرجال) ظاهره يعم العبد (ثم الصبيان، ثم الخناثى، ثم النساء)". (الدر المختار). =

"لیلینی منکم أولوا الأحلام والنهی" (۱)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دعوت میں عوام وخواص کا فرق کیا کرتے تھے (۲)۔

نشست میں بھی، نوع طعام میں بھی، اور چیزوں میں کافی فرق ہوتا ہے، مثلاً: مدرس کی تنخواہ زیادہ ہوتی ہے، طالب علم کا وظیفہ کم ہوتا ہے، مدرس اچھے کپڑے پہنتا ہے اور طالب گھٹیا، مدرس کے بیٹھنے کی جگہ نمایاں ہوتی ہے، کبھی دری ہوتی ہے کبھی گدا، کبھی تکیہ بھی، اور طلباء کے واسطے یہ چیزیں نہیں ہوتیں، مدرس کا کمرہ مخصوص ہوتا ہے، عامۃً وہ تنہا رہتا ہے، طلباء ایک کمرے میں کئی کئی رکھے جاتے ہیں۔

غرض تمام ہی چیزوں میں فرق ہوتا ہے اور ان پر اشکال نہیں کیا جاتا، تو کھانے میں ہی اشکال کی کیا وجہ ہے۔ اگر مدرسہ کی طرف سے مدرسین کو کھانا کچھ مخصوص دیا جائے جو کہ جزءِ تنخواہ ہے اور طلباء کو عام کھانا دیا جائے جو کہ کسی تنخواہ کا جزء نہیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۹/۱۳۹۹ھ۔

خرچ شدہ رقم سے زائد مدرسے سے وصول کرنا

سوال [۷۵۶۳]: ہمارے یہاں ایک مدرسہ ہے، مدرسہ کا کوئی کام کیا اور دس روپے خرچ ہوئے اور مدرسہ میں ساڑھے بارہ روپے لکھواتے ہیں۔ تو کیا اس طرح پر مدرسہ کے پیسے لینا جائز ہے؟

= "(قوله: فلذا قدم بصف الصبیان) أشار به إلی أن التفریع مقدم علی الحریة، لقوله صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "لیلینی منکم أولوا الأحلام والنهی" ... ی البالغون". (رد المحتار: ۱/۵۶۸-۵۷۰، کتاب الصلوة، باب الإمامة، سعید)

(۱) الحدیث بتمامه: "عن أبي مسعود الأنصاري رضي اللہ تعالیٰ عنه قال: كان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم یمسح مناکبنا في الصلوة، ویقول: "استووا ولا تختلفوا، فتختلف قلوبکم، لیلیني منکم أولوا الأحلام والنهی، ثم الذین یلونهم، ثم الذین یلونهم". (مشکوة المصابیح، کتاب الصلوة، باب تسویة الصفوف، الفصل الأول، ص: ۹۸، قدیمی)

(۲) لم أقف علیه

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ جھوٹ اور فریب ہے جس کا ناجائز ہونا بالکل واضح ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/ ۷/ ۸۹ھ۔

کمرۂ مسجد میں مدرسہ کا کرایہ مسجد کو دینا

سوال[۷۵۶۴]: ہمارے محلہ کی مسجد میں ایک کمرہ ایسا ہے جس میں عرصۂ دراز سے پیش امام رہتا تھا اور اس میں بچوں کو دینی تعلیم دیتا تھا۔ ایک موقع پر جب کوئی پیش امام نہیں تھا، زید نے مسجد مذکور کے متولی عمر کے کہنے سے کسی تنخواہ کا معاملہ کئے بغیر امامت شروع کردی اور اس کمرہ میں خود رہنے کے بجائے ایک مولوی صاحب کو بچوں کی تعلیم کے لئے مقرر کردیا، بچوں سے کوئی فیس نہیں رکھی گئی۔ مولوی صاحب کی تنخواہ آٹے کی چٹکی(۲) اور چندہ سے اہلِ محلہ کی طرف سے دی جاتی رہی۔ متولی عمر نے اس کمرہ کا راستہ بیرونِ مسجد کردیا اور کہا کہ اب اس کمرہ کو کرایہ پر دے گا، زید نے کہا کہ آپ اس کمرہ کا کرایہ نہ لگایئے، ہم نماز تو پڑھایا ہی کرتے ہیں، اس کمرہ کا کرایہ ہماری تنخواہ سمجھ لینا۔

مدرسہ کرایہ دینے سے مجبور ہے، لیکن عمر اپنی بات پر جم گیا۔ اکثر واقفین مسجد متولی عمر کی اس رائے کے خلاف ہیں، سب کا خیال یہی ہے کہ جب تک امام کے لئے دوسرا کمرہ نہ بن جائے اس وقت تک اس کمرہ کا

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿و لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

قال الإمام القرطبي رحمه الله تعالى: "الخطاب بهذه الآية يتضمن جميع أمة محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، والمعنى: لا يأكل بعضكم مال بعض بغير حق، فيدخل فيه القمار، والخداع، والمغصوب، وجحد الحقوق، وما لا تطيب به نفس مالكه، أو حرّمته الشريعة وإن طابت نفس مالكه".

(تفسير القرطبي: ۲/ ۲۲۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في معالم التنزيل للبغوي: ۲/ ۵۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من حمل علينا السلاح فليس منا، ومن غشنا فليس منا". (الصحيح لمسلم: ۱/ ۷۰، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من غشنا، قديمی)

(۲) "چٹکی: مٹھی بھر آٹا، مٹھی بھر چٹکی"۔ (فيروز اللغات، ص: ۵۲۱، فيروز سنز لاهور)

کرایہ لگانا مناسب نہیں۔ متولی عمر نے وعدہ کیا کہ کچھ عرصہ کرایہ دے دو تب تک مسجد کے پیسہ سے دوسری طرف کھپریل (۱) ڈال دے گا اور پھر اس طرف مدرسہ منتقل کر دیگا۔

اس معاہدہ کے تحت مدرسہ نے چودہ ماہ تک مبلغ ۱۴۰/ روپیہ مسجد کو کرایہ دیا اور مدرسہ کے ذمہ دار زید برابر نماز پڑھاتے رہے۔ اس درمیان میں متولی عمر سے کرایہ کی پریشانی برابر کہی جاتی رہی، لیکن متولی عمر نے دوسری طرف کھپریل کا انتظام نہیں کیا، حتیٰ کہ وہ وقت بھی آ گیا جب کہ مدرسہ کرایہ دینے سے بالکل مجبور ہو گیا اور ہنوز مجبور ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد متولی عمر نے مسجد کے دوسرے حصے کی طرف چھت بنوائی ہے، لیکن ایک دوسرے پیش امام کو مقرر کر دیا اور وہ نئی جگہ ان کے حوالہ کر دی اور مدرسہ کے معزز سکریٹری کے نام عدالت میں کرایہ داری اور تخلیہ کا مقدمہ دائر کر دیا۔

زید اور دیگر واقفین مسجد کے لئے یہ صورتِ حال بہت پریشان کن ہے، خود عمر کو بھی اس مقدمہ سے تشویش ہے اور اس تنازعہ کا کوئی مناسب حل شریعت کی روشنی میں چاہتا ہے۔ زید کا کہنا ہے کہ چونکہ ہم نے متولی عمر کے کہنے سے امامت کی ہے اس لئے ہمیں تنخواہ کے مطالبہ کا حق ہے، متولی عمر ہمیں امامت کا معاوضہ سابقہ پیش امام حضرات کی تنخواہ کی مناسبت سے دے دیں۔ وہی روپیہ ہم مدرسہ کی طرف سے بطور کرایہ ادا کر دیں گے۔

دریافت طلب یہ امور ہیں کہ:

۱... کیا زید کو اب صورتِ مسئولہ میں اپنی تنخواہ کے مطالبہ کا حق حاصل ہے؟

۲... کیا عمر مسجد کی طرف سے زید کو گذشتہ مہینوں کی تنخواہ دینے اور مدرسہ سے کرایہ لینے کی اس صورت میں معاملہ کرنے کا مجاز ہے؟

۳... اور مسجد کا تنازعہ مدرسہ کرایہ پر دیا جائے یا بلا کرایہ پر دیا جائے؟

محمد نصیر، دکان پور۔

---

(۱) "کھپرا، کھپال، کھپڑا: مٹی کا ٹھیکرا جو کھپریل پر بچھایا جاتا ہے۔ کھپریل: کھپروں سے چھائی ہوئی چھت"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، فیروز سنز، لاہور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... تنخواہ کا معاملہ نہیں ہوا تھا، لہٰذا زید کو تنخواہ کے مطالبہ کا کوئی حق نہیں، خاص کر جب کہ وہاں تنخواہ دار امام کے بغیر ہی نماز و جماعت ہو رہی تھی (۱)۔

۲..... عمر کو مسجد سے زید کی گذشتہ امامت کی تنخواہ دینے کا اختیار نہیں (۲)، وہ کمرہ اگر امام کے رہنے اور تعلیم دینے کے لئے بنایا گیا تھا تو اس کو کرایہ پر دینا اور اس کا کرایہ وصول کرنا درست نہیں (۳)۔ اگر کرایہ کے لئے بنایا گیا تھا تو کرایہ پر دینا اور کرایہ وصول کرنا درست ہے (۴)۔

۳..... نمبر:۲، سے ظاہر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۹/۸۵ھ۔

---

(۱) "وتنعقد بأعرتک هذه الدار شهراً بكذا؛ لأن العارية بعوض إجارة، بخلاف العكس، أو وهبتک، أو آجرتک منافعها شهراً بكذا؛ لأن ركنها الإيجاب والقبول". (الدرالمختار، كتاب الإجارة: ۶/۵۰۳، سعيد)

(۲) "المتولي لو أمياً، فاستأجر الكاتب لحسابه، لايجوز إعطاء الأجرة من مال الوقف. ولو استأجر لكنس المسجد، وفتحه وإغلاقه بمال المسجد، يجوز". (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الرابع في المسجد ومايتصل به: ۶/۲۷۲، رشيديه)

(۳) "(قوله: أو جعل فوقه بيتاً، الخ) ظاهره أنه لافرق بين أن يكون البيت للمسجد أو لا، إلا أنه يؤخذ من التعليل أن محل عدم كونه مسجداً، فيما إذا لم يكن وقفاً على مصالح المسجد، وبه صرح في الإسعاف، فقال: وإذا كان السرداب، أو العلو لمصالح المسجد، أو كان وقفاً عليه، صار مسجداً، اهـ. شرنبلالية". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۷، سعيد)

(۴) "(قوله: يراعى شرط الواقف في إجارته): أي وغيرها لما سيأتي في الفروع من أن شرط الواقف كنص الشارع، كما سيأتي بيانه إلا في مسائل تقدمت. (قوله: فلم يزد القيم، الخ) يعني إذا شرط الواقف أن لا يوجر أكثر من سنة، والناس لا يرغبون في استيجارها أكثر من سنة أنفع للفقراء، فليس للقيم أن يوجرها أكثر من سنة بل يرفع الأمر للقاضي، حتى يوجرها؛ لأن له ولاية النظر للفقراء، والغائب، =

مدرسے کے ڈھیلوں کا سفر میں استعمال

سوال [۷۵۵۱]: بچے مدرسے کے استنجے کے ڈھیلے ہم ہمراہ سفر میں استعمال کرتے ہیں، اگر مہتمم اجازت دے تو، وہ شرعاً اجازت بھی جاوے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ ڈھیلے مدرسہ میں استعمال کرنے کے لئے ہیں، سفر میں لے جانے کے لئے نہیں(۱)، مہتمم کی اجازت کے متعلق اس کی تحقیق کیجئے خود مہتمم کو اجازت دینے کا حق اجازت ہے یا نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

مسجد یا مدرسہ کی رقم پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

سوال [۷۵۵۲]: اگر کسی مسجد یا مدرسہ کی رقم نصاب کو پہونچ گئی، سال بھر گزرنے کے بعد اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مدرسہ، مسجد کے پاس جب رقم بقدر نصاب ہو تو اس میں زکوٰۃ لازم نہیں(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= واستحسن وإن لم يشترط الواقف، فللقيم ذلك بلا إذن القاضي، كما في المنح عن الخانية". (رد المحتار، كتاب الوقف، فصل يراعى شرط الواقف في إجارته: ۴/۴۰۲، سعيد)

(و) "صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (رد المحتار: ۴/۴۴۵، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، سعيد)

"إن خالف شرط الواقف، فهو مخالف للنص، وهو حرام لقوله فيه: مخالف شرط الواقف كنص الشارع في وجوب الاتباع". (رد المحتار: ۴/۴۹۵، مطلب: مخالفة شرط الواقف الخ، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۵/۴۰۱، كتاب الوقف، رشيدية)

(۲) "(قوله: ملك نصاب) فلا زكاة في سوائم الوقف والخيل المسبلة، لعدم الملك". (رد المحتار، كتاب الزكاة، مطلب في أحكام المعتوه: ۲/۲۵۹، سعيد)

"ومنها الملك، فلا تجب الزكاة في سوائم الوقف والخيل المسبلة، لعدم الملك، وهذا لأن في الزكاة تمليكاً، والتمليك في غير الملك لا يتصور". (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل في الشروط التي ترجع إلى المال: ۲/۹۰، رشيدية)

(وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الزكاة: ۲/۱۴، دار الكتب العلمية، بيروت)

الفصل الثالث في بيع وقف المدرسة والتصرف فيه

(مدرسہ کا وقف فروخت کرنے اور اس میں تصرف کرنے کا بیان)

مدرسہ کی زمین میں مسجد بنانا

سوال [۶۵۹۷]: ۱۔ عام مسلمانوں نے مدرسہ بنانے کے لئے چندہ کرکے ایک زمین خریدی اور اس زمین پر مدرسہ کی عمارت بھی بنائی گئی اور اس میں تعلیم بھی عرصہ ۱۵/ سال سے جاری ہے۔ مدرسہ کا نام "مدرسہ اسلامیہ" ہے اور اوقاف بورڈ میں بھی مدرسہ کے نام سے ہے، اب تک چندہ بھی مسلمانوں سے کیا جاتا ہے۔ اب شہر رام پور کے کچھ مسلمان یہ چاہتے ہیں کہ مدرسہ کی عمارت جس میں دینی تعلیم ہوتی ہے جو موقوفہ ہے اور بنام مدرسہ ہے، مدرسہ کی عمارت توڑ کر اس پر مسجد بنائیں گے۔ شرعاً مسجد مدرسہ کی موقوفہ زمین پر بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو جو مسلمان اس کے لئے زبردستی کر رہے ہیں ان کے لئے کیا حکم ہے؟ حالانکہ اس مدرسہ کے تھوڑے ہی فاصلہ پر ایک بڑی عالیشان مسجد موجود ہے۔

مدرسہ کی زمین کے علاوہ دوسری جگہ بھی زمین مل سکتی ہے، مگر وہ چند مسلمان صرف ضد میں چاہتے ہیں کہ ہم لوگ مدرسہ توڑ کر مسجد بنائیں گے اور یہ کہتے ہیں کہ مدرسہ کی موقوفہ زمین پر مسجد بنانا جائز ہے۔

مدرسہ کی عمارت کو مسجد بنانے کے لئے فروخت کرنا

سوال [۶۵۹۸]: ۲۔ اگر اراکین مدرسہ موجودہ عمارت مدرسہ کو مسجد بنانے کے لئے فروخت کردیں تو اراکین مدرسہ کو مسجد کے لئے مدرسہ کی موقوفہ زمین کو فروخت کرنے کا حق ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ چندہ مدرسہ کے لئے کیا گیا اور اسی نیت سے دینے والوں نے روپیہ دیا اور اس پیسے سے زمین خرید کر مدرسہ کے لئے اس کو وقف کردیا گیا اور پھر مدرسہ تعمیر کردیا گیا اور اس میں دینی تعلیم جاری ہے تو اب اس کو گرا کر مسجد تعمیر کرنا یا مسجد کے لئے اس کو فروخت کرنا ہرگز جائز نہیں ہے، حتیٰ کہ مدرسہ کی آمدنی مسجد میں خرچ کرنا بھی

جائز نہیں:

"فإذا تم (أي الوقف) ولزم، لا يملك ولا يملّك، ولا يعار ولا يرهن" درمختار۔

"(قوله: لا يملك): أي لا يكون مملوكاً لصاحبه. (ولا يملّك): أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه، اهـ". شامی: ۳/۶۷۷ (۱)۔

"اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه بسبب خراب وقف أحدهما، جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه. وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجداً ومدرسة، ووقف عليهما أوقافاً، لا يجوز له ذلك". درمختار (۲)۔

لہذا یہ خرید و فروخت بالکل ناجائز ہوئی، ہرگز ایسا نہ کریں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۲/۸۸ھ۔

مدرسہ کی زمین میں مسجد بنانا

سوال[۷۵۹۶]: ایک شخص نے مدرسہ کے لئے ایک جائیداد وقف کیا اور اس جائیداد کے بعض حصہ میں تو مدرسہ کا گھر بنایا گیا ہے اور بعض قطعہ زمین اس لئے رکھا کہ اس کو اجارہ پر دے کر منافع سے کل جائیداد کا خراج ادا کیا جائے، البتہ اگر مدرسہ کے متعلق کوئی ضرورت پیش آئے تو اس کو مدرسہ کے کام میں صرف کیا جائے۔ اور خراج کا بندوبست متولی کرے گا۔ یہ بھی واضح رہے کہ مدرسہ میں جماعت سے نماز پڑھنے کی صورت

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۵/۳۳۲، كتاب الوقف، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ۶/۲۲۰، كتاب الوقف، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الهداية: ۲/۶۴۰، كتاب الوقف، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۶۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۵/۳۶۴، كتاب الوقف، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي، كتاب الوقف: ۲/۵۳۸، دار المعرفة بيروت)

(۳) "إذا صح الوقف، لم يجز بيعه ولا تمليكه". (الهداية: ۲/۶۴۰، كتاب الوقف، مكتبه شركة علميه ملتان)

تو ہے مگر شرعی مسجد نہیں ہے، اب متولی جو نیا ارادہ چاہتا ہے کہ مدرسہ کے گھر کے علاوہ جو قطعہ زمین کا ہے اس میں ایک شرعی مسجد بنا کر جماعت سے نماز پڑھ کر ثواب وافر سے بہرہ مند ہو۔ اب قابل دریافت امر یہ ہے کہ مدرسہ میں مسجد شرعی بنانا ضروریات مدرسہ میں شامل ہو کر مسجد شرعی ہو جائے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر قریب کوئی دوسری مسجد نہیں جس میں اہل مدرسہ نماز ادا کر سکیں، یا مسجد تو موجود ہے مگر تنگ ہے کہ سب اس میں سما نہیں سکتے، یا وہاں نماز پڑھنے کے لئے جانے سے مدرسہ کی مصالح فوت ہوتی ہے، مثلاً: وقت کا زیادہ حرج ہوتا ہے، یا مدرسہ کی حفاظت نہیں رہتی وغیرہ وغیرہ تو مدرسہ کی زمین میں مسجد بنانا ضروریات مدرسہ میں شامل ہے، ایسی حالت میں مسجد مسجد شرعی ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱۰/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/شوال/ ۱۳۵۵ھ۔

زمین مدرسہ کو دینے کے بعد واپس لینے کا حق نہیں

سوال [۷۰۰۵]: ایک قطعہ زمین کو مالکانِ زمین نے مدرسہ بدر الاسلام کو منتقل کیا اور دستاویز مستقل رجسٹری کرایا۔ دستاویز کی اصل عبارت یہ ہے:

نقل از اصل دستاویز

"ہم کو شیخ عبد المجید ولد حاجی حافظ شیخ محمد صاحب مرحوم، ساکن قصبہ شاہ گنج پرگنہ

انگلی، ڈاکخانہ شاہ گنج جون پور، جو کہ ہم مظہر قطعہ اراضی موقوعہ موضع شاہ گنج پرگنہ انگلی کے مالک

---

(۱) "ویبدأ من غلته بعمارته، ثم ما هو أقرب لعمارته كإمام مسجد ومدرس مدرسة". (الدر المختار).

"قوله: ثم ما هو أقرب إلى العمارة، وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة ..... ثم السراج والبساط، كذلك إلى آخر المصالح" (رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۶۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۵۶، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به: ۲/۴۲۳، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ احاطہ دوام کے لئے مدرسہ بدر الاسلام کو دیدیا گیا ہے جیسا کہ (الف نمبر) میں تصریح ہے، اس پر تا قیام مدرسہ مدرسہ کی ملکیت رہے گی جیسا کہ (الف نمبر) میں مذکور ہے۔ اب کے واپس لینے کا نہ معطی کو حق ہے نہ معطی کے ورثہ کو حق ہے جیسا کہ (ج) میں مذکور ہے۔ مدرسہ بدر الاسلام حسب مصالح اس پر تعمیر کا حق رکھتا ہے، اور کسی کو مدرسہ بدر الاسلام کے علاوہ کوئی مکتب ومدرسہ وہاں قائم کرنے کا حق نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۷/۲/۹۳ھ۔

مدرسہ میں زمین دینے کے بعد اس سے انکار کرنا

سوال [۱۱۵۵۷]: ایک شخص نے کچھ زمین مدرسہ میں دی اور اعلان کیا کہ میں زمین دے چکا، مگر اب وہ انکار کررہا ہے۔ ایسے شخص کا اعتبار کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زمین مدرسہ میں دینے اور وقف کرنے کے گواہ موجود ہیں تو اس کے انکار کا اعتبار نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸/۳/۹۲ھ۔

---

(۱) "فإذا تم (أي الوقف) ولزم، لا يملك ولا يملّك ولا يعار ولا يرهن". (الدر المختار). "(قوله: لا يملك) أي لا يكون مملوكاً لصاحبه. (ولا يملّك): أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه".
(رد المحتار: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، كتاب الوقف، سعيد)

"إذا جعل أرضاً وقفاً على المسجد وسلم، جاز، ولا يكون له أن يرجع" (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۳/۲۹۱، باب الرجل يجعل داره مسجداً، كتاب الوقف، رشيديه)
(وكذا في البحر الرائق: ۵/۳۲۲، كتاب الوقف، رشيديه)

(۲) "إذا جعل أرضاً وقفاً على المسجد وسلم، جاز، ولا يكون له أن يرجع". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۳/۲۹۱، باب الرجل يجعل داره مسجداً، كتاب الوقف، رشيديه)
(وكذا في الهداية: ۲/۶۴۰، كتاب الوقف، مكتبه شركة علمية ملتان)

زمین مدرسہ کو دینے کا ارادہ کرنے سے ملکیت ختم نہیں ہوتی

سوال [۷۵۴۲]: ایک صاحب درس نظامی کے مدرسہ میں کچھ زمین دینے کا پختہ ارادہ کر چکے تھے، بعد میں اس مدرسہ کا تعلق حکومت سے کر دیا گیا، یہ مدرسہ خالص مذہبی مدرسہ نہیں رہا۔ تو یہ زمین کسی دوسرے مدرسہ میں دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض وعدہ وارادہ کر لینے سے وہ زمین اس کی ملک سے خارج نہیں ہوئی (۱)، جس دینی مدرسہ میں اب دینا چاہے تو شریعت کی طرف سے اجازت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۲/۱۲/۹۱ھ۔

دینی وقف مدرسہ کو اسلامی اسکول کے لئے دینا

سوال [۷۵۴۳]: ۱۔ مدرسہ اسلامیہ عربیہ محلہ ہندو ٹولی جس جگہ پر قائم ہے وہ موقوفہ ہے اور واقف کی شرط ہے کہ یہ جگہ مدرسہ اسلامیہ کے لئے وقف کی جاتی ہے، اس میں تعلیمی درسگاہیں، مکان رہائش طلبہ و مدرسین کرام، یا باغیچہ صرف مدرسہ اسلامیہ کے لئے بنائے جا سکتے ہیں۔ اس وقت مدرسہ کی تعلیمی حالت یہ ہے کہ درجۂ حفظ و ناظرۂ قرآن، اردو میں دینی تعلیم کا رسالہ اور تعلیم الاسلام وغیرہ پڑھائے جاتے ہیں، اور درجہ پانچ تک جیسے، پرائمری تعلیم ہوتی ہے۔ اب کچھ ترقی پسند لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اس میں مسلم ہائی اسکول قائم کیا جائے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس موقوفہ جائیداد میں جو درسگاہیں تعمیر ہیں ان کو مسلم ہائی اسکول کے لئے مدرسہ کی منتظمہ کمیٹی اجازت دے سکتی ہے یا نہیں؟

---

(۱) "وركنه الألفاظ الخاصة: كأرضي هذه صدقة موقوفة مؤبدة على المساكين، ونحوه من الألفاظ كموقوفة لله تعالى، أو على وجه الخير والبر، واكتفى أبو يوسف بلفظ موقوفة فقط. قال الشهيد: ونحن نفتي به، للعرف". (الدر المختار مع رد المحتار: ۴/۳۴۰، كتاب الوقف، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۲/۳۵۱، كتاب الوقف، الباب الأول، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق: ۵/۳۱۲، ۳۲۰، كتاب الوقف، رشيدية)

۲..... اس موقوفہ جائیداد میں مسلم ہائی اسکول قائم ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... جب واقف نے اس شرط کی تصریح کردی ہے کہ یہ جگہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ کے لئے وقف ہے تو پھر مسلم ہائی اسکول کے لئے منتظمہ کمیٹی کو دینے کی ہرگز اجازت نہیں "لأن شـــرط الـــواقف كـــنص الشارع". شامی(۱)۔

۲..... بالکل نہیں ہو سکتا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

کتاب پر وقف لکھ دینے اور موت سے قبل وصیت سے رجوع کرنے کا حکم

سوال[۷۵۰۴]: کسی نے کتاب وغیرہ مدرسہ میں وقف کردیا یہ لکھ دیا کہ "میرے بعد مدرسہ بیت العلوم سرائے میر پر یہ کتابیں وقف ہیں"۔ تو کیا مدرسہ مذکورہ کو ہی دینا ضروری ہے یا دوسرے مدرسہ کو دے سکتا ہے؟ اگر دوسرے غریب کو دے دے تو گنہگار تو نہیں ہوگا؟ دوسرے یہ کہ صاحب نصاب کو کوئی چیز وقف کر سکتا ہے یا نہیں؟ میں نے ایک کتاب پر لکھ دیا تھا کہ مدرسہ بیت العلوم پر یہ کتاب وقف ہے، بعد کو مدرسہ کا نام کاٹ دیا، اپنی زندگی میں ان چیزوں کو باوجود ورثاء کے بیچ ڈالے یا کسی کو دے دے تو کوئی گناہ تو نہیں؟

مولانا اصغر حسین صاحب نے مفید الوارثین میں لکھا ہے کہ "قبل مرض الموت کے اپنی چیز جس کو چاہے دے سکتا ہے"۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنے (مرنے کے) بعد مدرسہ میں کتاب کو وقف کرنے کے لئے کہنا یا لکھ دینا وصیت ہے، ایک

---

(۱) "شرط الواقف كنص الشارع، أي في وجوب العمل به". (رد المحتار: ۴/۴۹۵، كتاب الوقف، سعيد)

"صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (رد المحتار: ۴/۴۴۵، كتاب الوقف، سعيد)

"أجمعت الأمة أن من شروط الواقفين ما هو صحيح معتبر يعمل به". (البحر الرائق: ۵/۲۶۵، كتاب الوقف، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴/۲۶۹، كتاب الوقف، دار الكتب العلمية بيروت)

تہائی مال کے اندر اندر اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔ ایسی صورت میں اگر وصیت سے رجوع کرنا چاہے تو اس کو حق ہے:

"وشرطه شرط سائر التبرعات، وأن يكون منجزاً، لا معلقاً إلا بكائن، ولا مضافاً اهـ".

درمختار۔ "(قوله: ولا مضافاً) يعني إلى ما بعد الموت ..... سيأتي في الشرح أنه يكون وصية لازمة من الثلث بالموت لا قبله اهـ". شامي: ۳/۳۶۰ (۱)۔ "وله: أي للموصي الرجوع عنها". درمختار: ۵/۶۲۱ (۲)۔

پس جس مدرسہ کے لئے چاہے وصیت کردے، بشرط الانتفاع سے مقید کرنا بھی درست ہے، کیونکہ یہ درحقیقت وصیت ہے جس کا نفاذ موت موصی کے بعد ہوگا (۳)۔ مالک کو اپنی چیز کے متعلق پورا اختیار ہے، مرض الوفات سے پہلے جس کو چاہے دے (۴)، البتہ ہونے والے ورثاء کو محروم کرنے کی نیت نہ ہو، ورنہ ظلم ہوگا (۵)۔ فقط

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: قد يثبت الوقف بالضرورة: ۴/۳۴۰، سعيد)

"والمعلق الوقف بموته إذا مات، صح، ولزم إذا خرج من الثلث". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۲۳، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۴/۲۹۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (الدر المختار، كتاب الوصايا: ۶/۶۵۸، سعيد)

"وله أن يرجع قبل موته كسائر الوصايا". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۲۴، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الوصايا، باب في صفة الوصية، ما يجوز من ذلك، وما يستحب منه، وما يكون رجوعاً منه: ۴/۶۵۶، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۳) (راجع رقم الحاشية: ۱)

(۴) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الشركة: ۱/۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۵) "وفي الخانية: لا بأس بتفضيل بعض الأولاد في المحبة ..... وكذا في العطايا إن لم يقصد به الإضرار، وإن قصده فسوى بينهم". (الدر المختار، كتاب الهبة: ۵/۶۹۶، سعيد)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الهبة، فصل في هبة الوالد للولد: ۳/۲۷۹، رشيديه)

کتاب پر وقف لکھنے سے وقف تام نہیں ہوتا جب تک وہ مدرسہ میں نہ دیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۳/۹۳ھ۔

کیا مدرسہ میں گھڑی دینے کی نیت سے اس کا وقف صحیح ہو جائے گا؟

سوال [۷۵۵۶]: ۱..... کسی شخص نے یہ نیت کی تھی کہ میں مدرسہ میں ایک گھڑی وقف کروں گا، ابھی تک گھڑی لایا نہیں، اور مسجد میں گھڑی کی سخت ضرورت ہے تو اس نے کہا کہ مسجد میں رکھ دو، تو ایک حافظ صاحب کا کہنا ہے کہ مدرسہ کی نیت کو بدل کر اب مسجد کی نیت نہیں کر سکتے۔ لہٰذا اس مسئلہ کو واضح کر دیں کہ وہ گھڑی کہاں رکھیں؟

تبدیلیٔ نیت کا دوسروں کو حق نہیں

سوال [۷۵۵۷]: ۲..... ایک شخص کے بھائی نے مدرسہ کے واسطے روپیہ بھیجا، اس کا بھائی اب چاہتا ہے کہ مدرسہ کے منتظمین صحیح استعمال نہیں کرتے۔ اس لئے اس روپیہ کی کوئی چیز خرید کر جس کی مدرسہ کو ضرورت ہو مدرسہ میں دیدے تو کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... محض نیت وارادہ کرنے سے گھڑی کا مدرسہ میں وقف کرنا لازم نہیں ہوگا (۲)، اس کو یہ بھی حق ہے

---

(۱) "ولو قال: وهبت داري للمسجد أو أعطيتها له، صح، ويكون تمليكاً، فيشترط التسليم. كما لو قال: وقفت هذه المائة للمسجد، يصح بطريق التمليك إذا سلمه للقيم". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الثاني منه: ۲/۴۶۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵/۸۵۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الثاني فيما يتعلق بجواز الوقف وصحته: ۷/۱۱۰، مكتبه غفاريه، كوئته)

(۲) "وركنه الألفاظ الخاصة، كأرضي هذه صدقة موقوفة مؤبدة على المساكين، ونحوه من الألفاظ، كموقوفة لله تعالى، أو على وجه الخير والبر. واكتفى أبو يوسف بلفظ موقوفة فقط. قال الشهيد: ونحن نفتي به للعرف". (الدر المختار مع رد المحتار: ۴/۳۴۰، كتاب الوقف، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۲/۳۵۱، كتاب الوقف، الباب الأول، رشيديه) ....

کہ بالکل گڑی کہیں بھی نہ دے، یہ بھی حق ہے کہ کسی دوسرے مدرسہ میں دیدے، یہ بھی حق ہے کہ مسجد میں دیدے(۱)۔

۲..... جس نے مدرسہ کے لئے روپیہ بھیجا ہے، اگر وہ اس کی طرف سے اجازت ہو تو چاہے روپیہ دیدے، چاہے کوئی چیز مدرسہ کی ضرورت کی خرید کر دیدی جائے، تب تو یہ حق ہے کہ روپیہ نہ دے، بلکہ حسب صواب دید کوئی چیز خرید کر دیدے، اگر اجازت نہ ہو تو پھر روپیہ ہی دینا چاہئے (۲)۔ اگر مدرسہ کے انتظام پر اعتماد نہیں تو بھائی کو مشورہ دیکر اجازت حاصل کرلے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

لاوارث زمین میں مدرسہ بنانا

سوال[۷۷۵۸]: ایک مدرسہ ہم لوگوں نے ایسی جگہ قائم کیا ہے جو زمین تکیہ دار کے نام سے مشہور تھی، پھر وہاں امام باڑہ بنایا گیا تو اس نام سے مشہور ہوگئی۔ اس زمین میں آٹھ قبریں تھیں، قبریں مسمار ہونے پر لوگ رہنے لگے۔ امام باڑہ کی تعمیر کا نشان ابھی تک باقی ہے، ہم نے اس میں دینی تعلیم کا مدرسہ قائم کرلیا ہے، کچھ دیواریں بھی بنالی ہیں۔ تو اس جگہ دینی مدرسہ رکھنا مناسب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

آپ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جگہ قبروں کے لئے تھی اور مدت دراز سے وہاں کسی کو دفن نہیں کیا گیا، پرانی قبریں ختم ہوجانے پر لوگ وہاں رہنے لگے، پھر وہاں امام باڑہ بنالیا گیا۔ گویا کہ وہ جگہ لاوارث اور

=(وكذا في البحر الرائق: ۳۱۷/۵، ۳۱۸، كتاب الوقف، رشيديه)

(۱) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم: ۶۵۴/۱، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، كتاب الشركة، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "وهنا الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان، فلايملك الدفع إلى غيره". (ردالمحتار: ۲۶۹/۲، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم: ۷۷۳/۲، (رقم المادة: ۱۴۵۷)، كتاب الوكالة، الباب الثاني، مكتبه حنفيه كوئٹه)

وقف ہے یعنی اس کا کوئی مالک ہی نہیں، جو چاہتا ہے قبضہ کر لیتا ہے۔ ایسی جگہ دینی تعلیم کا مدرسہ بنالیا جائے تو درست ہے(۱) مگر ایسا طریقہ اختیار نہ کریں کہ فساد برپا ہو، بلکہ حسن تدبیر سے کام لیا جائے۔ نیز ایسی جگہ کوئی اپنا ذاتی مکان نہ بنائے(۲)، یا غلط کام کے لئے اس کو استعمال نہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۵/۸۹ھ۔

---

(۱) "وأما المقبرة الداثرة إذا بُني فيها مسجد ليصلي فيه، فلم أر فيه بأساً؛ لأن المقابر وقف، وكذا المسجد، فمعناهما واحد" (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، باب: هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد: ۴/۱۷۴، إدارة الطباعة المصرية، دمشق)

"فإن قلت: هل يجوز أن تبنى المساجد على قبور المسلمين؟ قلت: قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت، فبنى قوم عليها مسجداً، لم أر بذلك بأساً، وذلك؛ لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم، لا يجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغني عن الدفن فيها، جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين، لا يجوز تملكه لأحد، فمعناهما على هذا واحد". (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، المصدر السابق: ۴/۱۷۹)

"ولو بلي الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره في قبره، وزرعه والبناء عليه". (رد المحتار، كتاب الصلوة، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن: ۱/۱۶۷، رشيديه)

(۲) "فإذا تم ولزم، لا يملك ولا يُملَّك ولا يُعار ولا يُرهن". (الدر المختار) "(قوله: لا يملك): أي لا يكون مملوكاً لصاحبه (ولا يملك): أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه". (رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

"إذا صح الوقف، لم يجز بيعه ولا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۰، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف: ۳/۲۸۵، رشيديه)

مدرسہ کے لئے وقف زمین انگریزی اور بنگلہ تعلیم آنے کی وجہ سے نئے مدرسہ کو دینا

سوال [۷۵۸۹]: زید نے کسی مدرسہ میں پچاس سال پہلے زمین وقف کی تھی، آج تک مدرسہ کو اس کا فائدہ ملتا رہا۔ پہلے نصاب میں صرف، نحو، فارسی، فقہ، منطق تھا اور اب قرآن، حدیث، تفسیر تک ترقی ہوچکی ہے، ضرورت کی بناء پر بنگلہ (بنگلہ دیشی زبان) اور انگریزی کا بھی اضافہ کیا گیا ہے۔ اب واقفوں کا کہنا ہے کہ چونکہ اس میں انگریزی اور بنگلہ آگئی ہے اس لئے ہمارے نئے مدرسہ میں اس کو دیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقف کرتے وقت مدرسہ غالباً ابتدائی حالت میں تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے ترقی دی اور حدیث وتفسیر کی تعلیم بھی شروع ہوگئی، یہ حق تعالیٰ کا انعام ہے اور اس میں واقف کا اخلاص بھی کار فرما ہے۔ جس طرح منطق اور ادب مقصود بالذات نہیں ہے، بلکہ معین اور مددگار کی حیثیت سے بقدرِ ضرورت پڑھا پڑھائے جاتے ہیں، اسی طرح اگر کچھ بنگلہ اور انگریزی بھی بقدرِ ضرورت پڑھا پڑھائی جائے تو اس کی وجہ سے واقف کو وقف کے واپس لینے کا حق نہیں (۱)۔

مگر اس کا لحاظ ضروری ہے کہ خدانخواستہ بنگلہ اور انگریزی آہستہ آہستہ مقصود بن کر غالب نہ آجائے، جیسا کہ بہت سے مدارس جو کہ اصالۃً دینی مدارس تھے اور کچھ مدت کے بعد ختم ہوگئے اور دینی تعلیم ختم ہوگئی وہ اسکول اور کالج بن گئے، اس لئے اس کا انتظام پہلے کرلیا جائے، اگر انتظام نہ ہوسکا تو پھر وہاں بنگلہ اور انگریزی کو ہرگز داخل نہ کیا جائے، واقف کے ورثاء کو اس میں جدوجہد کا پورا حق ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "ولا يجوز الرجوع عن الوقف إذا كان مسجداً". (الدر المختار: ۴/۳۵۹، كتاب الوقف، سعيد)

"إذا جعل أرضه وقفاً على المسجد ... جاز، ولا يكون له أن يرجع". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۳/۲۹۰، باب الرجل يجعل داره مسجداً، كتاب الوقف، رشيديه)

"فإذا تم ولزم (أي الوقف) لا يملك ولا يرهن". (الدر المختار: ۴/۳۵۲، سعيد)

وكذا في البحر الرائق: ۵/۲۲۴، كتاب الوقف، رشيديه)

مدرسہ کی زمین سے مدرسہ کے زیرِ تولیت مسجد کی توسیع

سوال[۷۵۷۹]: مسجد چھتہ جو دارالعلوم دیوبند کے زیرِ تولیت ہے اور ازاول تا آخر اس کا انتظام وانصرام دارالعلوم سے متعلق ہے، دارالعلوم کی جانب سے ہی اس کے امام اور مؤذن کا تقرر عمل میں آتا ہے اور دارالعلوم ہی کی جانب سے اس کی صفائی اور فرش وشامیانہ کا انتظام ہوتا ہے، اس کی طرف سے اس کی مرمت وغیرہ پر مصارف کئے جاتے ہیں۔ کیا مسجد کے تنگ ہوجانے کی وجہ سے اس کی توسیع کے لئے مدرسہ کی زمین لے کر اس کی توسیع کیا جاسکتی ہے؟ آیا حضرت مہتمم صاحب یا مجلسِ شوریٰ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ مدرسہ کی ضرورت سے مسجد کی توسیع کی خاطر مدرسہ کی زمین کو مسجد میں شامل کردیں؟ اس مسجد کی توسیع جانب مغرب ہی ممکن ہے جہاں مدرسہ کی زمین واقع ہے، بقیہ جوانب توسیع کرنے میں دشواری ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زمین مصالحِ مدرسہ کے لئے ہو اور اہلِ مدرسہ کے نزدیک مسجد کی توسیع کی ضرورت ہے تو اس زمین کو داخلِ مسجد کرکے توسیع کی اجازت ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۳/۹۷ھ۔

مدرسہ کو دوسری جگہ منتقل کرنا

سوال[۷۵۸۰]: اگر مدرسہ دوسری جگہ منتقل ہوا، یا درمیان میں نام بدل دیا گیا، پھر اس کا نام وہی

---

(۱) "ویرفع من غلاتها ما یحتاج إلیه لنوائبها، فما فضل من ذلک، یُصرف إلی عمارة المسجد بموضع کذا ــــــ وما فیه مصلحة للمسجد علی أن للقیم أن یصرف فی ذلک ما یری فیه". (الفتاوی التاتارخانیة: ۵/۸۵۲، کتاب الوقف، مسائل وقف المساجد، إدارة القرآن کراچی)

"فیقدم أولاً العمارة الضروریة، ثم الأهم فالأهم من المصالح والشعائر بقدر ما یقوم به الحال، فإن فضل شیء یعطی لبقیة المستحقین؛ إذ لا شک أن مراد الواقف انتظام حال مسجده أو مدرسته، لا مجرد انتفاع أهل الوقف". (ردالمحتار: ۴/۳۶۸، کتاب الوقف، مطلب: یبدأ بعد العمارة بما هو أقرب إلیها، سعید)

(وکذا فی بدائع الصنائع: ۵/۳۳۰، کتاب الوقف، رشیدیه)

رکھا ہے تو کیا مہتمم مدرسہ کسی شرعی قباحت میں ماخوذ ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلا ضرورت مدرسہ کو دوسری جگہ منتقل کرنا غرضِ واقف کے خلاف ہے اور منشاءِ وقف کو حتی الوسع پورا کرنا لازم اور اس کی مخالفت ممنوع ہے(۱)، البتہ اگر کوئی مجبوری پیش آجائے تو دوسری جگہ منتقل کرنا اور وہ جگہ بھی درست ہے کیونکہ اس میں اضاعت سے حفاظت ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، [illegible]۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ ربیع الاول/ ۵۶ھ۔

مدرسہ کی زمین سے راستہ

سوال[۷۰۶۱]: نقشہ میں جو تنگ سی راستہ دکھایا گیا ہے جو مدرسہ کے آخری سرے پر واقع ہے اس کو اہلِ مدرسہ صاحب بند کر رہے ہیں، چونکہ اہلِ مدرسہ نے مدرسہ سے بالکل ملی ہوئی زمین اندازاً دو سو روپیہ میں خرید

---

(۱) "إن خالف شرط الواقف، فهو مخالف للنص، سواء كان نصه في الوقف نصاً أو ظاهراً
شرط الواقف كنص الشارع: فيجب اتباعه" (رد المحتار: ۴/۴۳۳، كتاب الوقف، سعيد)

"صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة" (رد المحتار: ۴/۴۴۵، كتاب الوقف، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۵/[illegible]، كتاب الوقف، رشيدية)

(۲) "ونقل عن شمس الأئمة الحلواني أنه يجوز للقاضي وللمتولي أن يبيعه ويشتري مكانه آخر وإن لم
ينقطع، ولكن يوجد بثمنه ما هو خير منه للمسجد لا يباع. وفي ورق عن محمد: إذا ضعفت الأرض
الموقوفة عن الاستغلال، والقيم يجد بثمنها أخرى هي أكثر ريعاً، كان له أن يبيعها ويشتري بثمنها ما هو
أكثر ريعاً". (البحر الرائق: ۵/۳۳۵، كتاب الوقف، رشيدية)

(وكذا في التاتارخانية: ۵/۸۴۴، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون في الأوقاف التي يستغنى
عنها وما يتصل به، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في رد المحتار: ۴/۳۷۹، كتاب الوقف، مطلب في الوقف إذا خرب ولم يمكن عمارته، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۲/[illegible]، كتاب الوقف، الباب في ما يتعلق بالشرط في الوقف، رشيدية)

لی ہے۔اب اہل محلہ کو مسجد میں جانے اور سڑک دہرہ دون پر جانے میں بہت تکلیفیں ہوں گی۔

اس لئے اہل محلہ چاہتے ہیں کہ جو زمین نئی مدرسہ نے خریدی ہے،اس میں سے ہمیں چار پانچ فٹ کا ایک راستہ دیدیا جائے۔سوال یہ ہے کہ مدرسہ کی زمین میں سے یہ راستہ دینا جائز ہے یا نہیں،جبکہ ہم اپنے قدیمی راستہ کو دے رہے ہیں؟ فقط۔

سعید احمد کیلاشپوری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو عام راستہ قدیم زمانہ سے ہے جس پر بے روک ٹوک سب ہی چلتے اور گزرتے رہے ہیں اس کو بند کرنے کا حق نہیں، اہلِ محلہ اگر کچھ راستہ مانگتے ہیں تو ان کو راستہ دینا چاہئے، مدرسہ کی دیوار متصل بنانے پر جب راستہ بند ہو جائے تو اہلِ محلہ اس کے لئے آمادہ ہیں کہ مدرسہ کی خرید کردہ زمین سے دیوار کے برابر راستہ دیا جائے اور جو راستہ گھیرنے میں آتا ہے اس کو مدرسہ کی حدود میں لے لیا جائے تو شرعاً اس میں مضائقہ نہیں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ سبحانہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱/۹۵ھ۔

مدرسہ کی رقم سے تجارت اور عمارتِ مدرسہ میں مسجد

سوال [۷۵۹۲]: ۱..... ایک مدرسہ میں مدرسہ کی رقم سے جو چیزیں غلہ وغیرہ خرید لیتے ہیں، اگر نفع ہوتا ہے تو مدرسہ کو دے دیتے ہیں، نقصان کو وہ اپنی جیب سے پورا کرتے ہیں۔ کیا یہ طریقہ درست ہے؟

۲..... ایک شخص نے مدرسہ کی عمارت میں اوپر کی منزل پر مسجد بنائی ہے، یوں کہتے ہیں کہ کسی کی مسجد

---

(۱) "يخرج إلى طريق العامة كنيفاً أو ميزاباً أو جرصناً كبرج وجذع وممر علو وحوض طاقة ونحوها ... جاز إحداثه إن لم يضر بالعامة ولم يمنع منه، فإن ضر لم يحل ..... ولكل أحد منعه ومطالبته بنقضه ورفعه بعده: أي بعد البناء ... هذا إذا بنى لنفسه بغير إذن الإمام ... وإن بنى للمسلمين كمسجد ونحوه، لا ينقض. وإن كان يضر بالعامة، لا يجوز إحداثه، لقوله عليه السلام: "لا ضرر ولا ضرار في الإسلام"". (الدر المختار: ۶/۵۹۲، ۵۹۳، كتاب الديات، باب ما يحدث في الطريق، سعيد)

"قوم بنوا مسجداً واحتاجوا إلى مكان ليتسع وبجنبه طريق المسلمين، فأخذوا شيئاً من الطريق وأدخلوه في المسجد، فإن كان لا يضر بأصحاب الطريق، رجوت أن لا يكون به بأس". (الفتاوى الخانية: ۳/۲۹۴، كتاب الوقف، باب أحكام المسجد، إدارة القرآن كراتشي)

"قوم بنوا مسجداً واحتاجوا إلى مكان ليتسع المسجد، فأخذوا من الطريق وأدخلوه في المسجد، إن كان يضر بالطريق لا يجوز، وإلا فلا بأس به". (البحر الرائق: ۵/۲۴۸، كتاب الوقف، رشيدية)

میں لوگ طلباء پر اعتراض کرتے ہیں کہ بدھنی توڑتے ہیں (۱)، شور کرتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ کیا یہ شرعاً مسجد کے حکم میں ہے؟ اور اگر محلہ کا کوئی شخص اس مسجد میں نماز پڑھے تو اس کو مناسب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱… تحویلدار امین ہے، اس کو امانت کے روپیہ میں اس طرح تصرف کرنے کا حق نہیں، آئندہ احتیاط رکھے (۲)۔

۲… یہ شرعی مسجد نہیں جب کہ تحتانی منزل مدرسہ کی ہے، یہاں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب نہیں ہوگا، مگر نماز ادا ہو جائے گی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۳/۲۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۳/۲۱ھ۔

---

(۱) "بدھنی: مٹی کی ٹونٹی دار لُٹیا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۸۹، فیروز سنز لاہور)

(۲) "أهل المسجد لو باعوا غلة المسجد، أو نقض المسجد بغير إذن القاضي، الأصح أنه لا يجوز …… وفي فتاوى النسفية: سئل عن أهل المحلة باعوا وقف المسجد لأجل عمارة المسجد، قال: لا يجوز بأمر القاضي وغيره"۔ (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر: ۲/۴۶۳، ۴۶۴، رشيدية)

"ولا يجوز للقيم شراء شيء من مال المسجد لنفسه …… ولا البيع له وإن كان فيه منفعة ظاهرة للمسجد"۔ (البحر الرائق: ۵/۴۰۱، كتاب الوقف، رشيدية)

(وكذا في التاتارخانية: ۵/۸۶۱، كتاب الوقف، مسائل وقف المسجد، إدارة القرآن كراچي)

(۳) "ومن جعل مسجداً تحته سرداب أو فوقه بيت وجعل بابه إلى الطريق وعزله، أو اتخذ وسط داره مسجداً وأذن للناس بالدخول، فله بيعه ويورث عنه؛ لأنه لم يخلص لله تعالى، لبقاء حق العبد متعلقاً به …… وحاصله: أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً، لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالى: ﴿وأن المساجد لله﴾"۔ (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۱، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المساجد: ۴/۳۵۷-۳۵۸، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/۸۴۳، إدارة القرآن كراچي)

مدرسہ کے روپیہ سے تجارت

سوال [۷۵۹۲]: ہدایت العلوم کے مطابق ایک خالص دینی مدرسہ ہے، اس مدرسہ میں مختلف عطایا بطور امداد کے لوگ دیتے ہیں، مثلاً: زکوۃ، صدقہ فطر، چرم قربانی یا اس کی قیمت، امداد وغیرہ کی۔ اور وہ روپیہ مدرسہ کے لڑکوں کے کھانے وغیرہ میں خرچ ہوتا ہے، لیکن مدرسہ کے سکریٹری صاحب نے مدرسہ کے مفاد کے لئے تجارت کی نیت سے کئی ہزار روپیہ مدرسہ کے فنڈ سے نکال کر آلو خرید کر برف گھر میں رکھ دیئے، کئی مہینہ کے بعد جب بیچنے کا ارادہ کیا اس وقت آلو کا دام بازار میں گر گیا تو جس سے سولہ سو روپیہ کا نقصان ہوا۔

اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ بالا طریقہ سے جمع شدہ روپیہ کو کسی طریقہ سے آلو یا اور کوئی چیز تجارت کی نیت سے خریدنا سکریٹری صاحب کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اور جو روپیہ نقصان ہوا اس کا ذمہ دار کون ہوگا؟ اور اگر نفع ہوتا تو نفع کے روپیہ کا مالک کون ہوتا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مدرسہ کا روپیہ سکریٹری کے پاس امانت ہے، اس سے تجارت کرنا جائز نہیں، جتنا نقصان ہوا اس کا ضمان سکریٹری پر لازم ہوگا(۱)۔ اگر وہ روپیہ زکوۃ کا تھا تو اتنی مقدار کو دینے والوں کو واپس کرے، اگر وہ لوگ پھر دیدیں کہ اس کو طلباء پر خرچ کردو تو مستحق طلباء کے لئے اس روپیہ سے کھانے کپڑے کا انتظام کردے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱/۹۲ھ۔

---

(۱) "ومقتضی ما قدمناه عن المفتي أبي السعود أنه يقبل قوله في حق براءة نفسه، لا في حق صاحب الوظيفة، لأنه أمين فيما في يده، فيلزم الضمان في الوقف، لأنه عامل له، وفيه ضرر بالوقف". (رد المحتار: ۴/۴۴۹، كتاب الوقف، مطلب: إذا كان الناظر مفسداً لا يقبل قوله، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۵/۴۰۲، كتاب الوقف، رشيدية)

"ولا يجوز للقيم شراء شيء من مال المسجد لنفسه ... ولا البيع له وإن كان فيه منفعة ظاهرة للمسجد" (البحر الرائق: ۵/۴۰۲، كتاب الوقف، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى الخانية: ۳/۲۹۸، كتاب الوقف، مسائل وقف المسجد، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "رجل جمع مالاً من الناس لينفقه في بناء المسجد، وأنفق من تلك الدراهم في حاجة نفسه، ثم رد —

مدرسہ کی رقم کسی دوسرے مدرسہ کو قرض دینا

سوال [۷۵۸۴]: اراکین مدرسہ حسینیہ تجوید القرآن منصور پور مدرسہ کی تحویل میں سے کچھ رقم قرض حسنہ شرعیہ کسی مدرسہ کو دینا چاہتے ہیں، ایسی رقم قرض حسنہ کے طور پر دینا درست ہے یا نہیں؟ بحکم جناب مہتمم صاحب مدرسہ ہذا یہ امر استفسار طلب ہے۔

عبدالوحید صدر مدرس مدرسہ ہذا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اراکین مدرسہ امین ہیں، مدرسہ کی تحویل امانت ہے، امین کو امانت سے قرض دینا جائز نہیں (۱)۔ ہاں! اگر چندہ کی رقم ہو اور چندہ دینے والوں کی طرف سے اجازت ہو تو گنجائش ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۶/۳/۹۲ھ۔

= بدلها في نفقة المسجد، لا يسعه أن يفعل ذلك. وإذا فعل إن كان يعرف صاحب المال، رد الضمان عليه، أو يسأله أن يأذن له بإنفاق الضمان في المسجد". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۲۹۹/۳، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً أو سقاية أو مقبرة، رشيدية)

(وكذا في التاتارخانية: ۸۲۴/۵، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون في الأوقاف التي يستغنى عنها، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "وأما حكمها: فوجوب الحفظ على المودَع، وصيرورة المال أمانة في يده، ووجوب أدائه عند طلب مالكه. والوديعة لا تودَع ولا تعار ولا تؤجر ولا ترهن. وإن فعل شيئاً منها ضمن". (الفتاوى العالمكيرية: ۳۳۸/۴، كتاب الوديعة، الباب الأول، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۶۷/۷، كتاب الوديعة، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار: ۶۶۴/۵، كتاب الوديعة، سعيد)

(۲) "رجل جمع مالاً من الناس لينفقه في بناء المسجد، فأنفق من تلك الدراهم في حاجة نفسه، ثم رد بدلها في نفقة المسجد، لا يسعه أن يفعل ذلك. فإن فعل فإن عرف صاحب ذلك، رد المال عليه، أو سأله تجديد الإذن فيه". (كذا في التاتارخانية: ۸۲۴/۵، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون في الأوقاف =

مدرسہ کا روپیہ قرض دینا

سوال [۷۴۸۵]: ایک مکتب ہے جس کی زیادہ تر آمدنی چرم قربانی، صدقۂ فطر وغیرہ کا بیسواں حصہ ہے۔ مہتمم مدرسہ نے ایک مدرس کو بطور قرض کے کچھ روپیہ دیا تھا، اتفاق سے ان کی موت ہوگئی۔ اب اس قرض کی واپسی کی کوئی شکل نہیں ہے اور نہ مہتمم صاحب ہی موجود ہیں کہ خود قرض کو اپنی طرف سے ادا کردیں۔ اس بار قرض کو ختم کرنے کے لئے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ زکوٰۃ کی آمدنی میں سے کسی غریب کے حوالہ کردیا جائے اور اس غریب مدرس صاحب کے قرض کی واپسی میں وہ روپیہ مدرسہ میں جمع کردیا جائے۔ اگر یہ صورت شرعاً جائز ہو تو دونوں صاحبان قرض کے بارے میں سبکدوش ہوجائیں گے۔ اور کیا مدرسہ کی اس طرح کی آمدنی سے کسی ضرورت مند کو قرض دیا جاسکتا ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح قرض ادا کردینا مناسب ہے جب کہ اور کوئی صورت نہ ہو(۱)۔ مدرسہ کا روپیہ قرض دینے کی اجازت نہیں، مہتمم امین ہے اور امانت میں ایسا تصرف کرنے کا حق نہیں(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حتى يستغني عنه. (إدارة القرآن كراچي)

"مسجد له مستغلات وأوقاف أراد المتولي أن يشتري من غلة الوقف للمسجد دهنا أو حصيرا أو حشيشا ... قالوا: إن وسع الواقف ذلك للقيم وقال: تفعل ما ترى من مصلحة المسجد، كان له أن يشتري للمسجد ما شاء". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر: ۲/۴۶۱، رشيدية)

(۱) "وحيلة الجواز أن يعطي مديونه الفقير زكاته، ثم يأخذها عن دينه". (الدر المختار) "(وحيلة الجواز): أي فيما إذا كان له دين على معسر وأراد أن يجعله زكاة عن عين عنده أو عن دين له على آخر". (رد المحتار، كتاب الزكاة: ۲/۲۷۱، سعيد)

"ومن له على فقير دين، وأراد جعله عن زكاة العين، فالحيلة أن يتصدق عليه، ثم يأخذه منه عن دينه، وهو أفضل من غيره". (الأشباه والنظائر، الفن الخامس، الفصل الثالث في الزكاة: ۲/۲۹۴، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "أما حكمها فوجوب الحفظ على المودع وصيرورة المال أمانة في يده ووجوب أدائه

مدرسہ کا روپیہ اپنے کام میں بطور قرض خرچ کرنا

سوال [۷۵۹۱]: مدرسہ کے روپے مثلاً چھ سو مدرس اپنے کام میں خرچ کر دے تو جائز ہوگا؟ مدرسہ کے کام کے وقت دے سکے اور ہر مہینہ کی تنخواہ میں کاٹ دیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس کے پاس مدرسہ کا روپیہ امانت رکھا ہوا ہو وہ اس کو اپنے کام میں خرچ کرنا جائز نہیں، یہ خیانت ہے جو کہ بروئے حدیث منافق کی علامت ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱۱/۸۹ھ۔

— "... الوديعة لا تودع ولا تعار ولا تؤاجر ولا ترهن، وإن فعل شيئاً منها ضمن". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوديعة والأمانة، الباب الأول: ۴/۳۳۹، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوديعة: ۷/۴۶۷، رشيدية)

"وليس للقيم أن يأخذ ما فضل من وجه عمارة المدرسة ديناً ليصرفها إلى الفقيه وإن احتاج إليه". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم: ۲/۴۱۲، رشيدية)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان". (صحيح البخاري: ۱/۱۰، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب خصال المنافق: ۱/۵۶، قديمي)

"ومقتضى ما قاله أبو السعود أنه يقبل قوله في حق براءة نفسه، لا في حق صاحب وظيفة؛ لأنه أمين فيما في يده، فيلزم الضمان في الوقف؛ لأنه عمل لما فيه ضرر بالوقف". (رد المحتار: ۴/۴۴۹، كتاب الوقف، مطلب إذا كان الناظر مفسداً لا يقبل قوله، سعيد)

"رجل جمع مالاً من الناس لينفقه في بناء المسجد وأنفق من تلك الدراهم في حاجة نفسه، ثم رد بدلها في نفقة المسجد، لا يسعه أن يفعل ذلك، وإذا فعل إن كان يعرف صاحب المال رد الضمان عليه أو يسأله ليأذن له بإنفاق الضمان في المسجد". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۳/۲۹۴، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً أو سقاية أو مقبرة، رشيدية)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو روپیہ مسلمانوں نے چندہ میں دیا ہے، یہ روپیہ امانت ہے (۱)، اپنے ذاتی مصارف میں اس کو خرچ کرنا جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین حنفی عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸/۱/۸۸ھ۔

مدرسہ کے ذمہ دار کا مدرسہ کے روپیہ کو کھالینا

سوال [۷۵۸۹]: زید نے مسجد یا مدرسہ میں یا کسی بھی نیک کام میں روپے دیئے اور امانت داروں نے وہ روپے کھالئے اور حساب نہیں دیا تو کیا دینے والے کو ثواب ملے گا؟

عبد الغفار نعیم پوری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کو ثواب ملے گا (۳) درمیان میں کھانے والوں کی پکڑ ہوگی، ان کے ذمہ ضمان لازم ہوگا (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۶/۵/۹۳ھ۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان". (صحيح البخاري: ۱/۱۰، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق، قديمي)

(۲) "رجل جمع مالاً من الناس لينفقه في بناء المسجد، وأنفق من تلك الدراهم في حاجة نفسه، ثم رد بدلها في نفقة المسجد، لا يسعه أن يفعل ذلك". (التاتارخانية: ۵/۸۶۹، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون في الأوقاف التي يستغني عنها، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۳/۲۹۹، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، رشيديه)

(۳) قال الله تعالى: ﴿إن المصدقين والمصدقات وأقرضوا الله قرضاً حسناً يضاعف لهم ولهم أجر كريم﴾ (سورة الحديد: ۱۸)

(۴) قال الله تعالى: ﴿إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمنت إلى أهلها﴾ (سورة النساء: ۵۸)

اسکول فنڈ سے شیرینی تقسیم کرنا

سوال [۱۱۵۵۸]: دینیات کے امتحان میں بچوں اور حاضرین کو شیرینی تقسیم کرنے میں اسکول فنڈ سے خرچ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فنڈ میں جمع کرنے والے اگر اس تصرف سے راضی ہیں تو جائز ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

طلبہ کو مدرسہ کی رقم سے انعام دینا

سوال [۱۱۵۵۹]: کیا مہتمم مدرسہ چندہ کی رقم سے طلباء کو ان کی محنت پر انعام دے سکتا ہے؟

= "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب خصال المنافق: ۱/۵۶، قديمي)

"الأمانة غير مضمونة، فإذا هلكت أو ضاعت بلا صنع الأمين لا يلزمه الضمان. وأما إذا هلكت بتعدي الأمين أو تقصيره، فإنه يضمن". (شرح المجلة: ۱/۲۳۷، رقم المادة: ۷۶۸، الكتاب السادس في الأمانات، الباب الأول في أحكامها، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا رد المحتار، كتاب الوديعة: ۵/۶۶۴، سعيد)

(۱) "إذا أراد أن يصرف شيئاً من ذلك إلى إمام المسجد أو إلى مؤذن المسجد، فليس له ذلك، إلا إن كان الواقف شرط ذلك في الوقف". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر، الفصل الثاني منه: ۲/۴۶۳، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد: ۴/۳۶۰، سعيد)

"مسجد له مستغلات وأوقاف، أراد المتولي أن يشتري من غلة الوقف للمسجد دهناً أو حصيراً أو حشيشاً ... قالوا: إن وسع الواقف ذلك للقيم وقال: تفعل ما ترى من مصلحة المسجد، كان له أن يشتري للمسجد ما شاء". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۳/۲۹۶، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر، الفصل الثاني منه: ۲/۴۶۳، رشيديه)

۲.....حضرت والا! ایک مدرس درکار ہے، ایسا ہو کہ کتبِ متوسط: تلخیص، اصول الشاشی، شرح تہذیب وغیرہ پڑھا سکے، اس کے علاوہ اگر کوئی مدرس درجۂ قرآت کے لئے ہو تو مطلع فرمائیں۔ مولوی محمد یوسف صاحب بھرائچی کا خط جو احقر کے پاس آیا ہے، وہ حضرت والا کی خدمت میں روانہ کر رہا ہوں، اگر آنجناب مناسب خیال فرمائیں تو ان ہی کو رکھ لیا جائے، وہ اس سے پیشتر بھی کام کر چکے ہیں۔

عبدالغنی، مدرسہ مصباح العلوم مہد عین، ضلع فروخ آباد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....جس طرح طلبہ کو وظیفہ دے سکتے ہیں اسی طرح چندہ کی رقم سے طلباء کو ان کی محنت اور امتحان میں کامیابی پر ان کو انعام بھی دے سکتے ہیں(۱)۔

۲.....الحمد للہ! سب خیریت ہے، استفتاء کا جواب تحریر کر دیا۔ مولانا محمد یوسف صاحب پہلے وہاں رہ چکے ہیں، وہاں کے آدمی اچھی طرح جانتے ہیں، آپ نے بھی ان کو نزدیک سے دیکھا ہے، مجھ سے زیادہ آپ ان سے واقف ہیں، ایسی حالت میں آپ کی رائے ان شاء اللہ خیر ہوگی، استخارہ مسنونہ کرلیں تو زیادہ اچھا ہے۔ اگر ان کا معاملہ ہو جائے تو پھر شاید آپ کو مدرس کی ضرورت نہ رہے، معاملہ نہ ہو یا پھر ضرورت باقی رہے تو مطلع کریں اور مشاہرہ بھی لکھ دیں۔ قاری ابھی موجود نہیں، آخر شوال میں امید ہے مل جائیں گے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۲/۱۸ھ۔

فسادات کے خوف سے مدرسہ کی زمین فروخت کرنا

سوال[۷۵۹۲]: زید، بکر، عمر نے کچھ زمین مدرسہ شاہ پور میں وقف کیا، مدرسہ کے ممبران اس پر قبل

---

(۱) "ويبدأ من غلة الوقف بعمارته، ثم ما هو أقرب كإمام مسجد ومدرس مدرسة يعطون بقدر كفايتهم". (الدر المختار). "شرط الواقف أولاً، ثم ما هو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة وكذلك إلى آخر المصالح. هذا إذا لم يكن معيناً، فإن كان الوقف معيناً على شيء، يصرف إليه بعد العمارة". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب: ۳/۳٦۷، سعيد)

"وكذا الوقف على الذين يختلفون إلى هذه المدرسة، أو على متعلميها، أو على علمائها، يجوز للقيم أن يفضّل البعض ويحرم البعض إذا لم يعين الواقف قدر ما يعطي لكل واحد". (منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۵۸، رشيديه)

نہیں کر سکتے، اگر وہ قبضہ کرتے ہیں تو بڑا فساد ہوگا، خون کا بے حد خطرہ ہے، اب زمین کے خریدار آئیں تو کیا اس کا بیچنا جائز ہے؟ اسے بیچ کر دوسری زمین مدرسہ شاہ پور کے لئے دینا جائز ہوگا اور جن لوگوں نے مدرسہ کو وقف کیا ان کو واپس دیئے جاسکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو زمین مدرسہ شاہ پور میں دی گئی ہے اگر اس پر قبضہ کرنے میں فساد اور خون ہو جانے کا تو مجبوراً اس کو فروخت کرکے اس کی قیمت سے دوسری مناسب زمین خرید کر اسی مدرسہ میں دیدینا درست ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۲/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۲/۹۲ھ۔

☆...☆...☆...☆...☆

(۱) "سئل شيخ الإسلام عن أهل قرية رحلوا وتداعى مسجدها إلى الخراب، وبعض المتغلبة يستولون على خشبه وينقلونه إلى دورهم، هل لواحد لأهل المحلة أن يبيع الخشب بأمر القاضي ويمسك الثمن ليصرفه إلى بعض المساجد أو إلى هذا المسجد، قال: نعم". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد: ۴/۳۵۹، سعيد)

"رجل وقف موضعاً في صحته وأخرجه عن يده، فاستولى عليه غاصب وحال بين الوقف وبينه، قال الشيخ الإمام أبو بكر محمد بن الفضل رحمه الله تعالى: يأخذ من الغاصب قيمتها ويشتري بها موضعاً آخر، فيقفه على شرائط الأول". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۳/۳۰۴، كتاب الوقف، فصل في وقف المنقول، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۲/۴۶۰، كتاب الوقف، الباب التاسع في غصب الوقف، رشيدية)

الفصل الرابع في بيع وقف المدرسة وإجارته

(مدرسہ کے وقف کو بیچنے اور کرایہ پر دینے کا بیان)

زکوٰۃ کی رقم سے خریدکردہ غلہ نرخ کم ہونے کے بعد فروخت کرنا

سوال [۶۵۹۴]: ایک دینی مدرسہ کے صدر نے مدرسہ کے مطبخ کے خرچ کے لئے فصل کے موقع پر گندم اس خیال سے خرید لیا کہ سال گذشتہ غلہ کا نرخ بہت گراں ہوگیا تھا، اس سال نرخ کم ہوگیا ہے ۳۱/ پیسہ فی کلو کا فرق ہوگیا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ صدر مدرس نے ایک روپیہ ۳۰/ پیسہ کے حساب سے گندم وں کو مل خرید لیا، اب یہاں کا بھاؤ ایک روپیہ ۱۰/ پیسہ ہے۔ اب طلباء کے ختم ہونے سے مطبخ بھی بند ہوگیا، اب اس کے فروخت کرنے میں مدرسہ کا خسارہ ہے، گندم بھی زکوٰۃ کی رقم سے خرید کیا ہے تو اب یہ خسارہ کون دے گا؟ اور زکوٰۃ کی رقم سے گندم کی خریداری درست ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ کی رقم سے طلباء کے لئے غلہ خریدا، اس وقت طلباء کے واسطے مطبخ موجود تھا، پھر طلباء موجود نہ رہے، مطبخ بند کردیا گیا، غلہ طلباء ہی کے لئے لیا گیا تھا اور زکوٰۃ طلباء کے کھانے کے واسطے ہی دی گئی تھی، لہٰذا مطبخ ختم ہوجانے پر وہ غلہ معطین کو واپس کردینا چاہئے تھا، یا ان کی اجازت سے دیگر مستحقین کو دینا چاہئے تھا(۱)، مگر ایسا نہ کیا گیا، بلکہ غلہ فروخت کرکے روپیہ بنا لیا گیا جس میں خسارہ ہوا، مدرسہ کے ذمہ دار پر اس خسارہ کا ضمان لازم نہیں ہوگا(۲)۔ البتہ ان کو چاہئے کہ معطین کو پوری صورت حال کی اطلاع دے کر قیمت کے متعلق

---

(۱) "والوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان، فلا يملك الدفع إلى غيره". (رد المحتار: ۲۶۹/۲، كتاب الزكاة، قبيل باب السائمة، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۲۸۳/۲، كتاب الزكاة، الفصل التاسع، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "المال الذي قبضه الوكيل بالبيع والشراء وإيفاء الدين واستيفائه، والمال الذي قبضه الوكيل بقبض -

استصواب رائے کریں، وہ اگر اپنی قیمت واپس لینا چاہیں اور خود مستحقین پر صرف کرنا چاہیں تو ان کو واپس دیدے۔ اگر وہ بعد تملیک تنخواہ وغیرہ میں صرف کرنے کی اجازت دیں تو اس کے موافق عمل کرے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۹/۲۹ھ۔

قرآن کریم وقف ہونے کے بعد اس کو فروخت کرنا

سوال[۷۵۹۴]: مردہ کے ایصال ثواب کے لئے بعض لوگ مدرسہ میں قرآن شریف وقف کرتے ہیں، مدرسہ والے اس کو فروخت کر کے قیمت کو مدرسہ کے کام میں لگاتے ہیں۔ تو کیا یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقف ہونے کے بعد اس کو فروخت کرنا جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= العين بحسب وكالته، هو في حكم الوديعة بيد الوكيل، فإذا تلف بلا تعد ولا تقصير، لا يلزم الضمان والمال، لأن يد الوكيل .... يد نيابة عن الموكل" (شرح المجلة لسليم رستم: ۲/۷۸۳، (رقم المادة: ۱۴۶۳)، كتاب الوكالة، الباب الثالث، حنفيه كوئته)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۴/۱۵۸، ۱۵۹، كتاب الوكالة، الفصل الخامس، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۷/۲۹۳، ۲۹۴، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء، رشيديه)

(۱) "ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحةً، ولا يصرف إلى بناء مسجد و كفن ميت .... لعدم التمليك وهو الركن .... و قدمنا أن الحيلة أن يتصدق على الفقير، ثم يأمره بفعل هذه الأشياء".

(الدر المختار: ۲/۳۴۴، ۳۴۵، كتاب الزكاة، باب المصرف، سعيد)

"والحيلة لمن أراد ذلك أن يتصدق ينوي الزكاة على فقير، ثم يأمره بعد ذلك بالصرف إلى هذه الوجوه، فيكون لصاحب المال ثواب الصدقة، ولذلك الفقير ثواب هذا الصرف". (التاتارخانية: ۲/۲۷۴، كتاب الزكاة، الفصل الثامن، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۲۴، كتاب الزكاة، باب المصرف، رشيديه)

(۲) قال العلامة الحصكفي: "فإذا تم (أي الوقف) ولزم، لايملك ولايملك ولايعار ولا يرهن". =

اساتذہ کا امتحانی کاپیوں کو فروخت کرنا

سوال[۷۵۹۵]: مکاتب کے امتحان سہ ماہی وسالانہ وغیرہ طلبہ سے کاپیاں بنوائی جاتی ہیں، طلبہ امتحان کے بعد وہ کاپیاں اساتذہ کے پاس جمع کردیتے ہیں بلکہ اساتذہ جمع کرلیتے ہیں، پھر ان کو حسب موقع فروخت کرکے قیمت خود استعمال کرلیتے ہیں۔ کیا شرعاً یہ درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر استاذ کی خدمت میں وہ ہدیۃً پیش کردیتے ہیں تو حسب قاعدۂ شرعیہ ہبہ تام ہونے پر موہوب لہ کو ان کاپیوں کے اوراق کی قیمت کا اپنے کام میں لانا شرعاً درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

تعلیم کے لئے موقوفہ عمارت میں مہتمم کا قیام، یا اس کا کرایہ وصول کرنا

سوال[۷۵۹۶]: مدرسہ کے لئے وقف شدہ عمارت کو صحیح اس وقت سمجھا جاوے گا جب کہ اس میں

= (الدرالمختار)، "(قوله: لايملک): أی لايکون مملوکاً لصاحبه. (ولايملک): أی لايقبل التمليک لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليک الخارج عن ملکه". (ردالمحتار: ۳۵۱/۴، ۳۵۲، سعید)

(وکذا فی الهداية: ۶۴۰/۲، کتاب الوقف، مکتبه شرکة علميه ملتان)

(وکذا فی فتح القدير: ۲۲۰/۶، کتاب الوقف، مصطفى البابى الحلبى مصر)

(۱) کیونکہ ہبہ کرنے سے شی موہوبہ اس کی ملک ہوگئی، اور اپنے ملک میں ہر قسم کا تصرف جائز ہے: "يملک الموهوب له الموهوب بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملک". (شرح المجلة لسليم رستم: ۴۷۳/۱، (رقم المادة: ۸۶۱)، کتاب الهبة، الباب الثالث فی أحکام الهبة، مکتبه حنفيه کوئٹه)

(وکذا فی الدرالمختار: ۶۸۸/۵، کتاب الهبة، سعید)

(وکذا فی الفتاوى العالمکيرية: ۳۷۴/۴، کتاب الهبة، الباب الأول، رشيديه)

"کلٌّ يتصرف فی ملکه کيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم: ۶۵۴/۱، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مکتبه حنفيه کوئٹه)

(وکذا فی ردالمحتار: ۵۰۲/۴، کتاب البيوع، مطلب فی تعريف المال والملک والمتقوم، سعید)

تعلیم ہو، یا منتظمین مدرسہ اگر کسی کو کرایہ پر دیدیں اور اس کا کرایہ مدرسہ کو ملے، یا مہتمم مدرسہ قیام کریں اور اس سلسلہ میں ان کی تنخواہ سے کٹوتی ہو۔ کیا ان دونوں صورتوں میں بھی عمارت کو مدرسہ کے لئے وقف سمجھا جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ واقف کی غرض اصل تعلیم ہے تو اصالۃً اس عمارت کو تعلیم ہی کے کام میں استعمال کرنا چاہیئے، تعلیم کے کام کو بند کرکے رہائش میں استعمال کرنا منشائے واقف کے خلاف اور وقف کے ساتھ خیانت ہے(۱)۔ البتہ اگر تعلیم کے ساتھ ساتھ رہائش کے کام میں بھی تبعاً وضرورۃً ارباب حل وعقد کے مشورہ سے استعمال کیا جائے تو گنجائش ہے(۲)، مثلاً مہتمم مدرسہ کے پاس کوئی رہنے کا مکان نہیں اور کرایہ پر لینے کی وسعت نہیں اور مدرسہ کا کام کرنے کی وجہ سے مدرسہ میں قیام ضروری ہے تو گنجائش ہے(۳)۔ اسی طرح اگر عمارت مدرسہ کے مختلف حصے ہیں، اکثر حصے تعلیمی کام میں مشغول ہیں اور کوئی حصہ خالی اور بیکار ہے جو کرایہ پر چل سکتا ہے تو اس کو

---

(۱) "فمراعاۃ غرض الواقفین واجبۃ" (رد المحتار: ۴/۴۴۵، کتاب الوقف، مطلب: مراعاۃ غرض الواقفین واجبۃ، سعید)

"ما خالف شرط الواقف، فهو مخالف للنص ... شرط الواقف كنص الشارع، فيجب اتباعه" (رد المحتار: ۴/۴۹۵، کتاب الوقف، مطلب: ما خالف شرط الواقف، سعید)

"متولي الوقف باع شيئاً منه أو رهن، فهو خيانة، فيعزل" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم: ۲/۴۰۳، رشیدیہ)

(۲) "للحاكم أن يأذن أن يصرف من فاضل وقف المصالح والعمارة إلى الإمام والمؤذن باستصواب أهل الصلاح من أهل المحلة إن كان الوقف متحداً؛ لأن غرضه إحياء وقفه، وذلك يحصل بما قلنا".

(رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد: ۴/۳۶۰، سعید)

(۳) "ويبدأ من غلته بعمارته، ثم ما هو أقرب لعمارته كإمام مسجد ومدرس مدرسة يعطون بقدر كفايتهم" (الدر المختار). "أي من غلته بعمارته بشرط الواقف أولاً، ثم ما هو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد، والمدرس للمدرسة يصرف إليهم إلى قدر كفايتهم. وكذلك إلى آخر المصالح"

(رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب إليها: ۴/۳۶۷، ۳۶۸، سعید)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۵۱، رشیدیہ)

کرایہ پر دینا درست ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

تعلیم گاہ کو کرایہ پر دینا

سوال[۷۵۹۷]: دینی تعلیم کے لئے ایک عمارت برادری کے پیسے سے بنائی گئی، لیکن شہر کے جو مدرسہ کے ذمہ دار اور امین ومتولی ہیں ان لوگوں نے عام لوگوں کی رائے کے بغیر اس عمارت کو تعلیم کا کام بند کرکے سرکار کو تین سو روپے ماہوار میں کرایہ پر دیدیا۔ اب بچے تعلیم کے لئے پریشان ہیں۔ کیا امین اور متولی کا ایسا فعل شرعاً جائز ہے؟ ایسے لوگوں کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے جن کو بچوں کی تعلیم سے زیادہ دنیوی روپے پیسے محبوب ہیں؟ جب ان سے کہا گیا کہ دینی تعلیم بھی ضروری ہے اور یہ قوم کی امانت ہے۔ تو جواب دیا کہ پڑھاؤ یا نہ پڑھاؤ، ہم نے دے دیا۔ اب ان لوگوں کو کس لفظ سے یاد کرنا چاہئے اور کیا کہنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو عمارت دینی تعلیم کے لئے عام مسلمانوں کے چندہ سے بنائی گئی اور وہاں دینی تعلیم ہوتی ہے، تو ایسی عمارت کو روپے حاصل کرنے کے لئے کرایہ پر دے دینا اور دینی تعلیم کو بند کر دینا متولی کے لئے شرعاً درست نہیں(۲)، ایسے شخص کو متولی نہ بنایا جائے(۳)۔ اگر صورت حال کچھ اور ہے تو اس کو تفصیل سے لکھیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) "قال الفقيه أبو جعفر رحمه الله تعالىٰ: إذا لم يذكر الواقف .... إجارة الوقف، فرأى القيم أن يؤاجرها و يدفعها مزارعة، فما كان أدرّ على الوقف و أنفع للفقراء، فعل". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۳۳۲، كتاب الوقف، فصل في إجارة الوقف، رشيديه)

(۲) "فإذا تم (الوقف) ولزم، لا يملك ولا يملّك ولا يعار و لا يرهن". (الدرالمختار) "(قوله: لايملك): أي لا يكون مملوكاً لصاحبه (ولايملّك): أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه". (ردالمحتار: ۴/۳۵۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۵/۳۳۲، كتاب الوقف، رشيديه)

"سئل الإمام شمس الإسلام محمود الأوزجندي عن أهل المسجد تصرفوا في أوقاف المسجد: يعني آجروا المستغل و له متول؟ قال: لايصح تصرفهم". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۴۶۳، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر، الفصل الثاني منه، رشيديه)

(۳) "و ينزع وجوباً لو غير مأمون، أو عاجزاً، أو ظهر به فسق كشرب الخمر و نحوه". (الدرالمختار). =

مدرسہ موقوفہ کی جگہ برات کے لئے کرایہ پر دینا

سوال[۷۵۹۸]: ہمارے گاؤں کھیڑی کی آبادی ۱۹۴۷ء سے پہلے تقریباً چھ سو مسلمان گھرانوں پر مشتمل تھی، اسی دوران یہاں ایک چھوٹا مدرسہ تعمیر کیا گیا، جب اس کے اندر طلباء نہ آسکے تو پھر ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کیا گیا تھا، مگر خدا کی شان کی بات ہے، گڑبڑ ہو جانے کی وجہ سے تمام مسلمان چلے گئے، صرف پچاس ساٹھ گھر مسلمانوں کے رہ گئے۔ اب جو چھوٹا مدرسہ ہے اس کے اندر ہم لوگ یہاں شادی میں آنے جانے والے آدمیوں کے اتارنے کا سلسلہ چل رہا ہے اور بڑے مدرسے کے اندر دس پندرہ بچے پڑھنے والے ہیں، وہ وہاں تعلیم پاتے ہیں۔

اب ہمارے یہاں کے لوگوں کی کمزوری ہونے کی وجہ سے قربانی، فطرہ اور خیرات کی رقمیں چھوٹے مدرسہ پر مسافر خانے کے لحاظ سے لگانا چاہتے ہیں۔ یہ جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چھوٹا اور پرانا مدرسہ خالی پڑا ہے، اس میں جو لوگ بیاہ شادی میں مہمانوں کو ٹھہراتے ہیں ان سے کچھ کرایہ لیا جائے اور وہ کرایہ کی رقم نئے مدرسہ میں جو بڑا ہے اور آباد ہے اس میں خرچ کی جائے (۱)۔ فطرہ اور

— "قال في الإسعاف: ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه، لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن، لأنه يخل بالمقصود". (رد المحتار: ٤/٣٨٠، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ٢/٤٠٨، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ٥/ ٣٩١، ٣٩٢، كتاب الوقف، رشيديه)

(١) "قال الفقيه أبو جعفر رحمه الله تعالى: إذا لم يذكر الواقف إجارة الوقف، فرأى القيم أن يؤجرها ويدفعها مزارعة، فما كان أدر على الوقف وأنفع للفقراء، فعل" (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: ٣/٣٣٢، كتاب الوقف، فصل في إجارة الوقف، رشيديه)

"اتحد الواقف والجهة، وقل مرسوم بعض الموقوف عليه بسبب خراب وقف أحدهما، جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه، لأنهما حينئذ كشيء واحد". (الدر المختار) "وحكي أنه —

قیمت چرم قربانی مسافر خانہ کی تعمیر وغیرہ میں خرچ کرنا جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مکانِ مدرسہ میں ملازم کا بلا کرایہ رہنا

سوال [۷۵۹۱]: ایک شخص مدرسہ میں ملازمت کرتا ہے اور مدرسہ کے مکان میں بلا کرایہ ادا کئے رہتا ہے اور اپنی ضرورت کے سب ہی کام اس میں کرتا ہے تو اس کے لئے مکان جائز ہونے کی کیا شکل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بے خطر صورت تو یہ ہے کہ مدرسہ کو کرایہ ادا کرے، لیکن اگر مدرسہ نے ملازم کو مکان بھی دے رکھا ہے اور کرایہ نہیں لیتا اور یہ مکان کا بلا کرایہ دینا بعنوانِ جزو تنخواہ ہے کہ اگر مکان نہ دے تو ملازم زیادہ تنخواہ کا مطالبہ کرتا ہے اور اس کا مفاد اسی میں ہے کہ کم تنخواہ کا ملازم رکھا جائے اور مکان بھی اس کو بلا کرایہ دیا جائے، تو اس میں بھی گنجائش ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= وقع مثله في زمن سيدنا الإمام الأجل في رباط في بعض الطرق خرب، ولا ينتفع المارة به، وله أوقاف عامرة، فسئل: هل يجوز نقلها إلى رباط آخر لينتفع به؟ قال: نعم؛ لأن الواقف غرضه انتفاع المارة به، ويحصل ذلك بالثاني". (رد المحتار ۴/۳۶۰، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه، سعيد)

(۱) قال الله تعالى: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم وفي الرقاب والغارمين وفي سبيل الله وابن السبيل﴾ (سورة التوبة: ۶۰)

"ويصرف إلى كلهم أو إلى بعضهم تمليكاً لا إباحة، لا يصرف إلى بناء نحو مسجد ولا إلى كفن ميت". (الدر المختار). "(قوله: نحو مسجد) كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكري الأنهار والحج والجهاد وكل ما لا تمليك فيه". (رد المحتار، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۲/۳۴۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۴۲۴، رشيديه)

(۲) "يبدأ من غلته بعمارته، ثم ما هو أقرب لعمارته كإمام مسجد ومدرس مدرسة، يعطون بقدر =

مدرسہ کا مکان کرایہ دار سے خالی کرانا

سوال [۱۰۰۰۷]: ایک مسلمان قائم نے اپنا مکان کرایہ پر دوسرے کو دے دیا ہے، اس پر کرایہ دار نے چکی لگا دی، کچھ عرصہ کے بعد مالک مکان نے خالی کرانے کی کوشش کی مگر کرایہ دار نے خالی نہیں کیا۔ مالک مکان نے نصف مکان مدرسہ اسلامیہ میں دے دیا ہے اور بقیہ نصف مکان عیدگاہ کی مرمت کے لئے وقف کر دیا ہے۔ جس نصف مکان کو مدرسہ میں دیا تھا اس میں تین کمرے تیار ہوئے ہیں جن میں سے دو کمروں میں مدرسہ کا کام ہو رہا ہے اور ایک کمرہ سابق کرایہ دار کے قبضہ میں ہے ۱۰/ روپیہ ماہوار کرایہ دیتا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے لوگ اس کمرے کے ۲۰/ روپیہ ماہوار کرایہ دیتے ہیں، لیکن کرایہ دار خالی نہیں کرتا ہے۔

اور جو نصف مکان مالک مکان نے عیدگاہ کے لئے دیا تھا وہ بھی اسی کرایہ دار نے اپنے قبضہ میں کر لیا ہے جس کا دو روپیہ ماہوار کرایہ دیتا ہے۔ مالک مکان نے کل میلاد شریف قائم کر کے تمام مسلمانوں کے درمیان کہا تھا کہ یہ نصف مکان بیچ کر عیدگاہ کی مرمت کرا دی جاوے۔ مالک مکان کا انتقال ہو چکا ہے اور اب تمام مسلمانوں کی خواہش ہے کہ اس مکان کو نیلام کر کے عیدگاہ کی مرمت کرادی جاوے، لیکن کرایہ دار خالی نہیں کرتا ہے۔ ایسی صورت مسئولہ میں مسئلہ شرعی کیا ہے اور مسلمانوں کو کس حالت میں کیا کرنا چاہیے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مدرسہ کا کمرہ اس چکی والے سے خالی کرا کے دوسرے شخص کو زیادہ کرایہ پر دیا جاوے۔ اس کے لئے قانونی چارہ جوئی کی جائے۔ اگر اہل مدرسہ مناسب سمجھیں تو موجودہ کرایہ دار کو خالی کرانے کا نوٹس دے دیں کہ مدرسہ کے لئے ضرورت ہے اور تو ایسی صورت میں وہ خالی کرنے پر مجبور ہوگا، پھر اس جگہ بھی مدرسہ کے لئے کمرہ بنا دیا جاوے، یا سمجھوتہ کر کے کرایہ میں اضافہ کرا لیا جاوے اور لکھوا لیا جاوے کہ اگر ضرورت ہوئی تو مقدمہ کر کے خالی

= كفايتهم". (الدر المختار). "ثم ما هو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة، يصرف إليهم إلى قدر كفايتهم، ثم السراج والبساط، وكذلك إلى آخر المصالح".

(رد المحتار: ۴/۳۶۶، ۳۶۷، كتاب الوقف، مطلب يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۵/۳۵۱، كتاب الوقف، رشيدية)

(وكذا في الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۲/۵۸۶، كتاب الوقف، غفارية كوئته)

کرایہ چڑھے گا (۱)۔

نصف مکان جو ٹھیکہ پر دے دیا ہے، اگر فروخت کرکے مرمت کے لئے دیا ہے تو اس کو فروخت کردیا جائے (۲)۔ پھر خریدار اگر مضبوط ہوگا تو وہ خالی کرائے گا، یا کرایہ میں اضافہ کرے گا (۳)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۹۰ھ۔

مدرسہ کے کمرہ میں ملازم کے بچوں کو رکھنا

سوال [۷۶۹۰]: امام صاحب کے بچے اور اہلیہ مدرسہ کے کمرہ میں رہتے ہیں، بعض لوگ اس کو

---

(۱) "الواقف إذا آجر الوقف إجارة طويلة إن كان يخاف على رقبته التلف بسبب هذه الإجارة، فللحاكم أن يبطلها، وكذلك إن آجرها من رجل يخاف على رقبتها من المستأجر، فينبغي للحاكم أن يبطل الإجارة". (التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل السابع في تصرف القيم في الأوقاف: ۵/۷۴۳، إدارة القرآن كراچی)

"حانوت وقف وعمارته ملك لرجل أبى صاحب العمارة أن يستأجر بأجر مثله، ينظر: إن كانت العمارة لو رفعت يستأجر بأكثر مما يستأجر صاحب العمارة، كلف رفع العمارة، ويؤجر من غيره؛ لأن النقصان عن أجر المثل لا يجوز ...... وفيه: وكذا إذا آجرها الواقف سنين كثيرة ممن يخاف أن تتلف في يده، فإن يبطل القاضي الإجارة ويخرجها من يد المستأجر". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۲۹۷، ۲۹۸ - ۳۰۰، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في إجارة الأوقاف: ۳/۳۳۴، ۳۳۵، رشيديه)

(۲) "فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، وهو مالك، فله أن يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصية". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة: ۴/۳۴۳، سعيد)

"شرط الواقف كنص الشارع، فيجب اتباعه". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: ما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص: ۴/۴۹۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۱، رشيديه)

(۳) (راجع رقم الحاشية: ۱)

حرام بتاکر عوام کو بہکاتے ہیں۔ کیا مدرسہ اسلامیہ میں اہلیہ کو رکھنا حرام ہے یا مباح؟ جو حرام بتلاتے ہیں شریعت کے نزدیک وہ کیسے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص امام یا کوئی بھی مدرس ہو اور اس کی ملازمت کے لئے مدرسہ کی طرف سے مکان کا بھی معاملہ ہے تو اس کو اپنے بچوں اور اہلیہ کو مدرسہ میں مکان میں رکھنا شرعاً درست ہے (۱)۔ جو شخص اس کو ناجائز کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے۔ پردہ کا تو بہر حال ضروری ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ملازمِ مدرسہ کی اولاد کا مدرسہ کے مکان میں رہنا

سوال [۷۱۰۲]: ہندوستان سے پانچ سال کی مدت کے لئے ایک استاذ مدرسہ میں پڑھانے کی غرض سے بلائے گئے، یہاں ان کو تنخواہ کے علاوہ مدرسہ کے لئے وقف شدہ مکان بلاکرایہ دیا گیا جس میں ہر وہ پانی اور بجلی کا خرچ بھی مدرسہ کے ذمہ ہے۔ پانچ سال پورے ہونے پر ملازمت کی تجدید نہیں کی گئی مگر موصوف نے پڑھانے کا کام جاری رکھا۔ وہ اسی اوقاف کے مکان میں موصوف کے دونوں صاحبزادوں کا قیام ہے، ان میں ایک شادی شدہ دوسرا غیر شادی شدہ ہے۔ شادی شدہ لڑکے کی دو دکانیں ہیں اور غیر شادی شدہ لڑکے کی آمدنی اپنے باپ کی آمدنی سے زیادہ ہے۔ یہ دونوں صاحبزادے اسی اوقاف کے مکان میں اپنے باپ کے ساتھ رہتے ہیں۔

---

(۱) "ويبدأ من غلته بعمارته، ثم ما هو أقرب لعمارته كإمام مسجد ومدرس مدرسة، يعطون بقدر كفايتهم". (الدر المختار) "ثم ما هو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة، يصرف إليهم إلى قدر كفايتهم، ثم السراج والبساط، كذلك إلى آخر المصالح".

(رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب: ۳۶۶/۴، ۳۶۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۶۵/۵، كتاب الوقف، رشيديه)

(وكذا في الدر المنتقى على مجمع الأنهر: ۵۹۷/۲، كتاب الوقف، غفاريه كوئٹه)

(۲) قال الله تعالى: ﴿وقرن في بيوتكن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الأولى﴾ (سورة الأحزاب: ۳۳)

لڑکے کی شادی ہوجانے کی وجہ سے مکان تنگ ہورہا ہے اور ساتھ ہی پانی اور بجلی کے خرچ میں اضافہ ہورہا ہے، تو کیا اب بھی مدرسہ، استاذ اور ان کے لڑکوں کی رہائش کا ذمہ دار ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب معاملہ ملازمت کا پانچ سال کے لئے تھا کہ مدت پوری ہونے پر ملازمت ختم ہوگئی، نہ مدرسہ کے مکان میں قیام کا حق رہا، نہ تنخواہ کا استحقاق باقی رہا(۱)۔ لیکن پانچ سال گذرنے کے بعد اہلِ مدرسہ نے ان کو بدستور کام پر رکھا، وہ کام کرتے رہے، تنخواہ ملتی رہی، مدرسہ کے مکان میں قیام رہا تو یہ عملی طور پر گویا معاملۂ ملازمت بشرطِ سابق تجدید ہوگئی، جب تک مدرسہ ان کو الگ نہ کرے وہ ملازم ہے(۲)۔ ان کے جولڑکے بالغ اور کمانے والے ہیں اور ان کا نفقہ خود ان کی کمائی سے پورا ہوتا ہے، والد کے ذمہ واجب نہیں(۳)، ان کو مستقلاً مدرسہ کے مکانِ موقوف میں رہنے کا حق نہیں ہے(۴)، خاص کر جب کہ ان کی وجہ سے بجلی وپانی کے مصارف

---

(۱) "لو استؤجر عقاراً كل شهر بكذا من دون بيان عدد الأشهر، يصح العقد. لكن عند ختام الشهر الأول لكلٍّ من الآجر والمستأجر فسخ الإجارة في اليوم الأول وليلته من الشهر الثاني الذي يليه". (شرح المجلة لسليم رستم، (رقم المادة: ۴۹۴)، كتاب الإجارة، الباب الرابع: ۱/۲۷۴، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الإجارة، باب فسخ الإجارة: ۶/۸۳، سعيد)

(۲) "لكن عند ختام الشهر الأول لكل من الآجر والمستأجر فسخ الإجارة في اليوم الأول من الشهر الثاني الذي يليه. وأما بعد مضي اليوم الأول، فليس لهما ذلك، بل يصح العقد في الشهر الثاني. وإذا مضى الشهر الثاني ولم يفسخ أحدهما في اليوم الأول وليله من الشهر الثالث، صح العقد أيضاً فيه؛ لأنه إذا مضى اليوم الأول وليله ولم يفسخ أحدهما بحضور الآخر، كان سكوتهما دلالةً على الرضى".

(شرح المجلة، كتاب الإجارة، الباب الرابع: ۱/۲۷۴، (رقم المادة: ۴۹۴)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"السكوت في الإجارة يُعدّ قبولاً ورضى". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۲۳۴، (رقم المادة: ۴۳۸)، كتاب الإجارة، الفصل الأول في ركن الإجارة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) "ولايجب على الأب نفقة الذكور الكبار، إلا أن يكون الولد عاجزاً عن الكسب لزمانة أو مرض". (الفتاوىٰ العالمكيرية، باب النفقات، الفصل الرابع في نفقة الأولاد: ۱/۵۶۳، رشيديه)

(۴) "يفتى بالضمان في غصب عقار الوقف وغصب منافعه أو إتلافها كما لو سكن بلا إذن أو أسكنه المتولي بلا أجر، كان على الساكن أجر المثل ——— ودخل مالو كان الوقف مسجداً أو مدرسةً سكن فيه، فتجب فيه أجرة المثل". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۴۰۸، سعيد)

مدرسہ پر زیادہ پڑتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مدرسہ کے کمرہ میں پولیس کا قیام

سوال [۷۰۴۲]: گورنمنٹ کہتی ہے کہ بھٹی کے موقعہ پر آپ کے مدرسہ میں پولیس کے قیام وطعام کا انتظام رہے گا۔ بند خالی کمروں میں پولیس کا رہنا جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مدرسہ پڑھنے اور پڑھانے والوں کے لئے وقف ہے، غیر متعلق لوگوں کا وہاں قیام وطعام غرضِ واقف کے خلاف ہے، اس لئے اجازت نہیں (۱)، اس کا انتظام دوسری جگہ کیا جائے، ہاں! اگر مدرسہ ہی کے مصالح کے لئے ہو تو اجازت ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۸/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= "ولیس للقیم أن یسکن فیها أحداً بغیر أجر". (التاتارخانیة، کتاب الوقف، الفصل السابع فی تصرف القیم: ۵/۹۳۴، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی رد المحتار، کتاب الوقف: ۴/۳۵۲، سعید)

( ) "صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفین واجبة". (ردالمحتار: ۴/۴۴۵، کتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفین واجبة، سعید)

"ما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص، وهذا موافق لقول مشایخنا کغیرهم: شرط الواقف کنص الشارع، فیجب اتباعه". (ردالمحتار: ۴/۴۹۵، کتاب الوقف، مطلب: ما خالف شرط الواقف، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۵/۲۱۱، کتاب الوقف، رشیدیه)

(۲) "نعم! یتصرف القیم فی الوقف بما فیه نفع للوقف، والمسئلة فی الخیریة والإسعاف". (تنقیح الفتاوی الحامدیة: ۱/۲۰۹، کتاب الوقف، مکتبه میمنیه مصر)

(وکما فی التاتارخانیة: ۵/۶۵۵، کتاب الوقف، الفصل السابع فی تصرف القیم، إدارة القرآن کراچی)

"سئل الإمام شمس الإسلام محمود الأوزجندی رحمه الله تعالیٰ عن أهل المسجد تصرفوا فی أوقاف المسجد بعنی آجروا المستغل، وله متول. قال: لایصح تصرفهم". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر، الفصل الثانی منه: ۲/۴۶۳، رشیدیه)

الفصل الخامس في وظائف المدرسين

(مدرسین کی تنخواہوں کا بیان)

جن مہینوں میں خالص مدرسہ کا کام کیا جائے ان مہینوں کی تنخواہ وصول کرنا

سوال [۷۰۰۶]: مہتمم مدرسہ تمام سال اہتمام بلاتنخواہ کرتے ہیں، کچھ اپنی نجی کام بھی کرتے ہیں، مگر جن ایام میں تحصیلِ چندہ کا کام ہوتا ہے، اس میں مشغول ہونے کی وجہ سے وہ اپنا نجی کاروبار بھی نہیں کرسکتے۔ تو ان مہینوں کی تنخواہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں مہتمم صاحب کو چاہیے کہ مجلسِ شوریٰ کے ارکان کے سامنے اس چیز کو پیش کردے کہ سال بھر میں مثلاً دو ماہ چندہ کرتا ہوں، نجی کام نہیں کرسکتا، اس لئے ان دو ماہ کے لئے میری تنخواہ تجویز کردی جائے، بقیہ دس ماہ حسبۃً للہ خدمتِ مدرسہ انجام دوں گا، کوئی معاوضہ نہیں لوں گا (۱)۔ اگر مہتمم صاحب نے اس طرح بلا قاعدہ معاملہ کیا تو تہمت اور اعتراض کا خطرہ ہے جس سے بچنا ضروری ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۴/۱۱/۹۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دار العلوم دیوبند، ۶/۱۱/۹۵ھ۔

---

(۱) حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"مدرسہ کے لئے مہتمم صاحب جو چندہ جمع کریں تو ارباب شوریٰ (ذمہ داران) کے مشورہ سے مناسب تنخواہ مقرر کردی جائے اور وہ تنخواہ دی جائے، یا پھر ارباب شوریٰ سے مناسب انعام دے دیا جائے، دوسری صورت میں الغرض کمیشن کی صورت سے بچتے ہوئے اصحاب شوریٰ کے مشورے کے مطابق عمل کیا جائے، معاملہ مخفی رکھنا بالکل مناسب نہیں، اس میں ارباب شوریٰ پر بدگمانی اٹھانے کا موقع ملے گا، اور اس میں مہتمم کی بدنامی بھی ہے، اور مہتمم کا اتنی بڑی رقم کا مطالبہ کرنا بھی تعجب خیز معلوم ہوتا ہے اور اصحاب شوریٰ کو بھی مدرسہ کا فائدہ ملحوظ رکھتے ہوئے مناسب فیصلہ کرنا ہوگا، اتنی بڑی رقم قبول کرنے والے کا بھی اعتبار نہ ہوگا"۔ (فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الإجارۃ، باب ما یجوز من الإجارۃ وما لا یجوز، بیرون ملک چندہ کے لئے جانے والے مہتمم کا چندہ میں سے ایک بڑی رقم بطور اجرت لینا: ۹/۲۰۳، دار الاشاعت)

(۲) "اتقوا مواضع التهم". ذكره في الإحياء، وقال العراقي في تخريج أحاديثه: لم أجد له أصلاً، لكنه ...

تعطیل کلاس کی تنخواہ کا استحقاق

سوال [۵۰۰۷]: ایک دینی ادارہ جس میں چند مدرسین چند سالوں سے کام کر رہے ہیں۔ اتفاق سے گذشتہ درمیانی سال میں مہتمم صاحب سے کچھ مدرسین کو شکایت ہوئی جس کی وجہ سے حسب قانون مدرسہ مدرسین نے استعفیٰ دیا یعنی ایک ماہ سے پیشتر مگر مہتمم صاحب اور دوسرے اراکین نے باصرار تمام اس معاہدہ پر کہ آئندہ رمضان کی ۳۰/ تاریخ تک آپ لوگ استعفیٰ موخر کردیں اور ۳۰/ رمضان تک کی تنخواہ آپ لوگوں کو دی جائے گی، گویا کہ آپ لوگ باوجود چھٹیوں کے اور اس کے بعد مدرسہ میں نہ آنے کی صورت میں ۳۰/ رمضان تک مدرسہ میں ملازم ہوں گے، چھٹیوں کے استعمال کا حق آپ لوگوں کو ہوگا۔ اس تصریح کے ساتھ ان مدرسین کو روک لیا۔

اب حسب سابق ان مدرسین نے مدرسہ میں آخر سال یعنی ۱۸/ شعبان تک کام کیا، اس کے بعد یا اس سے پہلے ایک دو روز کی رخصت لیکر چلے آئے۔ آنے سے قبل صرف نقد کا روپیہ وصول کرلیا اور شعبان و رمضان کی تنخواہ اس وجہ سے کہ پہلے سے یہ تنخواہیں آتے وقت نہیں دیتے تھے، شعبان کی تنخواہ گھر بھیج دیتے تھے اور رمضان کی واپسی پر چھوڑ کر چلے آئے، مطالبہ اور سرکاری رقم جو آئندہ آنے والی ہے، مدرسہ کے ذمہ باقی ہے۔ جواب طلب امر یہ ہے کہ اس معاہدہ کے بعد ان مدرسین کو ۱۸/ شعبان کے بعد ۳۰/ رمضان تک کی تنخواہ لینا جائز ہے یا نہیں اور مہتمم صاحب کو ان تک پہونچانا واجب ہے یا نہیں؟ اور ادا نہ کرنے کی صورت میں مہتمم مدرسہ عنداللہ ماخوذ ہوں گے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عموماً دینی مدارس کا ہمارے اطراف میں تعامل معروف یہ ہے کہ ختم سال ماہ شعبان کی جس تاریخ کو

= بمعنی قول عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: "من سلک مسالک الظن، اتھم". رواہ الخرائطی فی مکارم الأخلاق. "من أقام نفسہ مقام التھم، فلا یلومن من أساء الظن بہ". وروی الخطیب فی المتفق والمفترق عن سعید بن المسیب قال: وضع عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثمانی عشرۃ کلمۃ "ومن عرض نفسہ للتھمۃ، فلا یلومن من أساء بہ الظن" (کشف الخفاء، الھمزۃ مع اللام المثناۃ، رقم الحدیث: ۸۸۰، ۱/ ۲۸۰، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

بھی فراغت ہو کر تاریخ کی تنخواہ تو بعد کارکردگی لازم ہوتی ہے، اس کے بعد تعطیلی کلاں ہوتی ہے، اس تعطیل کلاں (بقیہ شعبان وکل رمضان، ابتدائے شوال) کی تنخواہ کا استحقاق کی شرط یہ ہے کہ ملازم بعد تعطیل حاضر ہو کر کام میں مشغول ہو جائے، اگر ملازم حاضر نہ ہو، بلکہ ملازمت ختم کر دے تو استحقاق نہیں ہوتا(۱)۔

لیکن صورت مسئولہ میں جب کہ مہتمم صاحب اور دیگر اراکین مدرسہ نے وعدہ کر لیا ہے تو اس مدت کی تنخواہ دینے کا مدرسین کو حق حاصل ہے، وعدہ صریح کی بناء پر تعامل معروف کو ترک کر دیا جائے گا، الاشباہ والنظائر میں ہے "الخلف في الوعد حرام"(۲)۔

اگر مہتمم صاحب اور اراکین کے نزدیک اس وعدہ میں مدرسہ کی خیر خواہی مضمر تھی تو ان کو وعدہ کرنے کا حق تھا اور اس کو پورا کرنا لازم ہے، ورنہ مواخذہ کو خود یہ باقی رہے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، ۲۰/۱۰/۹۰ھ۔

---

(۱) "المعروف عرفاً كالمشروط شرعاً". (الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة السادسة: ۱/۲۷۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في شرح المجلة، (رقم المادة ۴۳)، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية: ۱/۴۰، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"ومنها البطالة في المدارس كأيام الأعياد ويوم عاشوراء وشهر رمضان في درس الفقه، لم أرها صريحة في كلامهم، والمسئلة على وجهين: فإن كانت مشروطة لم يسقط من المعلوم شيء، وإلا فينبغي أن يلحق ببطالة القاضي، وقد اختلفوا في أخذ القاضي ما رتب له ... في يوم بطالته، فقال في المحيط: إنه يأخذ في يوم البطالة". (شرح الأشباه والنظائر، الفن الأول في القواعد، القاعدة السادسة: ۱/۲۷۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب في استحقاق القاضي والمدرس الوظيفة في يوم البطالة: ۴/۳۷۲، سعيد)

(۲) (الأشباه والنظائر، كتاب الحظر والإباحة: ۳/۲۳۹، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب المزاح، الفصل الثاني، (رقم الحديث ۴۸۹۲): ۸/۶۲۷، رشيديه)

ایامِ تعطیل میں کام کرنے کی تنخواہ

سوال [۷۱۰۶]: ۱…… مدرسین مدرسہ رمضان شریف کو موقعہ پر مدرسہ کا کام کرتے ہیں جبکہ وہ ان کی رخصت کا وقت ہوتا ہے۔ اب ان کو اجرت کس حساب سے دی جائے، کیا فیصد مقرر کرکے دی جائے یا بلا تعیین دی جائے؟

۲…… جو مدرسین تعلیم کے اوقات میں مدرسہ کا کام کرتے ہیں، ان کو اجرت دینے کی کیا شرط ہونی چاہئے؟

۳…… دارالعلوم دیوبند میں مدرسین یا سفیر مدرسہ کو رخصت اور عدمِ رخصت میں مدرسہ کا کام کرنے پر جو دیا جاتا ہے اس کی کیا شرح ہے، کیا آپ بھی تنخواہ کا کام کرتے ہیں؟

مہتمم جامعہ امداد العلوم زید پور بارہ بنکی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱…… اگر اس کے لئے مدرسہ کی طرف سے کوئی ضابطہ نہیں ہے تو فریقین باہمی مشورہ سے معاملہ طے کرلیں، مثلاً اس طرح کہ مستقل ملازم اگر ایامِ تعطیل میں فراہمی چندہ کی خدمت حسب تجویز ارکانِ مدرسہ انجام دے گا تو اس کو اتنے ایام کی تنخواہ اور جو چندہ دی جائے گی یا اس سے کچھ زیادہ یا کم۔ جو کچھ طے ہو جائے، تاکہ جہالت باقی نہ رہے۔ فی صد مقرر نہ کریں کہ اس میں جہالت ہے، کیونکہ ابھی متعین نہیں کہ کس قدر وصول ہوگا، نیز تعیین دیئے جانے پر قناعت دشوار ہے…… جہالت کی وجہ سے نزاع کا بھی خطرہ ہے، وھو مفسد (۱)۔

۲…… اوقاتِ تعلیم کی تو تنخواہ ملتی ہے، اگر تعلیم کے علاوہ کوئی دوسرا کام ان اوقات میں ان سے لینا ہے تو کام کی اور مدرسین کی حیثیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے معاملہ کرلیا جائے۔ برضائے طرفین حسب مصالح مدرسہ جو کچھ

---

(۱) "وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين؛ لأن جهالتهما تفضي إلى المنازعة". (الدر المختار، كتاب الإجارة: ۶/۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الأول: ۴/۴۱۱، رشيديه)

(وكذا في شرح المجلة، رقم المادة: ۴۵۰، كتاب الإجارة، الفصل الثالث: ۱/۲۵۳، مكتبه حنفيه كوئته)

بھی طے ہو جائے (۱) اگر وہ اپنی اصلی تنخواہ تدریس پر ہی دوسرا کام انجام دینے کے لئے آمادہ ہو جائیں تو یہ بھی درست ہے جب کہ مفادِ مدرسہ بھی اسی میں ہو۔

۳ اس کو دفتر اہتمام سے دریافت کیا جائے، مجھے اس کی شرح معلوم نہیں۔ میں نے خود کبھی دینی خدمت بلا معاوضہ انجام نہیں دی، بلکہ میری تنخواہ مقرر رہتی ہے۔ جس پر معاوضہ کا مسئلہ سامنے آتا ہو، کارِ افتاء کا جو کچھ مشاہرہ مجھے ملتا ہے وہ بھی میری قابلیت وحیثیت سے زیادہ ہے، اس کے علاوہ مدرسہ کا بھی کوئی کام لیتا ہے تو اس کے معاوضہ کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۵/۹۳ھ۔

تعطیلِ کلاس کی تنخواہ کا استحقاق

سوال [۷۰۱۱]: زید ایک ادارے کا مہتمم ہے، اپنی بداخلاقی کی بناء پر لیکن نے بکر مدرس سے ۵/شوال کو مستعفی ہونے کو کہا، بکر نے استعفیٰ پیش کر دیا، تو کیا اس صورت میں بکر تعطیلِ کلاس کی تنخواہ کا مستحق نہیں ہے، جب کہ مطالبۂ استعفیٰ معزول کر دینے کے ہم معنی ہے اور بصورتِ معزولی ادارۂ مذکورہ کے دستور کے مطابق مزید ایک ماہ کی تنخواہ کا مستحق ہوتا ہے؟ غرضیکہ بکر مدرس تنخواہ تعطیلِ کلاس کا مطالبہ کرتا ہے، اس لئے کہ استعفیٰ مہتمم کے مطالبہ پر دیا گیا ہے اور مہتمم مدرسہ برعکس اس کے تعطیلِ کلاس کی کچھ حاصل کی ہوئی تنخواہ کی واپسی کا مطالبہ کرتا ہے، ودیگر کا سامان- جو اس کے پاس بطورِ امانت رکھا ہوا ہے- واپس نہیں کرتا۔

مہتمم مذکور کا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور بکر کو تعطیلِ کلاس کی تنخواہ ملنی چاہئے یا نہیں؟ اور جو کچھ بسلسلۂ تنخواہ لے چکا ہے اس کو واپس کرنا پڑے گا یا نہیں؟

سائل: مشتاق احمد فیضی، ہاپڑ، متعلم دارالعلوم دیوبند۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر تعطیل، استعفاء، معزولی کے متعلق مستقل کوئی معاملہ نہیں ہوا تھا تو عام دینی مدارس کے عرف کو حکم

---

(۱) "وأما شرائط الصحة، فمنها رضا المتعاقدين، ومنها أن يكون المعقود عليه وهو المنفعة معلومة علماً يمنع المنازعة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الأول: ۴۱۱/۴، رشيديه)

تجویز کیا جائے گا(۱)۔ صورتِ مسئولہ میں جب کہ مدرس نے مستقل طور پر دو شوال میں حاضر ہوکر کام کرنا چاہا تھا تو وہ تعطیلِ کلاں کی تنخواہ کا حقدار ہے، پندرہ شوال (تاریخِ مطالبۂ استعفاء) تک کی تنخواہ اس کو دی جائے (۲) اور جو سامان اس کا محبوس کرلیا وہ واپس دیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۳/۹۵ھ۔

مدرس کی تعطیلِ کلاں کی تنخواہ جب کہ تعطیل کے ختم پر دوسری جگہ چلا گیا

سوال[۷۱۰۸]: زید بحیثیت عربی مدرس ایک ادارہ میں ملازم تھا اور مستقل تھا، جمادی الاولیٰ میں ساز باز کرکے دوسری جگہ ملازمت کی بات کی اور رمضان شریف میں تقرر کرالیا، شعبان میں رخصت پر گیا اور بعد رمضان نئی جگہ پر چلا گیا اور شعبان اور رمضان کی تنخواہ دھوکہ سے لے لی، جب کہ اس ادارہ کا قانون ہے کہ کم ازکم ایک ماہ قبل مستعفی ہوئے اور اس ماہ کام بھی کرے تا کہ ادارہ دوسرے معلم کا انتظام کرلے، لیکن زید نے اس کے خلاف کیا، پورے شوال غیر حاضر رہ کر ذی قعدہ میں اپنے نہ آنے کو مطلع کیا۔ نصف شعبان اور رمضان کی تنخواہ زید کے لئے جائز ہے یا ناجائز؟

---

(۱) "المعروف عرفاً كالمشروط شرطاً". (شرح المجلة لسليم رستم، (رقم المادة: ۴۳)، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية: ۱/۳۷، حنفية كوئٹه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الأول في القواعد، القاعدة السادسة: ۱/۱۳۸، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب: مسألة الدراهم: ۳/۱۵۳، سعيد)

(۲) "ومنها البطالة في المدارس كأيام الأعياد ويوم عاشوراء وشهر رمضان في درس الفقه، لم أرها صريحةً في كلامهم، والمسألة على وجهين: فإن كانت مشروطةً لم يسقط من المعلوم شيء، وإلا فينبغي أن يلحق ببطالة القاضي ...... وقال في المحيط: إنه يأخذ في يوم البطالة، لأنه يستريح لليوم الثاني".

(الأشباه والنظائر، الفن الأول في القواعد: ۱/۲۴۱، ۲۴۲، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في استحقاق القاضي والمدرس الوظيفة في يوم البطالة: ۴/۳۷۲، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة، (رقم المادة: ۴۵۹)، كتاب الإجارة، الفصل الرابع: ۱/۲۴۲، مكتبه حنفية كوئٹه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وقتِ ملازمت تعطیل کے متعلق کوئی معاملہ طے نہیں ہوا تو دیگر مدارس میں جو کچھ تعامل ہے، اس کے مطابق عمل کیا جائے (۱)، وہ یہ ہے کہ ماہ شعبان میں سالانہ امتحان سے فراغت پر تعطیل ہو جاتی ہے، رمضان المبارک کا پورا مہینہ تعطیل میں گذر جاتا ہے، پھر شوال کا بھی کچھ وقت تعطیل میں محسوب ہوتا ہے، مگر اس سے مستفید ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ بعد تعطیل مدرسہ کھلنے پر ملازم حاضر ہو کر مدرسہ کے کام میں مشغول ہو جائے، ورنہ اس کو ان ایام کی تنخواہ نہیں ملے گی۔ پس جو شخص شوال میں حاضر نہیں ہوا، نہ رخصت لی (رخصتِ استحقاق بھی حاضری کے حکم میں ہے) بلکہ اس نے دوسری جگہ ملازمت کر لی، اس تعطیل کی مدت کی تنخواہ کا مستحق نہیں (۲)، اگر تنخواہ لے چکا ہے تو واپس کر دے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۱/۳/۹۵ھ۔

عارضی مدرس کیلئے تعطیل کلاں کی تنخواہ

سوال [۷۶۰۹]: نذیر احمد کو مدرسہ مظہر العلوم شموگہ کے ذمہ داروں نے ماہ ذی الحجہ/۹۳ھ سے آخر سال تعلیم شعبان تک کے لئے عارضی مدرس رکھا۔ اب کیا مسمی مذکور ایام تعطیل کلاں از پندرہ شعبان تا پندرہ شوال

---

(۱) "إنما تعتبر العادة إذا اطردت أو غلبت .... المعروف عرفاً كالمشروط شرعاً". (شرح المجلة لسليم رستم، (رقم المادة: ۴۱ - ۴۳)، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية: ۱/۳۷، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب: مسألة الدراهم: ۳/۱۳۰، سعيد)

(۲) "ومنها البطالة في المدارس كأيام الأعياد ويوم عاشوراء وشهر رمضان في درس الفقه، لم أرها صريحة في كلامهم، والمسألة على وجهين: فإن كان مشروطة لم يسقط من المعلوم شئ، وإلا فينبغي أن يلحق ببطالة القاضي .... فقال في المحيط: إنه يأخذ في يوم البطالة؛ لأنه يأخذ في يوم البطالة؛ لأنه يستريح لليوم الثاني". (الأشباه والنظائر، الفن الأول في القواعد، القاعدة السادسة: ۱/۲۷۲، ۲۷۳، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في استحقاق القاضي والمدرس الوظيفة في يوم البطالة: ۴/۳۷۲، سعيد)

پوری دو ماہ کی تنخواہ کا شرعاً حق دار ہے یا نہیں، جب کہ ہر مدرس کو فی الحال پوری تنخواہ دی جارہی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ عارضی ملازمت ہی شعبان تک تھی تو پھر تعطیل کلاں کی تنخواہ کا استحقاق نہیں، مستقل مدرسین پر قیاس نہ کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۱/۵/۹۵ھ۔

تعطیل کلاں کے بعد استعفیٰ پر تنخواہ کا استحقاق

سوال [۷۱۱۰]: پورے سال بھر پڑھانے کے بعد اگر کوئی شخص رمضان کی تعطیل میں استعفیٰ دینا چاہتا ہے تو وہ شرعاً رمضان کی تنخواہ کا مستحق ہے یا نہیں، اگر نہیں ہے تو کیا استحقاق کی کوئی صورت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہاں کا قانون یہ ہے کہ رمضان کی تنخواہ کا استحقاق تعطیل ہونے کی صورت میں اس وقت ہے جب کہ شوال میں مدرسہ کھلنے پر حاضر ہوکر کام کرے ورنہ استحقاق نہیں، وہاں کا قانون بھی یہی ہو تو حکم بھی یہی ہوگا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۰/۹/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۰/۲/۹۰ھ۔

---

(۱) "إذا انعقدت الإجارة في أول الشهر على شهر واحد، أو أكثر من شهر، انعقدت مشاهرةً، لو عقدت الإجارة في أول الشهر لسنة، تعتبر اثني عشرة شهراً". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۲۷۲، ۲۷۳، (رقم المادة: ۴۸۸، ۴۹۲)، كتاب الإجارة، الفصل الرابع، مكتبه حنفيه كوئٹه)

وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۴/۴۱۹، كتاب الإجارة، الباب الثالث في الأوقات التي يقع عليها عقد الإجارة، رشيديه)

"وإذا وقعت على وقت معلوم، فتجب الأجرة بمضي الوقت إن هو استعمله أو لم يستعمله، وبمقدار ما مضى من الوقت تجب الأجرة". (النتف في الفتاوى، كتاب الإجارة، ص: ۳۳۸، سعيد)

(۲) "وهل يأخذ أيام البطالة كعيد ورمضان لم أره، وينبغي إلحاقه ببطالة القاضي، واختلفوا فيها، —

بلانوٹس استعفیٰ سے استحقاقِ تنخواہ

سوال [۷۱۱۱]: زید نے ایک مدرسہ میں قوانین مدرسہ کے اقرار پابندی کے ساتھ قریب دو سال تک مدرسی کی، ایک روز افراد کمیٹی نے تعلیمی انحطاط کو دیکھ کر زید کی عزت و وقار سے تعرض کئے بغیر سنجیدگی کے ساتھ بوجۂ انحطاطِ تعلیم کے توجہ الی الطلبہ کی یاددہانی کرائی تو زید کو ناگوار گذری، اس بناء پر مدرسی سے استعفاء دیدیا اور اب قوانین مدرسہ کا انکار کرتا ہے، استعفیٰ والے مہینے میں بیس یوم تعلیمی کام کیا اور دس دن باقی رہ گئے ہیں۔ وہ قوانین یہ ہیں:

۱- کسی مدرس کو نوٹس دینے، یا کسی مدرس کو از خود نکلنے کے لئے ضروری ہے کہ کم از کم ایک ماہ قبل اطلاع دی جائے۔

۲- اگر اطلاع کئے بغیر کسی مدرس کو فوری طور پر نکالا گیا تو افراد کمیٹی مدرس کو ایک ماہ کا مشاہرہ دیکر نکال سکتے ہیں۔

۳- اسی طرح سے فوری طور پر نکلنے والے مدرس پر بس ایک ماہ کی تنخواہ عائد ہوتی ہے۔

تو اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ از روئے شرع مدرس کے انکار مع الاقرار کی بناء پر مدرس کی بیس

= والأصح أنه يأخذ؛ لأنها الاستراحة، أشباه. إنه أظهر، فينبغي أن يكون كذلك في المدرس فينبغي أن يعطى ليوم البطالة المتعارفة بقرينة ماذكره في مقابلة من البناء على العرف، فحيث كانت البطالة معروفة في يوم الثلثاء والجمعة، وفي رمضان والعيدين، يحل له الأخذ". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في استحقاق القاضي والمدرس الوظيفة في يوم البطالة: ۳۷۲/۴، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الأول في القواعد، القاعدة السادسة: ۲۷۲/۱، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم، (رقم المادة: ۴۹۵)، كتاب الإجارة، الفصل الرابع: ۲۷۳/۱، حنفيه كوئته)

"المعروف عرفاً كالمشروط شرعاً". (شرح المجلة، (رقم المادة:۴۳)، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية: ۳۷/۱، مكتبه حنفية كوئته)

دن کی تنخواہ افراد کمیٹی کے ذمہ واجب الاداء کی جائے یا مجرم قانون شکن مدرس پر بقیہ دس دن کا مشاہرہ عائد کیا جائے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تعلیمی انحطاط دیکھ کر توجہ دلانا مدرسہ سے علیحدہ کرنا نہیں، اس سے متأثر ہوکر مدرس نے استعفیٰ دیا ہے تو ایک ماہ قبل استعفیٰ دینا لازم ہے، استعفیٰ دیکر ایک ماہ کام کرے تو اس ماہ کی تنخواہ کا مستحق ہوگا(۱)، اب ان بیس یوم کی تنخواہ کا مستحق نہیں، اگر استعفیٰ دے کر فوراً کام ترک کردیا ہو(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۸/۹۰ھ۔

فساد کے اندیشہ سے کچھ مدت گھر بھیجے گئے مدرس کو اس زمانہ کی تنخواہ

سوال[۷۱۱۲]: طلباء میں باہمی نزاع کی بناء پر ارباب مدرسہ نے ایک مدرس کو گھر بھیج دیا، چندرہ روز بعد یہ مدرس مدرسہ میں آگئے۔ تو ان چندرہ دن کی تنخواہ دینا اور ان کو لینا کیسا ہے؟

---

(۱) "فإن وقعت على عمل معلوم، فلا تجب الأجرة إلا بإتمام العمل ...... وإن كان يصلح أوله دون آخره، فتجب الأجرة ما عمل". (النتف في الفتاوى، كتاب الإجارة، ص: ۳۳۸، سعيد)

"ثم الأجرة تستحق بأحد معان ثلاثة: إما بشرط التعجيل، أو بالتعجيل، أو باستيفاء المعقود عليه، فإذا وجد أحد هذه الأشياء الثلاثة، فإنه يملكها". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الثاني: ۴/۴۱۳، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الإجارة: ۶/۱۰، سعيد)

(۲) "فإن عرض في المدة ما يمنع الانتفاع ...... سقطت الأجرة بقدر ذلك". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الثاني في بيان أنه متى تجب الأجرة ...... الخ: ۴/۴۱۳، رشيدية)

"والمعروف عرفاً كالمشروط شرطاً". (الأشباه والنظائر، الفن الأول: ۱/۱۴۸، إدارة القرآن كراتشي)

"المعروف كالمشروط يوجب إلحاق ما ذكر بالمشروط" (رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب: مسألة الدراهم: ۳/۱۳۰، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم، (رقم المادة: ۴۳)، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية: ۱/۳۷، حنفية كوئٹہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

فساد کے اندیشہ سے مدرسہ کے مصالح کی خاطر مدرسہ کی انتظامیہ کمیٹی نے جب ایک مدرس کو دس دن کے لئے اس کے وطن بھیج دیا، پھر فساد کا اندیشہ رفع ہونے پر باہمی مصالحت کے بعد مدرس کو بلا لیا تو چند دن کی تنخواہ مدرس کو دی جاسکتی ہے اور اس کو لینے میں بھی مضائقہ نہیں (۱)۔ اگر مدرس نے استعفاء دیدیا ہوتا یا اس کو اہلِ مدرسہ نے الگ کردیا ہوتا، یعنی اس کی ملازمت ختم کردی جاتی اور تقرر جدید کرکے بلایا جاتا تو اس مدت کی تنخواہ لینا اور دینا درست نہ ہوتی (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

زمانۂ قید وبیماری کی تنخواہ

سوال [۷۲۱۳]: زید کو مدرسہ اشرف العلوم بہار کی طرف سے چندہ کے لئے مشرقی پاکستان

---

(۱) "منها البطالة في المدارس كأيام الأعياد ويوم عاشوراء وشهر رمضان في درس الفقه، لم أرها صريحة في كلامهم، والمسألة على وجهين: فإن كانت مشروطة، لم يسقط من المعلوم شيء". (الأشباه والنظائر، الفن الأول في القواعد، القاعدة السادسة: ۱/۱۰۳، إدارة القرآن كراتشي)

"وهل يأخذ أيام البطالة كعيد ورمضان؟ لم أره، وينبغي إلحاقه ببطالة القاضي ..... والأصح أنه يأخذ". (الدر المختار). "إن كان الواقف قدر لكل يوم مبلغاً، فلم يدرس ..... لا يحل له أن يأخذ ..... بخلاف ما إذا لم يقدر لكل يوم مبلغاً، فإنه يحل له الأخذ وإن لم يدرس فيها للعرف".

(رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في استحقاق المدرس والقاضي في يوم البطالة: ۴/۳۷۳، سعيد)

"يشترط في صحة الإجارة رضى العاقدين". (شرح المجلة لسليم رستم، رقم المادة: ۴۳۸، ۱/۲۵۲، مكتبه حنفيه كوئته)

(۲) "الأجير الخاص يستحق الأجرة إذا كان في مدة الإجارة حاضراً للعمل ..... لكن ليس له أن يمتنع عن العمل، وإذا امتنع لا يستحق الأجرة". (شرح المجلة، رقم المادة: ۴۲۵، كتاب الإجارة، الباب الأول: ۱/۲۳۹، مكتبه حنفيه كوئته)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الثامن والعشرون في بيان حكم الأجير الخاص: ۴/۵۰۰، رشيديه)

بھیجا گیا، مگر بنگلا دیش بننے کی وجہ سے وہ وہاں پر مقید ہو گیا اور دو سال تک مقید رہا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان دو سالوں کی زید کو مقررہ تنخواہ ملے گی یا نہیں؟

(الف) اشرف العلوم کی طرف سے زید کے گھر فی ماہ کچھ روپے گزر وقت کے حساب سے دیا جاتا تھا، حسب شرع یہ جتنی روپیہ قرض ہوگا، یا اس کی تنخواہ میں شمار ہوگا؟

(ب) زید نے پہلے سال چار مہینے تحصیل کا کام کیا، دوسرے سال وہ بیماری میں مبتلاء ہونے کی وجہ سے تحصیل بھی نہ کر سکا۔ اس صورت میں کیا حکم ہوگا؟ آیا پورے دو سال کی تنخواہ ملے گی یا صرف ایامِ تحصیل کی تنخواہ ملے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید کو مدرسہ نے ملازمت سے برطرف کر کے اطلاع نہیں کی اور زید نے بھی استعفاء نہیں دیا، نہ وہاں کوئی دوسری جگہ ملازمت وغیرہ کا شغل اختیار کیا، بلکہ مدرسہ اشرف العلوم ہی کا ملازم اپنے کو تصور کر کے حتی الوسع کوشش میں لگا رہا تو ان ایام کی اس کو تنخواہ ملے گی (۱)۔

(الف) اگر زید کی طرف سے یہ ہدایت تھی کہ میرے مکان پر اتنی روپیہ یا اہلِ خانہ کے طلب ظاہر کرنے پر جس قدر روپیہ طلب کریں، یا اپنی صوابدید کے موافق مناسب مقدار گھر میں دے دیا کریں، تو اس روپیہ کو تنخواہ میں محسوب کیا جائے گا (۲)۔

---

(۱) "الأجير الخاص يستحق الأجرة إذا كان في مدة الإجارة حاضراً للعمل، ولا يشترط عمله بالفعل". (شرح المجلة لسليم رستم، (رقم المادة: ۴۲۵)، كتاب الإجارة، الباب الأول: ۱/۲۳۹، مكتبه حنفية كوئته)

"ومنها البطالة في المدارس كأيام الأعياد ويوم عاشوراء وشهر رمضان في درس الفقه، لم أرها صريحاً في كلامهم، والمسئلة على وجهين: فإن كانت مشروطة، لم يسقط من المعلوم شيء، وإلا فينبغي أن يلحق ببطالة القاضي ...... فقال في المحيط: إنه يأخذ في يوم البطالة". (الأشباه والنظائر، الفن الأول في القواعد، القاعدة السادسة: ۱/۲۷۴، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "وفيه قال: أنفق علي أو على عيالي أو على أولادي، ففعل، قيل: يرجع بلا شرطه". (الدر المختار).

"وكذا لو قال: أنفق من مالك على عيالي أو في بناء داري، يرجع بما أنفق". (رد المحتار، كتاب =

(ب) اس کے لئے مدرسہ کی طرف سے کوئی ضابطہ ہے تو اس پر عمل کیا جائے، یعنی ایسے ملازم کو بیماری کی وجہ سے سال بھر میں جتنی رخصت مل سکتی ہو وہ مع تنخواہ ملے گی، اس سے زائد پر تنخواہ وضع ہوگی۔ اگر کوئی ضابطہ نہ ہو تو پھر دیگر مدارس میں جو ضابطہ ہو اس کے موافق عمل کیا جائے گا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/ ذ/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/ ذ/ ۹۰ھ۔

ملازم کے لئے غیر حاضری کی تنخواہ

سوال [۶۹۰۴]: ملازم موصوف دو دن کی رخصت لیکر گیا اور چھ روز میں آیا۔ دریافت یہ ہے کہ ملازم کو اس چھ دن کی تنخواہ لینی کیسی ہے اور مہتمم کو دینا چاہئے کہ نہیں؟ فقط والسلام۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ملازمت کے شرائط میں یہ ہے کہ بغیر تحصیلِ رخصت غیر حاضری پر تنخواہ وضع ہوگی تو صورتِ مسئولہ میں تنخواہ وضع کی جائے گی۔ اگر شرائط میں یہ ہے کہ بلا تحصیلِ رخصت بھی چھٹی پر رہے اور حاضر نہ ہوسکے تب بھی ماجور ہے تو اس مدت کی تنخواہ وضع نہ ہوگی۔ غرض حسبِ شرائط عمل کیا جائے جب کہ وہ موافقِ شرع ہوں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم۔

(... الطلاق، باب النفقة، مطلب: أمر غيره بالإنفاق ونحوه هل يرجع: ۳/۶۱۱، ۶۰۸، سعيد)

(۱) "المعروف عرفاً كالمشروط شرعاً" (الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة السادسة: العادة محكمة: ۱/۲۷۸، إدارة القرآن كراچي)

"إنما تعتبر العادة إذا اطردت أو غلبت ... المعروف عرفاً كالمشروط شرعاً". (شرح المجلة لسليم رستم، (رقم المادة: ۴۱-۴۳)، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية: ۱/۳۰، مكتبه حبيبية كوئته)

(وكذا في رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب: مسألة الدراهم: ۳/۱۵۳، سعيد)

(۲) "يلزم مراعاة الشرط بقدر الإمكان". (شرح المجلة لسليم رستم، (رقم المادة: ۸۳)، كتاب الإجارة: ۱/۵۴، حنفية كوئته)

مدرس کی تنخواہ کا ناغہ کاٹنا

سوال [۷۱۱۵]: ایک شخص امامت ومدرسی پر ملازم ہے، تنخواہ الگ الگ متعین نہیں۔ اس حالت میں مدرسہ کے ناغہ پر کیا کاٹنا ضروری ہے، یا منتظمین کی مرضی سے ہے؟ اگر کچھ نہ کٹے گا تو ہی ہے وہ تبلیغ میں جانے، یا کسی ضرورت سے جانے، منتظمین اجازت دیدیں اور پھر تنخواہ نہ کاٹیں تو گنہگار تو نہیں ہوں گے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مستقل معاملہ طرفین کی رضامندی سے طے کرلیا جائے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ۔

رخصت بیماری میں روحانی بیماری کا توریہ

سوال [۷۱۱۶]: بعض احباب اپنے اخلاقی ومعاشرتی وروحانی امراض کی بناء پر اپنی چھٹی بڑھاتے ہیں، ملازمت میں جتنی چھٹی ہوتی ہے اس سے زیادہ، مثلاً: ایک ماہ بیماری کے نام سے تار یا خط لکھ کر بڑھوالی، وہ بڑھ گئی، اسے اپنی روحانی بیماری کے علاج میں گذار کر واپس ہوئے، وہاں جاکر پھر ملازمت شروع کردی، اس بیماری کی چھٹی کی تنخواہ بھی مل گئی، تو اس تنخواہ کا لینا کیسا ہے؟ کیونکہ اس دفتر میں بیماری سے مراد معروف بیماری

= (وكذا في قواعد الفقه، (رقم القاعدة: ٣٩)، ص: ٩٣، الصدف پبلشرز كراچى)

"أما شرائط الصحة فمنها رضا المتعاقدين، ومنها أن يكون المعقود عليه وهو المنفعة معلوماً، ومنها بيان المدة، وأما في حق الأجير الخاص، فلا يشترط بيان جنس المعمول فيه، وإنما يشترط بيان المدة فقط". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الأول: ٤/ ٤١١، رشيديه)

"يعتبر ويراعى كل ما اشترطه العاقدان" (شرح المجلة لسليم رستم، (رقم المادة: ٨٣)، كتاب الإجارة، الفصل الثاني: ١/ ٢٤٣، مكتبه حنفيه كوئته)

(١) "يشترط في صحة الإجارة رضى العاقدين" (شرح المجلة لسليم رستم، (رقم المادة: ٤٤٩)، كتاب الإجارة، الفصل الثالث: ١/ ٢٥٤، مكتبه حنفيه كوئته)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الأول: ٤/ ٤١١، رشيديه)

جسمانی ہوتی ہے، اس مہینے میں دفتر کا کوئی کام نہیں کیا، اور جسمانی بیماری جو معروف ہے وہ بھی نہ تھی، روحانی بیماری کا توریہ کیا تھا تو اس تنخواہ کا شرعاً کیا حکم ہے؟

اگر ناجائز ہو اور واپس کرنے کا حکم ہو اور واپس کرنا مشکل ہو تو اس رقم کا مصرف کیا ہوگا؟ آیا اپنے ماں باپ، رشتہ داروں کو دے سکتا ہے، یا غرباء وفقراء پر تقسیم کردیں، یا کیا کرے؟ اور اس ملازمت میں دولتِ مسلم یا غیر مسلم ہونے میں تنخواہ کے جواز وعدمِ جواز میں کیا فرق ہوگا؟ چونکہ ایک صاحب نے یہ ہم سے پوچھا ہے اور وہ دور ملک کے رہنے والے ہیں، ان کو جلدی جواب دینا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

معلّم یہ خود جانتا ہے کہ کوئی بیماری زیادہ نقصان دہ اور خطرناک ہے جس کے لئے چھٹی کی ضرورت ہے، صورتِ مسئولہ میں توریہ درست ہے (۱)، اور یہ تنخواہ بھی درست ہے (۲)۔ دولتِ مسلم اور غیر مسلم سے اس میں فرق نہیں ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۲/۲۵ھ۔

---

(۱) "التورية أن يظهر خلاف ما أضمر في قلبه، إتقاني. قال في العناية: فجاز أن يراد بها هنا اطمئنان القلب، وأن يراد الإتيان بلفظ يحتمل معنيين" (رد المحتار، كتاب الإكراه، مطلب: بيع المكره فاسد وزوائده مضمونة بالتعدي: ۶/۱۳۲، سعيد)

"التورية أن يظهر خلاف ما يضمر، فجاز أن يكون المراد بها ههنا اطمئنان القلب، وجاز أن يكون الإتيان بلفظ يحتمل معنيين" (فتح القدير، كتاب الإكراه: ۹/۲۳۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، المطلب الثاني: صيغة اليمين القضائية: ۴/۲۵۹۲، مكتبة حقانية پشاور)

(۲) "ثم الأجرة تستحق بأحد معان ثلاثة: إما بشرط التعجيل أو بالتعجيل أو باستيفاء المعقود عليه، فإذا وجد أحد هذه الأشياء الثلاثة، فإنه يملكها". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الثاني: ۴/۴۱۳، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الإجارة: ۶/۱۰، ۱۱، سعيد)

(وكذا شرح المجلة لسليم رستم، رقم المادة: ۴۶۶، ۴۶۸، كتاب الإجارة: ۱/۲۳۱، مكتبة حنفية كوئته)

بغیر پڑھائے مدرسہ میں حاضر رہ کر تنخواہ لینا

سوال[۷۲۱۷]: زید کسی عارضی وجہ سے ایک دن مدرسہ کے درسگاہ میں حاضر نہیں ہوا اور نہ سبق پڑھایا، بلکہ مدرسہ کے احاطہ میں اپنے کمرہ میں رہا۔ تو اس کو اس مذکورہ دن کی تنخواہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ اس مدرسہ کا قانون یہ ہے کہ لڑکے جب غلہ وغیرہ کی وصولی کے لئے جاتے ہیں تو مدرس کے ذمے اگرچہ کوئی کام نہیں رہتا، لیکن اس کو مدرسہ کے احاطہ میں رہنا ضروری ہوتا ہے، چاہے درسگاہ میں رہے یا اپنے حجرہ میں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تنخواہ اس دن کی لینے کا حق نہیں(۱)، یہاں سبق نہ پڑھانا اپنی ذاتی ضرورت سے ہے، غلہ کی وصولی کے لئے لڑکے چلے جاتے ہیں اور اس وقت سبق نہیں پڑھایا جاتا تو یہ مدرسہ کی ضرورت ہے اس لئے قیاس صحیح نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۹۰ھ۔

مدرس کو مہتمم نے الگ کیا، پھر سرپرست نے رکھ لیا، مدتِ علیحدگی کی تنخواہ کس کو دینی ہے؟

سوال[۷۲۱۸]: مدرسہ اسلامی کے ایک مدرس کا ایک شکایت کے مسموع ہونے پر اپنے طور پر تحقیق کرنے کے بعد- جو ان کے نزدیک درست تھی- مہتمم مدرسہ نے بمشورہ چند اراکین مدرسہ مدرس مذکور کو ملازمت

---

(۱) "الأجیر الخاص یستحق الأجرة إذا کان في مدة الإجارة حاضراً للعمل . . . غیر أنه یشترط أن یتمکن من العمل، فلو سلّم نفسه ولم یتمکن منه لعذر کالمطر والمرض، فلا أجر له، ولکن لیس له أن یمتنع عن العمل. وإذا امتنع لا یستحق الأجرة". (شرح المجلة لسلیم، (رقم المادة: ۴۲۵)، کتاب الإجارة: ۱/۲۳۹، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

"بخلاف غیرهما من أیام الأسبوع، حیث لا یحل له أخذ الأجر عن یوم لم یدرس فیه مطلقاً، سواء قدر له أجر کل یوم أو لا". (رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب في استحقاق القاضي والمدرس الوظیفة في یوم البطالة: ۴/۳۷۲، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۵۹، رشیدیہ)

مدرسہ سے برخاست کردیا، بعد برخاستگی مدرس مذکور اپنے وطن چلے گئے، سرپرست مدرسہ کو جب برخاستگی کی اطلاع دی گئی تو انہوں نے شکایت مسموع کا شرعی ثبوت فراہم نہ ہونے کی وجہ سے یہ برخاستگی کالعدم قرار دے دی، مدرس مذکور کو ملازمت پر بحال کردیا، چنانچہ ان کو وطن سے بلا کر کار متعلقہ ان کے سپرد کردیئے گئے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مدرس مذکور ایام برخاستگی کی تنخواہ پانے کا مستحق ہے یا نہیں؟ اگر مستحق ہیں تو پھر یہ تنخواہ اور جو مالی نقصان ان کو ہوا ہے کس کے ذمہ واجب ہے، آیا ان کو منجانب مدرسہ تنخواہ دی جائے یا مہتمم مدرسہ اور وہ اراکین جن کے مشورہ سے برخاستگی عمل میں آئی تھی، اپنے طور سے ادا کریں گے؟ فقط بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مہتمم کو حق رکھا برخاست کرنے کا اور اپنے گمان کی حد تک ثبوت کے بعد برخاست کیا ہے تو ان ایام کی تنخواہ مہتمم پر نہیں، بلکہ بہتر یہ ہے کہ سرپرست اپنے پاس سے دیدے۔ اگر مہتمم کو بغیر سرپرست کی اجازت کے اختیار نہیں تھا تو مہتمم صاحب پر ذمہ داری ہے(۱)۔ بہتر یہ ہے کہ اس کو قانونی شکل نہ دی جائے، بلکہ مہتمم صاحب وغیرہ خارجی طور پر بحیثیت اعانت ان کی خدمت کردیں تاکہ ان کے نقصان کی بھی تلافی ہوجائے اور بلا کام کئے تنخواہ کا بار مدرسہ پر بھی نہ پڑے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۵/۹۰ھ۔

عرصہ تک ملازمت کرنے کے بعد معذور ہوا، تو کیا وہ تنخواہ لینے کا حقدار ہے؟

سوال[۶۹۱۹]: ۱۰..... زید نے عرصہ دراز تک بعوض تنخواہ ایک مدرسہ میں درس دیا کلام پاک کی

---

(۱) "باع القاضي أو أمينه عبداً لدين الغرماء وأخذ المال، فضاع عند القاضي، واستحق العبد، لم يضمن، لأن أمين القاضي كالقاضي، والقاضي كالإمام، وكل منهم لا يضمن بل ولا يحلف".

(رد المحتار، كتاب القضاء، مسائل شتى: ۵/۴۵۸، سعيد)

"وقف له متولي ومشرف، لا يكون للمشرف أن يتصرف في مال الوقف، لأن ذلك مفوض إلى المتولي، والمشرف مأمور بالحفظ لا غير". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً .....: ۳/۲۹۷، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: ليس للمشرف التصرف: ۴/۴۵۸، سعيد)

تعلیم انجام دی، اب بوجہ مسلسل بیماری اور بڑھاپے کے مدرسہ مذکورہ کی کوئی قسم کی خدمت انجام نہیں دے سکتے۔ اب فرمایئے کہ اس صورت میں مدرسے سے تنخواہ لینے کے مستحق ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

۲... زید مذکور اپنی عادت بد کی وجہ سے مدرسے کے نظم میں خلل اندازی بھی کرتے رہتے ہیں، جس کی وجہ سے مدرسے کے طلباء کی تعلیم وتربیت میں حرج واقع ہوتا ہے۔ زید مدرسہ میں جو رہتے ہیں ان کے عزیز تو قریب کرنے جاتے ہیں اور بیٹھے رہتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ مدرسے کے کارکن حضرات زید مذکور کے تلامذہ میں سے ہیں، اس لئے زید مذکور کو مدرسے سے الگ کرنے پر قادر نہیں ہیں۔ اور مدرسہ کی بدنظمی جو ان کی وجہ سے ہو رہی ہے اس کا کارکن حضرات کو بھی سخت احساس ہے۔ اب تحریر فرمائیں کہ کیا کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تنخواہ تو کام کا معاوضہ ہے، جب مدرسہ کا کوئی کام نہیں کرتے تو پھر تنخواہ کس بات کی ہے(۱)۔

۲... اس حالت میں ان کو چاہیے کہ از خود مدرسہ کا قیام ترک کر دیں(۲)، کارکنان مدرسہ جو ان کے تلامذہ ہیں وہ آداب واحترام کے ساتھ ان کو رخصت کر دیں اور ان کی جانی مالی خدمت حسب استطاعت کریں

---

(۱) "الأجير الخاص يستحق الأجرة إذا كان في مدة الإجارة حاضراً للعمل، ولا يشترط عمله بالفعل، غير أنه يشترط أن يتمكن من العمل، فلو سلّم نفسه ولم يتمكن منه لعذر كالمطر والمرض، فلا أجرة". (شرح المجلة لسليم رستم، رقم المادة: ۴۲۵، ص: ۲۳۹، مكتبه حنفيه كوئته)

"فلو امتنع ولو لحكمة كمطر ومرض فلا أجرة". (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الإجارة: ۳/۵۴۷، غفاريه كوئته)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الإجارة، الفصل الثامن والعشرون في بيان حكم الأجير الخاص والمشترك: ۹/۱۳۳، غفاريه كوئته)

(۲) "وليس للمتولي أن يسكن فيها أحداً بغير أجر، لأنه إتلاف منافع الوقف بغير عوض". (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل السابع في تصرف القيم في الأوقاف: ۷/۱۴۲، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل السابع في تصرف القيم في الأوقاف: ۵/۶۹۲، إدارة القرآن كراتشي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۹۵، رشيديه)

شاگردی کرتے رہیں (۱)۔ ہاں! اگر مدرسہ میں ان کے قیام سے مدرسہ کا نفع ہو، مثلاً: ان کے ڈر سے مدرسہ کا نظم وضبط قائم رہتا ہو اور ان کی تجربہ کارانہ رائے سے کارکنوں کو روشنی ملتی ہو اور ان کی صحبت سے اصلاح وتربیت ہو تو پھر مدرسہ میں قیام بھی درست ہے اور تنخواہ کی بھی گنجائش ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱/۹۱ھ۔

تنخواہ میں اضافہ کا وعدہ

سوال [۱۰۲۶۰]: ایک مدرسہ کے مخلص ملازمین نے بسلسلۂ اضافۂ تنخواہ مدرسہ کے مہتمم کو درخواست دی، مہتمم نے سرپرست مدرسہ کی خدمت میں اس درخواست کو پیش کردیا، سرپرست مدرسہ اپنی مشغولیت کی وجہ سے چند ماہ غور نہ فرما سکے۔ ملازمین مدرسہ تھوڑے وقفہ کے بعد درخواست دیتے رہے، مہتمم نے ملازمین مدرسہ سے وعدہ کرلیا کہ جو بھی اضافہ ہوگا وہ گذشتہ ماہ محرم الحرام سے ہوگا، سرپرست مدرسہ نے موجودہ ماہ سے اضافہ فرمایا اور تحریر فرمایا کہ اسی ماہ سے اضافہ ہوگا۔ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ اضافہ گذشتہ ماہ محرم الحرام سے دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ مفصل تحریر فرمائیں۔

احقر: جمیل احمد نذیری۔

---

(۱) قال العلامة برهان الإسلام الزرنوجي: "الحرمة خير من الطاعة، ألا ترى أن الإنسان لا يكفر بالمعصية، وإنما يكفر باستخفافها وبترك الحرمة ... ومن تعظيم العلم تعظيم المعلم ...

وقال مشايخنا رحمهم الله: من أراد أن يكون ابنه عالماً، ينبغي أن يراعي الغرباء من الفقهاء ويكرمهم ويطعمهم ويعطيهم شيئاً". (تعليم المتعلم للزرنوجي، ص: ۲۱، ۲۲، قديمي)

(۲) "ويبدأ من غلته بعمارته، ثم ما هو أقرب لعمارته كإمام مسجد ومدرس مدرسة يعطون بقدر كفايتهم". (الدر المختار) "ثم ما هو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة يصرف إليهم إلى قدر كفايتهم ... وكذلك إلى آخر المصالح". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: يبدأ بعد العمارة: ۴/۳۶۷، سعيد)

"نعم يتصرف القيم في الوقف بما فيه من النفع للوقف". (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۲۰۹، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۲۲، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر سرپرست مدرسہ ہٰذا نے ماہ محرم سے تنخواہ کے اضافہ کا وعدہ کیا تھا لیکن ان کو یاد نہیں رہا، وعدہ پورا کرنے کا موقع نہیں ملا نیز مصلحتِ مدرسہ کا تقاضا یہ ہے کہ محرم سے اضافہ کردیا جائے ورنہ بدزبانی وبدگمانی کا دروازہ کھلے گا اور بھی کوئی نامناسب صورت پیش آسکتی ہے مثلاً خدانخواستہ مدرسین بغاوت کردیں، اپنا کام چھوڑ دیں یا طلباء کے اندر خلاف مہتمم کے جذبات پیدا کرنے کی کوشش کریں وغیرہ وغیرہ تو محرم سے اضافہ کرسکتے ہیں (۱)۔ اگر سرپرست نے وعدہ نہیں کیا تھا بلکہ مہتمم نے وعدہ کیا تھا اور مہتمم کو اس کا اختیار نہیں تو مہتمم کو محرم سے اضافہ کرنے کا حق نہیں (۲)۔

بصورتِ دیگر مدرسین کے لئے زیبا یہ ہے کہ گزشتہ ایام کے مطالبہ کا ارادہ نہ کریں، بلکہ جس روز سے باضابطہ تجویز کیا ہوئے اسی روز سے اس اضافہ کو قبول کریں، یہ ان کے مقام بلند کے لئے بہت لائق اور بہتر ہے، ان کا حال اونچا ہونا چاہئے، (ان کی) نظر دینی تعلیم، خدمت اور فوزِ طلباء اور ترقیٔ مدرسہ اور خشیت پر ہو، روپیہ کمانے کی نیت ہرگز نہ ہو کہ یہ تو فیکٹریوں کے ملازمین اور مزدوروں کا حال ہوتا ہے کہ ان کے سامنے بس بنا

---

(۱) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿واوفوا بالعهد إن العهد كان مسئولا﴾ (سورة الإسراء: ۳۴)

"ويبدأ من غلته بعمارته، ثم ماهو أقرب لعمارته كإمام مسجد ومدرس مدرسة يعطون بقدر كفايتهم" (الدر المختار). "ثم ما هو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة يصرف إليهم إلى قدر كفايتهم، ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح".

(رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب إليها: ۴/۳۶۶-۳۶۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۵۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به: ۲/۴۶۲، رشيديه)

(۲) "وقف له متولي ومشرف، ليس للمشرف أن يتصرف في مال الوقف؛ لأن ذلك مفوض إلى المتولي، والمشرف مأمور بالحفظ لا غير" (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۰۸، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً: ۳/۲۹۶، رشيديه)

روپیہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قناعت وتوکل کی دولت سے نوازتے، اور ﴿ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ﴾ (۱) پر پورا اعتماد عطا ہو جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۶/۱۴۰۹ھ۔

تدریس وامامت کی قلیل تنخواہ میں اضافہ کا مطالبہ

سوال[۷۲۲۱]: ۱...زید ایک مسجد کا امام ہے اور بچوں کو تعلیم بھی دیتا ہے، ۷۵/روپے ماہوار تنخواہ ملتی ہے۔ چند ماہ بعد زید نے تمام نمازیوں کو یہ حکم دیا کہ باری باری ہر فرد مجھے کھانا بھیج دیا کرے، ورنہ دوسری صورت نہیں ہوسکتا۔ مزید اس نے بچوں کا داخلہ بند کر دیا جس کی وجہ سے بچوں کی تعلیم پر اثر پڑ رہا ہے۔ تو کیا زید وراس کی ماتحتیوں کی اطاعت از روئے شرع واجب ہے یا نہیں؟

۲... جو لوگ امام صاحب کی اس بات پر راضی نہیں، ان کو شوقیہ الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ کیا یہ اسلامی شعار ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... امام صاحب موصوف کو ایسا اعلان نہیں کرنا چاہیے، اس قسم کی وعید سنانے کا حق نہیں، جب معاملہ ۷۵/روپیہ ماہانہ پر ہوا ہے، کھانا شرط نہیں تھا تو اب ایسا طریقہ اختیار کرنا غلط ہے (۲)۔ غلط بات کو تسلیم نہ کرنے سے ایمان میں فرق نہیں آئے گا (۳)، بچوں کی تعلیم کا انتظام کرنا

(۱) (سورۃ الطلاق: ۳)

(۲) "یشترط أن تکون الأجرۃ معلومۃً سواء کانت من المثلیات أو من القیمیات، أو کانت منفعۃً أخری؛ لأن جھالتھا تفضی إلی المنازعۃ، فیفسد العقد". (شرح المجلۃ لسلیم رستم (رقم المادۃ: ۴۵۰)، کتاب الإجارۃ، الفصل الثالث في شروط الإجارۃ: ۱/۲۵۳، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب الإجارۃ، الباب الأول: ۴/۴۱۱، رشیدیہ)

(وکذا في الدر المختار: ۶/۵، کتاب الإجارۃ، سعید)

(۳) غلط بات کو تسلیم نہ کرنا تو ایک امر مستحسن ہے، چنانچہ اہل سنت والجماعت کے ہاں کبیرہ گناہ کے ارتکاب سے بھی ایمان زائل نہیں ہوتا "ولا نکفر مسلماً بذنب من الذنوب وإن کانت کبیرۃً، أي ولا نسقط عن المسلم بسبب ارتکاب کبیرۃ وصف الإیمان". (شرح الفقہ الأکبر لملا علي القاري، ص: ۱۴۶، قدیمی)

ضروری ہے(۱)۔

۲ بلا وجہ شرعی کسی کے لئے شوقیانہ لقب اختیار کرنا درست نہیں، یہ ہرگز اسلامی شعار نہیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

مہتمم صاحب کی تنخواہ ماہِ رمضان میں دوگنی اور کارِ مفوضہ انجام نہ دینا

سوال[۱۲۲۶]: ایک دینی مدرسہ کے ذمہ دار (ناظم و مہتمم صاحب) نے اپنی تنخواہیں صدر مدرس اور شیخ الحدیث سے بھی زیادہ کر رکھی ہے اور مفوضہ خدمات یعنی فراہمی مالیات کے لئے صرف ماہ رمضان میں تشریف لے جاتے ہیں، رجسٹر حاضری کے دستخط سے بھی وہ مبرا ہیں۔ مدرسہ کا پورا عملہ تنخواہ نہ ملنے کی وجہ سے پریشان رہتا ہے، چھ چھ سات سات ماہ کی تنخواہیں چڑھ جاتی ہیں۔

رمضان میں زیادہ وہ تراویح کے بعد اور اپنی نجی دھندے کرکے چندہ کو جاتے ہیں تو مہتمم شوریٰ کے ممبروں کو صرف اٹھارے کیا کر - وہ بھی مدرسہ ہی کے - ان سے کہہ کر دیکھئے صاحب! ماہ رمضان ایک مہینہ کی چھٹی ہوتی ہے اور اسی میں ہم باہر رہتے ہیں، لہٰذا اس مہینہ کی ہمیں دوگنی تنخواہ ملنی چاہئے، ارباب بستہ قلم اور مہتمم صاحب

= وکذا فی البحر الرائق، کتاب السیر، باب أحکام المرتدین: ۵/۲۰۴، رشیدیہ)

(۱) "عن أبی سعید وابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم قالا: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "من ولد له ولد، فلیحسن اسمه وأدبه". (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب النکاح، باب الولی فی النکاح، الفصل الثالث، ص: ۲۷۱، قدیمی)

"فلیحسن اسمه وأدبه" أی معرفة أدبه الشرعی". (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، کتاب النکاح، باب الولی فی النکاح: ۶/۳۰۳، رشیدیہ)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین اٰمنوا لا یسخر قوم من قوم عسیٰ أن یکونوا خیراً منهم ... ولا تلمزوا أنفسکم ولا تنابزوا بالألقاب، بئس الاسم الفسوق بعد الإیمان﴾ (سورۃ الحجرات: ۱۱)

"عن علقمة، عن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "لیس المؤمن بالطعان ولا اللعان ولا الفاحش ولا البذیء". (جامع الترمذی، أبواب البر والصلة، باب ماجاء فی اللعنة: ۲/۱۸، سعید)

بجائے بارہ ماہ کے سال میں ساڑھے تیرہ ماہ کی تنخواہ پاتے ہیں۔

آیا یہ ساڑھے تیرہ ماہ کی تنخواہ ایک سال کے لئے درست ہے یا نہیں؟ جب کہ بے چارے مدرسین گیارہ ماہ پوری تندہی، دیانت و محنت کے ساتھ تعلیم دیتے ہیں اور ماہِ مبارک میں چندہ کرکے اپنی تنخواہوں کا خود بندوبست کرتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر معاملہ اس طرح ہو کہ فلاں ماہ میں اتنی تنخواہ ملے گی تو اس کی گنجائش ہے (۱)، لیکن جو کام سپرد ہوا ہو اس کو پورا کرنا ضروری ہے، کارِ ملازمت کا انجام نہ دینا اور تنخواہ لینا جائز نہیں (۲)، ارکانِ شوریٰ اگر علم کے باوجود اجازت دیں تو اس سے وہ تنخواہ حلال نہیں ہو جاتی، البتہ جرم میں وہ بھی شریک ہو جاتے ہیں (۳)، اگر دنیا میں کوئی باز پرس نہ کر سکے تو قیامت میں بہر حال حساب دینا ہے، کوئی بھی نہ ناظم و مہتمم کو بچا سکے گا، نہ مدرسین کو نہ

---

(۱) "يشترط في صحة الإجارة رضى العاقدين ——— ويشترط أن تكون الأجرة معلومةً". (شرح المجلة لسليم رستم، كتاب الإجارة، الفصل الثالث، (رقم المادة: ۳۴۸، ۳۵۰): ۱/۲۵۳، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الأول: ۴/۴۱۱، رشيديه)

(۲) "الأجير الخاص يستحق الأجرة إذا كان في مدة الإجارة حاضراً للعمل .... ليس له أن يمتنع عن العمل. وإذا امتنع، لايستحق الأجرة". (شرح المجلة لسليم رستم، (رقم المادة: ۴۲۵)، كتاب الإجارة، الباب الأول: ۱/۲۳۹، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الثامن والعشرون في بيان حكم الأجير الخاص: ۴/۵۰۰، رشيديه)

(۳) "وفي الإسعاف: ولايولّى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بالمقصود". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: يأثم بتولية الخائن: ۴/۳۸۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۷۸، رشيديه)

ارکانِ شوریٰ کو(۱)۔

مدرسین کو تنخواہ نہ ملے اور ناظم و مہتمم استحقاق سے بھی زیادہ وصول کریں، یہ صریح ظلم ہے جس کا وبال دنیا وآخرت میں سخت ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: نظام الدین عفی عنہ۔

مدرس کو علیحدہ کرنے پر ایک ماہ کی تنخواہ زائد دینا

سوال[۷۱۲۳]: زید عربی مدرسہ میں دو سال سے ملازم تھا، بوقتِ تعطیل کلاں رمضان المبارک میں اس نے مہتمم صاحب سے کہا: میں چندہ کرنے سے قاصر ہوں، میرے بارے میں جو فیصلہ ہوا ہے، آپ ظاہر کر دیجیے۔ مہتمم صاحب نے کہا کہ تم کو رمضان المبارک کے کچھ دن یہاں مدرسہ میں رہنا ہے تمہارے بجائے میں جاؤں گا، لہٰذا زید مکانِ مذکور سے واپس آیا اور مہتمم صاحب کی واپسی تک مدرسہ میں رہا اور مہتمم صاحب کی اجازت سے مکان چلا گیا اور راستہ میں مہتمم صاحب کے کہنے پر جو کام بتلایا تھا وہ بھی انجام دیا۔ مہتمم صاحب نے شوال کے دوسرے ہفتے میں اطلاع دی کہ تمہاری ملازمت ختم ہوگئی ہے، زید کہتا ہے کہ اس کو شوال کی تنخواہ ملنی چاہیے۔ از روئے شرع وہ کتنی تنخواہ کا حق دار ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مہتمم صاحب نے جس وقت سے اطلاع کی ہے اس وقت (تک کی) تنخواہ بلاشبہ لازم ہے(۳)۔

---

(۱) قال الله تبارك وتعالى: ﴿واتقوا يوماً لا تجزي نفس عن نفس شيئاً ولا يقبل منها عدل ولا تنفعها شفاعة ولا هم ينصرون﴾ (سورة البقرة: ۱۲۳)

(۲) قال الله تبارك وتعالى: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "قال الله: ثلاثة أنا خصمهم يوم القيامة: رجل أعطى بي ثم غدر، ورجل باع حراً فأكل ثمنه، ورجل استأجر أجيراً فاستوفى منه ولم يعطه أجره". رواه البخاري". (مشكوة المصابيح، باب الإجارة، الفصل الأول، ۱/۲۵۸، قديمي)

(۳) "الإجارة لا تخلو من وجهين: إما أن تقع على وقت معلوم أو على عمل معلوم، فإن وقعت على عمل =

پورے ماہ شوال کے متعلق یہ تفصیل ہے کہ اگر مدرسہ کا کوئی ضابطہ مقرر ہے، یا زید سے اس کے متعلق معاہدہ ہوا ہے (مثلاً جب دل چاہے زید ملازمت ترک کردے اور جب دل چاہے مہتمم صاحب علیحدہ کردیں تو اس وقت معاملہ ختم ہو جائے گا اور آئندہ کا کوئی حساب یعنی بلا کام کئے تنخواہ دینے کا حق باقی نہ رہے گا، اس طرح گذشتہ کام کی تنخواہ ضبط کرنے کا بھی حق نہیں رہے گا) تب تو اس کے مطابق عمل درآمد ہوگا (۱)، ورنہ عمومی مدارس کا طریقہ یہ کہ اگر مہتمم علیحدہ کرنا چاہیں تو ایک ماہ پیشتر اطلاع کردیں کہ یکم ذیقعدہ سے آپ سبکدوش ہیں۔ اگر ایسا نہیں کیا، بلکہ فوری طور پر علیحدہ کیا تو ایک ماہ کی تنخواہ مزید دیکر علیحدہ کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح مدرس کا حال ہے کہ وہ اپنی علیحدگی کے لئے ایک ماہ پہلے اطلاع کردے، ورنہ ایک ماہ کی تنخواہ سے دست بردار ہو جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۲۳ھ۔

= معلوم، فلاتجب الأجرة إلا بإتمام العمل ..... إن كان يصلح أوّله دون آخره، فتجب الأجرة بمقدار ماعمل ..... وإذا وقعت على وقت معلوم فتجب الأجرة بمضي الوقت ..... وبمقدار مامضى من الوقت تجب الأجرة". (النتف للفتاوى، كتاب الإجارة، ص: ۳۳۸، سعيد)

"ثم الأجرة تستحق بأحد معان ثلاثة: إما بشرط التعجيل أو بالتعجيل، أو باستيفاء المعقود عليه، فإذا وُجد أحد هذه الثلاثة، فإنه يملكها". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الثاني: ۴/۴۱۳، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الإجارة: ۶/۱۰، سعيد)

(۱) "المعلق بالشرط يجب ثبوته عند ثبوت الشرط". (شرح المجلة لسليم، رقم المادة: ۸۲): ۱/۵۳، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"يعتبر ويراعى كل ماشترط العاقدان في تعجيل الأجرة وتأجيلها". (شرح المجلة لسليم رستم، (رقم المادة: ۴۷۳)، كتاب الإجارة، الفصل الثاني: ۱/۲۶۳، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "المعروف عرفاً كالمشروط شرعاً". (الأشباه والنظائر، الفن الأول في القواعد، القاعدة السادسة: العادة محكمة: ۱/۲۷۸، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في شرح المجلة، (رقم المادة: ۴۳)، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية: ۱/۳۷، مكتبه حنفية كوئٹه) .... =

سال بھر پورا ہونے پر ایک ماہ کی تنخواہ زائد دینا اور ہر چھٹی پر تنخواہ وضع کرنا

سوال[۶۲۲۴]: زید ایک ایسے مدرسہ میں ملازم ہے جہاں کا قانون یہ کہ پورے سال میں رخصت علالت واتفاقیہ ایک دن بھی نہیں ہے، بلکہ رخصت کے بجائے ایک مہینہ زائد کی تنخواہ دی جاتی ہے اور حسب ضرورت ناغہ ہونے پر ایک گھنٹہ تک کی بھی تنخواہ وضع کرلی جاتی ہے۔ اب اگر زید نے ناظم یا ممبران مدرسہ کے یہاں کسی ضرورت کی بناء پر یہ درخواست پیش کی کہ مجھے بلا معاوضہ رخصت عطا کی جائے اور ممبران مدرسہ نے اس کو منظور کرلیا تو از روئے شرع زید کی یہ درخواست پیش کرنا اور ممبران حضرات کا اس کو منظور کرلینا جائز ہے یا نہیں، جب کہ قوم نے ناظم یا ممبران کو اپنا قائم تسلیم کرلیا ہے؟ در صورت عدم جواز وجہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کو اپنی ضرورت کے تحت درخواست دینے میں تو کوئی اشکال نہیں، وہ یہ بھی درخواست دے سکتا ہے کہ میرے ساتھ اور بھی خصوصیات برتی جائیں، مگر ہر درخواست لائق قبول نہیں، ناظم اور ممبران کو ایسی درخواستوں کے قبول کرنے میں دشواری ہوگی، وجہ خصوصیت بتلانے میں بھی مشکل ہوگا۔ دوسرے ملازم درخواست دیں تو اس کو رد کرنا بھی مشکل ہوگا، قسم قسم کے الزامات عائد ہوں گے۔ اور قوم نے بھی ان کو اس لئے نہیں بنایا کہ زید کے لئے خصوصی رعایت کریں، بلکہ قانون عام ہوتا ہے(۱)۔

البتہ اگر ناظم وممبران مل کر قانون میں ہی مدرسے کی بہتری کے لئے کوئی اس قسم کی تبدیلی وترمیم کریں

- "ومنها البطالة في المدارس كأيام الأعياد ويوم عاشوراء وشهر رمضان في درس الفقه، لم أرها صريحةً...... فإن كانت مشروطةً لم يسقط من المعلوم شيء، وإلا فينبغي أن يلحق ببطالة القاضي".

(الأشباه والنظائر، الفن الأول في القواعد، القاعدة السادسة: ۱/۲۰۲، إدارة القرآن كراتشي)

(۱) "على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة: ۴/۴۴۵، سعيد)

"أجمعت الأمة أن من شروط الواقفين ما هو صحيح معتبر يعمل به". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۱، رشيدية)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۱۲۶، مكتبه ميمنيه مصر)

جس سے سب نفع اٹھائیں اور مدرسہ کا بھی نقصان نہ ہوتو اس کا حق ہوگا پھر اس تبدیلی وترمیم میں قوم کو بھی آگاہ کر دیں تو بہتر ہوگا، تا کہ قوم مطمئن رہے کہ ہمارے نمائندے مدرسہ کا مال صحیح طور پر صرف کر رہے ہیں، اپنے ذاتی تعلق والوں پر بے ضابطہ روپیہ خرچ نہیں کرتے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۹۰ھ۔

تنخواہ کیلئے حیلۂ تملیک کی صورتیں

سوال[۵۱۲۵]: یہاں اس شہر میں ایک مدرسہ ہے جس میں شہر کے بچوں کو ناظرۂ قرآن اور نماز وغیرہ کے ضروری مسائل کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اب مندرجہ ذیل امور قابل التفات ہیں:

۱...... بچے سب اسی شہر کے ہیں اور صبح کو ایک گھنٹہ اور شام کو ایک گھنٹہ یہاں تعلیم پاتے ہیں اور پورے دن سرکاری پرائمری اسکول میں پڑھتے ہیں۔

۲...... رمضان شریف میں اس مدرسہ کے لئے شہر سے زکوۃ کا روپیہ وصول کیا جاتا ہے اور اخراجات میں سوائے تنخواہ مدرسین کے کوئی دوسری مد نہیں ہے۔ کیا یہ جائز ہے؟

۳...... کیا حیلۂ تملیک کے بعد مدرس کو تنخواہ دینا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بیرونی بچے اس مدرسہ میں نہیں، سب مقامی ہیں اور غریب نادار ہیں تو ان کو بطور وظیفہ زکوۃ کا پیسہ دیدیا جائے جس سے زکوۃ ادا ہو جائے (۲)، پھر ان کے اولیاء سے کہا جائے کہ وہ اس بچے کی فیس مدرسہ میں

---

(۱) "نعم یتصرف القیم فی الوقف بما فیہ من النفع للوقف". (تنقیح الفتاوی الحامدیة: ۱/۲۰۹، مکتبہ میمنیہ مصر)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی المصادقة علی الاستحقاق: ۳/۴۴۱، سعید)

(۲) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿إنما الصدقٰت للفقراء والمسٰکین، والعاملین علیها، والمؤلفة قلوبهم، وفی الرقاب، والغٰرمین، وفی سبیل اللہ، وابن السبیل﴾ (سورة التوبة: ۶۰)

"الزکاة هی تملیک جزء مال عیّنه الشارع من مسلم فقیر غیر هاشمی ولا مولاہ مع قطع =

واخل کردیں اور وہ پیسہ بچوں سے لیکر فیس دیدیں، اس فیس سے تنخواہ وغیرہ کا کام چل سکتا ہے(۱)۔ بچے اگر بالغ ہوں تو خود ان سے بھی فیس میں وہ پیسہ لینا درست ہے، اولیاء کو واسطہ واجازت بھی ضروری نہیں۔ جو بچے نادار نہیں ان کو زکوٰۃ کا پیسہ وظیفہ میں دینا درست نہیں(۲)۔ اور اگر کسی غریب مستحق زکوٰۃ کو زکوٰۃ دے کر مالک بنا دیا جائے اور وہ اپنی طرف سے مدرسہ میں دیدے تو اس کو بھی تعلیم میں خرچ کرنا درست ہے، خواہ تنخواہ میں دیا جائے یا تعمیری کام میں خرچ کیا جائے:

"والحيلة أن يتصدق به على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء اه". درمختار على هامش ردالمحتار: ۶۴/۲(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۱/۹۱ھ۔

لوگوں کی طرف سے مدرسین کو جو کھانا دیا جائے، وہ اباحت ہے یا تملیک؟

سوال [۱۲۲۴۱]: یہاں مدرسہ میں تنخواہ کے ساتھ کھانے ناشتہ کا بھی نظم ہے، گاؤں والے کھانا باری سے دیتے ہیں، کم ہو جائے تو مطالبہ نہیں، زیادہ ہو تو واپس نہیں ہوتا، یہی معمول ہے۔ اگر کوئی مسافر ہو تو ساتھ کھا لیتا ہے، کسی کو اعتراض نہیں ہوتا ہے۔ کھانا گاؤں کے کسی فرد کو کھلائیں تو اعتراض ہوتا ہے، لیکن لوگ کھل کر کچھ نہیں کہتے۔ ان سے پہلے مدرس تھے وہ کھانا اپنے گھر لیجا کر کھاتے تھے، اس پر لوگوں کا خیال تھا کہ مدرسہ ہی میں کھائیں تو بہتر ہے کہ دو تین کھانوں میں ایک آدمی اگر زائد آ جائے تو وہ بھی شریک ہو جائے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ کھانا روٹی مدرسہ میں اباحت ہے یا تملیک جب کہ دینے والوں کی طرف سے اس

= المتقوم عن المملك من كل وجه لله تعالى". (الدر المختار، كتاب الزكاة: ۲۵۶/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الزكاة: ۳۵۲/۲، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الزكاة: ۲/۲، ۱۸۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) (راجع رقم الحاشية: ۳)

(۲) (راجع، ص: ۵۳۹، رقم الحاشية: ۲)

(۳) (الدر المختار، كتاب الزكوٰة، باب المصرف: ۳۴۵/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الزكوٰة، باب المصرف: ۲۴۳/۲، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الزكوٰة، باب المصرف: ۱۲۱/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

کی کوئی تصریح نہیں ہوتی اور دوسروں کو کھانے میں خواہ وہ گھر کے ہی کیوں نہ ہوں شریک کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کھانا مدرس کے پاس بھیج دیا اور اس کو یہ بھی اختیار ہے کہ جس مہمان یا جس مسافر کو چاہے اپنے ساتھ شریک کرلے، اور جو کھانا بچ جائے اس کی واپسی نہیں ہوتی، نیز تنخواہ کے ساتھ کھانے کا بھی معاملہ ہے تو یہ سب علامات ہیں کہ یہ کھانا ان کو تملیکاً دیا جاتا ہے اباحۃً نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۷/۹۳ھ۔

بلا تنخواہ مدرسہ کی خدمت کرنا اور تعمیر مدرسہ میں قیام کرنا

سوال [۷۰۱۲]: مہتمم مدرسہ جو بلا مقررہ تنخواہ لیے ہوئے صرف عمارت میں قیام کو اپنی خدمت کا صدقہ سمجھتا تھا، وہ شرعی نقطۂ نظر سے گنہگار ہوگا یا نہیں؟ امید ہے کہ جواب جلد عنایت فرمائیں گے۔

عبدالسبحان، ٹاٹا برتن بازار، زیر جامع مسجد سلطان پور (اودھ)، ۲۲/ جنوری/ ۷۸ء۔

---

(۱) اباحت میں کھانے کے سوا دوسرے تصرفات کی اجازت نہیں ہوتی ہے جب کہ تملیک میں ہر قسم کے تصرف کرنے کا اختیار ہوتا ہے:

"دعا قوماً إلى طعام وفرقهم على أخونة، ليس لأهل خوان مناولة أهل خوان آخر، ولا إعطاء سائل وخادم وهرة لغير رب المنزل، ولا كلب ولو لرب المنزل". (الدر المختار: ۵/۷۱۰، كتاب الهبة، فصل في مسائل متفرقة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۵/۳۴۲، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، رشيدية)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۳/۳۰۳، كتاب الهبة، الباب الثالث في الحظر والإباحة والإحلال منه، رشيدية)

"كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، مكتبة حنفية كوئٹہ)

"والتحقيق أن المنفعة ملك لا مال، لأن الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (رد المحتار: ۴/۵۰۲، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك والتقوم، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں گنجائش ہے، مگر مہتمم کو چاہئے کہ مدرسہ کی خدمت حسبۃً للہ انجام دے اور اس قیام کو خدمات کا صلہ تصور نہ کرے، بلکہ خدمات مدرسہ کے لئے مدرسہ کی ضرورت سے مدرسہ میں قیام کی تجویز کردیا جائے تاکہ ہر وقت پوری نگرانی اور حفاظت میں سہولت رہے، جیسا کہ بعض مساجد میں امام یا مؤذن کا قیام مسجد کے حجرے میں تجویز ہوتا ہے کہ وہ خدمت کی صلہ میں نہیں ہوتا، بلکہ خدمت کا معاوضہ مستقل ہوتا ہے، یا خدمت محض ثواب کی نیت سے کرتا رہے اور قیام ضرورت کے لئے، ایسا ہی معاملہ مدرسین کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ وہ مدرسہ کی عمارت میں قیام کرتے ہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۸/۳/۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۹/ ربیع الاول/ ۶۷ھ۔

معلم کی تنخواہ میں انجمن کا پیسہ

سوال [۷۱۲۸]: یہاں پر ایک انجمن اصلاح المسلمین قائم ہے جس کا مقصد مکتب کو فروغ دینا ہے، انجمن کی کچھ رقم جمع ہے۔ تو کیا اس رقم کو مکتب کے معلم کی تنخواہ میں دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب انجمن اصلاح المسلمین کے مقاصد میں سے مکتب کو فروغ دینا بھی ہے تو اس کا پیسہ مکتب کے معلم کی تنخواہ میں دینا شرعاً درست ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۶/۸۹ھ۔

---

(۱) "یبدأ من غلتہ بعمارتہ، ثم ما ہو أقرب لعمارتہ کإمام مسجد ومدرس مدرسۃ یعطون بقدر کفایتہم". (الدرالمختار). "ثم ما ہو أقرب إلی العمارۃ وأعم للمصلحۃ کالإمام للمسجد والمدرس للمدرسۃ یصرف إلیہم إلی قدر کفایتہم، ثم السراج والبساط کذلک إلی آخر المصالح". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: یبدأ من غلۃ الوقف بعمارتہ: ۳/۳۶۶، ۳۶۷، رشیدیہ)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۵۶، رشیدیہ)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد ومایتعلق بہ: ۲/۴۶۳، رشیدیہ)

(۲) "یبدأ من غلتہ بعمارتہ، ثم ماہو أقرب لعمارتہ کإمام مسجد، ومدرس مدرسۃ یعطون بقدر =

تنخواہ مدرسین میں گورنمنٹ کی امداد کا روپیہ

سوال [۶۹۲۹]: مدرسہ عربیہ کو گورنمنٹ سے کچھ روپیہ ملتا ہے، لیکن ان کا صحیح پتہ نہیں چل سکا کہ استاذوں کے ہیں یا مدرسہ کے، بعض لوگوں سے معلوم ہوا کہ مدرسہ کے ہیں، استاذوں کے نہیں، تو کیا ان کو استاذوں کی تنخواہ میں خرچ کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گورنمنٹ کی طرف سے جو روپیہ بطور امداد مدرسہ میں ملتا ہے، اس کو مدرسین کی تنخواہ میں صرف کرنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۴/۸۹ھ۔

کیا دینی معلم کی تنخواہ پرائمری کے معلم سے کم ہونا اہانت ہے؟

سوال [۶۹۳۰]: عربی فارسی کی تعلیم دورۂ حدیث تک ہوتی ہے، نیز اردو ہندی حساب کی تعلیم درجہ

■ كفايتهم" (الدر المختار) "ثم ما هو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة يصرف إليهم إلى قدر كفايتهم، ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح".
(رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب إليها: ٤/٣٦٦-٣٦٧، سعيد)
(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ٥/٣٥١، رشيدية)
(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به: ٢/٤٦٢، رشيدية)

(١) "ومصرف الجزية والخراج ومال التغلبي وهديتهم　　مصالحنا كسد ثغور وبناء قنطرة وجسر وكفاية العلماء" (الدر المختار). "وكذا النفقة على المساجد كما في زكاة الخانية، فيدخل فيه الصرف على إقامة شعائرها من وظائف الإمامة والأذان ونحوهما" (رد المحتار، كتاب الجهاد، باب الجزية، مطلب في مصارف بيت المال: ٤/٢١٢، سعيد)

"والجزية والخراج ومال التغلبي وهدية أهل الحرب　　يصرف في مصالحنا كسد الثغور وبناء القناطر والجسور وكفاية القضاة والعلماء". (البحر الرائق، كتاب السير، باب العشر والخراج والجزية: ٥/١٩٩، رشيدية)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب السير، باب العشر والخراج والجزية: ٤/٢٠٠، سعيد)

چنانچہ تو حدیث وتفسیر کے اساتذہ کی تنخواہ تنگ اور پرائمری درجات کی معلمین کی تنخواہ مع خوراک وناشتہ کے اس تناسب سے کہ حدیث وتفسیر کا درس دینے والے اساتذہ باعتبار پرائمری درجات کے معلمین کے کم تنخواہ دی گیا کہ یہ علماء اور علم دین کی اہانت نہیں اور کیا وہ تنخواہ پرائمری درجات کے معلمین پر فوقیت کے مستحق ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اہل علم حضرات کو علوم دین کی خدمت محض اللہ کے لئے کرنی چاہئے تنخواہ کے لئے نہیں، جو کچھ ملے اس کو مالک حقیقی کا عطیہ تصور کرنا چاہئے، خدمت دین کا معاوضہ نہیں (۱)، انشاء اللہ اجر وثواب بھی پورا ملے گا، حق تعالیٰ کی رضا بھی حاصل ہوگی دنیا میں بھی عزت حاصل ہوگی۔ اگر روپیہ تنخواہ کے لئے کام کریں گے تو حرص وہوس ہوگا، تنخواہ زیادہ لینے کی ہوس پیدا ہوگی اور تنخواہ کی زیادتی کو عزت تصور کریں گے کہ تنخواہ پر ذلت واہانت ذہن میں قائم ہوگی اور طرح طرح قلب میں انتشار پیدا ہوگا۔

یہ بھی یاد رکھیں کہ اصل عزت اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہونا ہے جس کا مدار اخلاص پر ہے اہانت وذلت اس کی بارگاہ سے مردود ہونا ہے، دنیا والوں کی عزت کرنا یا ذلیل سمجھنا حقیقی عزت واہانت نہیں (۲)۔ جو حضرات مدرسہ کے ارباب حل وعقد ہیں ان کے ذمہ بھی لازم ہے کہ وہ اہل علم کے ساتھ ہرگز ایسا معاملہ نہ کریں جس سے اہل علم کی تحقیر واہانت ہوتی ہو ورنہ وہ سخت مجرم ہوں گے اور ان سے باز پرس ہوگی (۳)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ومن أراد الآخرة وسعى لها سعيها وهو مؤمن فأولئك كان سعيهم مشكوراً ۝ كلا نمد هؤلاء وهؤلاء من عطاء ربك، وما كان عطاء ربك محظوراً﴾ (سورة الإسراء: ۱۹، ۲۰)

"عن راشد الحبراني قال: قال عبد الرحمن بن شبل رضي الله تعالى عنه: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: "اقرؤوا القرآن ولا تأكلوا به، ولا تستكثروا به، ولا تجفوا عنه، ولا تغلوا فيه". (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث: ۱۵۱۰۷: ۳۳۲/۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) قال الله تعالى: ﴿إن أكرمكم عند الله أتقاكم﴾ (سورة الحجرات: ۱۳)

(۳) "عن أبي أمامة رضي الله تعالى عنه: حامل القرآن حامل راية الإسلام، من أكرمه فقد أكرم الله، ومن أهانه فعليه لعنة الله". (فيض القدير، رقم الحديث: ۳۶۰۰: ۳/۹، ۲۹۰، مكتبة نزار مصطفى الباز، رياض)

امام اور قاضی کی تنخواہ کا معیار

سوال [۷۶۳]: ۱..... میں اپنے یہاں کی مسجد میں امام ہوں اور قاضی بھی، دین کا کام فی سبیل اللہ عرصہ سے کرتا آرہا ہوں، نیز گاؤں میں ایک عالیشان مسجد اور کنواں بھی تعمیر کروادیا ہے، مگر اب میں مجبور اور ضعیف ہوگیا ہوں، گاؤں کے لوگ میری مجبوری کو دیکھتے ہوئے تنخواہ دینے کو تیار ہیں۔ تو کیا چندہ کی رقم سے گھر کے اخراجات کے لئے تنخواہ لینا درست ہے؟

۲..... نیز امام عالم کو اندازاً کتنا روپیہ لینا چاہئے؟ ضرور تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... آپ نے اتنی مدت تک خدمت کی ہے، حق تعالیٰ اجرِ عظیم سے نوازے اور آپ کی تنگی دور کرے۔ جو چندہ مسجد وغیرہ کے لئے کرتے ہیں اس میں سے آپ اپنے خرچ کے لئے نہ لیں (۱)، ہاں! آپ کو یہ حق ہے کہ اہلِ مسجد سے کہہ دیں کہ پہلے مجھے ضرورت نہیں تھی تنخواہ کی، اب مجھے ضرورت ہے، اس لئے تنخواہ دی جائے۔ اہلِ مسجد کو بھی چاہئے کہ وہ مناسب تنخواہ مقرر کردیں (۲)۔ قاضی کا کام جن لوگوں کے لئے کرتے ہیں، ان سے بھی مناسب تنخواہ لے سکتے ہیں (۳) اور ان لوگوں کو بھی چاہئے کہ دیدیا کریں۔ اگر یہ صورت نہ ہوسکے تو

---

(۱) چونکہ محصل معطین کی طرف سے وکیل ہے، وہ بلا موکل کی اجازت کے بغیر کسی کو کچھ نہیں دے سکتا: "وهنا الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان، فلا يملك الدفع إلى غيره". (رد المحتار، كتاب الزكوة: ۲/۲۶۹، سعيد)

(۲) قال العلامة الحصكفي رحمه الله: "ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والإمامة والأذان". (الدر المختار، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۵، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳/۳۰۳، إمداديه ملتان)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الفصل الرابع في فساد الإجارة: [illegible]، رشيديه)

(۳) "يستحق القاضي الأجر على كتب الوثائق والمحاضر والسجلات قدر ما يجوز لغيره كالمفتي، فإنه يستحق أجر المثل على كتابة الفتوى". (الدر المختار، كتاب الإجارة، مسائل شتى: ۶/۹۲، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب القضاء، الجنس الثاني في الأقضية: ۴/۷۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب القضاء، الباب التاسع في رزق القاضي: ۳/۳۲۰، رشيديه)

فکر ہو کر اپنی دینی خدمات میں مشغول رہیں (۱)۔

تنخواہ اور تعطیل وغیرہ کے معاملہ کو صاف کرلیا جائے، کوئی بات گول مول نہ رہے جس سے نزاع پیدا ہو (۲)، چنانچہ بڑے مدارس میں اس کے متعلق بات صاف رہتی ہے، اور دستور میں متعین رہتی ہے، چھوٹے مدارس ان کے تابع ہوتے ہیں، اس طرح نزاع نہیں ہوتا۔ بعض مساجد میں بھی یہ طریقہ ہے، اور بعض میں عرف کے ماتحت عمل ہوتا ہے، البحر الرائق میں کتاب الوقف میں اس پر بحث موجود ہے (۳)۔

---

(۱) "ولا لأجل الطاعات مثل الأذان والحج والإمامة وتعليم القرآن والفقه، ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والإمامة والأذان". (الدر المختار). "قال في الهداية: وبعض مشايخنا رحمهم الله تعالى استحسنوا الاستئجار على تعليم القرآن اليوم، لظهور التواني في الأمور الدينية، ففي الامتناع تضييع حفظ القرآن، وعليه الفتوى .... وزاد في مختصر الوقاية .... تعليم الفقه، وزاد في متن المجمع الإمامة .. وزاد بعضهم الأذان والإقامة والوعظ". (رد المحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ٦/٥٥، ٥٦، سعيد)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الإجارة، مطلب: الفتوى على جواز الإجارة على تعليم القرآن: ٢/١٣٧، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في الهداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ٣/٣٠٣، إمدادية ملتان)

(۲) "والأصل في شرط العلم بالأجرة قول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "من استأجر أجيراً، فليعلمه أجره". (بدائع الصنائع، كتاب الإجارة: ٦/٢٠، دار الكتب العلمية بيروت)

"ويشترط أن تكون الأجرة معلومة .... لأن جهالتها تفضي إلى المنازعة، فيفسد العقد". (شرح المجلة لسليم رستم، كتاب الإجارة، الفصل الثالث في شروط صحة الإجارة: ١/٢٤٣، (رقم المادة: ٤٥٠)، مكتبه حنفيه كوئته)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الإجارة: ٦/٥، سعيد)

(۳) "فإن قلت: ما يأخذه صاحب الوظيفة أجرة أو صلة أو صدقة؟ قلت: قال الطرسوسي في أنفع الوسائل إن فيه شوب الأجرة والصلة والصدقة، فاعتبرنا شائبة الأجرة في اعتبار زمن المباشرة وما يقابله من المعلوم .... وقد كثر وقوع هذه الحادثة بالقاهرة، فأفتى بعض الحنفية بما قالوا في حق الأولاد من اعتبار مجيء الغلة، حتى أن بعضهم يفرغ عن وظيفة قبل مجيء الغلة بشهر أو جمعة، وقد كان -

معاملہ وادو معاملہ کرنے والے کے متعلق ایسے سخت الفاظ استعمال کرنے کہ "وہ حرام لیتے ہیں، حرام کھاتے ہیں" یہ جہالت اور حدودِ شرعیہ سے تجاوز ہے، ہرگز جائز نہیں (۱)۔ پھر جس کو اپنے دینی کاموں کا رہبر تجویز کیا اور سب سے بڑی عبادت اس کی اقتدا میں ادا کرتے ہیں اس کے متعلق ایسا کہنا انتہائی بے غیرتی بھی ہے، تاہم نماز ان کی بھی ہو جاتی ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۲/۹۹ھ۔

قرض میں تنخواہ کو محسوب کرنا

سوال [۷۴۳۳]: ایک شخص مدرسہ چلاتا تھا، اس نے اپنے کام کے لئے مدرسہ کا روپیہ قرض لیا اور نیت کی کہ ضرور ادا کریں گا، مگر کسی مجبوری کو نہیں بتایا، اس کے بعد بلا تنخواہ چند ماہ کام کیا اور آخر میں ظاہر کیا کہ ہم بلا تنخواہ کام کر رہے ہیں (گویا کہ قرض میں وضع کر دیں گے)، لیکن کسی مجبوری کو نہیں بتایا۔ تو تنخواہ بننے کا روپیہ قرض میں محسوب سمجھا جائے گا یا نہیں، جبکہ مقروض کا انتقال ہو چکا ہے اور مدرسہ بھی ختم ہو چکا ہے؟

= بشرط غالب السنة ... ولكن بالقاهرة إنه تغيير الألفاظ ... الخ". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۲۰۳، رشيدية)

(۱) "عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "سباب المسلم فسوق، وقتاله كفر". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان والغيبة والشتم، الفصل الأول، ص: ۴۱۱، قديمي)

"عن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "ليس المؤمن بالطعان ولا باللعان ولا الفاحش ولا البذي". رواه الترمذي". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان والغيبة والشتم، الفصل الثاني، ص: ۴۱۳، قديمي)

(۲) "ولو أم قوماً وهم له كارهون، إن الكراهة لفساد فيه، أو لأنهم أحق بالإمامة منه، كره له ذلك، وإن هو أحق لا، والكراهة عليهم". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل السادس، أما الكلام في بيان من هو أحق بالإمامة: ۱/۶۰۲، ۶۰۳، إدارة القرآن كراچي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

پڑھانے کا معاملہ نہیں کیا گیا، تنخواہ مقرر نہیں کی گئی، اس لئے اس قرض کو محسوب کرنے کا حق نہیں (۱)، یہ مدرسہ میں بلا تنخواہ کام کرنا تبرع اور احسان ہے، اس کا اجر ملے گا۔ جتنا روپیہ چندہ کا اپنے کام میں خرچ کیا ہے وہ قرض ہے، ورثاء اگر ادا کرنا چاہتے ہیں تو پورا روپیہ ادا کریں (۲) اور کسی مدرسہ میں- جہاں مناسب ہو- دیدیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

تبلیغ کے لئے مدرسہ سے تنخواہ

سوال [۷۱۴۳]: کیا کوئی آدمی تبلیغ کا کام کرکے مدرسہ سے تنخواہ کا پیسہ لے سکتا ہے؟ مثلاً زید نے یہ طے کیا کہ اگر مجھے تبلیغ کے کام سے دو چار روز کی چھٹی ملی تو چھ دنوں کا اور نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بعض مدرسہ تعلیم کے لئے بھی ملازم رکھتے ہیں، تبلیغ کے لئے بھی رکھ سکتے ہیں، لیکن اگر موصوف تعلیم کے

---

(۱) "ثم الأجرة تستحق بأحد معان ثلاثة: إما بشرط التعجيل، أو بالتعجيل، أو باستيفاء المعقود عليه، فإذا وجد أحد هذه الأشياء الثلاثة، فإنه يملكها". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الثاني: ۴۱۳/۴، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الإجارة: ۱۰/۶، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، رقم المادة: ۴۶۶، ۴۶۸، كتاب الإجارة: ۲۶۱/۱، كوئٹه)

(۲) "رجل جمع مالاً من الناس لينفقه في بناء المسجد، وأنفق من تلك الدراهم في حاجة نفسه، ثم رد بدلها، لا يسعه أن يفعل ذلك . وفي القضاء يكون ضامناً، فيكون ذلك ديناً عليه لصاحب المال". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۲۹۱/۳، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون في الأوقاف التي يستغنى عنها وصرف غلة الأوقاف: ۸۴۹/۵، ۸۵۰، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الوقف، الفصل الرابع: ۴۲۳/۴، رشيديه)

لئے رکھا گیا ہو تو مدرس کو اس کی پابندی لازم ہوگی، اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ چار دن، چھ دن موقع مل گیا تو پڑھا دوں گا ورنہ تبلیغ کروں گا (۱)، اس سے تعلیم کا حرج ہوگا۔

اور زکوٰۃ سے تنخواہ دینا براہِ راست کسی کے لئے جائز نہیں ہے، نہ معلم کو، نہ مبلغ کو (۲)۔ مدرسہ کے ذمہ دار حضرات صرف معطیین سے ہی وکیل نہیں، بلکہ وہ تعلیم کے بھی ذمہ دار ہیں، اسی بناء پر معطیین نے ان کو وکیل بنایا ہے، اس لئے ان کو ایسی صورت اختیار کرنا جائز نہیں جس سے تعلیم کا حرج ہو (۳)۔ ہاں! اگر سب لوگ تبلیغ کو اصل قرار دے کر تعلیم کو تابع قرار دیں تو پھر دوسری بات ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۲/۹۱ھ۔

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: "وليس للخاص أن يعمل لغيره، ولو عمل نقص من أجرته بقدر ما عمل". (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ۶/۷۰، سعيد)

"وإنما سمي أجير وحد؛ لأنه لا يمكنه أن يعمل لغيره؛ لأن منافعه في المدة صارت مستحقة له، والأجر مقابل بالمنافع". (الهداية، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ۳۰۸/۳، مكتبه إمداديه ملتان)

(وكذا في شرح المجلة، كتاب الإجارة، الباب الأول، (رقم المادة: ۴۲۲، ۴۲۵)، ۱/۲۳۹، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) قال الله تعالى: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم وفي الرقاب والغارمين وفي سبيل الله﴾ (سورة التوبة: ۶۰)

"ولو دفعها المعلم لخليفته إن كان بحيث يعمل له لو لم يعطه صح، وإلا لا". (الدر المختار)

"(قوله: ولو دفعها المعلم لخليفته) أي: من هو نائب عنه، ونظيره إذا دفعها المؤجر لمن استأجره أو الشيخ لمن يحضره، (قوله: صح)؛ لأنه مستحق تبرعاً فإذا نوى به الزكوة صح، (قوله: وإلا لا)؛ لأن المدفوع حينئذ بمنزلة العوض". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الزكوة، آخر باب المصرف: ۱/۴۳۳، دار المعرفة)

(۳) "على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة: ۴/۴۴۵، سعيد)

"أجمعت الأمة أن من شروط الواقفين ما هو صحيح معتبر يعمل به". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۲۱۱، رشيديه)

مدرس کو ڈیڑھ سو روپیہ دے کر دو سو پر دستخط لینا

سوال [۷٦۳۵]: ایک دینی مدرسہ گورنمنٹ سے ملحق ہے اور گورنمنٹ کے اسکیل کے مطابق مدرسین کی تنخواہیں متعین ہیں جس میں گورنمنٹ مدرسین کی آدھی تنخواہ و مہنگائی وغیرہ بذریعہ منیجر مدرسہ مدرسین کو دے دیتی ہے، لیکن منیجر اور مجلس منتظمہ اس رقم کا ۴/۱ (چوتھائی) حصہ مدرسین سے جبراً لیتی ہے۔ اور اگر کوئی مدرس دینے کے لئے آمادہ نہ ہو تو اخراج کی دھمکی دے کر خاموش کر دیا جاتا ہے۔ پھر اپنی مرضی کے مطابق مدرسین کو مثلاً کسی کی تنخواہ دو سو روپیہ ہے تو ڈیڑھ سو روپیہ دیکر دو سو پر دستخط لیتے ہیں۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسا کرنا مجلس منتظمہ کے لئے درست ہے یا نہیں؟ اور مدرسین کو اس کوتاہی پر نیکی ملے گی یا نہیں؟ بصورت دیگر مدرسین کی خاموشی گناہ کا سبب بنے گی یا نہیں، ایسے ماحول میں مدرسین کیا کریں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

منتظمہ کا یہ طرز عمل جھوٹ ہے، خیانت ہے، بددیانتی ہے، ظلم ہے۔ مدرسین مظلوم ہیں، جتنا صبر کریں گے ان کو اجر ملے گا۔ یہ کاٹا ہوا روپیہ منتظمہ کے لئے نہ خود رکھنا درست ہے، نہ مدرسہ کے کسی کام میں خرچ کرنے کا حق ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

"عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "ألا! لاتظلموا، ألا! لايحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". رواه البيهقي". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "من حمل علينا السلاح فليس منا، ومن غشنا فليس منا". (الصحيح لمسلم، باب قول النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: من غشنا فليس منا: ۱/۷۰، قديمي)

"ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلاسبب شرعيٍّ وإن أخذه ——— وجب ردّه". (شرح المجلة لسليم رستم، (رقم المادة: ۹۷)، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية: ۱/۶۲، مكتبه حنفية كوئٹه)

(وكذا في الدر المختار، باب الغصب: ٦/۲۰۰، سعيد)

زکوٰۃ وعطیات کی مخلوط رقم سے تنخواہ دینا

سوال [۷۱۳۶]: جس مدارس میں یہ نظم نہیں کہ زکوٰۃ وعطیات کی رقمیں علیحدہ ہوں، بلکہ مخلوط ہوں، اس سے مدرسین وملازمین کی تنخواہ دینا درست ہے یا نہیں؟ اور پھر زکوٰۃ کی رقم میں تملیک نہیں ہوتی، وہ زکوٰۃ کی رقمیں معطی کی طرف سے ادا ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ کی رقم کا تنخواہ دینا جائز نہیں ہے(۱)، مخلوط میں سے جتنی رقم زکوٰۃ کی تنخواہ میں دی گئی ہے اتنی مقدار زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی ہے، معطی کو اطلاع کردی جائے کہ وہ اتنی زکوٰۃ خود ادا کریں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۱/۹۱ھ۔

(۱) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم وفي الرقاب والغارمين وفي سبيل الله﴾. (سورة التوبة: ۶۰)

"ولو دفعها المعلم لخليفته إن كان بحيث يعمل له لو لم يعطه صح، وإلا لا". (الدر المختار).

"(قوله: ولو دفعها المعلم لخليفته) أي: من هو نائب عنه، ونظيره: إذا دفعها المزكي لمن استأجره أو الشيخ لمن يحضره. (قوله: صح)؛ لأنه تمحض تبرعاً فإذا نوى به الزكوة صح. (قوله: وإلا لا)؛ لأن المشروط حينئذ بمنزلة العوض". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الزكوة، آخر باب المصرف: ۱/۴۳۴، دار المعرفة)

(۲) "المذكر إذا سأل للفقير شيئاً وخلط ما أخذ بعضها ببعض، إن لم يأمره الفقير بالسؤال والأخذ، يكون ضامناً، فإن أدى ذلك المال بعد ذلك إلى الفقير، يكون متصدقاً لنفسه من مال نفسه ولا يجزي ذلك عن أرباب الأموال. وإن كانوا دفعوا إليه بنية الزكاة لا تسقط زكاتهم". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً ...... الخ: ۳/۲۹۹، رشيدية)

الفصل السادس في المبعوثين والتبرعات

(مدارس کے سفراء اور چندہ کے احکام)

سفیر کی غلطی پر جرمانہ

سوال [۷۶۳۴]: زید وبکر مدرسہ کا چندہ کرنے کے لئے ایک طویل سفر اس لئے کرتے ہیں کہ دو ہزار روپیہ ضرور ہو جائیں گے، مگر ۱۷ دن کی دوڑ دھوپ کے بعد کل چندہ چھ سو پچاس روپیہ کے قریب ہوتا ہے اور خرچ تقریباً دو سو روپیہ ہوتا ہے جس میں ایک روپیہ بھی ناجائز خرچ نہیں کیا۔ اب سفیر چندہ کی کمی کو محسوس کرتے ہوئے خرچ میں کمی اس صورت سے کرتے ہیں کہ عمر نے پچاس روپے دیئے، اس کو رسید میں پانچ بنا دیا اور خرچ کا پرچہ بجائے دو سو روپیہ کے ایک سو پچاس بنا کر مہتمم کو پیش کر دیا، اس نیت سے یہ کام کیا کہ ہم پر تو مدرسہ کا کوئی پیسہ نہیں رہا۔

اب کسی وجہ سے مہتمم کو معلوم ہو گیا کہ رسید میں پچاس روپیہ کو پانچ روپیہ بنایا گیا۔ معلوم کرنے پر زید اور بکر نے بتا دیا کہ ہم نے یہ غلطی محض اس لئے کی تھی کہ چندہ بہت کم ہوا اور خرچ بہت ہو گیا، نہ تو ہم پر مدرسہ کا کچھ رہتا ہے اور نہ مدرسہ پر ہمارا رہتا ہے صرف لکھنے کا ہیر پھیر ہے۔ مہتمم کہتا ہے کہ ۴۵/ روپے تم کو دینے ہوں گے۔ کیا وہ دینا شرعاً جائز ہے۔ جبکہ سفیر غلطی کی معافی طلب کر رہے ہیں اور آئندہ ایسا نہ کرنے کا عہد کرتے ہیں؟ کیا زید وبکر کو شرعاً دینا واجب ہے، اگر نہ دیں تو کیا وہ گنہگار رہیں گے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سفیر نے غلطی کی اگرچہ نیک نیتی سے کی، اب اس کی تصحیح کر دیں، جرمانہ سفیر سے وصول نہ کیا جائے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۵/۵/۱۴۰۰ھ۔

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل﴾ (سورۃ البقرۃ: ۱۸۸)

مدرسہ کے سفیر کا دھوکہ دینا

سوال [۷۶۲۸]: اگر زید کسی بڑے ادارہ میں اس شرط پر سفیر ہے کہ رمضان میں بھی اس ادارہ کے کام کو نہیں چھوڑے گا اور دستور کا پابند رہے گا، لیکن زید دھوکہ دیکر بغیر استعفیٰ دیئے چلا گیا اور مدرسہ کے خلاف پروپیگنڈہ کیا، کہیں مدرسہ کے نام پر چندہ کیا اور زید پتہ توڑ کر رقم نکال لی۔ تو کیا ایسا شخص قابل لعن وطعن نہیں ہے؟ کیا اس پر مقدمہ دائر کیا جائے اور اس سے تنخواہ واپس لینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر معاملہ اسی طرح ہے تو وہ شخص بہت ہی قابلِ ملامت ہے(۱)۔ جس قدر مدرسہ کا مال لیا ہے،

"عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

(وكذا في السنن الكبرى للبيهقي، (رقم الحديث ۲۹۳۵): ۳/۲۸۲، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

"لا بأخذ مال في المذهب ... وفي المجتبى: إنه كان في ابتداء الإسلام ثم نسخ". (الدر المختار). "قال في الفتح: "وعن أبي يوسف رحمه الله تعالى: يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال، وعندهما وباقي الأئمة لا يجوز، ومثله في المعراج. وظاهره أن ذلك رواية ضعيفة عن أبي يوسف. قال في الشرنبلالية: ولا يفتى بهذا، لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس، فيأكلونه ... إلخ. لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (رد المحتار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في التعزير بأخذ المال: ۴/۶۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۵/۶۸، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۳/۱۶۵، إمداديه ملتان)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "آية المنافق ثلث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب خصال المنافق: ۱/۵۶، قديمي)

اس سے واپس لیا جائے (۱)۔ غیر حاضر رہ کر جو تنخواہ لی ہے، وہ بھی واپس لی جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۳/۹۵ھ۔

سفیر اور منتظم کے درمیان اختلاف ہو تو ایک کو حکم بنا دیا جائے

سوال [۷۶۳۹]: ایک صاحب کو مدرسہ میں ملازم رکھا گیا جن سے مندرجہ ذیل باتیں طے ہوئیں:

۱- سفارت۔ ۲- مدرسہ میں مقیم ہونے پر تعلیم و تدریس کا کام، معاوضہ اسی روپے، ترقی پانچ روپے، ماہوار سو روپے پر ترقی بند، سال میں ایک ماہ کی رخصت، آنے جانے کا خرچ۔

لیکن انہوں نے حسب ذیل خلاف ورزیاں کیں:

۱- ایک بار بغیر اجازت صرف اطلاع دے کر مدرسہ میں تالا ڈال کر چلے گئے۔ ۲- گھر سے واپسی پر تاخیر سے پہنچے۔ ۳- سفارت کا پروگرام بنا کر چلے گئے، راستے سے لکھا کہ ڈیڑھ ماہ سے زیادہ کام نہیں کروں گا اور فلاں مقام پر کام نہیں کروں گا۔ ۴- سفر میں اپنی تنخواہ کی رقم پیشگی نکال لی جبکہ معاملہ یہ طے نہیں ہوا تھا۔

---

(۱) "بلزوم رد المغصوب عیناً وتسلیمہ إلی صاحبہ فی مکان الغصب إن کان موجوداً". (شرح المجلۃ لسلیم رستم باز، (رقم المادۃ: ۸۹۰)، کتاب الغصب: ۱/۴۸۸، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

"ھی إزالۃ ید محقۃ بإثبات ید مبطلۃ فی مال متقوم قابل للنقل بغیر إذن مالکہ، واعلم أن المغصوب مضمون بالإتلاف مع أنہ لیس بمملوک أصلاً، صرح بہ فی البدائع. فلو قال: بلا إذن من لہ الإذن، لکان أولی. وحکمہ الإثم ورد العین قائمۃ والغرم ھالکۃ". (الدر المختار، کتاب الغصب: ۶/۱۷۷، ۱۸۰، سعید)

(وکذا فی المبسوط للسرخسی، کتاب الغصب: ۱۱/۵۳، ۵۴، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(۲) "الأجیر الخاص یستحق الأجرۃ إذا کان فی مدۃ الإجارۃ حاضراً للعمل ... لکن لیس لہ أن یمتنع عن العمل، وإذا امتنع لایستحق الأجرۃ". (شرح المجلۃ لسلیم، (رقم المادۃ: ۴۲۵)، کتاب الإجارۃ، الباب الأول: ۱/۲۳۹، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(وکذا فی النتف للفتاوی، کتاب الإجارۃ، ص: ۳۳۸، سعید)

(وکذا فی الدر المختار، کتاب الإجارۃ: ۶/۷۰، سعید)

۵- گوشوارہ نقل بنا کے دیا اور کہا: یہ میری ذمہ داری نہیں۔ ۶- ہم نے لکھا کہ آپ رقم نجیب آباد میرے آدمی کے پاس رکھ دیں، انہوں نے لکھا کہ میں رقم ان کو نہیں دوں گا واپس آکر دوں گا۔ ۷- ایک بار پروگرام بنا کر نہیں دیا تھا تو صرف چار جگہ کام کیا، ایک دو پورا لگایا۔ ۸- اس مرتبہ بے ترتیب کام کیا جس سے مدرسہ کے اخراجات بھی زیادہ ہوئے، دوران بھی زیادہ لگے۔ ۹- مدرسہ میں ۲۰/ یوم تاخیر سے پہونچے۔ ۱۰- تعویذ گنڈہ وغیرہ کی اجرت اتنی بڑھادی جس کو دیکھ کر دل کانپتا ہے۔

مندرجہ بالا وجوہات کی بناء پر بلاکسی مہلت کے سفیر صاحب کو مدرسہ سے خارج کر دیا، انہوں نے دوبارہ رہنے کی اجازت چاہی، ہم نے ان کو لکھا کہ اگر آپ آئندہ کو اصلاح کی کوشش کریں تو دیگر اراکین مدرسہ سے گفتگو کریں۔ جس کا جواب حسب ذیل ملا:

یہ کام میرے بس کا نہیں، آپ مہلت دیں یا نہ دیں، جو رقم ان کی طرف نکل رہی تھی اس کیلئے چندہ اگست تک کا وعدہ فرمایا، آٹھ دن بعد جب تقاضا کیا گیا تو لکھا کہ آپ نے اچانک مجھ کو علیحدہ کیا ہے، اس لئے ایک ماہ کی تنخواہ آپ ہی مجھے دیں، ۱۵/ یوم پڑھانے کی تنخواہ اور ۱۸/ جولائی کو مجھے علیحدہ کیا ہے اس لئے ماہ جولائی کی ۱۸/ یوم کی تنخواہ مزید آپ مجھے دیں۔ شرائط میں یہ بات طے نہیں ہوئی تھی کہ ایک دن کی تنخواہ دی جائے گی، اگر اچانک علیحدہ کریں گے۔ ۱۸/ یوم کی تنخواہ کے لئے ہم ان کو لکھ چکے تھے کہ آپ اپنی تنخواہ کاٹ لیں۔ اب آپ از روئے شرع بتائیں کہ اراکین مدرسہ غلطی پر تھے یا سفیر صاحب؟ فقط۔

عبدالجبار، ناظم مدرسہ مطلب ۱۱۱ پر بازار لوہاری گڑھوال۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ نزاعی شکل ہے، اس کے لئے بہتر طریقہ یہ ہے کہ سفیر صاحب اپنا بیان تحریر کر دیں اور دونوں فریق باہم مشورہ کر کے کسی کو ثالث (حَکَم) مان لیں اور اس کے فیصلہ پر راضی ہو جائیں(۱)، ورنہ یک طرفہ بیان پر حکم

---

(۱) "إذا حكم رجلان رجلاً فحكم بينهما ورضيا بحكمه، جاز". (الهداية: ۳/۱۳۳، كتاب أدب القاضي، باب التحكيم، إمدادية ملتان)

"حكما رجلاً معروفاً، فحكم بينهما ببينة أو إقرار أو نكول ورضيا بحكمه، صح". (الدر المختار: ۵/۴۲۸، ۴۲۹، كتاب القضاء، باب التحكيم، سعيد)

تحریر کرنے سے نزاع ختم نہیں ہوگا، دوسرا فریق مرکل کی تغلیط کرے گا، متفقہ بیان پر حکم کا فیصلہ دونوں کے لئے قابلِ تسلیم ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۳/۹۵ھ۔

کمیشن پر چندہ وصول کرنا، سفیر کا زکوٰۃ اور دیگر صدقات کو مخلوط کرنا

سوال[۷۱۲۰]: دورِ حاضر میں مدارس کی جانب سے سفراء تحصیلِ چندہ کیلئے بھیجے جاتے ہیں جو خیرات، صدقات، زکوٰۃ وصول کرکے مخلوط رقم جمع کرلیتے ہیں، تنخواہ یا کمیشن دے کر حساب میں جمع کرلی جائے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ بہت سے حضرات تو حیلۂ شرعی کی زحمت بھی گوارا نہیں کرتے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زکوٰۃ بلا تملیک بے محل ہضم کرلی گئی ہے، وہ بے محل تعمیر وتنخواہ وغیرہ میں بلا تملیک صرف کردی گئی ہے، وہ ادا نہیں ہوئی(۱)۔ مختلف لوگوں کی زکوٰۃ وصدقات کو معطی کی اجازت سے مخلوط کرنا درست ہے، پھر جب مقدار واجب مستحقین کو دیدی جائے تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، سفیرِ مدرسہ سے کمیشن پر کام لینا جائز نہیں(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱/۸۵ھ۔

= (وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، (رقم المادة: ۱۸۴۱)، كتاب القضاء، الباب الرابع: ۲/۱۹۳، ۱۹۴، ۱۱۹۴، مكتبه حنفيه كوئته)

(۱) "ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحةً، لا يصرف إلى بناء نحو مسجد ولا إلى كفن ميت وقضاء دينه ..... ولا إلى ثمن ما: أي لا يجوز، لعدم التمليك وهو الركن". (الدر المختار شرح تنوير الأبصار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۳۴۴، ۳۴۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف: ۱/۱۸۸، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصارف: ۲/۴۲۴، رشيديه)

(۲) مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کمیشن پر چندہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ یہ معاملہ دو وجہ سے جائز نہیں: . . . =

الجواب حامداً ومصلیاً:

سفراء کا خرچ زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ سے نہ دیا جائے، بلکہ عطایا سے دیا جائے (۱)۔ ان لوگوں کا حال عاملین کا حال نہیں ہے، اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ بیت المال کے عاملین کو دینا لازم ہوتا ہے اور وہ اس کے وصول کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں، ارباب اموال اگر ان کو زکوٰۃ نہ دیں تو مجرم اور تحت سزا کے مستحق ہوتے ہیں، مدارس کے سفراء کی یہ حیثیت نہیں (۲)۔

کمیشن پر سفیر کو رکھنا کہ جتنا چندہ لاؤ گے اتنا فیصد اس میں سے تم کو دیا جائے گا شرعاً غلط اور ممنوع

---

(۱) "هي (أي الزكوة) تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالى" (البحر الرائق: ۳۵۲/۲، كتاب الزكوة، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، ۲۵۲/۲، كتاب الزكوة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱۷۰/۱، كتاب الزكوة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها، رشيديه)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: لما توفي النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، استخلف أبوبكر رضي الله تعالى عنه بعده، وكفر من كفر من العرب ... فقال أبوبكر: والله لأقاتلن من فرق بين الصلوة والزكاة، فإن الزكاة حق المال، والله لو منعوني عناقاً كانوا يؤدونها إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم لقاتلتهم على منعها". الحديث. (مشكوة المصابيح، كتاب الزكوة، الفصل الثالث، ص: ۱۵۵، قديمي)

"وعامل يعم الساعي والعاشر" (الدر المختار). "(قوله: يعم الساعي) هو من يسعى في القبائل ليجمع صدقة السوائم. والعاشر: من نصبه الإمام على الطرق ليأخذ العشر ونحوه من المارة". (رد المحتار: ۳۳۹/۲، كتاب الزكوة، باب المصرف، سعيد)

"هو من نصبه الإمام ليأخذ الصدقات من التجار". (البحر الرائق: ۴۰۲/۲، كتاب الزكوة، باب العاشر، رشيديه)

"(قوله: والعامل) تقدم تفسيره في باب العاشر، وعبر بالعامل دون العاشر ليشمل الساعي أيضاً". (البحر الرائق: ۴۲۰/۲، كتاب الزكوة، باب المصرف، رشيديه)

۲..... اس کو حق نہیں، وہ امین ہے(۱)۔

۳..... اس کو بھی حق نہیں، وہ امین ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۰/۹۵ھ۔

کیا سفیر کی خوراک جزوِ تنخواہ ہے؟

سوال[۷۶۹۵]: مدرسہ کا چندہ کرنے کے لئے جو مدرس یا سفراء مقرر ہوجاتے ہیں ان کی تنخواہوں کے ساتھ ان کا کھانا بھی منجانب مدرسہ طے ہوتا ہے، چنانچہ کہیں سستا کہیں مہنگا جیسا بھی ملتا ہے مدرسہ کا خرچ ہوتا ہے، اس کی کوئی مقدار معین نہیں ہے۔ اگر یہ غیر معین ہونے کے باوجود اس لئے درست ہو کہ مستاجر کے ذمہ اجیر کا کھانا بھی سفر کی حالت میں ہوگا تو کھانا دور کیا یہ صورت جائز ہوسکتی ہے کہ جن اوقات میں اہلِ خیر حضرات اس سفیر کو کھانا کھلائیں جیسا کہ عام دستور ہے کہ مدرسہ کی اعانت مجھ کر سفیر کو خود کھلا دیتے ہیں، ان اوقات کے علاوہ کو وہ سفیر درج کرلے اور وقت یا دن کے حساب سے مثلاً فی یوم ایک روپیہ تنخواہ پر مزید اضافہ کیا جائے، یا مطلقاً جتنے دن سفر کرے اتنے دن کے ایک روپیہ کے حساب سے مثلاً مقرر کردیا جائے، خواہ وہ خرید کر کھائے یا کوئی اس کو کھلائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اسی ذیل میں یہ کھانا داخل کرلیا جائے جس کو آپ نے "فیہ" لکھا ہے۔ اگر تنخواہ کا جزء قرار دے کر ایک روپیہ یومیہ مثلاً مزید تجویز ہوجائے تو اس کی بھی گنجائش ہے(۲)، خواہ یہ "مزید" کل یا جزء خرچ ہوجائے یا بچ

---

(۱) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿إن اللہ یأمرکم أن تؤدوا الأمانات إلی أھلھا﴾ (سورۃ النساء: ۵۸)

"وأما حکمھا فوجوب الحفظ علی المودَع، وصیرورۃ المال أمانۃ فی یدہ ووجوب أدائہ عند طلب مالکہ، والودیعۃ لاتودع ولاتعار ولاتؤاجر ولاترھن، وإن فعل شیئاً منھا ضمن". (الفتاوی العالمکیریۃ: ۴/۳۳۸، کتاب الودیعۃ، الباب الأول، رشیدیہ)

(وکذا فی البحر الرائق: ۷/۴۶۴، کتاب الودیعۃ، رشیدیہ)

(وکذا فی الدر المختار: ۵/۶۶۴، کتاب الودیعۃ، سعید)

(۲) "إذا زاد الأجر والمستأجر فی المعقود علیہ أو فی المعقود بہ، إن کانت الزیادۃ مجھولۃ لاتجوز وإن کانت معلومۃ فی جانب الأجر تجوز، سواء کانت من جنس ما آجر أو من خلاف جنس ما آجر".

جائے اور بالکل مزید کی بن جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۳/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۳/۹۲ھ۔

سفیر کو سبکدوش کردینا

سوال [۶۹۳۲]: ہمارے یہاں ایک سفیر صاحب عرصہ آٹھ ماہ سے تھے، ان کو ایامِ کارکردگی کی تنخواہ پیشگی بھی دی جاتی رہی، حسبِ ضرورت ان کو قرض بھی دیا جاتا رہا، جس کا صاحبِ موصوف کو احساس بھی معلوم ہوتا ہے۔ آج کل حالات اور گرانی کی وجہ سے مدرسہ کی مالی حالت کمزور ہو تو پیشگی رقم یا معاوضہ کارکردگی دینے میں تاخیر ہوتی رہی جس کو موصوف تکلیف پر محمول کرتے ہیں، حالانکہ جن حالات سے وہ دوچار ہو رہے تھے۔ حقیر بھی پانچ بچے والا ہے۔ مگر موصوف ان ناگزیر حالات میں تکلیف کو برداشت کرتے ہوئے مدرسہ کے کام کو چلانے میں مدد کرنے کے بجائے یہ کہتے ہیں کہ چونکہ مالی حالت کمزور ہے اس لئے میں چلا جانا چاہتا ہوں، تو احقر نے زبانی جواب دیا کہ اچھی بات ہے۔

پھر ان کی حسابِ آخری پر غصہ آیا کہ انہوں نے ان حالات میں ایسا کیوں کہا، حالانکہ ماہانہ روپیے ان کو دیئے جاتے ہیں۔ غرض ان کو سمجھانے کے بجائے غصہ آکر یہ لکھ دیا کہ فلاں تاریخ تک آپ اپنی خواہش کے مطابق سبکدوش ہوسکتے ہیں۔ ان تمام حالات کے پیشِ نظر جو فیصلہ کیا گیا برمحل ہے، یا ان کی عاجزی منت کرکے کچھ نامناسب تھا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قوتِ برداشت سب کی یکساں نہیں ہوتی، ہر ایک کے ساتھ اس کی حیثیت کے موافق معاملہ کرنا

= (الفتاوی العالمکیریۃ: کتاب الإجارۃ، الباب الرابع عشر في تجدید الإجارۃ بعد صحتها والزیادۃ فیها: ۴/۴۴۹، رشیدیہ)

(وکذا في تنقیح الفتاوی الحامدیۃ، کتاب الإجارۃ، مطلب إذا زادت الأجرۃ في أثناء المدۃ: ۲/۱۰۹، مکتبہ میمنیہ مصر)

چاہیے(۱) نرمی سے سمجھادینا قرین مصلحت تھا، مدرسہ کا بھی فائدہ تھا، کیونکہ دوسرے معاون آپ کے پاس موجود نہیں۔ اپنے احسان اور حسن کارکردگی کی وجہ پر غصہ ہو کر ایسی کارروائی کرنا اپنے احسان کو ختم کر دیتا ہے(۲)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱/۹۳ھ۔

مستحق طلباء کی آمد کی امید پر چندہ لینا

سوال [۷۰۲۶]: ایک مولوی صاحب نے ایک مدرسہ قائم کیا ہے جس میں خالص عربی فارسی کی تعلیم ہوتی ہے اور یہ واقعہ از روئے دینی تعلیم نافذ ہے۔ ہر قسم کا چندہ لیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کچھ روز میں مستحق ہو جائے تو یہاں پر کھانے کا انتظام کیا جائے گا۔ کیا اس امید پر ہر قسم کا چندہ لینا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر فی الحال غریب مستحق طلبہ کے قیام نہ ہونے کی وجہ سے کھانے کا انتظام نہیں، وہ اس کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ ان کا انتظام کریں اور ان کا آنا غالب و متوقع ہے تو وہ ابھی زکوٰۃ بھی لے سکتے ہیں(۳)، مگر اس کا

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: أمرنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم "أن ننزل الناس منازلهم". (مقدمة الصحيح لمسلم: ۱/۴، قديمي)

(۲) قال الله تعالى: ﴿وأحسن كما أحسن الله إليك﴾ (سورة القصص: ۷۷)

"أي أحسن إلى خلقه كما أحسن هو إليك". (تفسير ابن كثير، سورة القصص: ۳/۴۹۰، سهيل اكيدمي لاهور)

"وينبغي للآمر والناهي أن يرفق ليكون أقرب إلى تحصيل المطلوب، فقد قال الإمام الشافعي: من وعظ أخاه سراً فقد نصحه وزانه، ومن وعظه علانية فقد فضحه وشانه". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۸/۸۲۳، رشيديه)

(۳) قال الله تبارك وتعالى: ﴿للفقراء الذين أحصروا في سبيل الله، لا يستطيعون ضرباً في الأرض، يحسبهم الجاهل أغنياء من التعفف، تعرفهم بسيماهم، لا يسئلون الناس إلحافاً، وما تنفقوا من خير فإن الله به عليم﴾ (سورة البقرة: ۲۷۳)

خیال رہے کہ جو رقم جس مد کے لئے لی جائے اس مد میں اس کا خرچ کرنا ضروری ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۹/۸۸ھ۔

جتنے طلبہ کے لئے سرکار سے وظیفہ ملے اور پھر ان کی تعداد کم رہ جائے تو کیا کرے؟

سوال[۷۶۴۸]: ۱..... سرکاری طور پر ہر بچہ کو جو اردو پڑھاتے ہیں دو روپیہ فی بچہ منظور ہو کر آتے ہیں کہ ان کو دیدیں۔ اب ہر طالب علم کو دو روپیہ دینا ضروری ہے، یا ارباب اختیار کتب وغیرہ خرید کر دے سکتے ہیں یا نہیں؟

۲..... بعض طالب علم اب غیر حاضر ہیں ان کی رقم مدرسہ میں محفوظ ہے۔ اب ان طلبہ کے گھر پہونچائے جائیں، یا مدرسہ میں صرف کر لی جائے، یا کسی اور طالب علم کو دیدی جائے؟

= "﴿لا یستطیعون﴾ لاشتغالهم بذلک ﴿ضرباً فی الأرض﴾: أی مشیاً فیها وذهاباً للتکسب والتجارة، وهم أهل الصفة –رضی الله تعالیٰ عنهم– قاله ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما. وکانوا نحواً من ثلثمأة من فقراء المهاجرین یسکنون سقیفة المسجد یستغرقون أوقاتهم بالتعلم والجهاد". (روح المعانی: ۳/۴۹، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

"عن جریر رضی الله عنه قال: کنا فی صدر النهار عند رسول الله صلی الله علیه وسلم فجاء قوم عراة مجتابی النمار ..... فتمعر وجه رسول الله لما رأی بهم من الفاقة، فدخل، ثم خرج، فأمر بلالاً، فأذن وأقام فصلی وخطب، فقال: "یا أیها الناس! اتقوا ربکم ..... اهـ". (سنن ابن ماجة، باب الانتفاع بالعلم والعمل به، ص: ۲۳، قدیمی)

"عن أبی سعید الخدری رضی الله تعالیٰ عنه: جاء رجل یوم الجمعة –والنبی صلی الله علیه وسلم یخطب– بهیأة بذة، فقال له رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "أصلیت"؟ قال: لا، قال: "صل رکعتین" وحث الناس علی الصدقة، فألقوا ثیابهم". (سنن النسائی، کتاب الجمعة، باب حث الإمام علی الصدقة: ۱/۲۰۸، قدیمی)

(۱) "وهنا الوکیل إنما یستفید التصرف من الموکل، وقد أمره بالدفع إلی فلان، فلایملک الدفع إلی غیره". (رد المحتار، کتاب الزکوٰة: ۲/۲۶۹، سعید)

۳... مثال کے طور پر کسی مدرسہ میں ۲۰/طلباء کی فہرست گئی، اب صرف ۱۵/طالب علم باقی رہ گئے، رقم ۲۰/کی آ گئی اب ۵/طالب علم کسی اور مدرسہ کے لکھ کر ۲۰/کی تعداد پوری کر دیں، بعض لڑکے کہتے ہیں کہ گورنمنٹ کی رقم کی زیادہ تحقیق کی ضرورت نہیں۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... حسب ہدایت معطی ہر مستحق طالب علم کو دو روپیہ دے دیں، پھر چاہے اس کو توجہ دلا دیں کہ وہ اس کی فلاں کتاب خرید لے۔

۲... غیر حاضر کا نام آپ نے خارج تو نہیں کیا، اس کا حصہ محفوظ رکھیں، حاضر ہونے پر دے دیں، یہ بھی حق ہے کہ اس کو مکان پر بھی دے دیں (۱)۔

۳... جب ۲۰/طلباء کی فہرست گئی اور اب ۱۵/رہ گئے تو جن غیر حاضر طلبہ کی رقم آئی ہے وہ واپس پہونچا دیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وهنا الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان، فلا يملك الدفع إلى غيره" (رد المحتار: ۲/۲۶۹، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة- ۴/۳۷۷، (رقم المادة: ۱۴۵۷)، كتاب الوكالة، الباب الثاني في بيان شروط الوكالة، مكتبه حنفيه كوئته)

(۲) "والمال الذي قبضه الوكيل بقبض العين بحسب وكالته هو في حكم الوديعة بيد الوكيل ..... والمال الذي في يد الرسول من جهة الرسالة أيضاً في حكم الوديعة". (شرح المجلة لسليم رستم: ۴/۵۰۷، (رقم المادة: ۱۴۶۳)، كتاب الوكالة، الباب الثالث في أحكام الوكالة، مكتبه حنفيه كوئته)

"وأما حكمها فوجوب الحفظ على المودع، وصيرورة المال أمانة في يده، ووجوب أدائه عند طلب مالكه" (الفتاوى العالمكيرية: ۴/۳۳۸، كتاب الهبة، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۳/۲۷۱، كتاب الوديعة، مكتبه امداديه ملتان)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوديعة: ۵/۶۶۳، سعيد)

ہونے کے باوجود کارِ خیر میں لگانا جس طرح حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب سے آپ نے نقل کیا ہے کہ درست ہے اس طرح تھانویؒ نے جس جگہ ناجائز لکھا ہے اس کو بھی نقل کردیں تو غور کرلیا جائے۔

۲..... حقوقِ واجبہ ادا کرنے کے لئے اور حلال روزی کمانے کے لئے تجارت کرنا شرعاً مذموم نہیں، بلکہ پوری اجازت ہے، حتیٰ کہ بعض حالات میں واجب ہے(۱)۔ اس کے ساتھ دینی علمی خدمت میں لگے رہنا بڑی ذمہ داری کو پورا کرنا ہے، اگر حق تعالیٰ کسی کو یہ توفیق دے تو بڑی نعمت ہے۔ مگر تجارت کے ساتھ دوکان پر بھی تدریس افتاء کی خدمات انجام دینے میں اقرب یہ ہے کہ تدریس، افتاء کا پورا احترام نہیں ہوسکے گا، نہ اس طرف پوری توجہ ہوگی جس کی وجہ سے غلطی بھی امکان ہے(۲)، اس لئے اگر اوقات تقسیم کردیئے جائے تو زیادہ بہتر ہوگا کہ کچھ وقت تدریس افتاء کے لئے بھی مخصوص کرلیا جائے، کچھ وقت دوکان چلانے کے لئے، کچھ معمولی تدریس دوکان کے ساتھ بھی جاری رہے، جس میں زیادہ توجہ کی ضرورت نہ ہو، تو اس میں بھی مضائقہ نہیں کہ یہ بھی بعض

= طرح طوعاً وکرھاً دیدیا اور کارِ خیر میں لگا دیا، تو آئندہ کو اس مال میں حرمت نہیں رہی، کیوں کہ یہ چوری اور غصب کا مال نہیں ہے"۔ (فتاوی دار العلوم، کتاب الوقف، عنوان: "جو چندہ زبردستی وصول کیا ہو اس کا مصرف": ۱/۵۹۷، دار الاشاعت کراچی)

(۱) "عن عبد الله رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "طلب كسب الحلال فريضة بعد الفريضة". رواه البيهقي". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الثالث، ص: ۲۴۲، قديمي)

(۲) "ينبغي أن لا يفتي في حال تغير خُلقه وتشغل قلبه ويمنعه التأمل كغضب، وجوع، وعطش وحزن، وفرح غالب، ونعاس، أو ملل، أو حر مزعج، أو مرض مؤلم، أو مدافعة حدث، كل حال يشتغل فيه قلبه، ويخرج عن حد الاعتدال، فإن أفتى في بعض هذه الأحوال وهو يرى أنه لم يخرج عن الصواب، جاز، وإن كان مخاطراً بها". (المجموع شرح المهذب، باب آداب الفتوى والمفتي والمستفتي، فصل في أحكام المفتين وفيه تسع مسائل، الرابعة: ۱/۷۶، دار الفكر بيروت)

(وكذا في مقدمة شرح عقود رسم المفتي، ص: ۱۰، مير محمد كتب خانه كراچي)

"يشترط تيقظه وقوة ضبطه وأهلية اجتهاده". (البحر الرائق، كتاب القضاء، فصل في المفتي: ۶/۴۴۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب القضاء، الباب الأول: ۳/۳۰۸، رشيديه)

سلف سے منقول ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۳/۹۲ھ۔

چندہ کرکے مدرسہ تعمیر کرنا اور اس کو اپنا مکان کہنا، بہشتی زیور کے بعض مسائل کو صحیح نہ جاننا

سوال[۷۶۵۰]: ایک مولوی صاحب کے پانچ بھائی موجود ہیں، انھوں نے اپنے باپ سے ڈیڑھ بیگہ زمین مدرسہ کے نام سے اپنے نام بیع نامہ کرالیا ہے، چکبندی کے محکمہ نے اس بیع نامہ کو مان لیا۔ باپ نے وہ زمین وقف للمدرسہ نہیں کی، اب چکبندی میں اس کا چک علیحدہ کٹے گا۔ مولوی صاحب موصوف سے لوگ وقف کرنے کے لئے کہتے ہیں، تو وہ اسے وقف نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ اگر میں وقف کردوں تو مجھے یہاں سے نکال دیں گے۔

مدرسہ کے لئے چندہ خود ہی کرتے ہیں، کہنے پر بھی حساب نہیں دکھاتے۔ چندہ میں امداد، زکوۃ، صدقہ وغیرہ ہر قسم کا مال آتا ہے۔ اس رقم سے ایک مکان بصورت مدرسہ تعمیر ہو رہا ہے۔ موصوف کا کہنا ہے کہ جب تک بچے یہاں پڑھیں گے، پڑھاؤں گا، ورنہ مکان میرا ہے، سوال یہ ہے کہ کسی دوسرے شخص کو وہ مدرسہ میں نہیں رکھتے۔ یہ بھی خیال رہے کہ مدرسہ میں گاؤں کے ہی بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں، بیرونی نہیں کہ جن کا مدرسہ کفیل ہو۔ موصوف کہتے ہیں کہ اس سے میرے باپ کو ثواب ملے گا۔

ایسے شخص کے بارے میں علماء کیا فرماتے ہیں؟ نیز اس کے باپ کو ثواب ملے گا یا نہیں؟ اکثر بیشتر غلط مسئلے بتاتے ہیں، بہشتی زیور کے تمام مسئلوں کو صحیح تسلیم نہیں کرتے۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز کا حکم کیا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوۃ اور صدقہ کو نہ تعمیر مدرسہ میں خرچ کرنا جائز ہے، نہ تنخواہ میں صرف کرنا درست ہے، بلکہ وہ تو نادار

---

(۱) جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں منقول ہے: "قد تواتر عنه أنه كان يتجر في الخز مسروراً ماهراً فيه، وله كان في الكوفة شركاء يسافرون له في شراء ذلك ويبيعه مستغنياً بنفسه". (الخيرات الحسان في مناقب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان، الفصل الخامس والعشرون في أكله من كسبه، مطبعة المدني المؤسسة السعودية بمصر)

غریبوں کو دینا واجب ہے(۱)۔ چندہ کرکے مدرسہ تعمیر کرنا اور یہ کہنا کہ یہ تو مکان میرا ہے غلط طریقہ ہے(۲)، ان کو ان سب کی اصلاح لازم ہے۔ مسائل کیا غلط بتاتے ہیں، بغیر تفصیل سامنے آئے کیا کہا جائے۔ مولوی صاحب اگر اپنے حالات ٹھیک نہ کریں تو ان کو امام بنانا مکروہ ہوگا (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۸/۹۲ھ۔

مدرسہ کے لئے چندہ کرکے جو عمارت بنائی جائے کیا وہ وقف ہے؟

سوال[۷۱۵۱]: ایک مدرسہ دینیہ ۳۸/ سال قبل یہاں قائم کیا گیا، درس تدریس کا کام کرایہ کی عمارت میں شروع ہوا، چندہ خصوصی وعمومی سے مدرسہ کے مصارف پورے کئے جاتے ہیں۔ مدرسہ قائم ہونے

---

(۱) قال الله تبارک وتعالى: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم وفي الرقاب والغارمين وفي سبيل الله وابن السبيل﴾ (سورة التوبة: ۶۰)

"الزكاة: هي تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي ولا مولاه، بشرط قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالى". (البحر الرائق، كتاب الزكوة: ۲/۳۵۲، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الزكوة: ۲/۲۵۹، سعيد)

(۲) "(فإذا تم ولزم، لايملك ولايملك ولايعار ولايرهن): أي لايكون مملوكاً لصاحبه. (ولايملك): أي لايقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۲۰، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف: ۳/۲۸۵، رشيديه)

(۳) "ويكره إمامة عبد وأعرابي، وفاسق، وأعمى ونحوه .... أما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لايهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانته شرعاً". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماماً لغيره: ۱/۸۵، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۱۰، رشيديه)

کے چند سال بعد والیٔ ریاست ٹونک نے ایک ہزار سالانہ رقم مقرر فرمادی، چونکہ یہ آمدنی رقم مدرسہ کے مصارف کی تکمیل نہیں ہوسکتی تھی، اس لئے بذریعۂ سفیر بیرونجات سے چندہ بھی ہوتا رہا اور اب بھی ہو رہا ہے۔ اور ریاست کے حکمران کی مقرر کردہ امداد رقم بوجہ اس دورِ حکومت میں بھی منجمد ہوئی۔ منتظمین مدرسہ نے عرصہ ہوا ایک عمارت مع اس کے وسیع احاطہ کے خرید لی، جب سے اس مدرسہ کا کام اس عمارت میں ہو رہا ہے، ساتھ ہی ساتھ احاطہ کے باہر چند دکانیں بھی تعمیر کرادی گئیں، کرایہ کی آمدنی مدرسہ کی ضروریات میں صرف ہوتی ہے۔ چندہ کی وصولی کا سلسلہ بھی جاری ہے۔

محکمہ وقف بورڈ کا مطالبہ یہ ہے کہ مدرسہ کی عمارت اور دکانوں کا رجسٹریشن وقف بورڈ میں کرایا جائے اور شرح معینہ کے تحت سالانہ چندہ بھی داخل کیا جاتا رہے۔ منتظمین مدرسہ کا عذر یہ ہے کہ مدرسہ کی عمارت اور دکانیں کسی کی وقف کردہ نہیں ہیں، بلکہ چندہ عمومی سے جو رقم بچی تھی امانت کی جاتی رہی اس سے یہ عمارت خریدی گئی اور دکانیں تعمیر کرائی گئی ہیں، اس لئے یہ جائیداد وقف کی تعریف میں نہیں آتی اور موقوفہ نہیں کہی جاسکتی۔

چندہ نگرانی کی بابت یہ عذر ہے کہ دکانوں کے کرایہ کی اس حد تک آمدنی نہیں ہے کہ مدرسہ کے مصارف کی تکمیل ہو سکے مزید مصارف چندہ سے پورے کئے جاتے ہیں، پھر چندہ نگرانی بورڈ کیوں ادا کیا جائے اور کس وجہ سے دیا جائے جبکہ وقف بورڈ اس کو بوجہ موقوفہ قرار دیتا ہے۔

استدلال: یہ ظاہر ہے اگر چہ عمارت اور دکانات کسی کی وقف کردہ نہیں، لیکن عامہ مسلمانوں کی چندہ کی بچی رقم سے یہ جائیداد بنائی تو اس پر موقوفہ کا اطلاق ہوتا ہے۔

بدلائل شرعیہ مطلع فرمایا جائے کہ فریقین مذکورہ کے استدلالات میں سے کس کی دلیل قابل توجہ ہو سکتی ہے۔ اور بقول منتظمین مدرسہ یہ جائیداد موقوفہ نہیں کہی جاسکتی، یا بقول وقف بورڈ موقوفہ تسلیم کی جائے۔ جو حکم شرعی اس جائیداد مدرسہ پر عائد ہوتا ہے براہ کرم اس سے جلد مطلع فرمایا جائے تو باعث تشکر ہوگا۔

سائل احقر محمد عابد علی، سرونج، ایم پی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو عمارت چندہ کرکے بنائی گئی ہو یا خریدی گئی ہو، وہ بھی وقف نہیں ہوتی جب تک اس کو وقف نہ

کردیا جائے اور مصالح مدرسہ کا تقاضا ہے کہ اسے اب سے وقف کردیا جائے، قاضی خان جلد چہارم ص۳۰۴میں ہے:

"المتولي إذا اشترى من غلة المسجد حانوتاً أو داراً أو مستغلاً آخر، جاز؛ لأن هذا من مصالح المسجد. إن أراد المتولي أن يبيع ما اشترى وباع، اختلف فيه، قال بعضهم: لايجوز هذا البيع؛ لأن هذا صار من أوقاف المسجد، وقال بعضهم: يجوز هذا البيع، وهو الصحيح؛ لأن المشتري لم يذكر شيئاً من شرائط الوقف، فلايكون مااشترى من جملة أوقاف المسجد"(۱)۔

اگر وقف کرنا مصالح مدرسہ کے خلاف ہے تو وقف نہ کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱/۸۸ھ۔

زائد رقموں کی وصولی اور خرچ

سوال [۷۲۵۲]: میں ایک سرکاری مکتب کا معلم ہوں، اس لئے سرکاری تنخواہ کے علاوہ مکتب کے طلباء و عوام سے متعلق رکھتے ہوئے چند امور کا جو قدیم زمانہ مدت سے ہے اور ابھی تک چلتا آرہا ہے علمائے دین سے فیصلہ لینا چاہتا ہوں کہ مندرجہ ذیل آمدنی میرے حق میں کیسی ہوگی؟

۱...... کسی تقریب کا جیسے ۱۵/اگست، ۲۶/جنوری کے جشن و ششماہی وسالانہ امتحانات کے موقع پر بچوں سے تقریب کے خرچ کے تخمینہ سے زیادہ رقم وصول کرنا اور خرچ سے بچی ہوئی رقم کو اپنے مصرف میں صرف کرنا شریعت کی رو سے کیسا ہوگا؟

---

(۱) (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاوى العالمكيرية: ۲۹۴/۳، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، رشيديه)

"وفي العتابية: فإذا اجتمعت غلة فاشترى بها حوانيتاً للغلة، جاز. وهل تصير وقفاً؟ اختلف المشائخ فيه، والمختار أنه يجوز بيعها إن احتاجوا إليه". (التاتارخانية: ۷۹۶/۵، كتاب الوقف، الفصل السابع في تصرف القيم في الأوقاف، إدارة القرآن كراچی)

"اشترى المتولي بمال الوقف داراً للوقف، لاتلحق بالمنازل الموقوفة، ويجوز بيعها في الأصح". (الدر المختار: ۴۱۶/۴، كتاب الوقف، مطلب: اشترى بمال الوقف داراً للوقف، يجوز بيعها، سعيد)

۲..... بچوں سے داخلہ کے وقت ایک روپیہ یا دو روپیہ کرکے وصول کرنا مقرر ہے وقت فی لڑکا پانچ یا دو روپیہ جبراً رسم بنا کر وصول کرنا جبکہ سرکار کا کوئی قانون نہیں۔ ہفتہ وار، جمعراتی، عیدی، بقر عیدی شروع کرائی رسم بنا کر وصول کرنا، اس میں بھی جب کہ سرکار کا کوئی قانون نہیں۔ تو ان رقموں کا اپنی ذاتی مصرف میں خرچ کرنا شرعی اعتبار سے کیسا ہوگا؟ رسم نہیں، اگر نذرانہ کے طور پر دینے والا دے تو کیسا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... رقم دینے والوں کو اگر علم ہو کہ خرچ سے زائد حصہ آپ رکھتے ہیں اور وہ اس پر رضامند ہوں تو جائز ہے(۱)۔

۲..... جبراً جائز نہیں، زبردستی کی ہوئی رقم کا واپس کرنا ضروری ہے(۲)۔ "لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه". الحدیث(۳)۔ بخوشی دی ہوئی رقم کا استعمال کرنا درست ہے کہ یہ ہدیہ ہے(۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۱/۱۵ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۱/۱۵ھ۔

---

(۱) "لا یجوز لأحد أن یتصرف في ملک غیره بلا إذنه أو وکالة منه أو ولایة علیه". (شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۱/۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، المقالة الثانیة في القواعد، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وکذا في الدر المختار: ۶/۲۰۰، کتاب الغصب، سعید)

(۲) قال الله تعالی: ﴿ولا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

"عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه". (مشکوة المصابیح، ص: ۲۵۵، باب الغصب والعاریة، الفصل الثاني، قدیمي)

"لیس لأحد أن یأخذ مال غیره بلا سبب شرعي". (شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۱/۶۲، (رقم المادة: ۹۷)، المقالة الثانیة في القواعد، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(۳) (السنن الکبری للبیهقي: ۳/۳۸۷، (رقم الحدیث: ۵۴۹۲)، باب شعب الإیمان، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(ومشکوة المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قدیمي)

(۴) "هي (أي الهبة) المال الذي یعطی لواحد أو یرسل إلیه إکراماً له". (شرح المجلة لسلیم رستم باز: —

نکاح کے موقعہ پر مدرسہ کیلئے روپیہ لینے کی رسم

سوال[۷۱۵۳]: نکاح کے موقعہ پرتاریخ پردعوی کرکے مسجد ومدرسہ کے لئے روپیہ لیتے ہیں، یہ جائز ہے یا ناجائز؟ یا رسم ہونے کی وجہ سے دیتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح کے موقع پرتاریخ پر دعویٰ کرکے زبردستی مدرسہ کے لئے روپیہ لینا جائز نہیں، وہ بخوشی دیں تو اجازت ہے، پابندیٔ رسم کی وجہ سے مجبوراً دیں تب بھی درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۳/۹۳ھ۔

منتظمین کا تعلیم کے بجائے عمارت، بجلی وغیرہ پر دھیان دینا

سوال[۷۱۵۴]: ایک ادارہ میں مالی وسعت کافی ہے، وہ ادارہ علمی اعتبار سے مرکزیت حاصل کرسکتا ہے، مگر افسوس کہ منتظمین کی کج اندیشی، خودغرضی اور مفاد پرستی پر کہ وہ ادارہ کو ترقی دینا نہیں چاہتے۔ اور حقیقی تعلیم جس وقت ہے اس کی جائیداد موجودہ تعلیم وطلباء ومدرسین پر خرچ کرنے کے لئے کافی ہے، مگر اس جائیداد کا غلط مصرف ہے زمین کا خریدنا، مقصدِ اصلی تعلیم سے ہٹ کر بجلی اور کاشت وعالیشان عمارت پر خرچ کرنا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ عند الشرع یہ سب باتیں درست ہیں یا نہیں؟ نیز اس کے لئے چندہ کرنا کیسا ہے؟

— ۹۴/۳، (رقم المادة: ۹۴۳)، الكتاب السابع في الهبة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في قواعد الفقه، القواعد الفقهية، ص: ۱۱۵، باب الهاء، الصدف پبلشرز كراچی)

(۱) قال الله تعالى: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

"عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه". (سنن الكبرى للبيهقي، كتاب الغصب، باب من أخذ لوحاً فأدخله في سفينة أو بنى عليه جداراً، (رقم الحديث: ۱۱۵۴۵)، ۱۹/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(ومشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، ص: ۲۵۵، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب ادارہ کے پاس مالی وسعت اتنی ہے کہ بغیر چندہ وبغیر زکوۃ لئے ہوئے اس کے مصارف پورے ہوسکتے ہیں تو اس کو چندہ نہ لینا چاہئے، نہ زکوۃ، معطی حضرات بھی ایسے ادارہ کو نہ دیں بلکہ جو ادارہ غریب اور مستحق ہو اور دینی تعلیم وتربیت اخلاق میں زیادہ کوشاں ہو، وہاں دے(۱)۔ علم دین کے ادارہ کا اصلی مقصد دینی تعلیم وتربیت ہے۔ عمارت، زمین، جائیداد وغیرہ کی فراہمی اس مقصد کے استحکام وترقی کیلئے ہے۔ مقصد اصلی سے صرف نظر کرکے محض مالی وسعت وترقی ہی میں منہمک رہنا تو تجارتی مقصد ہے جس سے "آلہ" اصل مقصد کی جگہ لے لیتا ہے اور "مقصد" تابع بن جاتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۱/۹۱ھ۔

ادائے حقوقِ ملازمین میں کوتاہی کرنے والے رئیس کی دینی ادارہ میں امداد

سوال[۷۶۷۵]: ایک رئیس جو کہ مسلمان ہیں اور نماز روزہ کے پابند ہیں ساتھ ہی تبلیغی جماعت میں بغرضِ تبلیغ دور دور تک بڑے بڑے عالموں کے ساتھ جاتے رہتے ہیں۔ ان کے یہاں کنسٹرکشن کے پراجکٹ کا کام ہوتا ہے اور وہ اپنے ملازمین کو پندرہ یوم پر تنخواہ دیتے تھے، لیکن اب دو تین سال سے وہ وقت مقررہ پر ملازمین کو تنخواہ نہیں دیتے ہیں اور ملازمین پریشان ہوکر نا امید ہوکر بیٹھ جاتے ہیں۔ وہ رئیس ہر ماہ

(۱) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿للفقراء الذین أحصروا فی سبیل اللہ لا یستطیعون ضرباً فی الأرض، یحسبهم الجاهل أغنیاء من التعفف، تعرفهم بسیماهم، لا یسئلون الناس إلحافاً، وما تنفقوا من خیر فإن اللہ به علیم﴾. (سورة البقرة: ۲۷۳)

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیها والمؤلفة قلوبهم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل﴾ (سورة التوبة: ۶۰)

"هی تملیک المال من فقیر مسلم غیر هاشمی ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملک من کل وجه للہ تعالیٰ". (البحر الرائق: ۲/۳۵۲، کتاب الزکوٰة، سعید)

"ولا یحل أن یسأل شیئاً من له قوت یومه بالفعل أو بالقوة کالصحیح المکتسب. ویسأل للکسوة أو لاشتغاله عن الکسب بالجهاد أو طلب العلم جاز لو محتاجاً". (رد المحتار: ۲/۳۵۵، کتاب الزکوٰة، باب المصرف، سعید)

ہندوستان کے ایک بہت بڑے دینی تعلیمی ادارہ کو زکوۃ دیتے ہیں اور اس دینی ادارہ کے ناظم بھی بہت بڑے عالم ہیں، ساتھ ہی وہ رئیس ان کے مرید بھی ہیں۔

نیز ان رئیس صاحب کے یہاں جو ماہانہ تنخواہ پر نوکر ہیں ان کو بھی کبھی پوری تنخواہ ہر ماہ نہیں دی، بلکہ جس نوکر کی تنخواہ چار سو روپے ہے اس کو دو سو روپے دے کر یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ: اگلے ماہ حساب کروں گا، لیکن وہ وقت کبھی نہیں آتا ہے کہ نوکر کو پورا حساب ملے۔ اس طرح کسی نوکر کی ۲ ماہ کی تنخواہ روک لی اور کسی کی ایک سال کی۔ جب کہا گیا تو جواب ملا کہ کیا مجھ پر احسان کرتا ہے، جب ہوگی تب مل جائے گی، آخر کار نوکر عاجز ہو کر چھوڑ کر اپنے وطن چلے گئے اور آج تک ان کی مزدوری باقی ہے۔

کیا ایسے رئیس کی زکوۃ یا کسی قسم کا روپیہ لینا اس ناظم اعلیٰ کو جائز ہے اور دینی تعلیمی ادارہ میں لگانا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر واقعی اسی طرح ہے تو ان رئیس صاحب کی بڑی کوتاہی ہے جو ظلم کی حد میں داخل ہے، حقوق العباد کو ادا نہ کرنا اور مزدوروں کی تنخواہ کو ان کے پورے کام کے باوجود ضبط کر لینا جس سے وہ پریشان ہو کر چلے جائیں۔ معمولی چیز نہیں نہایت سخت چیز ہے(۱)۔ دو پیسے (پرانے) اگر کسی کے رکھ لئے اور نہیں دیئے تو قیامت کے دن سات سو فرض مقبول نمازیں اس کے عوض دلائی جائیں گی (۲)۔ جبکہ وہ صاحب تبلیغ میں بھی باہر جاتے ہیں تو ان کو سوچنا چاہیے کہ تبلیغ کا پہلا اور اہم مقصد اپنی اصلاح ہے، اس سے بے توجہی نہایت غلط طریقہ ہے۔ اس سب کے باوجود وہ جو کچھ زکوۃ دیتے ہیں وہ ادا ہو جاتی ہے اور جس کو بھی زکوۃ دیتے ہیں اس کو ان کے حالات

---

(۱) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه، عن النبي صلی الله عليه وسلم قال: قال الله تعالیٰ: "ثلثة أنا خصمهم يوم القيامة: رجل أعطى بي ثم غدر، ورجل باع حراً فأكل ثمنه، ورجل استأجر أجيراً، فاستوفى منه ولم يعطه أجره". (صحيح البخاري: ۱/۳۰۲، كتاب الإجارة، باب إثم من منع أجر الأجير، قديمي)

(۲) قال العلامة ابن نجيم: "جاء في بعض الكتب أنه يؤخذ لدانق ثواب سبع مائة صلاة بالجماعة" (الأشباه والنظائر: ۱/۳۰۴، الفن الأول في القواعد تحت القاعدة الأولى، إدارة القرآن كراچي)

معلوم ہونے کے باوجود زکوٰۃ کا لینا اور صحیح مصرف میں خرچ کرنا درست ہے(١)، لیکن اہلِ علم کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ اپنے مریدین اور متعلقین کی اصلاح وتربیت کا خاص فکر واہتمام رکھیں، ہر مناسب موقع پر ان کو غلطیوں سے بچنے کے لئے نصیحت کرتے رہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

صغیر وکبیر کے مخلوط مال سے چندہ

سوال[٦٧٤١]: ١.... زید اور بکر دو بھائی ہیں، اپنے باپ کے مرنے کی وجہ سے دونوں مالِ متروکہ کے وارث ہوئے، بکر نابالغ یتیم ہے اور مال مشترک ہے اور زید بالغ ہے اور روزی کرکے مالِ متروکہ کو بڑھاتا ہے، جتنی جائیداد ہے اس کی حفاظت وغیرہ بھی کرتا ہے۔ زید اس مال مشترک سے قربانی ادا کرتا ہے، صدقات دیتا ہے، نیز لوگوں کو کھانا کھلاتا ہے، مدرسہ وغیرہ دینی کاموں میں چندہ بھی دیتا ہے۔ زید کو مذکورہ کام کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ بھی مال مشترک شمار کیا جائے گا حالانکہ بکر کچھ روزی نہیں کماتا۔

٢.... ہمارے دیار میں اکثر لوگوں کا مال یتیموں کے مال کے ساتھ مخلوط ہوتا ہے، مدارسِ دینیہ کے چندہ وصول کنندہ جب چندہ کے لئے ان کے پاس جاتے ہیں تو چندہ دیتے ہیں، لیکن قوی اندیشہ ہے کہ مالِ مخلوط سے دیتے ہیں لیکن چندہ وصول کنندہ اس کی تفتیش کئے بغیر چندہ لیتا ہے۔

اب دریافت امر یہ ہے کہ اس قسم کا چندہ مشتبہات میں شمار ہوگا یا نہیں؟ اگر مشتبہات میں شمار ہو تو دینی مدارس کے لئے اس میں شرعاً کچھ وسعت اور گنجائش ہے یا نہیں؟ اگر گنجائش نہ ہو تو مدارسِ دینیہ قائم رکھنا انتہائی دشوار ومحال ہو جائے گا، حالانکہ دنیا بھر کے اکثر مدارسِ دینیہ قومیہ دیوبند، سہارنپور، بنگال، آسام، ہندوستان کے اکثر شہروں کے مدارس چندہ ہی پر موقوف ہیں۔ جواب باصواب مفصل مدلل تحریر فرمائیں۔

محمد یونس سلہٹی۔

---

(١) "وفي الفصل العاشر من فتاوى الخانية عن فتاوى الحجة: من ملك أموالاً غير طيبة أو غصب أموالاً وخلطها ملكها بالخلط ويصير ضامناً، وإن لم يكن له سواها نصاب فلا زكاة عليه فيها، وإن بلغت نصاباً، لأنه مديون، وأموال المديون لا ينعقد سبباً لوجوب الزكاة عندنا اهـ. فأفاد بقوله: (وإن لم يكن له سواها نصاب الخ) أن وجوب الزكاة مقيد بما إذا كان له نصاب سواها". (رد المحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم: ٢/ [illegible]، سعيد)

الجواب حامداً ومصلياً:

مال مشترک سے ایسے مواقع میں خرچ کرنا درست نہیں، کیونکہ ہر دو بھائی ایک دوسرے کے مال میں تصرف کا حق نہیں رکھتے، بلکہ بمنزلہ اجنبی کے ہیں، کذا فی العالمگیری (۱)۔ البتہ جو روپیہ وہ علیحدہ کرتا ہے اس میں تصرف کر سکتا ہے، مواقع مذکورہ میں بھی صرف کر سکتا ہے (۲)۔

۲ جہاں ظن غالب ہو کہ یہ یتیموں کے حصہ مال سے چندہ دیتا ہے وہاں تحقیق کر لی جائے، اگر یہ ظن صحیح ثابت ہو تو چندہ لینے سے انکار کر دے، اور جہاں ظن غالب نہ ہو یا اس کے خلاف کا ظن ہو وہاں تحقیق کی ضرورت نہیں (۳)۔ جب اہل مدارس دیانت کے ساتھ اس کے حلال روپے سے مدرسے چلانے کا پختہ عزم کریں گے اور حرام روپے سے اجتناب کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی امداد یقیناً شامل حال رہے گی، لقولہ تعالیٰ:

---

(۱) "ولا يجوز لأحدهما أن يتصرف في نصيب الآخر إلا بأمره، وكل واحد منهما كالأجنبي في نصيب صاحبه". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الشركة، الباب الأول، الفصل الأول منه: ۲/۳۰۱، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الشركة: ۴/۳۰۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الشركة: ۵/۲۸۲، رشيديه)

(۲) "إلا إذا كان لهما كسب على حدة، فهو لهما". (رد المحتار، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة: ۴/۳۲۵، سعيد)

"كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز: (رقم المادة: ۱۱۹۲)، كتاب الشركة، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۴، مكتبه حبيبيه كوئٹه)

(۳) "أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه حرام، فإن كان الغالب هو الحرام، ينبغي أن لا يقبل الهدية ولا يأكل الطعام، إلا أن يخبره بأنه حلال". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۲، رشيديه)

"لأن من أصله أن الدراهم المغصوبة من الناس متى خلط البعض بالبعض، فقد ملكها الغاصب، ووجب عليه مثل ما غصب. وقالا: لا يملك تلك الدراهم، وهي على ملك صاحبها، فلا يحل له الأخذ". (الفتاوى العالمكيرية، المصدر السابق)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الكراهية، الفصل الرابع في المال من الأخذ والعطاء وغير ذلك: ۴/۳۴۵، رشيديه)

جعلی سفیر سے زائد روپیہ وصول کرنا

سوال [۷۶۶۸]: زید کسی مدرسہ کی سفارت کرتا تھا، پھر وہ اس ذمہ داری سے معزول کردیا گیا۔ سفارت سے برخاست ہونے کے بعد زید نے مدرسہ مذکور کی طرف سے جعلی رسید چھپوائی اور درپردہ ناجائز طور پر اس رسید کے ذریعہ چندہ وصول کرنے لگا، چند دنوں کے بعد پردہ فاش ہوگیا۔ اور اراکین مدرسہ کے پوچھ گچھ کے بعد اس نے بتلایا کہ اس نے کل دوسوتئیس ۲۲۳/ روپے وصول کئے ہیں جس وصولیابی کی یہ رسید شاہد ہے اور میں اس بات پر حلف بھی اٹھا سکتا ہوں۔

لیکن اراکین مدرسہ نے اس کی نہ مانی اور کہا کہ تو نے نوسواٹھائیس روپے وصول کئے ہیں، لیکن اراکین مدرسہ کے پاس ۹۲۸/ روپے زید کے سر تھوپنے کی نہ تو کوئی دلیل ہے نہ برہان۔ لہٰذا زید سے دوسوتئیس ۲۲۳/ کے علاوہ جو زائد روپیہ کمیٹی وصول کرے گی وہ دیانۃً اور عنداللہ یقیناً وہ روپے ہوں گے جو زید اپنے گھر سے دے گا۔ چندہ سے ان زائد روپیوں کا قطعاً تعلق نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ دوسوتئیس یا نوسواٹھائیس روپے جو زید کمیٹی کو دے گا ان روپیوں کا مدرسہ میں صرف کرنا جائز یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کمیٹی کے پاس نوسواٹھائیس روپے کا ثبوت موجود ہے اور زید حلف کرکے انکار کرتا ہے تو کمیٹی کو اس روپیہ کے وصول کرنے کا حق نہیں۔ اگر وصول کرلیا ہو تو واپسی ضروری ہے(۱)، مدرسہ میں ہرگز خرچ نہ کیا جائے، ہاں! جتنے روپیوں کا ثبوت ہے وہ ضرور اس سے وصول کرلیا جائے اور مدرسہ میں خرچ کیا جائے۔ اگر وہ زکوٰۃ،

---

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

"ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلا سبب شرعي، وإن أخذه ولو على ظن أنه ملكه، وجب عليه رده عيناً إن كان قائماً، وإلا فيضمن قيمته". (شرح المجلة لسليم رستم باز، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية: ۱/۲۰، مكتبه حنفيه كوئٹه)

صدقاتِ واجبہ کا مستحق ہو تو مستحقین پر تملیک کا صرف کیا جائے (۱) اور اس کا انتظام کیا جائے کہ زید پھر ایسی حرکت کرکے قوم کو دھوکہ نہ دے سکے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۲/۵/۹۰ھ۔

جعلی رسید سے جمع کردہ چندہ کا مصرف

سوال [۶۷۶۹]: ایک شخص نے جعلی رسید لیکر مدرسہ کا چندہ کیا، حالانکہ مدرسہ بھی نہیں ہے، وہ شخص شبہ کی وجہ سے پکڑا گیا اور اس سے مدرسہ کی تصدیق طلب کی گئی جس کی وجہ سے وہ رات ہی میں فرار ہو گیا اور مبلغ ایک سو چالیس روپیہ و رسید چھوڑ کر بھاگ گیا، اب اس کا مصرف کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

دوسرے کسی دینی مدرسہ میں ایسی رقم کا خرچ کرنا درست ہے (۲)، اگر وہ مدرسہ موجود ہے جس کے نام پر چندہ کیا گیا ہے تو اسی میں دیدیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۵/۸۹ھ۔

---

(۱) "الزكاة: هي تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي ولا مولاه، بشرط قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالى". (البحر الرائق، كتاب الزكوة: ۲/۳۵۲، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الزكوة: ۲/۲۵۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الزكاة: ۱/۱۷۰، رشيديه)

(۲) "حشيش المسجد وحصره مع الاستغناء عنهما، وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إليه". (الدر المختار). "في شرح الملتقى: يصرف وقفها لأقرب مجانس لها". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۴/۳۵۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث عشر في الأوقاف التي يستغنى عنها: ۲/۴۷۸، رشيديه)

محض دفتری خانہ پری کرکے سرکار سے امداد لینا، گرانٹ الاؤنس سے زائد دکھلا کر زیادہ وصول کرنا

سوال[۷۱۹۰]: ایک مدرسہ میں چند مدرسین درس نظامی کی تعلیم پر مامور ہیں اور اس کی انہیں تنخواہ ملتی ہے، اور ۳۰۰/روپیہ ماہانہ گرانٹ الاؤنس بھی ملتا ہے۔ ان اخراجات کی آمدنی کے لئے کوئی مستقل ذریعہ نہیں ہے، بلکہ اہتمام کی طرف سے مختلف ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں، ان ہی میں سے ذریعہ کے طور پر بعض دیگر داخلی مصلحتوں کی بناء پر سرکار سے الحاق کرلیا گیا ہے، مگر سرکاری نصاب کی تعلیم نہیں ہوتی، صرف دفتری خانہ پری کے ذریعہ تعلیم دکھلا دی جاتی ہے۔ سرکار مختلف ناموں سے امداد دیتی رہتی ہے۔ لائبریری کے نام سے، کبھی تنخواہوں کے نام سے اور دیگر تعلیمی اخراجات کے نام سے۔ اور مہتمم ان رقوم کو داخلی مصلحتوں میں خرچ کرتا رہتا ہے اور مدرسین کو ان دفتری خانہ پری سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اب گورنمنٹ نے ۳۰۰/روپیہ ماہانہ گرانٹ الاؤنس دیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس طریقے سے گورنمنٹ سے رقم لینا اور اپنی حسب صوابدید ادارہ پر خرچ کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر الحاق کی شرائط موجود نہیں، غلط بیانی کرکے شرائط الحاق موجود ظاہر کرکے الحاق کیا گیا ہے اور اس کے تقاضوں کو پورا نہیں کیا جاتا، صرف دفتری خانہ پری کرکے بتلا دیا جاتا ہے کہ تقاضوں کو پورا کردیا گیا اور اس طور پر امداد حاصل کی جاتی ہے تو یہ جھوٹ اور دغا ہے(۱)، اس کا بیان دانشمندی کے بھی خلاف ہے، پھر اس کی تقسیم کا

---

(۱) غلط طریقے سے کسی کا مال کسی بھی درجے میں کھانا جائز نہیں۔

قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

"عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "من حمل علينا السلاح فليس منا، ومن غشنا فليس منا". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم "من غشنا" ۱/۷۰، قديمي)

۲..... اس سب کی بھی واپسی ضروری ہے۔

۳..... وہ رقم بھی مدرسہ کی ہے(۱)۔

۴..... سابق مدرسہ کے نام پر اس کی رسیدوں سے چندہ وصول کر کے اپنے قائم کردہ مدرسہ میں صرف کرنا درست نہیں، جبکہ سابق مدرسہ موجود ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۳/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۳/۹۰ھ۔

مدرسہ کی رسید پر زکوٰۃ، فطرہ، قربانی کی کھالیں وصول کرنا

سوال [۴۶۸۲]: مدارسِ عربیہ کے اراکین اور اساتذہ کرام زکوٰۃ، صدقات، قربانی کی کھالیں مدرسہ کی رسید دیکر غریب بچوں کے نام پر وصول کرلیا کرتے ہیں۔ آپ ہمیں صرف یہ بتلادیں کہ سب سے پہلے کس شخص نے کس سن میں کس مدرسہ کی رسید پر زکوٰۃ یا فطرہ یا قربانی کی کھال وصول کی تھیں؟ یہ طریقہ کس کا ایجاد کردہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿وآتوا الزکوٰۃ﴾(۳)، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم فرمایا۔ ﴿خذ من اموالھم صدقۃ﴾ الآیۃ (۴)۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے عاملین کو زکوٰۃ وصول

---

(۱) (راجع، ص: ۵۹۲، رقم الحاشیۃ: ۱)

(۲) "وإن اختلف أحدهما بأن بنی رجلان مسجدین، أو رجل مسجداً ومدرسۃ، ووقف علیهما أوقافاً، لایجوز له ذلک: أی الصرف المذکور. قال الخیر الرملی: أقول: ومن اختلاف الجهة ما إذا کان الوقف منزلین: أحدهما للسکنی والآخر للاستغلال، فلایصرف أحدهما للآخر، وهی واقعة الفتوی".

(الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب فی نقل أنقاض المسجد: ۴/۳۶۰، ۳۶۱، سعید)

"وقد علم منه أنه لایجوز لمتولی الشیخونیة بالقاهرة صرف أحد الوقفین للآخر".

(البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۹۲، رشیدیه)

(۳) (سورۃ البقرۃ: ۴۳)

(۴) (سورۃ التوبۃ: ۱۰۳)

کرنے کے لئے بھیجا، وہ پھر آئے، پھر ان کو مستحقین پر خرچ فرمایا(۱)۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی اپنے عاملین کے ذریعہ زکوٰۃ وصول کی اور بیت المال میں جمع کرکے مستحقین کو دی(۲)۔

پھر جب بیت المال کا نظام بعد کے لوگوں نے صحیح نہیں رکھا تو ارباب اموال خود زکوٰۃ ادا کرنے لگے۔

اور دین کی اشاعت کے لئے جب مدارس قائم کئے گئے تو اہل ثروت نے ان کے اخراجات برداشت کئے(۳)۔ پھر ارباب مدارس نے خود تقاضا کیا اور زکوٰۃ صدقات وصول کرکے طلباء علم دین پر خرچ کرنے کا اہتمام کیا۔ یہ طریقہ بہت مفید ہے اور اسلاف سے منقول ہے، قرآن وسنت سے ماخوذ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بعث معاذا إلى اليمن فقال: إنك تأتي قوما أهل كتاب، فادعهم إلى شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله، فإن هم أطاعوا لذلك فأعلمهم أن الله قد فرض عليهم صدقة تؤخذ من أغنيائهم فترد على فقرائهم، فإن هم أطاعوا لذلك فإياك وكرائم أموالهم" الخ. (مشكوة المصابيح، ص: ۱۵۵، كتاب الزكوة، الفصل الأول، قديمي)

"وعن معاذ رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم لما وجهه إلى اليمن أمره أن يأخذ من البقرة من كل ثلاثين تبيعا أو تبيعة". (مشكوة المصابيح، كتاب الزكوة، باب ما تجب فيه الزكوة، الفصل الثاني، ص: ۱۵۹، ۱۵۶، قديمي)

(۲) "وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: لما توفي النبي صلى الله تعالى عليه وسلم واستخلف أبوبكر بعده، وكفر من كفر من العرب ... فقال أبو بكر: والله لأقاتلن من فرق بين الصلوة والزكوة، فإن الزكوة حق المال. والله لو منعوني عناقا كانوا يؤدونها إلى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم لقاتلتهم على منعها". (مشكوة المصابيح، ص: ۱۵۵، كتاب الزكوة، الباب الأول، قديمي)

(۳) "ومن ذلك مسئلة الاستيجار على تلاوة القرآن المجردة ... لأن المفتى به صحة الاستيجار على تعليم القرآن لا على تلاوته ... لقد اتفقت النقول عن أئمتنا الثلاثة: أبي حنيفة وأبي يوسف ومحمد رحمهم الله تعالى أن الاستيجار على الطاعات باطل، لكن جاء من بعدهم من المجتهدين الذين =

مدرسہ کے چندہ سے دوکانیں بنانا

سوال[۷۶۸۳]: ایک مدرسہ کی تعمیر چندہ کے روپے سے کی گئی ہے، اب مہتمم صاحب کی یہ رائے ہے کہ اس مدرسہ کی چار دوکانیں نکال دی جائیں اور اسی کے اوپر اس کے بجائے مدرسہ تعمیر کرالیا جائے تاکہ مدرسہ میں کرایہ کی آمدنی آتی رہے اور یہ سلسلہ چلتا رہے۔ شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں؟

سائل: عبدالحکیم قمقرل۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اہلِ محلہ اور چندہ دہندگان کو اس پر اعتراض نہ ہو تو یہ درست ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

اگر مدرسہ بن چکا ہے تو اب اس میں دوکان بنانا جائز نہیں (۲)، اگر ابھی بنا نہیں اور چندہ دینے والے

= هم أهل التخريج والترجيح، أفتوا بصحته على تعليم القرآن للضرورة، فإنه كان للمعلمين عطايا من بيت المال وانقطعت". (شرح عقود رسم المفتي للعلامة ابن عابدين، مطلب: لا بد من المراجعة إلى المأخذ الأصلي الخ، ص: ۴۷، الرشيد (الوقف)، كراچی)

(۱) "مسجد له مستغلات وأوقاف، وأراد المتولي أن يشتري من غلة الوقف للمسجد دهناً أو حصيراً أو حشيشاً أو آجراً أو جصاً ——— قالوا: إن وسع الواقف ذلك للقيم وقال: تفعل ماترى من مصلحة المسجد، كان له أن يشتري للمسجد ماشاء". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر، الفصل الثاني: ۲/ ۴۶۱، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً: ۳/ ۲۹۷، رشيديه)

(۲) "وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين، أو رجل مسجداً و مدرسة، ووقف عليهما أوقافاً، لايجوز له ذلك". (الدرالمختار). "(قوله: لايجوز له ذلك): أي الصرف المذكور ——— قال الخير الرملي: أقول: ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلايصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوى". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد: ۴/ ۳۶۰، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۶۲، رشيديه)

راضی ہیں تو جائز ہے(۱)۔ سعید احمد غفرلہ، ۲۳/شوال/ ۶۹ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مظاہر علوم سہارنپور۔

چندہ کے پیسہ سے تنخواہ دینا

سوال[۷۶۹۳]: ایک مدرس رمضان شریف میں مدرسہ کی جانب سے چندہ وصول کرنے جاتا ہے جس میں وہ زکوۃ، فطرہ وغیرہ کے روپے پکڑ آتا ہے۔ تو گھر آجانے کے بعد قبل از تملیک اس پیسہ میں سے مدرس کی تنخواہ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوۃ کے پیسہ سے تنخواہ دینا جائز نہیں(۲)، جب مستحق کے پاس بطور ملک پہونچ جائے گا تب زکوۃ ادا ہوگی، پھر وہ بغیر کسی دباؤ کے اپنی طرف سے بطیب خاطر مدرسہ میں دیدے تو تنخواہ میں دینا درست ہوگا(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۶/۹۵ھ۔

---

(۱) "ويبدأ من غلته بعمارته بلاشرط؛ لأن قصد الواقف صرف الغلة مؤبداً، ولاتبقى دائماً إلا بالعمارة ... وإنما تستحق العمارة عليه بقدر مايبقى الموقوف على الصفة التي وقفه ... فأما الزيادة على ذلك، فليست بمستحقة ... فلايجوز صرفها إلى شيء آخر إلا برضاه" (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۸، رشيدية)

(۲) قال الله تبارك وتعالى: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم وفي الرقاب والغارمين وفي سبيل الله وابن السبيل﴾ (سورة التوبة: ۶۰)

"الزكوة: هي تمليك جزء مال من فقير مسلم غير هاشمي ولامولاه، بشرط قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالى" (البحر الرائق، كتاب الزكوة: ۲/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الزكاة: ۲/۳۵۳، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الزكوة، الباب الأول: ۱/۱۷۰، رشيدية)

(۳) "الحيلة في الجواز ... أن يتصدق بمقدار زكاته على الفقير، ثم يأمره بعد ذلك بالصرف إلى ...

مدرسین کی پنشن کا علم چندہ دہندگان کو ہونا چاہئے

سوال [۷۱۶۵]: مدرسہ عربیہ کے ضعیف معذور مدرسین کو پنشن دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ کیا چندہ دینے والوں کو اس کا علم ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ارباب مدرسہ نے قانون بنا کر شائع کردیا اور چندہ دینے والوں کو علم ہوگیا کہ ہمارے دیئے ہوئے روپیہ سے معذور اور ضعیف العمر مدرسین کو پنشن بھی دی جاتی ہے، انہوں نے اس کو منظور کیا، اس پر اعتراض نہیں کیا تو پنشن دینا درست ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۰/۹۷ھ۔

چندہ کا روپیہ جلسہ انعامی میں خرچ کرنا

سوال [۷۱۶۶]: یہاں مدرسہ اسلامیہ کے لئے قصبہ سے سالانہ چندہ کیا جاتا ہے جس میں زیادہ تعداد صدقات واجبہ: زکوۃ، چرم قربانی کی ہوتی ہے اور مصارف مدرسہ تنخواہ مدرسین اور خرچ یتیم خانہ وغیرہ بڑی

= هذه الوجوه، ليكون لصاحب المال ثواب الزكوة، وللفقير ثواب هذه القربة". (البحر الرائق، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۲/۴۲۴، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۲/۳۴۵، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۲/۱۲۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "مسجد له مستغلات وأوقاف، وأراد المتولي أن يشتري من غلة الوقف للمسجد دهناً أو حصيراً أو حشيشاً أو آجراً أو جصاً لفرش المسجد أو حصى، قالوا: إن وسع الواقف ذلك للقيم وقال: تفعل ماترى من مصلحة المسجد، كان له أن يشتري للمسجد ماشاء". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر، الفصل الثاني منه: ۲/۴۶۱، رشيدية)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً ... الخ: ۳/۲۹۶، رشيدية)

"لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل، كان ضامناً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، (رقم المادة: ۹۶): ۱/۶۱، مكتبه حنفيه كوئٹه)

مدیر ہیں، اس کے علاوہ روزمرہ کے کچھ متفرق خرچ ہوجاتا ہے۔ چندہ دہندگان کے ذہن میں اخراجات مدرسہ کی تعیین نہیں ہوتی ہے اور نہ ہر وقت ان سے ہر ہر خرچ کی اجازت لی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ دو تین سال میں جلسہ انعامی بھی ہوتا ہے، جس میں طلباء کو کتابیں انعام میں اور علماء کا خرچ آمدورفت دیا جاتا ہے۔

آیا یہ خرچ جلسہ بھی مدرسہ کے چندہ کی رقم میں سے کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز نہیں کیا جا سکتا تو اجازت زکوۃ دہندگان سے لی جایا کرے، یا تملیک کرنے والے جو زکوۃ کی رقم اپنی ملک میں لے کر مدرسہ میں داخل کردیتا ہے، یا قرض لے کر مدرسہ میں دے دیتا ہے، ان کو صدقات کی رقم اپنا قرض ادا کرنے کیلئے دیدی جاتی ہے۔ امید ہے کہ جواب سے مشرف فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر چندہ دہندگان نے مصرف کی تعیین کردی ہے تو اسی مصرف پر چندہ صرف کیا جائے گا، اس کے خلاف نہ کیا جائے (۱)۔ اگر مصرف کی تعیین نہیں کی، بلکہ مہتمم کو مصالح مدرسہ میں صرف کرنے کا کلی اختیار دیدیا ہے تو پھر ہر مصلحت میں صرف کرنا درست ہے (۲)۔ جن رقوم میں تملیک واجب ہے ان کو بغیر تملیک کے غیر محل یعنی تنخواہ وغیرہ میں صرف کرنا جائز نہیں (۳)۔ جب انعامی جلسہ ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ چندہ دہندگان بھی

---

(۱) "فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، وهو مالك، فله أن يجعل ماله حيث شاء ما لم يكن معصية، وله أن يخص صنفاً من الفقراء، ولو كان الوضع في كلهم قربة". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة: ۴/۳۴۳، سعيد)

"أجمعت الأمة أن من شروط الواقفين ما هو صحيح معتبر يعمل به". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۲۱۱، رشيديه)

(۲) "مسجد له مستغلات وأوقاف، أراد المتولي أن يشتري من غلة الوقف للمسجد دهناً أو حصيراً أو حشيشاً أو آجراً أو جصاً، قالوا: إن وسع الواقف ذلك للقيم وقال: تفعل ما ترى من مصلحة المسجد، كان له أن يشتري للمسجد ما شاء". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً: ۳/۲۹۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر، الفصل الثاني منه: ۲/۴۶۱، رشيديه)

(۳) "هي تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي ولا مولاه، بشرط قطع المنفعة عن المملك من

کثیر مقدار میں جمع ہوتے ہوں گے ان کے سامنے مدرسہ کا پورا آمد و صرف کا حساب مدار پیش کیا جاتا ہوگا، یہ ان کے لئے ذریعہ علم ہے، پھر ہر شخص سے علیحدہ علیحدہ ہر ہر مد کا مصرف (یعنی جو رقم زکوۃ وصدقات کے علاوہ یکمشت مدرسہ میں آتی ہے اس کے لئے تفصیل کی ضرورت نہیں اجمالی علم ان مدات کا ان کو ہوتا ہی ہے، وہ کافی ہے) کا دریافت کرنا ضروری نہیں۔

ہاں! اگر قرائن سے معلوم ہو جائے کہ یہ صاحب ہمارا پیسہ فلاں مد میں صرف کرنا پسند نہ کریں گے تو ان کا روپیہ اس مد میں بلا اجازت صرف نہیں کرنا چاہئے (۱)۔

اگر اب تک چندہ دہندگان کے سامنے جملہ مدات کو پیش نہیں کیا گیا تو بہتر یہ ہے کہ ان کو ضرور پیش کر دیا جائے تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ ہمارا روپیہ کہاں کہاں صرف ہوتا ہے اور جس شخص کو اس طرح چندہ دینے سے گریز ہو تو وہ اس میں خرچ کرنے سے منع کر دے۔ جلسہ انعامی بھی مصالح مدرسہ میں سے ہے، رقم واجب التملیک میں مستحقین کو انعام دینا درست ہے اور غیر مستحقین کو بلا تملیک درست نہیں۔ جب رقم واجب التملیک کی تملیک ہوگئی تو اصل دہندہ کی زکوۃ وغیرہ ادا ہوگئی (۲)۔ اب اگر کسی مد میں صرف کرنے کے لئے اجازت کی ضرورت ہو تو جو شخص مالک بننے کے بعد خود مدرسہ میں دے گا اس سے اجازت لی جائے، سابق دہندہ سے اجازت کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ گنگوہی معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۱/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد، صحیح: عبداللطیف۔

= کل وجه فله تعالى". (البحر الرائق، كتاب الزكوة: ۲/۳۵۲، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الزكوة: ۲/۲۵۷، ۲۵۶، سعيد)

(۱) "وهنا الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان، فلا يملك الدفع إلى غيره". (رد المحتار، كتاب الزكوة: ۲/۲۶۹، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل التاسع في المسائل المتعلقة بمعطي الزكوة: ۲/۲۸۳، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "الحيلة في الجواز أن يتصدق بمقدار زكاته على فقير، ثم يأمره بعد ذلك بالصرف إلى هذه الوجوه، فيكون لصاحب المال ثواب الزكوة، وللفقير ثواب هذه القربة". (البحر الرائق، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۲/۴۲۴، رشيدية)

چندہ سے خوشحال بچوں کی تعلیم

سوال[۶۸۹۶]: کسی مدرسہ میں باہر کے دو چار بچے داخل کرکے چوڑے علاقے سے چندہ وصول کرتے ہیں اور ان غریب بچوں کی آڑ میں خوشحال آدمیوں کے بچے بھی پڑھتے ہیں اور سال بھر میں زیادہ سے زیادہ دو چار روپیہ دیتے ہیں خوشحال بچے والے۔ اور مدرس کی تنخواہ پچاس روپیہ ہے اور ایک دو سفیر بھی رہتے ہیں تو سال بھر ان اشخاص کی تنخواہ ہزار دو ہزار روپیہ ہوتی ہے جس میں پچاس ساٹھ طلبہ تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

نوٹ: چندہ ایک بھیک ہے جس کو خیرات کہتے ہیں، اس سے خوشحال بچوں کی تعلیم ہوتی ہے، خادمین اس سے تنخواہ حاصل کرتے ہیں۔ یہ کہاں تک جائز ہے؟ خوشحال بچوں کو اس پیسے سے پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل یہ ہے کہ ہر شخص پر اپنی اولاد کے لئے دینی تعلیم کا انتظام لازم ہے(۱)، لیکن جب مسلمانوں کو اس کا احساس نہ رہے یا وہ مجبور ومعذور ہوں تو لامحالہ چندہ سے انتظام کیا جائے گا۔ جو حضرات تعلیم دیتے ہیں وہ اپنے اور متعلقین کے نفقات واجبہ ادا کرنے کے لئے چندہ کے پیسے سے تنخواہ لیں گے اور یہ تنخواہ ان کی درست ہے(۲)، پھر ان کے ذریعہ غریبوں اور مالداروں کے جو بچے تعلیم حاصل کریں گے، وہ بھی درست ہے۔ مگر

= (وكذا في الدر المختار، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۲/۳۴۵، سعيد)

(۱) "عن أبي سعيد وابن عباس رضي الله تعالى عنهم قالا: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من ولد له ولد فليحسن اسمه وأدبه، فإذا بلغ فليزوجه" (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب الولي في النكاح، الفصل الثالث، ص: ۲۷۱، قديمي)

"فليحسن اسمه وأدبه": أي معرفة أدبه الشرعي" (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، (رقم الحديث: ۳۱۳۸)، كتاب النكاح، باب الولي في النكاح: ۶/۳۰۰، رشيدية)

(۲) "ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والإمامة والأذان". (الدر المختار) "قال في الهداية: وبعض مشائخنا استحسنوا الاستئجار على تعليم القرآن اليوم لظهور التواني في الأمور الدينية، ففي الامتناع تضييع حفظ القرآن، وعليه الفتوى". (رد المحتار، كتاب الإجارة، مطلب في الاستئجار على الطاعات: ۶/۵۵، سعيد)

بالداروں کے لئے غیر تحمندی کے ساتھ غور کرنے کی بات ہے، ان کو چاہیے کہ اپنی حیثیت کی موافق زیادہ سے زیادہ مدرسہ میں چندہ دیں، بلکہ اہلِ وسعت ایک دو مدرس کی تنخواہ اپنے پاس سے دے دیں کہ چندہ کی ضرورت نہ رہے اور صرف اسی کی دی ہوئی تنخواہ سے مدرس سب بچوں کو تعلیم دے تو یہ اس کی وسعتِ مال اور عزتِ ایمانی کا تقاضا اور صدقۂ جاریہ ہے۔

تنبیہ: زکوٰۃ اور صدقۂ فطر کا پیسہ تنخواہ میں دینا درست نہیں (۱)۔ دینی خدمت کے لئے جو چندہ کیا جائے اس کو بھیک سمجھنا اور حقیر سمجھ کر دینا دین کی بڑی ناقدری اور دین سے بے تعلقی کی نشانی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۸/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

خیراتی مدرسہ میں مالدار بچوں کی تعلیم

سوال [۷۲۸۸]: جو مدرسے زکوٰۃ، چرمِ قربانی، فطرہ اور امدادی رقم سے چلتے ہیں تو ایسے مدارس میں صاحبِ نصاب کے بچے تعلیم پاسکتے ہیں، یا صاحبِ نصاب کو بچوں کی فیس یا امداد دینا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صاحبِ نصاب کے بچے ایسے مدارس میں تعلیم تو پاسکتے ہیں مگر ان بچوں کو مدرسہ سے جیب خرچ، کھانا، کپڑا وغیرہ دوسری چیزیں لینا جائز نہیں ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

= (وكذا في الهداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳/۳۰۱، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۱۲۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "ولو دفعها المعلم لخليفة إن كان بحيث يعمل له لو لم يعطه صح، وإلا لا". (الدر المختار).

"(قوله: ولو دفعها المعلم لخليفته) أي: من هو نائب عنه وتظيره: إذا دفعها المؤجر لمن استأجره أو الشيخ لمن يحضره، (قوله: صح) لأنه المستحق تبرعاً فإذا نوى به الزكوة صح، (قوله: وإلا لا)؛ لأن المدفوع حينئذ بمنزلة العوض". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الزكوة، آخر باب المصرف: ۱/۴۳۲، دار المعرفة)

(۲) "الزكوة هي تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي ولا مولاه، بشرط قطع المنفعة عن المملك =

ہائی اسکول میں چندہ دینا

سوال [۷۱۸۹]: میرے علاقہ میں ہندو اور مسلمان دونوں مل کر ایک ہائی اسکول کھول رہے ہیں، جس میں دونوں چندہ دے رہے ہیں، مجھے بھی پانچ سو روپیہ دینے کو کہتے ہیں، تو مجھ کو اس میں کچھ ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جبکہ اپنے بچے بھی اس میں تعلیم حاصل کریں گے تو کچھ تو ثواب ضرور ہوگا، اگرچہ خالص اپنے بچوں کی دینی تعلیم کا ثواب اس سے کہیں زیادہ ہوتا ہے(۱)، مگر اس کا خیال رہے کہ وہاں بددینی کی تعلیم نہ ہو جس سے عقائد واخلاق تباہ ہو جاتے ہیں، ورنہ سخت وبال ہوگا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱۱/۸۸ھ۔

= من كل وجه لله تعالى". (البحر الرائق: ۲/۴۲۴، كتاب الزكاة، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار: ۲/۳۵۹، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۷۰، كتاب الزكاة، رشيدية)

(۱) "عن أبي مسعود رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذا أنفق المسلم نفقة على أهله وهو يحتسبها، كانت له صدقة". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، باب أفضل الصدقة، الفصل الأول: ۱/۱۷۰، قديمي)

(۲) قال الله تبارك وتعالى: ﴿وقد نزل عليكم في الكتب أن إذا سمعتم آيات الله يكفر بها ويستهزأ بها، فلا تقعدوا معهم﴾ (سورة النساء: ۱۴۰)

جن مجالس سے بددینی پھیلے اور عقائد کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو ایسی مجلسوں میں شرکت کی گنجائش نہیں ہے: "وعن الحسن: لا تجالس صاحب هوى فيقذف في قلبك ما تتبعه عليه فتهلك، أو تخالفه فيمرض قلبك".

"وعن أبي قلابة: لا تجالسوا أهل الأهواء ولا تجادلوهم، فإني لا آمن أن يغمسوكم في ضلالتهم ويلبسوا عليكم ما كنتم تعرفون. وعنه أيضاً: أنه كان يقول: إن أهل الأهواء أهل ضلالة ولا أرى مصيرهم إلا إلى النار". (الاعتصام للشاطبي، باب في ذم البدع وسوء منقلب أصحابها، ص: ۶۵، دار المعرفة بيروت)

مراقی الفلاح، ص: ۲۹۶(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور۔

دینی مدرسہ میں سرکاری امداد

سوال[۱۶۱۲۱]: جس گاؤں میں مدرسہ اسلامیہ قائم ہو مگر گاؤں والے امداد نہیں کرتے، بلکہ لڑکے بھی بڑی مشکل سے اکٹھے ہوتے ہیں تو اگر ڈسٹرکٹ بورڈ سب ڈپٹی یا ڈپٹی انسپکٹر مدرسہ اسلامیہ سے امداد کی درخواست کی جائے اور وہ درخواست امداد منظور ہو جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گاؤں والوں کو مدرسہ اسلامیہ کی ضرور امداد کرنی چاہیے(۲)۔ ڈسٹرکٹ بورڈ سے امداد لینے میں اگر یہ خیال ہو کہ مدرسہ کو سرکار اپنے قبضہ میں کر کے اپنی تعلیم اس میں جاری کرے گی اور دینی تعلیم یا بالکل بند کردے گی یا مختصر کرکے برائے نام جاری رکھے گی تو سرکار سے امداد نہیں لینی چاہیے۔ اور اگر یہ اطمینان ہو کہ دینی تعلیم بدستور رہے گی اور بھی کسی قسم کا شرعی نقصان نہیں تو درست ہے، اور ان کو کام میں لانا بھی درست ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/۷/۶۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۶/ رجب المرجب/ ۶۲ھ۔

---

(۱) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۲۹۶، باب الإمامة، کتاب الصلوة، قدیمی)

"وذلك: في المسجدين يختار أقدمهما، فإن استويا فأقربهما". (النهر الفائق: ۱/۲۴۳، کتاب الصلوة، باب الإمامة، مکتبه امدادیه ملتان)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى، ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ۲)

(۳) "درء المفاسد أولى من جلب المصالح، فإذا تعارضت مفسدة ومصلحة، قدم دفع المفسدة غالباً؛ لأن اعتناء الشرع بالمنهيات أشد من اعتنائه بالمأمورات". (الأشباه والنظائر، الفن الأول في القواعد، القاعدة الخامسة، النوع الثاني: ۱/۲۹۰، إدارة القرآن كراتشي)

(وكذا في شرح المجلة (رقم المادة: ۳۰)، الفائدة الذهنية في القواعد: ۱/۳۲، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وكذا في قواعد الفقه، ص: ۸۱، رقم القاعدة: ۱۳۳، الصدف پبلشرز كراتشي)

پراویڈنٹ فنڈ کی رقم مدرسہ میں خرچ کرنا

سوال[۷۰۹۳]: آج کل دنیوی فیکٹریوں اور کالجوں کے طرز پر بعض مدارس دینیہ میں جو حضرات مدرس یا ملازم ہیں ان لوگوں کی تنخواہ سے ہر ماہ کچھ رقم روک لی جاتی ہے (اور یہ روکنا ان کی مرضی سے ہوتا ہے) مثلاً ہر ماہ دس روپیہ روک لیا جاتا ہے تو منجانب مدرسہ بھی اتنی ہی رقم ملا کر فنڈ میں جمع کر دیتے ہیں اور اس فنڈ کو پراویڈنٹ فنڈ کہا جاتا ہے۔ اب جب اس ملازم یا مدرس کا انتقال ہو جائے یا بعذر معقول وہاں سے منتقل ہونے لگے تو اس کی جمع شدہ رقم کے ساتھ سود تھوڑا ہو جو بمقدار جمع منجانب مدرسہ ملایا گیا ہے تمام ان کے ورثاء یا ان کو دیدیتے ہیں۔

شریعت مطہرہ کی روشنی میں ہمارے دین سے سوال ہے کہ اس طرح کچھ رقم تنخواہ سے لے کر اسی مقدار میں منجانب مدرسہ ملا کر جمع کر رکھنا اور بر وقت ان کو یا ان کے ورثاء کو دیا جانا درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو وہ مزید رقم (جو منجانب مدرسہ ملائی گیا ہے) کس حکم میں داخل کیا جائے گا؟ کیا مدرس یا ملازم کی تنخواہ میں شمار کریں گے یا کوئی اور وجہ جواز نکل سکتی ہے؟ مفصل مدلل جواب مرحمت فرما کر ممنون تفہیم فرماویں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مدرس یا ملازم کی رضامندی سے جزء تنخواہ جمع کر کے بوقت اختتام ملازمت پیش شدہ مع اضافہ دینا درست ہے(۱)، یہ اضافہ حسن خدمات کی وجہ سے انعام ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

☆...☆...☆...☆...☆

(۱) "یصح أن یشترط العاقدان في تعجیل الأجرة وتأجیلها" (شرح المجلة لسلیم رستم: ۱/۲۷۲، رقم المادة: ۳۸۶، کتاب الإجارة، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

"یشترط في صحة الإجارة رضی المتعاقدین" (شرح المجلة لسلیم رستم: ۱/۲۴۲، رقم المادة: ۳۳۸، کتاب الإجارة، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الإجارة، الباب الأول: ۴/۴۱۱، رشیدیہ)

اب سوال یہ ہے کہ کیا معلوم ہوتے ہوئے بھی ایسے حضرات کا چندہ لینا جائز ہے؟ اگر درست ہے تو یہ شکل بھی درست ہونی چاہیے کہ بعض اکثر ین وکلا کا رشوت طلب کر دو سرکس کا مالک ایک شو کی آمدنی بطور عطیہ کے کر دے دیتے ہیں؟ چونکہ بعض سفرائے کرام کی جواز کی دلیل یہ ہے کہ صاحب کیا کیا جائے جب کہ اس کے سوا بقائے نفس کی کوئی صورت نہیں دِکھتی۔ ہاں بعض غیر مسلم حضرات سے بھی چندہ لیا جاتا ہے۔ کیا یہ صورت درست ہے؟

املاہ شیخ جی، شیر کی روڈ، کو پرگاؤں احمد نگر (ایم ایس)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مگر دینی روزگار کا حال آج کل ایسا ہو رہا ہے کہ نہ مال کمانے والوں میں عموماً یہ فکر ہے کہ حلال راستہ سے کمائیں، نہ چندہ وصول کرنے والے ارباب مدارس میں قناعت و توکل ہے کہ مال حرام سے بچ کر قلیل حلال پر گزارہ کرلیں۔ یہی وجہ ہے کہ دینی تعلیم کے زیادہ اچھے اثرات مرتب نہیں ہوتے (۱)۔ چندہ لینے والے کہیں کچھ حیلہ تملیک وغیرہ کر لیتے ہیں، کہیں تحقیق سے چشم پوشی کرتے ہیں، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ لینے سے صاف انکار کر دیتے ہیں مگر یہ بہت کم ہے۔

وہ خود بھی ایسی پریشانی میں مبتلا ہیں کہ قلیل پر قناعت کرنے والے نہ ان کو مدرس و ملازم ملتے ہیں، نہ طلبہ ملتے ہیں، نہ وہ مدرسین و ملازمین طلبہ کی تعلیم مقدار پر کفایت کرتے ہیں، آج کل ایسی صورت میں ان کو چندہ ہی ملنا مشکل ہو جائے گا اور جو حیثیت مدرسہ کی قائم کر رکھی ہے وہ باقی نہیں رہے گی۔ تاہم موجودہ صورت میں بھی

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "إن الله طيب لا يقبل إلا طيباً، وإن الله أمر المؤمنين بما أمر به المرسلين، فقال: ﴿يا أيها الرسل كلوا من الطيبات واعملوا صالحاً﴾ وقال تعالیٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا كلوا من طيبات ما رزقناكم﴾ ثم ذكر الرجل يطيل السفر أشعث أغبر يمد يديه إلی السماء يارب يارب! ومطعمه حرام ومشربه حرام وملبسه حرام وغذي بالحرام، فأنی يستجاب لذلك". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الأول، ص: ۲۴۱، قديمي)

"وعنه أيضاً: قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "يأتي علی الناس زمان لا يبالي المرء ما أخذ منه، أمن الحلال أم من الحرام". رواه البخاري". (مشكوة المصابيح، المصدر السابق)

علوم دینیہ کی حفاظت بڑی حد تک ہورہی ہے اور ان ہی سے کچھ اچھے بھی نکل آتے ہیں۔ اس کے باوجود اس صورت حال سے بہت گھٹن اور کڑھن ہے۔ فإلی اللہ المشتکی۔ فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳/۱۰/۹۵ھ۔

شراب کی آمدنی سے زمین خرید کر مدرسہ میں وقف کرنا

سوال [۶۹۹۵]: شراب کی تجارت کی آمدنی سے خریدی ہوئی زمین کسی مدرسہ میں یا کسی مسجد میں وقف کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ (☆)

مالِ حرام سے دینی خدمت

سوال [۶۹۹۶]: بعض لوگوں کی کمائی سینما یا سٹہ یا جوا یا شراب کی ہوتی ہے اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہم دینی مدرسہ یا مسجد میں دیں تو کیا طریقہ اختیار کریں۔ بعض اہل یہ کہتے ہیں کہ کسی شخص سے روپیہ بطور قرض لے کر دینی مدرسہ یا تعمیر مسجد میں دے دیں اور اپنی اس کمائی کی رقم سے اس قرض کو ادا کریں تو کیا یہ طریقہ جائز ہے؟ اس طریقہ سے وہ رقم دینی مدرسہ یا مسجد میں خرچ کرسکتے ہیں؟ ہمارے جواب حدیث وفقہ کی روشنی میں دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس کے پاس ناجائز کمائی کا روپیہ ہے وہ اگر کسی سے جائز روپیہ قرض لے کر مدرسہ یا مسجد کے لئے دیدے تو درست ہے، ناجائز روپیہ مدرسہ یا مسجد کی تعمیر کے واسطے نہ لیا جائے۔

"ولا بأس بنقشه على محرابه بالجص وماء الذهب لو بماله الحلال لا مال الوقف". در مختار. "قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً أو مالاً سببه الخبيث والطيب فيكره؛ لأن الله تعالى لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله" اهـ. شرنبلالية". شامی: (۱/۶۵۸)(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/۳/۹۱ھ۔

(☆) اس کا جواب مع تخریج باب الحظر والاباحۃ، باب المال الحرام میں موجود ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلوة، مطلب: كلمة "لا بأس" دليل على... ۱/۶۵۸، سعيد)

سینما کی آمدنی مسجد اور مدرسہ میں خرچ کرنا

سوال [۷۶۹۱]: مسجد یا مدرسہ میں سینما کی آمدنی خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص سینما ہاؤس، مسجد یا مدرسہ کو ہبہ کرنا چاہے تو اس کو کرایہ پر دینا یا فروخت کرکے اس کی رقم مسجد یا مدرسہ میں لگانا درست ہوگا یا نہیں؟ اور حرام اور سود سے کمائی ہوئی رقم پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سینما یا کوئی بھی ناجائز آمدنی کا مسجد یا مدرسہ میں خرچ کرنا درست نہیں، ایسی آمدنی کا تصدق ضروری ہے (۱)۔ غریب مسکین طلبہ ہی اس کے مصرف ہیں، تنخواہ وتعمیر وغیرہ میں خرچ نہ کریں۔ اگر سینما ہاؤس جو کہ جائز آمدنی سے بنایا گیا تھا اس کو مسجد یا مدرسہ میں دے تو اس کو خالی کرا کے جائز محل میں صرف کیا جائے (کرایہ پر دیا جائے، یا فروخت کیا جائے)۔ جس رقم (حرام کی ملک) پر ملک ثابت نہیں اس پر زکوۃ نہیں (۲)، بلکہ اس کو واپس کرنا یا صدقہ کرنا ضروری ہے، کسی کام میں لانا بھی درست نہیں (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

---

(۱) "وفي المنتقى: امرأة نائحة أو صاحبة طبل أو زمر اكتسبت مالاً، ردته على أربابه إن علموا، وإلا يتصدق به". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: الاستيجار على المعاصي: ۶/۵۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۵/۳۴۹، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۸/۳۶۹، رشيديه)

(۲) "هذا إذا كان له مال غير ما استهلكه بالخلط منفصل عنه يوفي دينه، وإلا فلا زكاة، كما لو كان الكل خبيثاً، كما في النهر". (الدرالمختار). "في القنية: لو كان الخبيث نصاباً، لا يلزمه الزكوة؛ لأن الكل واجب التصدق عليه، فلا يفيد إيجاب التصدق ببعضه". (ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲/۲۹۱، سعيد)

(۳) "سئلت فيمن يملك نصاباً من حرام: هل تجب عليه فيه الزكوة؟ الجواب: لا تجب عليه فيه الزكوة، بل يلزمه التصدق بجميعه على الفقراء لا بنية الثواب". (الفتاوى الكاملية، كتاب الزكوة، ص: ۱۵، حقانيه پشاور)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الزكوة: ۱/۴۲۳، إمداديه ملتان)

مدرسہ کے کرایہ داروں کا پیشہ باجہ بنانا ہے تو اس آمدنی سے اخراجاتِ مدرسہ

سوال [۶۹۹۸]: مدرسہ کی جائیداد کے کرایہ دار اکثر ایسے ہیں جن کا کام باجہ بنانے والوں نے باجہ فروخت کرنے کا ہے، اور بعض کرایہ دار ایسے بھی ہیں جن کی تجارت دوسری ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں جائیداد کا جو کرایہ آتا ہے اس سے مدرسہ کے اخراجات تنخواہ مدرسین، تعمیرات وغیرہ میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو جواز کی کیا شکل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

باجہ بنانا، فروخت کرنا مکروہ ہے، اس کی آمدنی حرام کے درجہ میں نہیں، مکروہ کے درجہ میں ہے، بحالتِ مجبوری کرایہ کی آمدنی کو ضرورتِ مدرسہ میں صرف کر سکتے ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱۲/۹۵ھ۔

فلم ایکٹر کی آمدنی مسجد ومدرسہ میں

سوال [۶۹۹۹]: ۱۔۔۔ فلمی ایکٹر جو کہ صوم وصلوٰۃ کا پابند ہے، وہ کسی کارِ خیر میں چندہ دیتا ہے۔ مسجد اور مدرسہ کے لئے اس سے چندہ لیا جا سکتا ہے؟

ایضاً

سوال [۷۰۰۰]: ۲۔۔۔ ایسے شخص کے پاس دینی مدرسہ کو چندہ کے لئے جانا چاہیے یا نہیں؟

---

(۱) امداد الفتاویٰ میں ہے: "ويجوز بيع عين لا منفعة فيه إلا في المكروه، ويجوز بيع البربط والطبل والمزمار والدف والنرد وأشباه ذلك في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وعندهما لا يجوز بيع هذه الأشياء، وفي السير الكبير: إلا أن يبيعها ممن يستعملها أو يبيعها هذا المشتري ممن يستعملها كما ليها عن السير الكبير، فلا يجوز الانتفاع به، كذا في المحيط". (۲۹۸/۴)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ان اشیاء کی خرید وفروخت امام صاحب کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک ناجائز، پس خرید وفروخت نہ کرنا احتیاط ہے اور خرید وفروخت کرنے کی بھی گنجائش رکھتا ہے"۔ (امداد الفتاویٰ، للشیخ اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ، کتاب الحظر والاباحۃ، فتاویٰ متعلقہ لہو ولعب وتصویر کے احکام، بچوں کے کھیل کھلونے فروخت کرنے کا حکم: ۲۵۶/۴، دار العلوم)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... ناجائز آمدنی کا پیسہ نہ مسجد کے لئے قبول کیا جائے اور نہ مدرسہ کے لئے، اس کا غرباء پر صدقہ کرنا ضروری ہے، جو غریب بالغ لڑکے یا غریب آدمی کے نابالغ لڑکے مدرسہ میں پڑھتے ہیں، وہ اس کا مصرف ہیں(۱)۔

۲..... بالکل نہ جائیں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۷/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۷/ ۸۸ھ۔

مدرسہ چلانے کے لئے سینما اور عرس

سوال[۱۰۷۶۱]: اردو اسکول کی مالی حالت کمزور ہے، اس لئے خیرات کے نام پر سینما کا شو چلانا اور قوالی کرانا اور اس سے جو آمدنی ہو اس کو اردو اسکول یا مدرسہ میں لگانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مدرسہ چلانے کے لئے سینما یا اس قسم کی کوئی چیز کرنا اور اس سے رقم حاصل کرنا جائز نہیں، ہرگز ہرگز

---

(۱) "(قوله: لو بماله الحلال) قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره، لأن الله لايقبل إلا الطيب". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب: كلمة "لاباس" دليل على أن المستحب غيره: ۱/ ۶۵۸، سعيد)

"امرأة نائحة أو صاحبة طبل أو زمر اكتسبت مالاً، ردته على أربابه إن علموا، وإلا تتصدق به".

(ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: الاستيجار على المعاصي: ۶/ ۵۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۵/ ۳۴۹، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية: ۸/ ۳۶۹، رشيديه)

(۲) "آكل الربا وكاسب الحرام أهدى إليه أو أضافه، وغالب ماله حرام، لايقبل ولايأكل مالم يخبره أن ذلك المال أصله حلال ورثه أو استقرضه". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر: ۵/ ۳۴۳، رشيديه)

نہ ہو تو نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱/۹۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱/۹۹ھ۔

مزار کا پیسہ مسجد اور مدرسہ میں خرچ کرنا

سوال [۱۰۰۲۱]: خراسان سے آنے والے جناب سید ابوالقاسم خراسانی نقشبندی طریقہ کے ایک ولی کامل تھے، گجرات میں ان کے مزار مبارک کی لوگ زیارت کرتے ہیں۔ ان کے صاحبزادوں اور مجاوری اور نواسے وغیرہ ہی مزار کی خدمت، جھاڑو دینا وغیرہ خاندانی طور پر گجرات میں سے کرتے رہے ہیں۔ زائرین حضرات پیسہ بھی عطیہ دیتے ہیں، فی الحال مذکور سید صاحب مرحوم کے نواسے بحیثیت خدام مزار مذکورہ پیسہ مزار کے کام میں خرچ کرتے ہیں اور پیسہ فاضل رہتے ہیں، بچے کھانے پینے میں صرف کرتے ہیں۔ فی الحال ایک گروہ مذکور مزار کے پیسہ کو مدرسہ کے کام میں خرچ کرنا چاہتا ہے اور اس کا دعویٰ بھی ہے جتنی مدرسہ میں بھی خرچ کرنا ہے؟ مگر حق کے زبردستی سے وہ پیسہ لینے کے لئے کوشاں ہے، جس سے مسلمانوں میں ایک بڑی پریشانی کا باعث بنا ہے۔

اب دریافت طلب یہ ہے کہ خراسانی سید صاحب مرحوم کے عطیہ کا زبردستی دوسرے کاموں میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور خراسانی سید صاحب مرحوم کے نواسے کا مزار کی خدمت کرکے اپنا وقت صرف کرنے کی وجہ سے مذکورہ عطیہ کا پیسہ ذکر فاضل ہونے تو اپنے کھانے پینے میں صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور دوسرے

---

(۱) "وفي المستصفى: هو الأمانة أو صاحبة طبل أو زمر كسبت مالاً، ردته على أربابه إن علموا، وإلا تتصدق به، وإن من غير شرط فهو لها. قال الإمام الأستاذ: لا يطيب، والمعروف كالمشروط. قلت: وهذا مما يتعين الأخذ به في زماننا لعلمهم أنهم لا يذهبون إلا بأجر البتة". (رد المحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: الاستئجار على المعاصي: ۶/۵۵، سعيد)

"لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد". (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۸/۳۶۹، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۵/۳۴۹، رشيدية)

شرع اس کا کیا حکم ہے؟ دلائل اور معتبر کتب کے حوالے سے جواب تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زائرین جو پیسہ خادم مزار کو بسلسلۂ خدمت (متعلق صاحب مزار) دیتے ہیں وہ خادم مزار کا ہے، اس کو جبراً مدرسہ کو دینے کا کسی کو حق نہیں، حدیث پاک میں ہے: "لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه. الخ" (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱/۹۲ھ۔

کبڈی کا مقابلہ شرط کے ساتھ اور اس کا انعام مدرسہ میں

سوال[۷۷۰۳]: اس شہر میں کبڈی کھیلنے کا بہت شوق ہے، ہر محلہ میں کبڈی کی ٹیمیں ہیں، جو آپس میں مقابلہ کرتی ہیں، جس میں ہر ٹیم فیس ادا کرتی ہے اور پھر وہ روپیہ کسی دینی مدرسہ میں دے دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کبڈی کے کھیل میں ہار جیت بھی ہوتی ہے۔ تو اس قسم کی رقم مدرسہ میں خرچ کرنا درست ہے؟ کبڈی میں لوگ ستر کھول کر کھیلتے ہیں تو کیا از روئے شریعت درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہار جیت کی رقم کا معاملہ اگر دونوں طرف سے ہو تو ناجائز ہے، ایسی رقم کی واپسی ضروری ہے، جس سے لی ہے اسی کو واپس کردیں، کسی مدرسہ وغیرہ میں نہ دیں۔ اگر ہار جیت کی رقم کا معاملہ ایک طرف سے ہو، مثلاً اس طرح کہ اگر فلاں ٹیم جیت گئی تو دوسری ٹیم اس کو اتنی رقم دے گی، اگر ہار گئی تو کچھ نہیں، یا کوئی تیسرا شخص انعام کا وعدہ کرے کہ جو ٹیم جیت جائے گی اس کو انعام دیا جائے گا، یہ جائز ہے، ایسی رقم مدرسہ کو دی جائے تو وہاں صرف کرنا بھی جائز ہے، یہ حکم تو رقم کا ہے۔

کبڈی اگر ورزش اور جہادی مشق کے لئے ہو، اس میں ستر نہ کھلے، نیز اس کی وجہ سے نماز میں تاخیر نہ

(۱) (السنن الکبریٰ للبیہقی: ۳۸۷/۳، رقم الحدیث: ۵۳۹۲، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(ومشکوٰۃ المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، الفصل الثانی، ص: ۲۵۵، قدیمی)

"لیس لأحد أن یأخذ مال غیره بلا سبب شرعي". (شرح المجلة لسلیم رستم، (رقم المادة: ۹۷)، المقالة الثانیة في القواعد: ۹۲/۱، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

ہو، اور بھی کوئی چیز خلافِ شرع نہ ہو تو درست ہے، ورنہ جیسی جیسی چیز اس میں خلافِ شرع ہوگی، اسی کی نسبت سے ممانعت ہوگی:

"حلّ الجعل إن شرط المال من جانب واحد، وحرم لو شرط من الجانبين، إلا إذا أدخلا ثالثاً بينهما". درمختار: ۵/۲۵۸(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۳/۹۱ھ۔

---

(۱) العبارة بتمامها: "ولا بأس بالمسابقة في الرمي والفرس والإبل، وعلى الأقدام؛ لأنه من أسباب الجهاد، فكان مندوباً ...... حلّ الجعل إن شرط المال من جانب واحد، وحرم لو شرط من الجانبين؛ لأنه يصير قماراً، إلا إذا أدخلا ثالثاً بينهما". (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۰۲، ۴۰۳، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات: ۴/۲۱۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في المسابقة: ۶/۲۲۳، إمداديه ملتان)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب السادس في المسابقة: ۵/۳۲۴، رشيديه)

"وحرم شرط الجعل من الجانبين، لا من أحد الجانبين ...... وهو قمار، فلا يجوز". (تبيين الحقائق: ۷/۶۹، مسائل شتى، دار الكتب العلمية بيروت)

"وإن شرط فيها جعل من إحدى الجانبين أو من ثالث لأسبقهما، جاز، ومن كلا الجانبين يحرم، إلا أن يكون بينهما محلل". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۴/۲۱۲، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات، غفاريه كوئٹه)

"ومنها أن يكون الخطر فيه من أحد الجانبين، إلا إذا وجد فيه محللاً، حتى لو كان الخطر من الجانبين جميعاً ولم يدخلا فيه محللاً، لا يجوز؛ لأنه في معنى القمار ...... ولو قال أحدهما لصاحبه: إن سبقتني فلك عليّ كذا، وإن سبقتك فلا شيء عليك، فهو جائز؛ لأن الخطر إذا كان من أحد الجانبين، لا يحتمل القمار". (بدائع الصنائع: ۸/۳۴۹، ۳۵۰، كتاب السباق، دار الكتب العلمية بيروت)

"كل لهو المسلم حرام إلا ثلاثة: ملاعبته أهله وتأديبه لفرسه ومناضلته بقوسه". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع: ۶/۳۹۵، سعيد) .... ــ

ہندو اور پیشہ ور عورت کا مال مدرسہ میں لگانا

سوال [۷۰۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں؟

۱..... پاکستان کے باشندے اہل ہنود اپنی حلال کمائی سے بطیب خاطر بلا جبر واکراہ ہمارے ایک اسلامی مدرسہ میں جس میں علوم دینیات کے علاوہ انگریزی وحساب وغیرہ کی تعلیم بھی ہوتی ہے، کچھ امداد کرنا چاہتے ہیں۔ واضح رہے کہ مدرسے میں مختلف قسم کے کام بھی ہورہے ہیں جیسے بیت الخلاء کا پختہ کرنا، تالاب کے گھاٹ ورسگاہ اور زمین کے صحن وغیرہ پختہ کرنا، کمروں کا بندوبست کرنا۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ اہلِ ہنود کی امداد کو مدرسہ کے ان کاموں میں لگانا درست ہے یا نہیں؟

۲..... مدرسہ میں غرباء کی تحویل بھی ہے جس میں سے غریب طلباء کی کپڑے، کتابیں ودیگر ضروریات میں امداد کی جاتی ہے، کیا اس میں بھی شرعاً اہلِ ہنود سے امداد لینا جائز ہوگا یا نہیں؟

۳..... ایک مسجد بھی ہے اسی مدرسہ کی، تو کیا تعمیری کاموں میں اہلِ ہنود کی امداد لینا درست ہے یا نہیں؟

۴..... ایک کتب خانہ بھی ہے جس کی کتابیں طلباء کو پڑھنے کے واسطے دی جاتی ہیں، مثلاً کتب حدیث وکتب تفسیر اور دیگر فنون کی کتابیں، ان اہلِ ہنود کی امداد سے خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

۵..... پیشہ کار رنڈی بازاری عورت کا مال حلال ہے یا نہیں؟ اگر حرام ہے تو اس کے حلال کرنے کی کیا صورت ہوگی؟ بینوا بالدلائل مع حوالہ کتب۔

مہر: محمد ... جمادی الاولیٰ/۹۹ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... جب وہ ثواب سمجھ کر بلا جبر واکراہ اپنی رغبت سے دیں اور کوئی مفسدہ بھی نہ ہو، لینا شرعاً درست ہے، فقہاء نے وصایائے ذمی کے متعلق یہی لکھا ہے، خاص کر جب کہ مدرسہ ومسجد کے مہتمم ومتولی ذمہ دار

"قال القاسم بن محمد: كل ما ألهى عن ذكر الله وعن الصلاة فهو من الميسر". (تفسير ابن كثير: ۳/۱۱، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في فتح القدير: ۱۰/۵۹، مسائل منثورة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

تو اس کو ان تمام مواقع میں صرف کرنا شرعاً درست ہے۔

۲...اس کا جواب بھی مثل جواب نمبر: ۱ کے ہے۔

۳...اس کا بھی یہی حکم ہے۔

۴... یہ بھی اس کی نظیر ہے:

"اعلم أن وصايا الذمي ثلاثة أقسام: الأول جائز بالاتفاق، وهو: ما إذا أوصى بما هو قربة عندنا وعنده، كما إذا أوصى بأن يسرج في بيت المقدس ..... سواء كان لقوم معينين، أو لا. والثاني باطل بالاتفاق، وهو ما إذا أوصى بما ليس قربة عندنا وعندهم، كما إذا أوصى للمغنيات والنائحات، أو بما هو قربة عندنا فقط كالحج وبناء المسجد للمسلمين، إلا أن يكون لقوم بأعيانهم، فيصح تمليكاً.

والثالث مختلف فيه، وهو: ما إذا أوصى بما هو قربة عندهم كبناء الكنيسة لغير معينين، فيجوز عنده لا عندهما، وإن لمعينين، جاز إجماعاً. وحاصله أن وصيته لمعينين يجوز في الكل على أنه تمليك له. وما ذكره من الجهة من إسراج المساجد ونحوه على الطريقة المشهورة بالالتزام، فيصنعون به ما شاءوا؛ لأنه ملكهم، والوصية إنما صحت باعتبار التمليك. زيلعي ملخصاً". شامي: ۵/۴۴۵(۱)۔

۵...جو مال زانیہ عورت کو حرام کاری کے عوض میں ملا ہے، وہ حلال نہیں، اس کے حلال ہونے کی کوئی صورت نہیں، اس کے ذمہ واجب ہے کہ واپس کردے۔ اگر معطی مرگیا تو اس کے ورثہ کو دے دے، اگر ورثہ بھی موجود نہ ہوں تو صدقہ کردے اس نیت سے کہ اللہ تعالیٰ اس کے وبال سے مجھ کو بچالے اور اس صدقہ سے ثواب کی نیت نہ کرے۔

"وفي المنتقى: امرأة نائحة أو صاحبة طبل أو زمر اكتسبت مالاً، ردّت على أربابه إن

---

(۱) (رد المحتار، كتاب الوصايا، فصل في وصايا الذمي وغيره: ۶/۶۹۱، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الوصايا، باب وصية الذمي: ۴/۶۹۸، إمدادية ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوصايا، باب وصية الذمي: ۴/۳۵۱، مكتبه غفاريه كوئٹه)

علم، وإلا تصدق به. وإن من غير شرط، فهو لها. قال الإمام الأستاذ: لا يطيب، والمعروف كالمشروط. قلت: وهذا مما يتعين الأخذ به في زماننا لعلمهم أنهم لا يذهبون إلا بأجر البتة، اهـ". شامي: ۵/۳۴(۱)۔

"مات رجل ويعلم الوارث أن أباه كان يكسب من حيث لا يحل، ولكن لا يعلم الطالب بعينه ليرد عليه، حل له الإرث، والأفضل أن يتورع ويتصدق بنية خصماء أبيه اهـ. وكذا لا يحل إذا علم عين الغصب مثلاً، وإن لم يعلم مالكه، لما في البزازية: أخذ مورثه رشوة أو ظلماً إن علم ذلك بعينه، لا يحل له أخذه حكماً، أما في الديانة فيتصدق به بنية إرضاء الخصماء، اهـ". شامي: ۴/۱۳۰(۲)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ جمادی الاولیٰ/ ۶۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد۔

طوائف کے بنائے ہوئے مکان کو مدرسہ کے لئے کرایہ پر لینا

سوال[۷۰۰۵]: ایک طوائف نے اپنی کسبی آمدنی سے ایک مکان تعمیر کیا، آیا اس مکان کو بغرض مدرسہ اسلامیہ کہ جس میں قرآن شریف وحدیث وغیرہ کی تعلیم دی جاتی ہے، کرایہ پر لینا جائز ہے یا نہیں؟ نیز مکان مذکورہ میں نماز جماعت اور منفرد ادا کرنا کیسا ہے؟ بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب۔

المستفتی: محمد شعیب بقلم خود، ۷/ ذی الحجہ/ ۵۵ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ امر ظاہر ہے کہ زنا کی اجرت حرام ہے، رنڈی اس کی مالک نہیں ہوتی، اصل مالک کو اور اس کی عدم

---

(۱) (رد المحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب في الاستئجار على المعاصي: ۶/۵۵، سعيد)

(۲) (رد المحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالاً حراماً: ۵/۹۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۸/۳۶۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۵/۳۴۹، رشيديه)

موجودگی کے وقت اس کے ورثہ کو واپس کرنا ضروری ہے، اگر ان میں سے کوئی نہ ہو یا علم نہ ہو تو تصدق بہ نیت تخلص واجب ہے۔ اگر رنڈی کے پاس حلال مال بھی تھا اور حرام بھی اور ان دونوں کے مجموعہ سے مکان کو تعمیر کیا ہے تو حرام کو حلال کے ساتھ خلط کر دینے سے ملک متحقق ہوگئی (اگرچہ حرام کا ضمان بطریق مذکور واجب ہے)۔

"وفي الفصل العاشر من التاتارخانية عن فتاوى الحجة: من ملك أموالاً غير طيبة، أو غصب أموالاً وخلطها، ملكها بالخلط، ويصير ضامناً". ردالمحتار: ۲/۳٤(۱)۔

"والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال، وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام، لا يحل له، ويتصدق به بنية صاحبه .... لو اختلط بحيث لا يتميز، يملكه ملكاً خبيثاً، لكن لا يحل له التصرف فيه ما لم يؤد بدله". ردالمحتار: ٤/۱۸۱(۲)۔

لہٰذا اس مکان کو کرایہ پر لینا اور اس میں دینی تعلیم دینا اور نماز پڑھنا منفرداً و جماعۃً درست ہے۔

اگر رنڈی کے پاس حلال مال بالکل نہ تھا، بلکہ محض حرام مال سے زمین خریدی اور مکان تعمیر کرایا تھا تو اس میں تفصیل ہے: وہ یہ کہ اگر قیمت پہلے دے دی اور حرام مال سے دی ہے اور پھر اس کے عوض میں زمین خریدی ہے تب تو اس کا کرایہ پر لینا ناجائز ہے اور اگر قیمت پہلے تو نہیں دی، لیکن اس حرام مال کو متعین کر کے مخصوص طور پر اس کے عوض میں زمین خریدی ہے اور وہی متعین کردہ حرام مال قیمت میں دے دیا تب بھی اس کا کرایہ پر لینا ناجائز ہے۔ اور ان دونوں صورتوں میں اس میں نماز پڑھنا بھی صلوۃ فی الأرض المغصوبة کے حکم میں ہے۔

اور اگر زمین خریدی ہے حرام کو متعین کر کے اور قیمت ادا کر دی غیر حرام سے یا زمین خریدی بلا تعیین حرام و حلال اور قیمت ادا کی حرام سے تو ان تینوں صورتوں میں اس کا کرایہ پر لینا اور اس میں نماز پڑھنا جائز ہے:

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب الزکوۃ، باب زکاۃ الغنم، مطلب فیما لو صادر السلطان جائراً، فنوى بذلک أداء الزكوة إليه، ۲/۲۹۱، سعید)

(۲) (ردالمحتار، کتاب البیوع، مطلب فیمن ورث مالاً حراماً: ۵/۹۹، سعید)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۸/۳٦۹، رشیدیہ)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۵/۳٤۹، رشیدیہ)

"توضیح المسئلة ما في التاترخانية حيث قال: رجل اكتسب مالاً من حرام، ثم اشترى، فهذا على خمسة أوجه: إن دفع تلك الدراهم إلى البائع أولاً، ثم اشترى منه بها، أو اشترى قبل الدفع بها ودفعها، أو اشترى قبل الدفع بها ودفع غيرها، أو اشترى مطلقاً ودفع تلك الدراهم، أو اشترى بدراهم أخر ودفع تلك الدراهم، قال أبو نصر: يطيب له، ولا يجب عليه أن يتصدق إلا في الوجه الأول، وإليه ذهب الفقيه أبو الليث، لكن هذا خلاف ظاهر الرواية، فإنه نص في الجامع الصغير: إذا غصب ألفاً فاشترى بها جارية وباعها بألفين، تصدق بالربح.

وقال الكرخي في الوجه الأول والثاني: لايطيب، وفي الثلاث الأخيرة: يطيب، وقال أبوبكر: لايطيب في الكل، لكن الفتوى الآن على قول الكرخي دفعاً للحرج عن الناس، اهـ. وفي الولوالجية: وقال بعضهم: لايطيب في الوجوه كلها، وهو المختار، ولكن الفتوى اليوم على قول الكرخي دفعاً للحرج لكثرة الحرام". رد المحتار: ۴/۲۰۳ (۱)۔

تاہم ایسے مکان کو کرایہ پر لینے سے خصوصاً تعلیمِ دین کے لئے اور اس شبہ کی وجہ سے بچنے سے احتیاط اور اجتناب بہرحال انسب وافضل ہے، من حيث الفتوى، ولا سيما في زماننا دفعاً لطعن العوام (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی معین المفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۱۲/۵۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/ ذی الحجہ/۵۳ھ۔

---

(۱) (رد المحتار، كتاب البيوع، باب المتفرقات، مطلب: إذا اكتسب حراماً ثم اشترى، فهو على خمسة أوجه: ۵/۲۳۵، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الغصب: ۳/۳۷۳، ۳۷۴، شركت علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الغصب: ۸/۲۰۶، رشيديه)

(۲) "اتقوا مواضع التهم". ذكره في الإحياء، قال العراقي في تخريج أحاديثه: لم أجد له أصلاً، لكنه بمعنى قول عمر رضي الله تعالى عنه: "من سلك مسالك الظن اتهم". ورواه الخرائطي في مكارم الأخلاق مرفوعاً بلفظ: "من أقام نفسه مقام التهم فلا يلومن من أساء الظن به". وروى الخطيب في المتفق والمفترق عن سعيد بن المسيب قال: وضع عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه ثماني عشرة كلمة

مدارسِ اسلامیہ کے لئے عیسائیوں سے امداد لینا

سوال[۷۷۰۱]: ہمارے یہاں ایک دینی مدرسہ ہے جس کی نہ کوئی ذاتی عمارت ہے اور نہ ہی حکومت سے کوئی امداد ملتی ہے، مدرسہ کے ذمہ داروں کے سامنے اس وقت مسائل درپیش ہیں۔ امید ہے کہ جناب والا شرعی حیثیت سے اس کا جواب مرحمت فرمائیں گے۔

مدرسہ کی بدحالی کو دیکھ کر بعض غیر ملکی عیسائیوں نے تمام اخراجات برداشت کرنے کا ذمہ لیا، اور ایک مدت سے وقتاً فوقتاً کچھ رقم برابر ادا کرتے رہے ہیں، جس سے مدرسہ کی عمارت، اساتذہ کی تنخواہ اور طلباء کی کفالت وغیرہ کا کام لیا جاتا ہے۔ کیا فقہی نقطۂ نظر سے عیسائیوں کی اس رقم کو ایک دینی واسلامی مدرسہ کے لئے خرچ کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کوئی بھی غیر مذہب کا آدمی اہلِ اسلام کے دینی کام کے لئے کارِ ثواب سمجھ کر روپیہ دے تو فی نفسہ اس کا لینا اور وہاں صرف کرنا شرعاً درست ہے، جب کہ اس میں کوئی مفسدہ نہ ہو(۱)۔ عیسائی لوگ جو رقم دینِ اسلام کے مدرسہ کے لئے دیتے رہتے ہیں اس سے ان کی بھی کچھ غرض ہوتی ہے، وہ علماءِ اسلام کو زیرِ احسان رکھتے ہیں، اپنے اخلاق کا اثر ڈالتے ہیں، بچوں کے اخراجات دے کر ان کو اپنے سے قریب کرتے ہیں، اپنے اسکولوں میں ان کو داخل کرنے کی ترغیب دیتے ہیں، اپنے نظریات کو دماغوں میں اتارتے ہیں، اپنے بچوں کو دینی مدرسہ میں داخل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اپنی کتابیں وہاں پڑھانے کے لئے بھیجتے ہیں، اپنا مدرس وہاں رکھنے کی تدبیریں کرتے ہیں۔ یہ سب کام بہت آہستہ آہستہ غیر محسوس طریقہ پر کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دینی تعلیم وتربیت کم ہو کر

"ومن عرض نفسه للتهمة، فلا يلومن من أساء به الظن". (كشف الخفاء، الهمزة مع الفاء المثناة، (رقم الحديث: ۸۰۸): ۱/۲۰۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "اعلم أن وصايا الذمي ثلاثة أقسام: الأول جائز بالاتفاق، وهو ما إذا أوصى بما هو قربة عندنا وعنده، كما إذا أوصى بأن يسرج في بيت المقدس ... سواء كان لقوم معينين أو لا". (رد المحتار، كتاب الوصايا، فصل في وصايا الذمي وغيره: ۶/۶۹۲، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الوصايا، باب وصية الذمي: ۴/۶۸۵، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوصايا، باب وصية الذمي: ۴/۵۰۱، مكتبه غفاريه كوئته)

عیسائی تعلیم وتربیت اس کی جگہ فروغ پاتی ہے، پھر وہ اول مخلوط مدرسہ یا اسکول بنتا ہے، پھر کالج بن جاتا ہے، اسی قسم کی خرابیوں کی وجہ سے ہمارے اکابر نے انگریز سے امداد قبول نہیں کی، اور بھی مفاسد ہیں۔

ناواقف لوگوں نے امداد قبول کی، ان کے مدرسہ کا بگڑتا ہوا حال ہم نے خود دیکھا، جہاں پہلے حدیث شریف کی تعلیم ہوتی تھی اس امداد کی نحوست سے اب دینی تعلیم کچھ نہیں رہی، اس کی جگہ انگریزی اور دوسری تعلیم نے لے لی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۲/۱۴۰۱ھ۔

غیر مسلم کی امداد دینی مدرسہ میں

سوال [۷۷۰۵]: ایک کافر دین کے مدرسہ میں کچھ کپڑے اناج یا روپیہ کی امداد کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ امداد غریب طلبہ ومسکینوں پر خرچ کردی جائے۔ اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ثواب سمجھ کر دیتا ہے اور غالب خیال یہ ہے کہ اہل مدرسہ طلبہ وغیرہ یا دیگر اہل اسلام پر اپنا احسان کا اظہار نہیں کرے گا، مداہنت اور مضرت کا اندیشہ نہیں تو لینا جائز ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

صحیح: عبداللطیف، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۷/رمضان/۶۲ھ۔

---

(۱) "مصرف الجزیة والخراج ومال التغلبي وهدیتهم ۔۔۔ مصالحنا کسد الثغور وبناء قنطرة وجسر وکفایة العلماء". (الدر المختار). "وکذا النفقة علی المساجد کما في وکالة الخانیة، فیدخل فیه الصرف علی إقامة شعائرها من وظائف الإمامة والأذان ونحوهما". (رد المحتار، کتاب الجهاد، فصل في الجزیة، مطلب في مصارف بیت المال: ۴/۲۱۰، سعید)

"واعلم أن وصایا الذمي ثلثة أقسام: الأول جائز بالاتفاق، وهو ما إذا أوصی بما هو قربة عندنا وعنده، کما إذا أوصی بأن یسرج في بیت المقدس سواء کان لقوم معینین أولا". (رد المحتار، کتاب الوصایا، فصل في وصایا الذمي وغیره: ۶/۶۹۶، سعید)

(وکذا في الهدایة، کتاب الوصایا، باب وصیة الذمي: ۴/۶۸۵، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(وکذا في مجمع الأنهر، کتاب الوصایا، باب وصیة الذمي: ۴/۴۵۱، مکتبه غفاریه کوئٹه)

ہو، وہ مستحق عہدہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۶/۲/۹۵ھ۔

جو شخص علمائے حق کو برا کہے اس کو معلم بنانا

سوال [۷۷۰۹]: زید لوگوں کو بھی ورغلاتا ہے، جس سے مسلمانوں کے درمیان فساد ہو چکا ہے اور اس کی طرف سے اب بھی فساد ہونے کا اندیشہ ہے، زید اس سے پہلے کی جامع مسجد کا امام بھی رہا ہے، مدرسہ دار العلوم کے متعلقین کو اپنی تقریروں میں وہابی اور کافر کہتا ہے، جو اشتعال پھیلا چکا ہے، جس کی وجہ سے مسجد سے علیحدہ کیا گیا تھا، صرف مدرسہ میں برائے تعلیم بعض لوگوں کی ہٹ (ضد) پر اس کو اپنے لوگوں نے مدرسہ میں رکھ لیا ہے جس کی وجہ سے اس کو موقع ورغلانے کا ملتا رہتا ہے۔ نیز بعض لوگ بھی جو اس کو یہ موقع دیتے رہتے ہیں جس سے ہر وقت فساد کا خطرہ رہتا ہے۔ ایسے شخص کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اور زید مفسد کا کیا حکم ہے؟ ایسے آدمی سے تعلیم دلانا، اس کے پیچھے اقتداء کرنا یا امام بنانا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ابن سیرین کی حدیث ابوداؤد شریف میں ہے کہ "یہ علم دین ہے، دیکھو خوب غور کرلو کس سے اپنا دین

= "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: بينما النبي صلى الله تعالى عليه وسلم في مجلس يحدث القوم، جاءه أعرابي فقال: متى الساعة؟ فمضى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يحدث، فقال بعض القوم: سمع ما قال، فكره ما قال. وقال بعضهم: بل لم يسمع، حتى إذا قضى حديثه، قال: "أين – أراه – السائل عن الساعة". قال: ها أنا يا رسول الله، قال: "فإذا ضيعت الأمانة فانتظر الساعة". قال: كيف إضاعتها؟ قال: "إذا وسد الأمر إلى غير أهله فانتظر الساعة". (صحيح البخاري: ۱/۱۴، كتاب العلم، باب من سئل علماً وهو مشتغل في حديثه، قديمی)

(۱) "عن أبي موسى رضي الله تعالى عنه قال: دخلت على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أنا ورجلان من بني عمي، فقال أحدهما: يا رسول الله! أمرنا على بعض ما ولاك الله، وقال الآخر مثل ذلك. فقال: "إنا والله لا نولي على هذا العمل أحداً سأله، ولا أحداً حرص عليه". (مشكوة المصابيح: ۲/۳۲۰، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الأول، قديمی)

حاصل کرتے ہو"(۱)۔ جیسا عالمِ دین کی تعلیم دینے والا ہوگا ویسا ہی پڑھنے والوں پر اثر پڑے گا، کیونکہ بچے اپنے استاذ کے اثر کو قبول کرتے اور اسی کے رنگ میں رنگے جاتے ہیں، لہٰذا ایسا آدمی جو جماعت کا تارک ہو، جمعہ کا تارک ہو، علمائے حق کو برا کہتا ہو، وہ ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کو استاذ اور معلم بنا کر بچوں کو ان کے سپرد کر دیا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۶/۹۳ھ۔

مہتمم کا اساتذہ وطلباء کے خطوط بلا اجازت پڑھنا

سوال[۱۱۷۷۱]: اگر کوئی مہتمم مدرسہ اساتذہ وطلباء کے آمدہ خطوط پڑھتا ہے بغیر اجازت اور کہتا ہے کہ یہ انتظامِ مدرسہ کے لئے ضروری ہیں۔ یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مہتمم اور ذمہ دار کو انتظام برقرار رکھنے کے لئے اس کی ضرورت ہے تو بطور ضابطہ وقانون اس کو شائع کردے، خواہ فارمِ داخلہ میں درج کردے تاکہ سب اس پر مطلع ہو جائیں، جس کا دل چاہے اس کو تسلیم کر کے داخلہ لے، نہ دل چاہے داخلہ نہ لے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۹/۹۴ھ۔

---

(۱) لم أجده في أبي داؤد وقد رواه مسلم في مقدمة صحيحه فقال: "عن هشام عن محمد بن سيرين قال: "إن هذا العلم دين، فانظروا عمن تأخذون دينكم". (الصحيح لمسلم: ۱/۱۱، باب بيان أن الإسناد من الدين، قديمي)

"قال: "إن هذا العلم دين": اللام للعهد، وهو ما جاء به النبي صلى الله تعالى عليه وسلم لتعليم الخلق من الكتاب والسنة وهما أصول الدين. "فانظروا عمن تأخذون دينكم" المراد الأخذ من العدول والثقات ... و"عن" متعلق "تأخذون" على تضمين معنى "تروون". (مرقاة المفاتيح، كتاب العلم، الفصل الثالث: ۱/۴۸۰، رشيديه)

(۲) مصالحِ مدرسہ کے لئے ایسے قوانین جو خلافِ شرع نہ ہوں مقرر کرنا جائز ہے، لہٰذا ایسے قوانین کی پابندی کا وعدہ جب طلباء واساتذہ نے کیا ہے تو حسبِ وعدہ ان کے لئے اس وعدہ کو پورا کرنا اور ان پر عمل کرنا ضروری ہوگا۔

قال الله تبارك وتعالى: ﴿وأوفوا بالعهد إن العهد كان مسئولاً﴾ (سورة الإسراء: ۳۴)

کامیاب ہونے پر طلبہ سے انعام وصول کرنا

سوال [۷۷۱۱]: اکثر مدرسین جب بچے اسکول میں پاس ہوجاتے ہیں تو بچوں سے انعام وصول کرتے ہیں اور کبھی کبھی پہلے ہی وصول کرلیتے ہیں، اس انعام کا لینا کسی صورت سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر طلبہ بطور خوشی کے بطور شکرانہ کے انعام دیں تو لینا درست ہے، انعام ہوتا ہی وہ ہے جو خوش ہو کر دیا جائے، مدرس کا حق نہیں، زبردستی کرنا درست نہیں (۱)۔ اگر کوئی انعام نہ دے تو اس پر طعن وغیرہ کرنا اور آئندہ اس کو حقیر سمجھنا، ذلیل کرنا، اس کے ساتھ محنت میں کمی کرنا ہرگز جائز نہیں "لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه". الحدیث (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۳/۸۸ھ۔

مہتمم اگر زکوٰۃ صحیح مصرف میں خرچ نہ کرے تو کیا ملازم اپنے طور پر صرف کرسکتا ہے؟

سوال [۷۷۱۲]: زید اور بکر دونوں دیوبند کے فارغ ہیں، زید ایک عربی مدرسہ کا ناظم ہے، اس مدرسہ میں بظاہر صدر، مہتمم، ممبران سب کچھ ہیں، لیکن مدرسہ کا سارا کام لوگوں نے زید کے سپرد کردیا ہے اور وہی سیاہ وسفید کا مالک ہے۔ مدرسہ میں زکوٰۃ، صدقات، امداد، نیز مسجد کے نام پر بھی مدرسہ کی مسجد میں رقم آتی ہے۔ زید ان تمام رقومات کو مدرسہ کے صدر اور مہتمم اور بعض ممبران کے پاس رقم دیتا ہے۔ یہ سب لوگ تاجر ہیں، مدرسہ

= "عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قلما خطبنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم إلا قال: "لا إیمان لمن لا أمانة له، ولا دین لمن لا عهد له". رواه البیهقي". (مشکوٰة المصابیح، کتاب الإیمان، الفصل الثاني، ص: ۱۵، قدیمي)

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿و لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

(۲) (السنن الکبری للبیهقي: ۳/۳۸۷، (رقم الحدیث: ۵۴۹۲)، دار الکتب العلمیة بیروت)

(ومشکوٰة المصابیح: ۱/۲۵۵، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، قدیمي)

"لیس لأحد أن یأخذ مال غیره بلا سبب شرعي". (شرح المجلة لسلیم رستم: ۱/۶۲، (رقم المادة: ۹۷)، المقالة الثانیة في القواعد، مکتبه حنفیه کوئٹه)

فاضل وقت میں عالم سے مدرسہ کا کوئی دوسرا کام لینا

سوال [۷۷۱۴]: خطۂ گجرات میں جب کسی عالم کی ضرورت ہوتی ہے کچھ شرائط لگا کر طلب کرتے ہیں، دو یا پانچ سال بعد حیلہ کر کے اسے نکالنا چاہتے ہیں، حالانکہ شرائط قبول کرنے کے بعد تا وقت .... کے لئے آتا ہے، مگر یہ ہر طرح طرح کا کام ڈال دیتے ہیں، مثلاً: فتویٰ دینے کے لئے اگر کسی کو رکھا ہے تو اگر اتفاق سے کوئی نہیں آیا تو مدرسہ کی دوسری ذمہ داری ڈال دیتے ہیں، تو اگر وہ عالم انکار کرے تو کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو معاملہ صاف صاف طے کیا جائے اس کی پابندی کے باوجود ملازم کو علاحدہ کرنے کے لئے حیلہ بہانہ کرنا اور اس پر زیادہ بار ڈالنا جائز نہیں۔ اور جب کہ اس سے ایک سال کا معاہدہ ہے تو بلا وجہ اس کو الگ بھی نہیں کرنا چاہئے (۱)، اس سے ملازم کی بددلی ہوتا ہے اور آئندہ کو کام کا آدمی بھی سہولت سے نہیں ملتا، ادارہ بھی بدنام ہوتا ہے، ادارہ میں ہمیشہ نئے نئے آدمی آنے سے خیر و برکت بھی نہیں ہوتی، ملازمین کو ادارہ کے ساتھ محبت اور ہمدردی کا تعلق بھی پیدا نہیں ہوتا۔

جس کو فتویٰ کے لئے ملازم رکھا ہے اور اس کے پاس فتوے کا کام کم ہو، وقت فاضل بچتا ہو اور مدرسہ کو ضرورت ہو تو اسباق پڑھانے سے انکار نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ اصل مقصد خدمتِ دین ہے، خواہ تدریس کی شکل میں ہو یا فتوے کی شکل میں، مگر ملازم کی طرح تھا دو کام نہیں کرنا چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/ ۹/ ۹۶ھ۔

= منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان". (الصحيح لمسلم: ۱/ ۵۱، كتاب الإيمان، باب كون النهي عن المنكر من الإيمان، قديمي)

(۱) قال الله تعالى: ﴿وأوفوا بالعهد إن العهد كان مسئولا﴾ (سورة الإسراء: ۳۴)

"عن أنس رضي الله تعالى عنه قال: قلما خطبنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم إلا قال: "لا إيمان لمن لا أمانة له، ولا دين لمن لا عهد له". رواه البيهقي". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، الفصل الثاني، ص: ۱۵، قديمي)

"واستفيد من عدم صحة عزل الناظر بلا جنحة عدمها لصاحب وظيفة في وقف بغير جنحة".

(رد المحتار: ۴/ ۳۸۲، كتاب الوقف، مطلب: لا يصح عزل صاحب وظيفة بلا جنحة، سعيد) =

مدرسے کے وقت میں چائے وغیرہ

سوال[۷۷۱۲]: مدرسے کے اوقات میں چائے وغیرہ بنانا اور ناشتہ پانی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سبق پڑھا کر طلبہ کا پورا حق ادا کردینے کے بعد اگر وقت مل جائے تو گنجائش ہے کہ اس وقت بھی چائے بنالی جائے یا ناشتہ کرلیا جائے(۱)، طلبہ کو سبق نہ پڑھا کر ان کا پورا حق ادا نہ کرکے وقت بچانا اور اس میں اپنا کام کرنا (چائے ناشتہ وغیرہ) جائز نہیں(۲)، یہ خیانت ہے۔ مدارس کا معاملہ بہت سخت ہے، ان میں قوم کا پیسہ آتا ہے، اگر وہ برمحل خرچ نہ ہو تو سب کے حقوق ذمہ میں باقی رہتے ہیں، سب سے معاف کرانا بھی دشوار ہوتا ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۷/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۹۰ھ۔

= (وكذا في البحر الرائق: ٥/٤١٣، كتاب الوقف، رشيديه)

(١) قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: "إمام يترك الإمامة لزيارة أقربائه في الرساتيق أسبوعاً أو نحوه أو لمصيبة أو لاستراحة، لا بأس به، ومثله عفو في العادة والشرع". (منحة الخالق على هامش البحر الرائق: ٥/٣٨٥، كتاب الوقف، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر: ١/٢٤٣، الفن الأول في القواعد، القاعدة السادسة: العادة محكمة، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في رد المحتار: ٤/٤١٩، كتاب الوقف، مطلب فيما إذا قبض المعلوم وغاب قبل تمام السنة، سعيد)

(٢) "وليس للخاص أن يعمل لغيره، ولو عمل نقص من أجرته بقدر ما عمل". (الدر المختار: ٦/٧٠، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير، سعيد)

(وكذا في الهداية: ٣/٣٠٨، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير، مكتبه إمداديه ملتان)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم: ١/٢٣٩، (رقم المادة: ٤٢٥)، كتاب الإجارة، الباب الأول، مكتبه حنفيه كوئٹه)

مدرسہ میں جعلی رجسٹر کی کارروائی

سوال [۷۷۱۵]: (الف) بہار میں اکثر مدارس بہار اگزامنیشن بورڈ سے ملحق ہیں، مدرسین کو مدرسہ کے علاوہ بورڈ بھی کچھ رقم دیتا ہے، لیکن اگر گرانٹ کے بموجب منجانب مدرسہ تنخواہ میں اضافہ ہوتا ہے تو معلوم ہوجانے کی صورت میں بورڈ اضافہ شدہ رقم کے مطابق تنخواہ کم کردیتا ہے، اب مدرسین حضرات اس کٹوتی کے ڈر سے کم ہی تنخواہ کا بل بورڈ کو پیش کرتے ہیں، تاکہ تنخواہ میں کٹوتی نہ ہو، حالانکہ تنخواہ زیادہ ہوتی ہے۔

(ب) ملحق مدرسہ کی کل کارروائی حکومت کے سامنے بوقت جعلی پیش کی جاتی ہے، جس میں اصل میٹنگ کی بات نہیں دی جاتی ہے، بلکہ جو عوامی فیصلہ ہوتا ہے وہ پرائیویٹ رجسٹر میں درج ہو کر الگ رہتا ہے اور مدرسہ کے مفاد کے پیش نظر حکومت کو فرضی میٹنگ اور کارروائی حقیقت کی شکل میں بنا کر پیش کی جاتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

(الف) جتنی تنخواہ کا اظہار کیا جاتا ہے وہ بطور حصر کے نہیں ہے، اس کو اصل تنخواہ قرار دے لیا جائے اور جو اضافہ ہے، اس کو خدمت زائدہ، مثلاً: طلبہ کی نگرانی، مسجد کی امامت وغیرہ کا معاوضہ تجویز کرلیا جائے تو بات صحیح رہے گی (۱)۔

(ب) جو کارروائی میٹنگ میں ہوئی وہ پیش کی جاتی ہے تو وہ کذب نہیں، اگرچہ مدرسہ میں اس پر عمل نہ ہوا ہو، وہاں تو بتایا جاتا ہے کہ میٹنگ نے یہ پاس کیا اور یہ صحیح ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۶/۹۳ھ۔

(۱، ۲) واضح رہے کہ اصل تنخواہ سے کم بتا کر زیادہ وصول کرنا درحقیقت دھوکہ ہے، اس لئے کہ حکومت کی طرف سے تنخواہ بڑھ جانے کی ملتی ہے نگرانی وغیرہ کی نہیں، تاہم اس طرح حیلہ بنا کر جواز کی حد تک تو گنجائش ہے، لیکن درحقیقت یہ دھوکہ ہی ہے جس کا ترک کرنا اولیٰ وافضل ہے:

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "من غشنا فليس منا". (الصحيح لمسلم: ۱/۷۰، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: من غشنا، قديمي)

مدرسہ کے پڑوسی کی دیوار میں نزاع

سوال[۷۷۱۹]: ایک اسلامی مدرسہ کی تعمیر ہو رہی ہے، اس وقت ذمہ داران مدرسہ نے برابر کے مکان والے سے کہا کہ تم اپنی کچی دیوار کو پختہ بناؤ، کیونکہ ہم کو اس طرف غسل خانہ وغیرہ بنانے ہیں، ایسا نہ ہو کہ دیوار وغیرہ کو نقصان پہنچ جائے۔ اس نے جواب دیا کہ میں دیوار کو تو پختہ نہیں بناتا، مگر دیوار کی جگہ آپ کو دے سکتا ہوں آپ اس کو پختہ بنالیں، مدرسہ کے ذمہ دار اس پر راضی ہوگئے، مگر انہوں نے کہا اس دیوار سے تم کو فائدہ ہوگا، کیوں کہ اس طرف تمہارا مکان ہے، اس دیوار کی نصف اینٹوں کا خرچہ تم کو دینا ہوگا، مگر صاحب مکان نے انکار کر دیا۔

پھر ذمہ داران مدرسہ نے کہا کہ اچھا مزدوری میں جو پچاس روپیہ خرچ ہوگا، اس کا نصف ۲۵/ روپیہ تو آپ کو ضرور دینا ہوگا، اس پر صاحب مکان راضی ہوگیا۔ پھر مکان کی جگہ میں دیوار فریقین کے اتفاق سے تیار ہوگئی، مزدوری کا نصف نصف روپیہ بھی لینا دینا ہوگیا، اور معاملہ صاف ہوگیا۔

تعمیر کے وقت دیوار میں صاحب مکان کی جانب انگیٹھی الماریاں بھی فریقین کی رضامندی اور موجودگی میں تیار کرادی گئی۔ اس کے بعد فریقین میں کسی بات پر تنازع ہوگیا، اور ایک دوسری کی مخالفت شروع ہوگئی۔ چونکہ مدرسہ کے اراکین میں بھی تبدیلی ہوگئی، یہ بھی تنازع کا سبب بن گیا۔ اب مدرسہ کے ذمہ دار کہتے ہیں کہ دیوار مدرسہ کی ہے، آپ کا اس میں کوئی حق نہیں، لیکن صاحب مکان نے دیوار میں سابقہ معاملہ اور معاہدہ کی بنا پر اپنا حق سمجھتے ہوئے دیوار سے متصل اپنا کوٹھہ بنالیا ہے اور اس کے اوپر اپنے مکان کے لینٹر کی اینٹیں رکھ دیں اور الماری وانگیٹھی سے فائدہ اٹھانا شروع کر دیا، تقریباً چار سال سے تنازعہ ہو رہا ہے، جس وقت سے کہ مدرسہ کا عمل بدلا ہے۔

دریافت کرنا یہ ہے کہ آیا صاحب مکان کے لئے مدرسہ کی دیوار پر لینٹر کی اینٹیں رکھنا اور اس سے فائدہ حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو اس کے تصفیہ کی شرعی صورت کیا ہوگی؟ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اگر کوٹھے کو گرادیا جائے یا ہٹا دیا جائے تو اس میں صاحب مکان کا بے حد نقصان ہے، تصفیہ کی شرعی شکل سے مطلع فرمائیں تاکہ فریقین کے لئے باعث اطمینان ہو اور عمل درآمد ہوسکے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب مکان والے نے دیوار کے لئے مدرسہ کو جگہ دیدی تو وہ جگہ مدرسہ کی ہوگئی(۱)، پھر اہلِ مدرسہ کا اس سے اینٹوں کی قیمت یا مزدوری کا مطالبہ کرنا غلط تھا(۲)، کیونکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ دیوار کو مشترک قرار دینا چاہتے تھے جو ہمیشہ کے لئے نزاع کی جڑ ہے۔ اب بہتر صورت یہ ہے کہ جس قدر مزدوری اس سے لی تھی یعنی (پچیس) روپیہ وہ اس کو واپس کردیں اور اپنی دیوار بنا کر، یا پائے اٹھا کر لینٹر اس پر رکھوادے تاکہ مدرسہ اگر وہاں سے اپنی دیوار کسی وقت ہٹانا چاہے تو اس کے لینٹر اور تعمیر کو نقصان نہ پہونچے اور مدرسہ کی دیوار پر اس کا کوئی حق تصرف نہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۳/۹۵ھ۔

پانی کے نل کی درستگی کے لئے دوسروں سے پیسہ لینا

سوال[۷۷۹۱]: ہمارے یہاں اسکول میں ایک نل ہے، اس کا پانی پینے کے لئے عالم صاحب نے اپنے ہاتھ سے نل کھدوایا، بعد اس کے ٹھیک نہیں رہ سکا اور مستری بلا کر اس کو ٹھیک کیا اور مستری کو پیسہ دینے کے لئے

---

(۱) "فإذا تم ولزم، لا يملك ولا يملّك ولا يعار ولا يرهن". (الدر المختار). "أي لا يكون مملوكاً لصاحبه .... ولا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه".

(رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۲، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۲/۶۴۰، كتاب الوقف، شركة علمية ملتان)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۲/۳۵۰، كتاب الوقف، الباب الأول، رشيديه)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

"عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۵، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، قديمي)

"ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلا سبب شرعي، وإن أخذه ولو على ظن أنه ملكه، وجب عليه رده". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۶۲، رقم المادة: ۹۷، المقالة الثانية في القواعد، مكتبه حنفيه كوئٹه)

ہر صاحب علم سے ذاتی پیسہ بڑھا لیا۔ کیا یہ جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس نے نل خراب کیا درست کرانا بھی اس کے ذمہ ہے(۱)، دوسروں سے جو پیسہ لیا درست نہیں(۲)۔ ہاں: اگر دوسرے لوگ اس کو درست کرانے کی اجرت خوشی سے دے دیں تو دوسری بات ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۱/۸۹ھ۔

مدرسۃ البنات کا قیام و دیگر سوالات

سوال[۷۷۱۸]: ۱… کیا سلف نے دینی مدرسہ عورتوں اور بچیوں کے متعلق قائم کیا ہے؟

۲… اس دور میں جب کہ طلباء وطالبات اسکولوں وکالجوں میں داخل ہوتے ہیں دینی مدارس کا قیام درست ہے؟

۳… ایسے مدرسہ میں غیر محرم کا قیام شرعاً کیسا ہے؟

۴… اس وقت کوئی مدرسہ ایسا قائم کریں جہاں بچیاں قیام کر کے تعلیم حاصل کر سکیں، نیز دین کی حفاظت لڑکیوں میں کس طرح ممکن ہے؟

---

(۱) "إذا اجتمع المباشر والمتسبب يضاف الحكم إلى المباشر". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۵۶، رقم المادة: ۹۰، المقالة الثانية في القواعد، مكتبه حبيبيه كوئٹه)

(وكذا في قواعد الفقه، ص: ۵۳، الصدف پبلشرز)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

"عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۵، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، قديمي)

"لا يجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي، وإن أخذه ولو على ظن أنه ملكه، وجب عليه رده". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۶۲، رقم المادة: ۹۷، المقالة الثانية في القواعد، مكتبه حبيبيه كوئٹه)

۵... لڑکیوں کا وعظ کرنا بذریعہ لاؤڈ اسپیکر کیسا ہے؟

۶... عورتوں کی اصلاح کا بہترین طریقہ اس زمانہ میں کون سا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... سلف صالحین میں بچوں کو دینی تعلیم دینے کا عام رواج تھا کہ ماں باپ یا دیگر اعزہ خود تعلیم دیا کرتے تھے، ان کے لئے مستقل مدارس یا ادارے نہیں تھے۔

۲... غلط تعلیم اور اس کے اثرات سے بچوں کو روکنے اور محفوظ رکھنے کے لئے اب بھی یہی صورت اختیار کی جائے کہ جب تک سیانی نہ ہوں، ان کی تعلیم کے لئے مستقل ادارہ بھی کھولا جا سکتا ہے جس میں ان کی تعلیم بھی ہو اور تربیت بھی ہو، غیر دینی تعلیم ہر حال میں مضر ہے(۱)۔

---

(۱) حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ "کفایت المفتی" میں بنات کی تعلیم سے متعلق رقمطراز ہیں کہ: "ماں باپ کے اوپر اولاد کی تربیت کی ذمہ داریاں جو غذا، لباس اور تادیب وتعلیم سے تعلق رکھتی ہیں چند درجات پر مشتمل ہیں: فرائض وواجبات شرعیہ کی تعلیم فرض ہے اور حسن اخلاق، امور خانہ داری اور روزگار اور پیشہ وغیرہ کی تعلیم شرائط مذکورہ بالا کے ساتھ درجات کے مطابق مستحب ومباح ہے"۔

اس سے چند سطر پہلے تحریر فرماتے ہیں کہ: "معاملہ یہ کہ لڑکیوں کے اسکول صرف لڑکیوں کے لئے مخصوص ہونے چاہئیں اور ان سے لئے اسکولوں میں جمع ہونے اور آمد ورفت کے ایسے طریقے اختیار کئے جائیں کہ فتنہ کا احتمال باقی نہ رہے، نیک کردار... پاکدامن عورتوں کو تعلیم وتربیت کی خدمت کے لئے مقرر کیا جائے۔ اگر معلمات نہ مل سکیں تو مجبوراً نیک اور صالح قابل اعتماد مردوں کو متعین کیا جائے اور ان کی کڑی نگرانی کی جائے۔ قریب البلوغ لڑکیاں عورتوں کے حکم میں ہیں، جس طرح بالغ عورت کی آواز پردہ ہے تو اسی طرح ان کی آواز بھی پردہ ہے"۔

نیز فرماتے ہیں کہ: "سن بلوغ کی کم عمر سے کم نو سال اور زیادہ سے زیادہ پندرہ سال ہے، یعنی نو سال کی لڑکی کا بالغ اور مکلف ہو جانا ممکن ہے لڑکیوں کے لئے ستر عورت کا حکم یہ ہے کہ ستر واجب ہو جاتا ہے اور دس سال کی لڑکی تو ستر کے حکم میں مثل بالغ عورت کے ہے، ہو سکتا ہے کہ "قسم کبالغ" صاحب رد المحتار فرماتے ہیں: "أی عورتها تكون بعد العشرة كعورة البالغين"۔

اور صاحب رد المحتار نے وجہ مشتہاۃ کو اس طرح بیان کیا ہے:

"واختلفوا في حد المشتهاة، وصحح الزيلعي أنه لا اعتبار بالسن عن السبع على ما قيل أو التسع، وإنما المعتبر أن تصلح للجماع بأن تكون عبلة ضخمة، والعبلة المرأة التامة الخلق" (كفايت—

۳..... چھوٹی اور نابالغ بچیاں بغیر محرم کے بھی پڑھنے کے لئے آسکتی ہیں، جب کہ کوئی خطرہ نہ ہو(۱)۔

۴..... ہمارے اطراف میں بیشتر مستورات اپنے اپنے مکانات میں بچیوں کو تعلیم دیتی ہیں مگر جس طرح بیرونی لڑکوں کے لئے قیام وطعام اور وظائف کا انتظام ہے کہ وہ دور دور سے آکر رہتے ہیں اور کئی کئی سال قیام کر کے پورا درس پڑھ کر عالم وفاضل ہو کر جاتے ہیں، یہ صورت لڑکیوں کے لئے نہیں ہے اور نہ اس کی ضرورت ہے۔

۵..... لڑکی جب بالغہ ہو جائے یا قریب البلوغ ہو تو اس کو مستورات میں اس طرح وعظ کہنا کہ اس کی آواز نامحرم مرد بھی سنتے ہوں نہیں چاہئے (۲)۔

= المفتی، کتاب العلم، تیسرا باب تعلیم نسواں: ۲/۷۴، دار الاشاعت کراچی)

"وفي الخلاصة الفتاوى: امرأة تتعلم القرآن من الأعمى، أو تعلمت من المرأة أحب"

(خلاصة الفتاوى، كتاب الصلوة، جنس آخر: ۱/۱۰۳، امجد اكيدمي لاهور)

"وإذا كان الشرع أذن للمرأة أن تتعلم ما ينفعها في أمر دينها ودنياها، فيجب أن يكون هذا التعليم بمعزل عن الذكور، وبمنأى عنهم، حتى يسلم للبنت عرضها وشرفها، وحتى تكون دائماً حسنة السمعة، كريمة الخلق، كثيرة الاحترام". (تربية الأولاد في الإسلام، مسؤولية المربي الجانب التعليمي: ۱/۲۷۳، دار الإسلام للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت)

(۱) شریعت مطہرہ نے پردہ بالغ عورتوں پر فرض کیا ہے، کیونکہ وہاں پر غالب یہ ہے کہ فتنہ پیدا ہو، جب کہ چھوٹی بچیوں کے لئے پردہ شرعاً لازم نہیں، لیکن اگر یہاں بھی خوف فتنہ ہو تو بھی احتیاط ضروری ہے:

"(وتمنع) المرأة الشابة (من كشف الوجه بين رجال) لا لأنه عورة بل (لخوف الفتنة) . . . . فحل النظر منوط بعدم خشية الشهوة مع عدم العورة". (الدر المختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "(لا عورة للصغير جداً) وكذا الصغيرة كما في السراج، فيباح النظر والمس كما في المعراج"

(رد المحتار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، مطلب في ستر العورة: ۱/۴۰۶، ۴۰۷، سعيد)

(۲) "نغمة المرأة عورة، وتعلمها القرآن من المرأة أحب. قال عليه الصلوة والسلام: "التسبيح للرجال، والتصفيق للنساء" فلا يحسن أن يسمعها الرجل. اهـ. وفي الكافي: ولا تلبي جهراً؛ لأن صوتها عورة، ومشى عليه في المحيط في باب الأذان، بحر. قال في الفتح: وعلى هذا لو قيل: إذا جهرت بالقراءة في الصلوة فسدت، كان متجهاً، ولهذا منعها عليه الصلوة والسلام من التسبيح بالصوت لإعلام الإمام =

۶..... عورتوں کے شوہر، والد، چچا، بھائی، ماموں سب ہی فکر کرکے ان کی تعلیم و تربیت کے لئے کوشش کریں، اچھے طور پر ان کو پڑھائیں، ان شاء اللہ تعالیٰ بہت ہی فائدہ ہوگا۔ مگر یہ اس وقت ہوسکتا ہے جب ان کے مردوں میں بھی علم و اخلاق کی روشنی موجود ہو اور ان کو فکر بھی ہو، اگر وہ خود ہی بے بہرہ ہوں تو کیا فکر کریں گے اور کیا تعلیم و تربیت کرسکیں گے، وہ تو کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بھیج کر تباہ ہی کریں گے، اس لئے مردوں میں دینی اخلاق و فکر پیدا ہونا ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۵/۹۳ھ۔

مدرسہ کے طلباء وطالبات کی امداد اور ان کو بُرے الفاظ کہنا

سوال [۱۰۰۰۱]: زید ایک ہمدردِ قوم ہے، بہت سے طلباء وطالبات کی خود بھی امداد کرتا ہے اور دوسروں سے بھی کراتا ہے۔ کیا زید کا یہ عمل قابلِ طعن ہے؟ کیا ان لڑکے اور لڑکیوں کو زید کا غلام، لونڈی، بیوی، معشوق اور محبوب بولنا صحیح ہے، یا الزام اور بہتان ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص محض اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لئے علمِ دین حاصل کرنے والے طلباء اور طالبات کی امداد کرتا ہے، ذاتی و نفسانی خواہش ومفاد پیشِ نظر نہیں، تو اللہ کے نزدیک اس کا رتبہ بہت بلند ہے اور بہت بڑے اجر و ثواب کا مستحق ہے (۱)۔ اس کے لئے طعن وملامت کا لفظ بولنا جائز نہیں، بے بنیاد الزام اور تہمت لگانا حرام

= بسهوه إلى المصنف. اهـ. وأقره البرهان الحلبي في شرح المنية الكبير، وكذا في الإمداد، ثم نقل عن خط العلامة المقدسي: ذكر الإمام أبو العباس القرطبي في كتابه في السماع: ولا يظن من لا فطنة عنده أنا إذا قلنا صوت المرأة عورة أنا نريد بذلك كلامها، لأن ذلك ليس بصحيح، فإنا نجيز الكلام مع النساء للأجانب ومحاورتهن عند الحاجة إلى ذلك، لما في ذلك من استمالة الرجال إليهن وتحريك الشهوات منهم، ومن هذا لم يجز أن تؤذن المرأة. اهـ". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب في ستر العورة: ۱/۴۰۶، سعيد)

(۱) قال الله تعالى: ﴿الذين ينفقون أموالهم في سبيل الله ثم لا يتبعون ما أنفقوا مناً ولا أذى، لهم أجرهم عند ربهم، ولا خوف عليهم ولا هم يحزنون﴾. (سورة البقرة: ۲۶۲)

اور کبیرہ گناہ ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۳/۹۵ھ۔

سفیرِ مدرسہ کے ورثاء کو بطورِ امداد کچھ رقم دینا

سوال [۷۶۷۲]: زید ایک دینی درسگاہ میں سفیر کی حیثیت سے تھے، موصوف نہایت ہی مستعدی کے ساتھ کارِ سفارت (چندہ وغیرہ) انجام دیتے تھے، لیکن بقضائے الٰہی کچھ دنوں بیمار رہ کر اس دارِ فانی سے رحلت کر گئے۔ اراکینِ مدرسہ نے زید موصوف کے ورثہ کو ایامِ علالت کی تنخواہ کے علاوہ اس بات کا فیصلہ کیا کہ منجانب مدرسہ کچھ رقم ورثائے زید کو دے دی جائے تاکہ ان لوگوں کو فی الوقت پریشانی سے دوچار ہونا نہ پڑے۔

اب دریں مسئلہ علمائے دین سے سوال یہ ہے کہ آیا زید کے ایامِ مرض کی تنخواہ کے علاوہ جو ان کے ورثاء کو اراکینِ مدرسہ نے دینے کا فیصلہ کیا ہے وہ شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں جائز ہے یا نہیں؟

الف: اگر فیصلہ شدہ رقم ورثائے زید کو دینا جائز ہے تو اسے تنخواہ میں شمار کیا جائے گا یا محض امداد ہوگا؟

ب: اور کیا اراکینِ مدرسہ یا مہتمم کو اس بات کا حق ہے کہ متعلقینِ مدرسہ کی وفات کے بعد ان کے ورثاء کو علاوہ ان کی تنخواہ کے کچھ امداد کے طور پر دے سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مدرسہ کی رقم ملازمِ مدرسہ کی ملازمت ختم ہونے پر اس کے ورثاء کو بطورِ امداد دینے کا

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ومن یکسب خطیئۃً أو إثماً ثم یرم بہ بریئاً فقد احتمل بہتاناً وإثماً مبیناً﴾ (سورۃ النساء: ۱۱۲)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿یٰأیہا الذین اٰمنوا اجتنبوا کثیراً من الظن إن بعض الظن إثم، ولا تجسسوا، ولا یغتب بعضکم بعضاً﴾ (سورۃ الحجرات: ۱۲)

"عن أبی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول: "اللعانون لا یکونون شہداء ولا شفعاء یوم القیامۃ". رواہ مسلم". (مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۴۱۱، کتاب الآداب، باب حفظ اللسان، الفصل الأول، قدیمی)

حق نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

امام ومدرس کی بدچلنی کا علم ہوتے ہوئے لوگوں کو واقف نہ کرنا

سوال[۱۰۲۲۷]: ایک آدمی کسی مسجد کے امام اور مدرسہ کے مدرس کے متعلق بدچلنی جانتا ہے، اس کی چال چلن کے بارے میں موضع والوں کو آگاہ نہ کرے، جب کہ تمام آدمی اس کے پیچھے نماز ادا کرتے ہیں اور موضع کے لڑکے لڑکیاں مدرسہ میں پڑھنے جاتے ہیں جب کہ وہ آدمی اس امام کو بدچلن جانتا ہے۔ ایسے آدمی پر کیا فتویٰ عائد ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس کا مقصد یہ ہے کہ امام کا عیب ظاہر نہ ہو اور لوگوں کی نظروں میں وہ ذلیل نہ ہو، بلکہ تنہائی میں اس کو نصیحت کردے اور امام بدچلنی سے باز آجائے، توبہ کرے تو اس شخص کا یہ طریقہ درست اور بہتر ہے(۲)۔

---

(۱) یہ رقم وقف نہیں، البتہ متعین مدرسہ کے طلباء کے لئے ہے، جب مصرف متعین ہو گیا اور مصرف میں صرف کرنا درست نہیں۔

"وقف مصحفاً على أهل مسجد للقراءة إن يحصون، جاز، وإن وقف على المسجد جاز، ويقرأ فيه". (الدر المختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "(قوله: إن يحصون، جاز) هذا الشرط مبني على ماذكره شمس الأئمة من الضابط وهو أنه إذا ذكر للوقف مصرفاً، لابد أن يكون فيهم تنصيص على الحاجة حقيقة كالفقراء، أو استعمالاً بين الناس كاليتامى والزمنى". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: متى ذكر للوقف مصرفاً لابد أن يكون فيهم تنصيص على الحاجة: ۴/۳۶۵، سعيد)

کیونکہ یہ وقف کا مال ہے، اور وقف کا مال کسی کو تملیک دینے کا حق نہیں۔

"فإذا تم ولزم، لايملك ولايملك ولايعار ولايرهن". (الدر المختار). "(قوله: لايملك): أي لايكون مملوكاً لصاحبه. (ولايملك) أي لايقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه". (رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

(۲) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه، عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، ص: ۴۳۶، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول، قديمي) =

اور اگر کوئی دوسرا مقصد ہے تو اس کو ظاہر کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۱/۹۳ھ۔

عربی پڑھ کر سرکاری مدرسہ میں ملازمت

سوال[۱۷۷۲۲]: دارالعلوم اور مظاہر علوم کے فارغین امتحانِ فاضل دے کر سرکاری مدرسہ یا اسکول میں داخل ہو رہے ہیں، پبلک مدرسہ چھوڑ کر تنخواہ کم ہونے کی وجہ سے۔ اس بارے میں حضرت والا کی رائے مبارک کیا ہے، جب کہ تنخواہ اتنی کم ہے جس سے گزارہ نہیں ہوتا، حقوق ادا کرنا مشکل ہو رہے ہیں؟

ابو بکر، ۹۳، پورک۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

علم دین تو دین درست کرنے، دین کی خدمت کرنے اور خدا کو راضی کرنے کے لئے حاصل کیا جاتا ہے، اس کی تحصیل کے بعد اگر فاضل وغیرہ کا امتحان دیکر سرکاری اسکول میں ملازمت کریں اور تنخواہ زیادہ ہو مگر اصل مقصد تو حاصل نہ ہوگا، جس کے لئے مدرسہ میں قیام کیا، وظیفہ لیا، پڑھا، لیکن اس تنخواہ کو ناجائز نہیں کہا جائے گا جب کہ تعلیم میں خلافِ شرع چیز پڑھانا نہ ہو(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۳/۹۳ھ۔

= "وينبغي للآمر والناهي أن يرفق، ليكون أقرب إلى تحصيل المطلوب، فقد قال الإمام الشافعي: من وعظ أخاه سراً فقد نصحه وزانه، ومن وعظه علانيةً فقد فضحه وشانه". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح: ۸/۸۶۰، ۵۱۳۷، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، رشيديه)

(وكذا في حاشية النووي على صحيح مسلم: ۱/۵۱، كتاب الإيمان، باب كون النهي عن المنكر من الإيمان، قديمي)

(۱) تنخواہ چونکہ اس کے عمل کی اجرت ہے، اس لئے نفس تنخواہ میں کوئی قبح نہیں۔ "والإجارة لاتخلو: إما أن تقع على وقت معلوم أو على عمل معلوم، فإن وقعت على عمل معلوم ... إن كان يصلح تولُّه دون آخره فتجب الأجرة بمقدار ما عمل، وإذا وقعت على وقت معلوم، فتجب الأجرة بمضي الوقت". (النتف في الفتاوى، ص: ۳۳۸، كتاب الإجارة، سعيد)

"ثم الأجرة تستحق بأحد معان ثلاثة: إما بشرط التعجيل أو بالتعجيل أو باستيفاء المعقود عليه". (الفتاوى العالمكيرية: ۴/۴۱۳، كتاب الإجارة، الباب الثاني في بيان أنه متى تجب الأجرة، رشيديه) =

مدرسین کے لئے مسجد کی جماعت سے پہلے نماز پڑھنے کا فیصلہ

سوال[۷۷۲۳]: مدرسہ مچھنگ باڑی نے یہ فیصلہ کیا کہ مدرسین نماز ظہر علیحدہ جماعت سے پہلے پڑھ لیں اور پھر تعلیم شروع کردیں، حالانکہ مدرسین وقفہ میں جماعت سے پہلے نماز پڑھتے تھے، وقفہ ایک بجے سے دو بجے تک رہتا تھا، اب ساڑھے بارہ بجے سوا بجے تک کردیا۔ ایسے حضرات کے لئے کیا حکم ہے؟ اسکول میں جہاں سنت مؤکدہ حکماً ترک کردی جائے، چرم قربانی زکوۃ وغیرہ دینی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کی جماعت میں مدرسین کو شرکت کی اجازت دی جائے (۱)، جتنا وقت اس میں صرف ہو اس کی تلافی شروع یا آخر میں ہوسکتی ہے۔ ترک جماعت کا جو فیصلہ کیا گیا ہے وہ قابلِ تنفیذ نہیں، اس کو واپس لیا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۳/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۳/۹۰ھ۔

= (وكذا في الدر المختار: ٦/١٠، كتاب الإجارة، سعيد)

(۱) فرض نماز کا مسجد میں پڑھنا الگ سنت ہے اور اس کا جماعت کے ساتھ پڑھنا الگ سنت ہے، لہٰذا صورتِ مذکورہ میں ایک سنت کا ترک لازم آتا ہے، اسی طرح صورتِ مذکورہ میں ترکِ مسجد کی بناء پر مسجد کے ثواب سے بھی محروم ہوگا:

"عن أبي الأحوص قال: قال عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه: لقد رأيتنا وما يتخلف عن الصلوة إلا منافق قد علم نفاقه، أو مريض، إن كان المريض ليمشي بين رجلين، حتى يأتي الصلوة. وقال: إن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم علّمنا سنن الهدى، وإن من سنن الهدى، الصلوة في المسجد الذي يؤذن فيه". (الصحيح لمسلم، كتاب الصلوة، باب فضل جماعة المسجد: ١/٢٣٢، قديمي)

"(والجماعة سنة مؤكدة للرجال) .... (وقيل: واجبة، وعليه العامة) .... (على الرجال العقلاء البالغين الأحرار القادرين على الصلوة بالجماعة من غير حرج)". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ١/٥٥٦، سعيد)

"وسئل الحلواني عمن يجمع بأهله أحياناً: هل ينال ثواب الجماعة؟ فقال: لا، ويكون بدعةً ومكروهاً بلا عذر". (فتح القدير، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ١/٣٤٥، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "عن النواس بن سمعان رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا طاعة =

یوم عاشورہ کی تعطیل مدارس میں

سوال [۴۲۶۶]: ۹، ۱۰/ محرم کو اس اطراف کے مدارس میں اکثر بیشتر چھوٹے لڑکے پڑھنے نہیں آتے اور بڑے لڑکے عربی خواں طلبہ میں سے بھی بعض طلبہ پڑھنے سے گریز کرتے ہیں اور بعض طوعاً وکرہاً شریک درس ہوتے ہیں۔ پس اس صورت میں ان تاریخوں میں تعطیل کرنا کیسا ہے؟ زید کہتا ہے کہ ان دنوں میں روزہ مسنون ومستحب ہے، پس ان دنوں میں روزہ رکھا جائے اور اسی کے ضمن میں تعطیل کر دی جائے جیسا کہ رمضان میں تعطیل ہوتی ہے۔ اور عمر کہتا ہے کہ درست نہیں، تعطیل میں اہل تشیع واہل بدعت کا تشبہ لازم آتا ہے، کہ وہ ان دنوں میں کاروبار چھوڑ کر ماتم، مرثیہ وغیرہ میں مشغول ہوتے ہیں اور کاروبار کو معیوب سمجھتے ہیں۔ ان میں سے کس کا قول صحیح ہے؟ بہر کیف شریعت کی روشنی میں جو حکم ہو صاف صاف مدلل بیان فرمایا جاوے۔

نیز قطع نظر لڑکوں کے آنے نہ آنے اور قطع نظر روزہ رکھنے اور نہ رکھنے کے تعطیل کرنا کیسا ہے؟ جواب مدلل مع حوالہ عنایت ہو۔

محمد یٰسین، مدرس مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور، ضلع اعظم گڑھ۔

— لمخلوق في معصية الخالق". (مشكوة المصابيح، ص: ۳۲۱، كتاب الإمارة والقضاء، قديمي)

"وعن علي رضي الله تعالى عنه، عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "لا طاعة لمخلوق في معصية الله عز وجل". (مسند أحمد: ۱۲۰/۲، (رقم الحديث: ۱۰۹۸)، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"وذكر الجزري في أسنى المطالب بسنده عن علي رضي الله تعالى عنه قال: دعاني رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فقال: "يا علي! إن فيك من عيسى مثلاً أبغضه اليهود حتى بهتوا أمه، وأحبه النصارى حتى أنزلوه بالمنزلة التي ليس بها" فقال علي كرم الله وجهه: إنه يهلك في محب مطرئ يقرظني بما ليس في، ومبغض مفتر يحمله على أن يبهتني، ألا! وإني لست بنبي ولا يوحى إلي، ولكني أعمل بكتاب الله وسنة رسوله صلى الله تعالى عليه وسلم ما استطعت فما أمرتكم من طاعة الله فحق عليكم طاعتي فيما أحببتم أو كرهتم، وما أمرتكم بمعصية الله أنا أو غيري، فلا طاعة لأحد في معصية الله، إنما الطاعة في المعروف. حديث حسن رواه الحاكم في صحيحه، وقال: صحيح الإسناد ولم يخرجاه اهـ".

(مرقاة المفاتيح، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الثاني: ۲۴۳/۷، رشيدية)

الجواب حامداً ومصلیاً:

دسویں محرم کو روزہ کی فضیلت حدیث شریف سے ثابت ہے(۱)، اور بھی متعدد خصوصیات اس دن کی وارد ہوئی ہیں (۲)، لیکن اس دن میں تعطیل کرنا اور کاروبار یا ادارہ کو بند رکھنا روافض کا شعار ہے جس سے

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: ما رأيت النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يتحرى صيام يوم فضله على غيره إلا هذا اليوم: يوم عاشوراء، وهذا الشهر، يعني رمضان" (مشكوة المصابيح، كتاب الصوم، باب صيام التطوع، الفصل الأول، ص: ۱۷۸، قديمي)

"عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قدم المدينة فوجد اليهود صياماً يوم عاشوراء، فقال لهم رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "ما هذا اليوم الذي تصومونه"؟ قالوا: هذا يوم عظيم أنجى الله فيه موسى وقومه، وغرق فرعون وقومه، فصامه موسى شكراً، فنحن نصومه. فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "فنحن أحق وأولى بموسى منكم". فصامه رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وأمر بصيامه". (الصحيح لمسلم، كتاب الصوم، باب صوم يوم عاشوراء: ۱/۳۵۹، قديمي)

(۲) چنانچہ لکھا ہے: قال الفقيه أبو الليث السمرقندي رحمه الله تعالى: "ثنا الحاكم أبو الحسن علي بن الحسين السردري، حدثنا أبو جعفر أحمد بن حاتم، حدثنا يعقوب بن جندب عن حامد عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من صام يوم عاشوراء من المحرم، أعطاه الله تعالى ثواب عشرة آلاف ملك. ومن صام يوم عاشوراء من المحرم، أعطي ثواب عشرة آلاف حاج ومعتمر وعشرة آلاف شهيد. ومن مسح يده على رأس يتيم يوم عاشوراء، رفع الله تعالى له بكل شعرة درجة. ومن فطر مؤمناً ليلة عاشوراء، فكأنما أفطر عنده جميع أمة محمد عليه الصلوة والسلام وأشبع بطونهم". قالوا: يا رسول الله لقد فضل الله يوم عاشوراء على سائر الأيام؟ قال: "نعم، خلق الله تعالى السموت والأرضين يوم عاشوراء، وخلق الجبال يوم عاشوراء، وخلق البحر يوم عاشوراء، وخلق اللوح والقلم يوم عاشوراء، وخلق آدم يوم عاشوراء، وخلق حواء يوم عاشوراء، وخلق الجنة، وأدخله الجنة يوم عاشوراء، وولد إبراهيم يوم عاشوراء، ونجاه الله من النار يوم عاشوراء، وقد أمر بالذبح يوم عاشوراء، وفدى ولده من الذبح يوم عاشوراء، وأغرق فرعون يوم عاشوراء، وكشف البلاء عن أيوب يوم عاشوراء، وتاب الله على آدم يوم عاشوراء، وغفر ذنب داود يوم عاشوراء، ورد —

— ملک سلیمان یوم عاشوراء، وولد عیسی في یوم عاشوراء، ورفع الله إدریس وعیسی یوم عاشوراء، وولد النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم في یوم عاشوراء، ویوم القیامة في یوم عاشوراء.

"حدثنا محمد بن الفضل، حدثنا محمد بن جعفر، حدثنا إبراهیم بن یوسف، حدثنا المسیب بن أبي بکر عن عکرمة رضي الله تعالیٰ عنه قال: یوم عاشوراء هو الیوم الذي تیب فیه علی آدم، وهو الیوم الذي أهبط فیه نوح من السفینة فصامه شکراً، وهو الیوم الذي أغرق فیه فرعون وفلق البحر لبني إسرائیل فصاموه، فإن استطعت أن لایفوتک صومه فافعل.

قال: حدثنا محمد بن الفضل، حدثنا محمد بن جعفر، حدثنا إبراهیم بن یوسف، حدثنا سفیان عن إبراهیم عن محمد بن منتشر قال: بلغنا أن: "من وسّع علی عیاله یوم عاشوراء وسّع الله علیه سائر السنة". قال سفیان: جرّبناه فوجدناه کذلک.

وروی سعید بن جبیر عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما قال: قدم النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم المدینة فوجد الیهود یصومون یوم عاشوراء، فسألهم عن ذلک فقالوا: إن هذا الیوم أظهر الله فیه موسیٰ وبني إسرائیل علی قوم فرعون، فنحن نصومه تعظیماً له. فقال النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "نحن أولیٰ بموسیٰ منکم" فأمر بصومه.

ثم اختلفوا في تفسیر هذا الیوم، قال بعضهم: إنما سمي عاشوراء؛ لأنه عاشر یوم من المحرم، وقال بعضهم: لأن الله تعالیٰ أکرم فیه عشرةً من الأنبیاء بعشر کرامات: تاب الله علی آدم یوم عاشوراء، وولد إبراهیم علیه السلام في یوم عاشوراء، واتخذه خلیلاً وأنجاه من النار کذلک، وتاب الله علی داود یوم عاشوراء، ورفع الله عیسیٰ یوم عاشوراء، وأنجی الله موسیٰ من البحر وأغرق فرعون یوم عاشوراء، وأخرج یونس من بطن الحوت یوم عاشوراء، ورد ملک سلیمان یوم عاشوراء، وولد النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یوم عاشوراء.

قال بعضهم: إنما سمي عاشوراء؛ لأنه عاشر عشر کرامات أکرم الله بها هذه الأمة: أولها: شهر رجب وهو شهر الله الأصم، وإنما جعله کرامةً لهذه الأمة، وفضله علی سائر الشهور کفضل هذه الأمة علی سائر الأمم. والثاني: شهر شعبان وفضله علی سائر الشهور کفضل النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم علی سائر الأنبیاء علیهم الصلوة والسلام. والثالث: شهر رمضان وفضله علی سائر الشهور کفضل الله تعالیٰ علی خلقه. والرابع: لیلة القدر، وهي خیر من ألف شهر. والخامس: یوم الفطر، وهو یوم الجزاء. —

اجتناب لازم ہے: "من تشبہ بقوم، فھو منھم" (۱) اور "من کثر سواد قوم، فھو منھم". الحدیث (۲)۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے "ماثبت بالسنۃ" میں اس تاریخ کی خصوصیات اور بدعات کو جمع فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ فلاں بات اصل ہے اور فلاں بات بے اصل ہے۔ جیسے کہ فی نفسہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا ذکر مباح ہے ممنوع نہیں، لیکن یوم عاشورہ میں خصوصیت سے ذکر کرنا تشبہ روافض کی وجہ سے ممنوع ہے:

"سئل عن ذکر مقتل الحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی یوم عاشوراء: یجوز أم لا؟ قال: لا؛ لأن ذلک من شعار الروافض"۔

عامۃً اسلامی اداروں میں جمعہ کے روز تعطیل ہوتی ہے، اتوار کی تعطیل سے اسی لئے منع کیا جاتا ہے کہ اس روز غیر مسلم تعطیل کرتے ہیں۔

رہا ۹، ۱۰/ روزہ رکھ کر تعطیل کرنا اور اس کا سبب روزہ کو قرار دینا محل خیر ہے، ذی الحجہ کے نو دن میں بھی روزہ کا ثبوت ہے (۳)، ۱۵/ شعبان میں بھی روزہ کا ثبوت ہے (۴)، شوال میں چھ روزوں کا ثبوت ہے (۵)،

= والسادس: أیام العشر، وھی أیام ذکر اللہ تعالیٰ. والسابع: یوم عرفۃ، وصومہ کفارۃ سنتین. والثامن: یوم النحر، وھو یوم القربان. والتاسع: یوم الجمعۃ، وھو سید الأیام. والعاشر: یوم عاشوراء، وصومہ کفارۃ سنۃ، فلکل وقت من ھذہ الأوقات کرامات جعلھا اللہ تعالیٰ لھذہ الأمۃ لتکفیر ذنوبھم وتطھیر خطایاھم". (تنبیہ الغافلین، باب فضل یوم عاشوراء، ص: ۱۸۲، ۱۸۳، رشیدیہ)

(۱) (مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۳۷۵، کتاب اللباس، الفصل الثانی، قدیمی)

(۲) والحدیث بتمامہ: "عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول: "من کثر سواد قوم فھو منھم، ومن رضی عمل قوم کان شریکاً لمن عملہ". (المطالب العالیۃ بزوائد المسانید الثمانیۃ: ۳۲/۲، مکۃ المکرمۃ)

(۳) "عن ھنیدۃ بن خالد عن امرأتہ عن بعض أزواج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قالت: کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یصوم تسع ذی الحجۃ، و یوم عاشوراء، وثلاثۃ أیام من کل شھر، أول اثنین من الشھر والخمیس". (سنن أبی داؤد: ۳۳۸/۱، کتاب الصوم، باب فی صوم العشر، إمدادیہ ملتان) =

ہر ماہ میں ایامِ بیض کے روزوں کا ثبوت ہے (۱)، پیر اور جمعرات کے روزوں کا ثبوت ہے (۲)، کہاں تک رمضان کی رعایت کرکے تعطیل کی جائے گی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ربیع الثانی/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۷/ربیع الثانی/ ۶۷ھ۔

یومِ عاشورہ کی تعطیل

سوال [۷۷۰۵]: یومِ عاشورہ کی تعطیل اسلامی مدارس میں کرنی چاہیے کہ نہیں؟ دارالعلوم دیوبند میں عشرہ محرم کی چھٹی ہوتی ہے یا نہیں؟

ڈاکٹر سجاد خان میگل گنج کھیری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عاشورہ محرم کی تعطیل دارالعلوم میں نہیں ہوتی، اسلامی مدارس ومکاتب میں اس کی تعطیل نہ

---

(۴) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يصوم حتى نقول: لا يفطر، ويفطر حتى نقول: لا يصوم، وما رأيت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم استكمل صيام شهر إلا رمضان، وما رأيته أكثر صياماً منه في شعبان". (صحيح البخاري: ۱/۲۶۴، كتاب الصوم، باب صوم شعبان، قديمي)

(۵) "عن أبي أيوب صاحب النبي صلى الله تعالى عليه وسلم عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "من صام رمضان ثم أتبعه بست من شوال، فكأنما صام الدهر". (سنن أبي داود: ۱/۳۳۰، كتاب الصوم، باب في صوم ستة أيام من شوال، إمداديه)

(۱) "عن أنس أخي محمد عن أبي ملحان القيسي عن أبيه قال: كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يأمرنا أن نصوم البيض: ثلث عشرة وأربع عشرة وخمس عشرة. قال: وقال: "هن كهيئة الدهر" (سنن أبي داود: ۱/۳۳۲، كتاب الصوم، باب في صوم الثلث من كل شهر، إمداديه)

(۲) "عن حفصة رضي الله تعالى عنها قالت: "كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يصوم ثلاثة أيام من الشهر: الإثنين والخميس والإثنين من الجمعة الأخرى" (سنن أبي داود: ۱/۳۳۲، كتاب الصوم، باب من قال: الإثنين والخميس، إمداديه)

کی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱/۲۵ھ۔

تعلیم کی غرض سے بچوں سے نعت پڑھوانا

سوال [۷۷۲۱]: تعلیم کی غرض سے چھوٹے چھوٹے بچوں کو صبح کے وقت نعت حضور پر نور پڑھوایا جاتا ہے تاکہ بچوں کو شوق ہو اور دوسرے بچے تعلیم کے لئے آئیں۔ یہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام مستقل قربت وسعادت ہے۔ بچے اور بڑے سب ہی پڑھا کریں۔ مگر ادب واحترام کا تقاضا یہ ہے کہ ہر ایک جداگانہ تنہائی میں بیٹھ کر پڑھے۔ آواز ملا کر جس میں گانے اور قوالی کا طرز پیدا ہو جائے نہ پڑھیں۔ نعت کا بھی یہی حال ہے۔ ترانے کے طور پر پڑھنے سے اس میں لہو ولعب کی شان پیدا ہو جاتی ہے۔ اس سے پوری احتیاط چاہیے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۱۱/۷ھ۔

مدرسہ ہے یا چوپال

سوال [۷۷۲۲]: ۱..... ایک چوپال (۲) موضع شورم ﷲ پورکش میں مسجد سے ملحق ہے جس میں ہمیشہ سے دینی تعلیم ہوتی چلی آرہی ہے، اس کی مرمت مسجد کے پیسوں سے ہوتی ہے۔ جائز یا ناجائز؟

۲..... وقتاً فوقتاً مسلمانوں کی بارات آتی ہے تو بچوں کی چھٹی ایک دو روز کی کردی جاتی ہے۔

۳..... تمام مسلمان ہمیشہ خوش رہے ہیں اور امداد دیتے ہیں، کسی نے سر نہیں اٹھایا۔

۴..... اس بستی میں تقریباً ڈیڑھ ہزار مسلمان جو مدرسہ سے تعلق رکھتے ہیں، اس مدرسہ کا نام

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "یوم شوریٰ کی تعطیل مدارس میں")

(۲) "چوپال: بیٹھک، نشست گاہ، گاؤں کا وہ چھتا ہوا مکان جس میں لوگ مل کر بیٹھتے ہیں"۔ (فیروز اللغات، ص: ۵۳۹، فیروز سنز لاہور)

بدرالعلوم ہے۔

چند پارٹی اور شرپسند جن کی تعداد ۱۰، ۵ ہوگی، اقتدار کی خواہش میں مدرسہ میں دخل انداز ہوگئے۔ اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ چوپال سنگھ (۱) تماشے کے لئے ہوتی ہے، اس میں مدرسہ کا کیا کام ہے؟ فی الحال اس مدرسہ میں دو سو سے زیادہ بچے اور چار مدرس ہیں۔ اور وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ عمارت کی دیواروں پر جو مدرسہ کا نام لکھا ہوا ہے اس کو مٹا دیں۔ ان کا یہ بھی خیال ہے کہ عدالتی کارروائی کریں۔ انہوں نے درخواست دی ہے اور پولیس تحقیقات کے لئے آئی اور پولیس افسر نے تمام محلے والوں سے تصدیق کی ہے، سب مسلمانوں نے کہا کہ اس میں ہمیشہ سے تعلیم ہوتی چلی آرہی ہے۔

وہ بھی یہ کہہ کر گئے ہیں کہ اس میں سے مدرسہ نہیں ہٹایا جائے گا، بلکہ ہمیشہ ہمیشہ مدرسہ رہے گا۔ تو اس جگہ کے بارے میں آپ کا خیال کیا ہے، مدرسہ ہے یا چوپال؟ مفصل جواب دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حقیقت حال تو خود ہی کو معلوم ہے، لیکن بظاہر صورت اور طرز عمل سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جگہ مدرسہ ہے، اس میں دینی تعلیم ہوتی ہے اور مسجد کے پیسے سے اس کی مرمت کی جاتی ہے، کسی تقریب کے موقع پر اس کو مدرسہ سے عاریت پر لے کر مہمانوں کو ٹھہرایا جاتا ہے اور تعلیم کی چھٹی کردی جاتی ہے، یہ تعلقات کی رواداری کی بات ہے اس سے یہ کہنا کہ یہ چوپال ہے، مدرسہ نہیں بظاہر درست نہیں۔ بلکہ ظاہر تو یہ ہے کہ مسجد سے متعلق مدرسہ ہے اس وجہ سے مسجد کے پیسے سے مرمت کی جاتی ہے اور دینی تعلیم کو وہاں سے ختم نہ کیا جائے گا، وہ مدرسہ کا نام جو دیوار پر لکھا ہوا ہے، اس کو نہ مٹایا جائے گا، اور شرکو حسن تدبیر سے ختم کیا جائے گا (۲)۔

---

(۱) "سا تھی، شخص، دلدار، انکا ساتھی تھا"۔ (فیروز اللغات ص: ۴۹۱، فیروز سنز لاہور)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ادفع بالتي هي أحسن﴾ (سورة حم السجدة: ۳۴)

قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالى تحت هذه الآية: "أي ادفع السيئة حيث اعترضتك من بعض أعاديك بالتي هي أحسن منها وهي الحسنة" (تفسير روح المعاني، (سورة حم السجدة: ۳۴): ۲۴/۱۲۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

آپس میں نزاع کے اندر بہت خرابی ہے، اس کے نتائج بھی نہایت خراب ہوتے ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم واصبروا إن الله مع الصبرين﴾ (سورة الأنفال: ۴۶)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "إياكم وسوء ذات البين، فإنها الحالقة". رواه الترمذي". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر، الفصل الثاني، ص: ۴۲۸، قديمي)

قال الملا علي القاري تحت حديث آخر: "وقال بعض المحققين: أي لاتشتغلوا بأسباب العداوة، إذ العداوة مما لا اختيار فيه، فإن البغض عبارة عن نفار النفس عما يرغب عنه، وأوله الكراهة، وأوسطه النفرة، وآخره العداوة". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۵۰۲۸): ۸/۷۶۱، رشيدية)